NOVEMBER 2011

ماہنامہ

کرن

اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ

عید الاضحی کے پکوان

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	6000 روپے

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37 - اردو بازار کراچی

نومبر 2011

جلد 34 شمارہ 8

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37-اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: khawateendigest@hotmail.com , info@khawateendigest.com

مدیرہ

اداریہ

نومبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

دینِ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔ جس میں فریضۂ حج اسلام کا ایک اہم اور صاحبِ استطاعت پر لازمی رُکن ہے۔ حج اعترافِ بندگی، قربِ الٰہی، اتحادِ امّت اور مساواتِ انسانی کا عظیم مظہر ہے۔ جہاں رنگ و نسل کے امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ اس عظیم مقدس فرض کی ادائیگی کے ذریعے حجاج کرام سنّتِ ابراہیمی کا اتباع کرتے ہوئے اس عظیم قربانی کی یاد تازہ کرتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیلؑ کی اپنے ربِ عظیم کے سامنے پیش کر کے عبدیت کا مخلصانہ و عاجزانہ اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو نا صرف شرفِ قبولیت بخشا بلکہ حکمِ ربّی کے تحت حضرت اسماعیلؑ کی جان بھی بچ گئی۔

عیدالاضحی اسی عظیم اور بے مثال قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیے عالمِ اسلام میں 10 ذی الحج کو بڑے جوش و خروش سے منائی جاتی ہے۔ ایثار و قربانی کا جذبہ ہی قربانی کی اصل روح ہے اور قربانی کا مفہوم اسی صورت پورا ہو سکتا ہے جب ہم اس جذبے کی روح کو سمجھیں اور قربانی کو نمود و نمائش کا ذریعہ نہ بنائیں اور قربانی کے گوشت کی تقسیم کے وقت مذہبی اور معاشی اقدار کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاصِ نیّت کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئین کرام کو عیدالاضحی کی دلی مبارک باد۔

اس شمارے میں،

- اداکارہ "آمنہ محب"، سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "غزالہ جاوید"، دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- "آواز کی دُنیا"، ایف ایم کے پریزنیٹر "سرمد خان"، کی باتیں،
- "مجھ سے ملیے"، شاہین ملک کی باتیں،
- ایف ایم کے آر جے "نعمان سعود"، سے نایاب جیلانی کی گفتگو،
- فوزیہ یاسمین اور نبیلہ عزیز کے سلسلے وار ناول،
- نایاب جیلانی اور اُمِ مریم کے مکمل ناول،
- "رودادِ قفس"، میں روشنی بخاری کا دلچسپ ناولٹ "آرزو عیب نہیں"،
- سفینہ یاسمین اور شیریں ملک کے ناولٹ،
- سیّدہ صنوبار یہ ساحر، غزالہ جلیل راؤ، سمیرا حمید، مہوش اقبال، مہک رباب، نادیہ یوسف اور ماہ وش کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "عیدالاضحی کے پکوان"، ہر شمارے کے ساتھ مفت حاصل کریں۔

حمد باری تعالیٰ

جب قدم راہِ بطحا پہ ڈالے گئے
سب مسافر غموں سے نکالے گئے

جب گئے بارگاہِ رسالتؐ میں ہم
پھول دامن میں رحمت کے ڈالے گئے

اپنی آنکھوں سے دیکھا مدینے کو جب
سارے ارمان دل کے نکالے گئے

غم ہوئے پیش آقا کی خدمت میں جب
درد خوشیوں کے سانچے میں ڈھالے گئے

نام احمدؐ کا جب آ گیا ذکر میں
مرحلے سب مصیبت کے ٹالے گئے

وقتِ ہجرت زمانے کا جو کچھ بھی تھا
کر کے سب کچھ علیؓ کے حوالے گئے

بھیک مانگو کہ مضطرؔ وہی در تو ہے
جن کے در پر سبھی دُنیا والے گئے

مضطر بخاری

نعت رسول مقبولؐ

رستے میں مسافر کو تری یاد اگر ہے
پُر لطف سفر ہے وہی پُر لطف سفر ہے

چلنے کا مزا آتا ہے اس راہ گزر میں
کیا خوب تیری راہ گزر، راہ گزر ہے

تیرے بنا بنتا نہیں ہے کام کسی کا
محتاج ترا دہر میں ہر فرد و بشر ہے

تیرے ہی کرم سے ہیں شب و روز منوّر
ہے شام اگر تیری تو تیری ہی سحر ہے

کوئی نہیں در ایسا جہاں ملتا سکوں ہو
عالم کے لیے جائے اماں تیرا ہی در ہے

بن مانگے عطا کرتا ہے وہ شان ہے تیری
کیا کس کو ضرورت ہے تجھے سب کی خبر ہے

پاتا ہے سکوں آ کے ترے گھر میں ہر انساں
محفوظ ہر اک رنج و بلا سے ترا گھر ہے

صدیق فتح پوری

آمنہ محب مرزا سے ملاقات

شاہین رشید

آمنہ محب نے اس فیلڈ میں بحیثیت ڈائریکٹر کے قدم رکھا اور پھر آہستہ آہستہ اداکاری کی طرف بھی رحجان ہو تا گیا اور جب انہوں نے اداکاری شروع کی تو سچ پوچھے ایسا لگتا تھا کہ اب دو چار ڈراموں کی بات ہے یہ دوبارہ ڈراموں میں نظر آنہیں آئیں گی۔ کیونکہ اداکاری میں کوئی نیاپن اور کوئی پختگی نہیں تھی۔ لیکن پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس فنکارہ نے بہت تیزی سے امپروو کیا اور اس کی اداکاری میں "آرٹ مووی" کی فنکاراؤں والا رنگ آتا گیا اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ـــــ ایک دن ڈرامہ انڈسٹری میں چھا جائیں گی اور ہر پروڈیوسر اور ڈائریکٹر انہیں اپنے ڈرامے میں بک کرنا چاہے گا۔

آج آمنہ محب ہر دوسرے ڈرامے میں نہایت منجھی ہوئی اداکاری کے ساتھ نظر آتی ہیں اور ڈرامے کی کامیابی کی ضمانت بھی۔ ایسی ہی پیاری سی اداکارہ سے ہم نے کرن کی قارئین کے لیے کچھ باتیں کیں جو آپ کی نذر ہیں۔

☼ "کیسی ہیں آمنہ ـــــ آج کل کیا چل رہا ہے؟"

★ "اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں اور کیا چل رہا ہے تو آپ اسکرین پہ دیکھ ہی رہی ہوں گی کہ کیا چل رہا ہے۔"

☼ "ڈرامہ سیریل "دام "میرا سائیں" اور پھر "ایک ہتھیلی پہ حنا اک ہتھیلی پہ لہو" دیکھ کر ایسا لگا کہ جیسے بالی ووڈ کی کوئی فنکارہ ہمارے ملک میں آگئی ہو؟"

★ "ارے بہت شکریہ آپ کی تعریف کا! ہم اپنے ملک کا ٹیلنٹ ہیں اور ہمارے ملک میں بہت اچھے اچھے فنکار ہیں۔"

☼ "آپ کی اداکاری میں "آرٹ مووی" کی اداکاراؤں والا رنگ بہت نمایاں ہے۔ میں کہہ رہی ہوں یا لوگ کہتے ہیں؟"

★ "یہ بات آپ نے ہی مجھ سے کی ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ لوگ میری اداکاری کو بہت پسند کرتے ہیں اور سچ پوچھیں تو میں نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت محنت کی ہے۔ میں ہر کردار کرنے سے پہلے اس کا بھرپور مشاہدہ کرتی ہوں اور پھر وہ کردار کرتی ہوں۔"

☼ "مثلاً" کچھ بتانا چاہیں گی؟"

★ "مثلاً" جب میں نے ٹیلی فلم "بھاگ آمنہ بھاگ" کیا تو یونہی نہیں کرلیا تھا بلکہ ایک ٹرینر ہائر کیا تھا جس کے ساتھ میں بڑی باقاعدگی کے ساتھ ایکسرسائز کرتی تھی تاکہ میں سچ مچ بھاگ سکوں اور مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ اس طرح جب میں نے ڈرامہ سیریل "ام کلثوم" کیا تو اس میں میرا کردار حافظہ کا تھا۔ آپ یقین کریں کہ میں نے باقاعدہ قرات کی کلاسز لیں تاکہ جب میں پرفارم کروں تو مجھے کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور کسی اور آواز کا سہارا نہ لینا پڑے۔ حالانکہ ڈرامے میں قرات کا پورشن بہت کم تھا۔ محنت کے بعد ہی تو پھل ملتا ہے اور محنت کا پھل ہی مزے دار ہوتا ہے۔"

☼ "کوئی ایسا کردار ہے آپ کی نظر میں جو اس طرح محنت مانگے اور جس کو کرنے کی آپ کو خواہش بھی بہت ہو؟"

★ "ہاں کیوں نہیں، میں ایک گنجی لڑکی کا کردار کرنا چاہتی ہوں اور اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں ضرور کروں گی اور سیاست دان خاتون کا بھی رول کرنا چاہوں گی یہ بھی بہت اچھا اور پاور فل رول ہوگا۔"

☼ "گویا سیاست سے بھی دلچسپی ہے؟"

★ "جی نہیں بالکل نہیں 'سیاست سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے' مجھے نہ محب کو 'زندگی میں کیا دیگر پریشانیاں اور ٹینشن کم ہے کہ سیاست سے دلچسپی لے کر مزید اس میں اضافہ کرلیں۔"

☼ "یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ لوگ آج کل کے حالات سے بالکل غافل ہوں؟"

★ "بالکل غافل بھی نہیں ہیں۔ سن گن تو رہتی ہے۔ پھر گھر والے بھی تبصرے ' تجزیے کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر ہم نے خود سے انفارمیشن حاصل کرنے یا نیوز چینل دیکھ کر ٹینشن لینے کی کوشش نہیں کی۔"

☼ "آمنہ آپ نے اس فیلڈ میں بحیثیت ڈائریکٹر کے قدم رکھا۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ اگر آپ آج بھی بحیثیت ڈائریکٹر کے کام کر رہی ہوتیں تو اتنی ہی مقبول ہوتیں؟"

★ "اسکرین پہ رہنے اور اسکرین کے پیچھے رہنے میں

فرق تو پڑتا ہے میں مشہور تو یقیناً" ہوتی لیکن شاید اتنی نہیں جتنی کہ اب ہوں۔ ہمارے یہاں صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون کیسا پرفارم کر رہا ہے کون کیسا پرفارم کروا رہا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا۔ ہمارے آج کل کے ڈائریکٹر بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور انہی کی وجہ سے ہمارا معیار بڑھا ہے اور لوگ شوق سے ڈرامے دیکھنے لگے ہیں۔ تو بہر حال فرق تو پڑتا ہے اسکرین کے آگے رہنے سے۔"

✱ "مستقبل میں پھر دوبارہ ڈائریکشن کی فیلڈ میں آنے کا ارادہ ہے؟"

★ "فی الحال تو ساری توجہ اداکاری کی طرف ہے۔ بہت مزا آرہا ہے اور مزید انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ اچھے اچھے رول کرنا چاہتی ہوں اور سب سے منفرد نظر آنا چاہتی ہوں۔ جہاں تک ڈائریکشن کی بات ہے تو اِن شاء اللہ ایک فلم بنانے اور ڈائریکٹ کرنے کا ارادہ ہے۔ مگر قبل از وقت کچھ کہنا مناسب نہیں ہے۔"

✱ "لوگ پہچان کر گھیر ڈالتے ہیں اور ماڈلنگ بھی تو آپ نے کی ہے کچھ اس کے بارے میں بھی بتائیں؟"

★ "دلچسپ بات بتاؤں ..... مجھے بہت کم لوگ پہچانتے ہیں اور جب تک لوگ مجھے پہچانیں میں ان کے پاس سے گزر چکی ہوتی ہوں۔ بہت کم پہچاننے کی وجہ یہ ہے کہ میں بہت ہی سادگی کے ساتھ بغیر کسی میک اپ کے گھر سے نکلتی ہوں۔ تو جب لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شکل آمنہ سے مل رہی ہے آمنہ تھوڑی دور جا چکی ہوتی ہے۔

آپ نے ماڈلنگ کی بات کی تو سچ پوچھیں تو مجھے ماڈلنگ میں بھی بہت مزا آتا ہے اور میں ایکٹنگ اور ماڈلنگ دونوں کو جاری رکھنا چاہتی ہوں۔ البتہ ریمپ میں ماڈلنگ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔"

✱ "تنقید ہوتی ہے آپ کے ڈراموں پہ؟"

★ "منہ پر تو کوئی تنقید نہیں کرتا..... لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اپنی غیر موجودگی میں بھی میں نے اپنے لیے تنقید بہت کم سنی ہے۔ اگر اچھی تنقید ہو یعنی پوزیٹو تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے کیونکہ مجھے امپرو۔ کرنے کا موقع ملتا ہے اور تعریف ہو تو پھر تو کیا ہی بات ہے..... بہت اچھا لگتا ہے۔ بہت خوشی ہوتی ہے اور مزید اچھا کام کرنے کو دل چاہتا ہے۔ تنقید اور تعریف مجھے دونوں بہت پسند ہیں اور دونوں بہت ضروری بھی ہے۔"

✱ "کبھی سوچا تھا کہ ایک دن ملک کی نامور فنکارہ بن جائیں گی؟"

★ "کون سوچتا ہے اتنی دور کا..... اور انسان کو کب پتا ہوتا ہے کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ بچپن کے خواب کچھ اور ہوتے ہیں اور بڑے ہونے کے بعد کچھ اور ہو جاتے ہیں۔ میں جب چھوٹی تھی تو مجھے ڈاکٹری اور مصوری کا پروفیشن بہت متاثر کرتا تھا اور میں یہی سوچتی تھی کہ میں تو ڈاکٹر بنوں گی اور جب کالج کی دنیا میں آئی تو آرٹ' فوٹوگرافی اور پروڈکشن سے دلچسپی ہو گئی تو جناب انسان کے مزاج بدلتے رہتے ہیں۔"

✱ "ڈائریکشن اور پروڈکشن کے بعد اداکاری..... اس سے آگے کی منزل؟"

★ "اس سے آگے کی منزل جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ فلم ہو گی۔ ان شاء اللہ۔"

✱ "اپنے ابتدائی کام کے بارے میں بتائیں کہ کیا کیا کیا آپ نے؟"

★ "سوچ اور شوق انسان کے بدلتے رہتے ہیں۔ تو ابتدا تو میں نے تھیٹر سے کی اور اپنی تعلیم کا رخ بھی اس طرف موڑ لیا بلکہ یہ کہوں تو غلط نہ ہو گا کہ پہلے میں نے فلم اور ٹی وی پروڈکشن میں گریجویشن کیا اور اس کے بعد تھیٹر کی طرف آئی۔"

✱ "تو تھیٹر ہی کیوں؟ ڈائریکٹ ٹی وی کیوں نہیں؟"

★ "تھیٹر اس لیے کہ میرے دوستوں کا ایک ڈرامہ گروپ تھا "ڈرامہ باز" کے نام سے اور چونکہ ہم سب ساتھ پڑھتے تھے تو غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ تو ان کے ساتھ اداکاری کر کے اداکاری کرنے کا شوق مزید پروان چڑھا ..... اور ڈائریکشن کا بھی سوچا کہ کیوں نہ پھر اس پروفیشن کی تعلیم حاصل کی جائے اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ جیسے ہی میں اپنی تعلیم مکمل کر کے پاکستان آئی مجھے "جیو" ٹی وی میں جاب مل گئی۔"

✱ "کس حیثیت سے ..... کیا عہدہ تھا آپ کا؟"

★ "مجھے پروڈیوسر ڈائریکٹر کی جاب ملی اور مجھے پروگرام "بچے من کے سچے" کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس کے میزبان محب تھے اور محب کو میں پہلے سے جانتی تھی جب ہم تھیٹر کیا کرتے تھے تو انہوں نے بھی کچھ ڈرامے کیے تھے ..... یہ پروگرام کافی عرصہ کیا۔ کچھ کام رمنا شی اور خالد انعم کے ساتھ بھی کیا۔"

✱ "کل تک یعنی آج سے دس بارہ سال پہلے اس فیلڈ کو کوئی پروفیشن نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی اس کو پروفیشن بنانا پسند کرتا تھا۔ مگر اب کافی تبدیلی آگئی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟"

★ "شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ دس بارہ سال پہلے اس کا کوئی اسکوپ نہیں تھا ہمارے ملک میں اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پاس کچھ کرنے کے لیے' کچھ دکھانے کے لیے چینلز نہیں تھے' لیکن جب ملک میں چینلز کا جال بچھ گیا تو کام کرنے والوں کی ضرورت پیش آئی اور پھر بطور پروفیشن اس کو سنجیدگی سے لیا گیا اور آپ دیکھیں کہ تھوڑے ہی عرصے میں ــ زیادہ ٹیلنٹ ہمارے سامنے آیا ہے۔ کسی بھی کام کو کرنے کے لیے اگر پلیٹ فارم مل جائے تو پھر کھل کر ٹیلنٹ سامنے آتا ہے اور ہمارے یہاں تو ٹیلنٹ کی بالکل بھی کمی نہیں ہے۔"

✱ "گزرے زمانے کا فنکار تو اپنا جیب خرچ بھی پورا نہیں کر پاتا تھا۔ مگر اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

★ "صحیح کہہ رہی ہیں..... اب سب کو کام مل رہا ہے اور سب بہت اچھا کما رہے ہیں اور اس لیے لوگ اب اس فیلڈ میں آنا زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ اب یہ فیلڈ اداکاری سے کہیں آگے نکل گئی ہے۔ بہت وسیع ہو گئی ہے اور جس میں جو ٹیلنٹ ہے وہ اپنے آپ کو وہاں ایڈجسٹ کر رہا ہے۔"

✱ "لڑکیوں اور خواتین کے لیے یہ پروفیشن کیسا ہے آپ کے خیال میں؟"

★ "کوئی پروفیشن برا نہیں ہوتا اگر انسان خود برا نہیں ہے۔ اچھے انسان کے لیے ہر پروفیشن اچھا ہے۔ اگر آپ میں ٹیلنٹ ہے' خود اعتمادی ہے۔ تو اس پروفیشن کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں ہے..... لوگوں کی کیا بات وہ تو ہر حال میں لڑکی کے کام پر اعتراض کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو سب کا مقابلہ کرنا چاہیے..... آپ دیکھیں کہ صرف اداکاری میں ہی نہیں بلکہ ہر شعبے میں لڑکیاں اپنے ٹیلنٹ کے ساتھ کتنا آگے نکل گئی ہیں۔"

✱ "آمنہ کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

★ "کیا بتاؤں' سب کچھ آپ کو پتا ہے..... 29 اگست کو نیویارک میں پیدا ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد فیملی عمان شفٹ ہو گئی۔ پھر پاکستان آگئے۔"

✱ "دل نہیں چاہا مستقل طور پر کہیں شفٹ ہونے کو؟"

★ "کافی عرصہ ملک سے باہر ہی گزارا ہے..... اب تو یہاں ہی رہنا ہے۔ کیونکہ سب کچھ ملک سے ملا ہے۔ شہرت' عزت' دولت..... اچھا پروفیشن' اچھا شوہر' اچھا سسرال تو اب انہی کے ساتھ میری زندگی ہے۔"

✱ "جو وقت اب گزرا ہے وہ کیسا گزرا یاد آتا ہے سب کچھ؟"

★ "جو وقت گزرا بہت اچھا گزرا اور سب کے ساتھ یادیں وابستہ ہیں اور کیوں نہیں ہر گزرا وقت انسان کو یاد آتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے اور جو زندگی میں آج کل گزار رہی ہوں وہ بھی بہت حسین ہے۔ بہت کچھ دیا ہے۔ اللہ نے سب سے خوب صورت تحفہ محب کی شکل میں دیا ہے۔ میں اپنی ازدواجی زندگی سے بہت خوش اور بہت مطمئن ہوں۔"

* "بہن بھائی..... اور فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟"

★ "بہن بھائیوں میں دو بڑے بھائی ہیں اور ایک چھوٹی بہن ہے۔ میری فیملی کا تعلق پنجاب کے شہر گوجرانوالہ سے ہے اور گھر میں پنجابی ہی بولی جاتی ہے۔ میری پیدائش نیویارک میں ہوئی۔"

* "اور پھر شادی؟"

★ "شادی 2005ء میں ہوئی اور ہماری پسند کی شادی ہے اور اگرچہ میں محب کو پہلے سے جانتی تھی یعنی میں نے دیکھا ہوا تھا لیکن پروگرام "بچے من کے سچے" کے دوران زیادہ اچھے طریقے سے انڈر اسٹینڈنگ ہوئی اور پھر شادی ہو گئی' کیونکہ جوڑ تو آسمانوں پہ لکھے ہوتے ہیں۔"

* "آپ کی فٹنس کا راز کیا ہے؟"

★ "ایکسر سائز..... زیادہ سے زیادہ سلاد کھانا..... فاسٹ فوڈ سے دور رہنا' تلے ہوئے کھانوں سے بھی دور..... یہی فٹنس کا راز ہے۔ ویسے ہڈی بھی کچھ ایسی ہے کہ جو مجھے موٹا نہیں ہونے دیتی۔"

* "فاسٹ فوڈ نہیں کھانا..... مرغن غذائیں نہیں کھانا..... تو پھر آپ کھاتی کیا ہیں؟"

★ "بریانی مجھے بہت پسند ہے بس یہ ایک واحد چیز ہے کہ جس کو دیکھ کر میں اپنا ہاتھ نہیں روک سکتی..... باقی چیزوں پر پھر بھی صبر آجاتا ہے۔ مگر بریانی پہ نہیں۔"

* "آپ نے جب اداکاری کی ابتدا کی تو ٹیلی فلمز میں ہی کام کیا۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

★ ہنستے ہوئے..... "سیریز کی آفرز ہی نہیں آتی تھیں..... ٹیلی فلمز کی آفر آتی تھیں تو میں خوشی خوشی کر لیتی تھی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ ڈائریکٹرز کو میرا کام پسند آنے لگا اور اب تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں کہ ماشاء اللہ کتنی سیریز کر چکی ہوں۔"

* "ترجیح کیا ہے ٹیلی فلمز یا سیریز؟"

★ "کچھ نہیں..... مجھے دونوں میں کام کرنا پسند ہے اور جہاں اچھا رول ہو گا' میں انکار نہیں کروں گی۔ دونوں میں کام کرنے کا اپنا مزا ہے۔"

* "ڈرامے کی آفر آتی ہے تو کس چیز کو اہمیت دیتی ہیں؟"

★ "سب سے پہلے اسکرپٹ' اپنا رول اور پھر ڈائریکٹر..... یہ تینوں میری مرضی کے ہوتے ہیں تو میں آفر قبول کرتی ہوں ورنہ پھر انکار کر دیتی ہوں۔"

* "کچھ یاد ہے کہ پہلی کمائی کیا تھی اس فیلڈ کی؟"

★ "کمرشل کی پہلی کمائی تو یاد نہیں البتہ ڈرامے کی پہلی کمائی جو کہ ایک ٹیلی فلم سے تھی وہ 20 ہزار تھی۔"

* "اب تک کیے گئے ڈراموں میں پسندیدہ ڈرامہ کون سا ہے؟"

★ "میں تو کرتی ہی اس ڈرامے میں کام ہوں جو مجھے پسند آتا ہے۔ تو میں نے اب تک جتنے بھی ڈرامے کیے ہیں خواہ وہ حال دل ہو' دام' میرا سائیں' اک تھی یہ حنا' اڑان ہو سب ہی مجھے بہت پسند ہیں۔"

* "ڈرائیونگ کے وقت کس قسم کی میوزک سنتی ہیں؟"

★ "موڈ پر منحصر ہے۔ ویسے میں شازیہ منظور' راحت فتح علی اور شازیہ کوثر کو بہت شوق سے سنتی ہوں۔"

* "آپ کی صبح کب ہوتی ہے؟"

★ "جس دن کوئی شوٹنگ نہیں ہوتی اس دن ذرا دیر سے اٹھتی ہوں یہی کوئی دس گیارہ بجے اور جس دن شوٹ ہو تو پھر ظاہر ہے کہ جلدی اٹھنا پڑتا ہے۔"

* "اور صبح اٹھ کر پہلا کام؟"

★ "بہت صبح اٹھ جاؤں تو فجر ضرور پڑھتی ہوں اور ویسے جب اٹھتی ہوں تو پھر دل چاہتا ہے کہ ایک اچھا اور مزے دار ناشتا کروں۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے آمنہ محب کو اللہ حافظ کہا۔

☆ ☆

دو کا پہاڑہ

غزالہ جاوید

شاہین رشید

1 "کوئی دو نام جو آپ کو پسند ہوں؟"

☆ "فاطمہ اور عائشہ۔"

2 "آپ کے دو لکی نمبرز؟"

☆ "7 اور 9۔"

3 "دو تاریخی ادوار جس میں آپ جانا چاہتی ہیں؟"

☆ "مغلیہ دور اور حضرت آدم کا دور..... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مغلیہ دور ایک کلچرل دور تھا۔ ایک اسٹائل تھا ایک رکھ رکھاؤ تھا تو بہت اچھا لگتا ہے۔ اب یہ چیزیں ہمارے معاشرے سے ختم ہو گئی ہیں اور آدم علیہ اسلام کا دور اس لیے کہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ دور کیسا تھا نہ کسی سے کسی کی دشمنی ہو گی نہ نفرت ہو گی سب خوش خوش رہتے ہوں گے نہ لالچ ہو گا..... پھر یہ کہ لوگ کیا کھاتے ہوں گے کیا پہنتے ہوں گے کیا ذریعہ آمدنی ہو گا۔ میں سمجھتی ہوں بڑا حسین دور ہو گا۔"

4 "کن دو افراد کے ایس ایم ایس کے جواب آپ فوراً دیتی ہیں؟"

☆ "میں ایس ایم ایس نہیں کرتی اور پڑھتی بھی نہیں ہوں اور اگر پڑھتی بھی ہوں تو تین چار دن کے بعد۔ میں تو سب سے کہتی ہوں کہ مجھے ایس ایم ایس نہ کیا کریں۔"

5 "کوئی دو بری عادتیں جن سے آپ نجات چاہتی ہیں؟"

☆ "ہر ایک پہ بھروسہ کرنا اور کوئی ذرا سا آنسو بہائے تو اس کی مدد کر دینا۔ جبکہ کبھی کبھی آنسو دھوکہ بھی دے جاتے ہیں۔"

6 "دو جھوٹ جو آپ اکثر بولتی ہیں؟"

☆ "میں جھوٹ جان بوجھ کر نہیں بولتی اور اپنے فائدے کے لیے نہیں بولتی بلکہ دوسروں کے فائدے کے لیے بولتی ہوں اور زیادہ تر جھوٹ اس لیے بولتی ہوں کہ کسی کا دل نہ ٹوٹے۔"

7 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر آپ کو غصہ آجاتا ہے؟"

☆ "کہ یہ جھوٹ بولتی ہیں..... حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ میں ہر وقت جھوٹ بولتی ہوں۔ میں کبھی بلاوجہ جھوٹ نہیں بولتی۔ ہمیشہ دوسروں کے مفاد کے لیے بولتی ہوں تو اس قسم کی کوئی بات کرے تو مجھے غصہ آتا ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر کوئی مجھے بے وقوف سمجھے تو مجھے غصہ آتا ہے۔"

8 "حالات حاضرہ کے دو اینکر جو آپ کے خیال میں "پرچی" سے آئے ہیں؟"
☆ "مجھے تو سارے ہی پرچی والے لگتے ہیں' اس لیے کہ جو چینل کی پالیسی ہوتی ہے اینکر وہی بولتے ہیں ان کا کوئی اپنا چینل تو ہوتا نہیں کہ وہ اپنے چینل پہ آکر اپنے دل کی بات بولیں۔ تو جو اینکر جس چینل پہ بیٹھتا ہے وہ اسی کی زبان بولتا ہے۔"
9 "مارننگ شو کے دو بہترین اینکر آپ کی نظر میں؟"
☆ "سب ہی اچھے ہیں۔ سب ہی میرے بہت اچھے دوست ہیں' کسی ایک کا نام نہیں لوں گی۔"
10 "دو دوست جن پر آپ بھروسہ کرسکتی ہیں؟"
☆ "صباحت بخاری (آرٹسٹ) اور دوسری نبیلہ۔"
11 "دو مشہور شخصیات جن کے ساتھ آپ دنیا گھومنا چاہتی ہیں؟"
☆ "گورنر عشرت العباد یہ میری پسندیدہ ترین شخصیت ہیں اور دوسری شخصیت شان ہیں۔"
12 "دنیا کی دو ایسی شخصیات جن کی قسمت پر رشک آتا ہے؟"
☆ "ایک تو اب اس دنیا میں نہیں رہی "لیڈی ڈیانا" اور رشک اس لیے آتا تھا کہ وہ بہت اچھی خاتون تھیں۔ اتنے عروج پہ آکر بھی وہ سب کے لیے بہت مخلص تھی ..... ایک ہمدرد دل تھا اس کے پاس اور دوسری میرے خیال سے کوئی نہیں ہے۔"
13 "دو تہوار جو آپ اہتمام سے مناتی ہیں؟"
☆ "دونوں عیدیں۔"
14 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"
☆ "شام اور رات۔"
15 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتی ہیں؟"
☆ "السلام علیکم کیسے / کیسی ہیں آپ۔"
16 "دو کھانے جنہیں کھا کر آپ کبھی بور نہیں ہوتیں؟"
☆ "دال چاول اور گوبھی گوشت اور چنے بھی بے شک روز کھانے کے لیے دے دیں۔"
17 "دو افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس

نہیں ہوتی؟"

☆ "مجھے کسی سے بھی معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی۔ اگر میری غلطی ہے تو چاہے وہ کوئی بادشاہ ہو یا فقیر سب سے مانگ لیتی ہوں۔"

18 "کرکٹ کے دو پسندیدہ کھلاڑی جن کی وجہ سے آپ کرکٹ دیکھتی ہیں؟"

☆ "میں کرکٹ پاکستان اور پاکستانی ٹیم کی وجہ سے دیکھتی ہوں۔ کوئی ایک کھلاڑی پسند نہیں ہے۔"

19 "کن دو خوب صورت دنوں کی منتظر ہیں؟"

☆ "جب میری بیٹے کی شادی ہو گی اور جب میں دادی بنوں گی۔"

20 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"

☆ "بیگ اور موبائل۔"

21 "دو الفاظ جو آپ بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں؟"

☆ "پیار محبت سے رہو...... لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

22 "دو پسندیدہ صحافی؟"

☆ "خالد فرشوری اور فرقان یوسفی۔"

23 "سات دنوں میں کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

☆ "جمعہ اور ہفتہ۔"

24 "بارہ مہینوں میں کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"

☆ "نومبر اور دسمبر۔"

25 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

☆ "اپنا کمرہ اور ٹی وی لاؤنج۔"

26 "گھر کے دو کام جو آپ کو پسند نہیں؟"

☆ "میں تو کچھ بھی نہیں کرتی...... پسند ہی نہیں ہیں۔"

27 "دو پسندیدہ پکنک پوائنٹ؟"

☆ "ناردرن ایریاز اور کشمیر۔"

28 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

☆ "جاپان اور چائینا۔"

29 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

☆ "بلیک اینڈ وائیٹ۔"

30 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

☆ "کراچی اور سیالکوٹ۔"

31 "اگر ایک دن کے لیے ساری دنیا سو جائے سوائے آپ کے تو آپ کیا دو چیزیں لیں گی؟"

☆ "کچھ بھی نہیں صرف ایک کام کروں گی کہ ساری دنیا سے اسلحہ غائب کر دوں گی، مطلب ہر طرح کا اسلحہ تباہ و برباد کر دوں گی کہ نہ انسان اسے کبھی دوبارہ بنا سکے اور نہ ہی اسے استعمال کر سکے۔"

32 "لڑکوں کے لیے دو نصیحتیں؟"

☆ "ایک تو یہ کہ والدین کا احترام کریں عزت کریں اور ان کی دعائیں لیں..... اور اپنے والدین کا نام اپنے اچھے عمل سے روشن کریں۔"

33 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم اچھے لگتے ہیں؟"

☆ "سردی اور بہار۔"

34 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"

☆ "نشہ کرتے ہیں اور اسلحہ کا استعمال۔"

35 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام پہلے کرتی ہیں؟"

☆ "کلمہ تو پڑھتی ہی ہوں۔ روٹین کے کام میں پانی پیتی ہوں اور پھر چائے پیتی ہوں۔"

36 "دو مرد جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"

☆ "میرے میاں اور میرے والد صاحب۔"

37 "آپ کے نزدیک دنیا کے دو خوب صورت ترین مرد؟"

☆ "میرا بیٹا اور میرا نواسہ۔"

38 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

☆ "ڈاکٹری کا پروفیشن اگر ایمانداری سے کیا جائے تو اور دوسرا سوشل ورک اگر یہ بھی ایمانداری سے کیا جائے تو۔"

39 "دنیا کے دو بہترین سیاست دان آپ کی نظر میں؟"

☆ "چین کے وزیراعظم اور خمینی مجھے بہت پسند تھا۔"

40 "والدین کی دو نصیحتیں جو آپ نے گرہ سے باندھ لیں؟"

☆ "والدین کو جھوٹ سخت ناپسند تھا وہ کہتے تھے کہ کچھ بھی کرو مگر جھوٹ مت بولو اور دوسروں کا بہت خیال رکھو۔"

41 "اپنے دو ڈرامے جو آپ فراموش نہیں کر سکتیں؟"

☆ "سچ مچ" بس یہی ہے کیونکہ اس سے میری بہت سی محبتیں اور بہت سی یادیں وابستہ ہیں..... اور دوسرا "کشش" ہے۔"

42 "غصے میں کون سی دو گالیاں منہ سے نکلتی ہیں؟"

☆ "الو کی پٹھی اور کچھ نہیں۔"

43 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے ہوں؟"

☆ "میرے کیے گئے تو سب ہی فیصلے غلط ثابت ہوئے ہیں۔ خیر یہ تو مذاق تھا لیکن سیریس ہو کے بتاؤں تو سب سے غلط فیصلہ میرا یہ تھا کہ میں نے اپنی برطانیہ کی شہریت ختم کر دی اور اپنے بچوں کی بھی۔ میری پوری فیملی لندن میں ہے اور مجھے پاکستان میں رہنا فخر لگتا تھا لیکن آج ملک کے جو حالات ہیں اس کو دیکھ کر میں کہتی ہوں کہ میں نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی۔ اب تو میرے بچے بھی کہتے ہیں کہ مما آپ نے ہمارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے تو اب پچھتاتی ہوں کہ میں نے لندن میں نہ رہ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

44 "کن دو باتوں سے بچتی ہیں؟"

☆ "کہ میری وجہ سے کسی کا دل نہ دکھے اور کسی سے وعدہ کروں تو ہر حال میں اسے پورا کروں۔"

45 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سے دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"

☆ "میری کوشش ہوتی ہے کہ میں پانچوں وقت کی نمازیں پڑھوں۔ کام کی وجہ سے ایک دو نمازیں ادھر ادھر ہو بھی جاتی ہیں۔ میں عشاء کی اور عصر کی۔ فجر کی قضا پڑھتی ہوں۔"

46 "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"

☆ "پرفیومز' بیگ اور شوز..... یہ تین چیزیں لازمی خریدتی ہوں۔"

47 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

☆ "اپنی بڑی بیٹی کے غصے سے اور بیٹے کے غصے سے۔"

48 "کن دو لوگوں کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتیں؟"

☆ "میں کبھی بھی کسی کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتی۔ جو تعریف کے قابل ہوتا ہے فوراً" کرتی ہوں۔"

49 "دو پسندیدہ مشروب جن کے بغیر آپ نہیں رہ سکتیں؟"

☆ "کوئی بھی نہیں صرف اور صرف پانی' پیاس کے وقت اس سے اچھا کوئی مشروب نہیں۔ ہاں چائے بھی پسند ہے۔"

50 "آج کے دور کے دو پسندیدہ گلوکار؟"

☆ "سجاد علی اور تحسین جاوید۔"

51 "شادی کی دو رسمیں جو آپ انجوائے کرتی ہیں؟"

☆ "مہندی اور ڈھولکی۔"

52 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کر دیتی ہیں؟"

☆ "اگر کوئی کہے کہ میں فلاں کو آؤں گا یا آؤں گی اور پھر وہ نہ آئے تو میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے کہ آپ نے نہیں آنا تھا تو بتا دیتے..... دوسری بات یہ کہ اگر کوئی آپ سے کوئی کام کہے تو آپ نہیں کر سکتے تو انکار کر دیں مگر اس کو امید مت دلائیں۔ اس کو آسرا نہ دیں۔"

53 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

☆ "استری بہت اچھے طریقے سے اور ٹرانسپرنٹ نہ ہو۔"

54 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتی ہیں؟"

☆ "یہ حسرت ہی رہی"..... قہقہہ "کبھی کوئی بوائے فرینڈ بنا نہیں کہ اس کے ساتھ بارش انجوائے کرتی۔"

55 "دو کیڑے جن سے آپ کو ڈر لگتا ہے؟"

☆ "چھپکلی اور چوہا۔"

56 "دو ریسٹورنٹ جہاں سے کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

☆ "چائنا ٹاؤن اور باربی کیو ٹونائیٹ اور ویلیج بھی بہت اچھا ہے۔"

57 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے آپ شاپنگ کرنا پسند کرتی ہیں؟"

☆ "میں شاپنگ نہیں کرتی میری بیٹیاں کرتی ہیں۔"

58 "دو چینل جو آپ شوق سے دیکھتی ہیں؟"

☆ "جیو اور اے آر وائی۔"

59 "دو تبدیلیاں جو آپ اپنے آپ میں لانا چاہتی ہیں؟"

☆ "موٹاپا کم کرنا چاہتی ہوں اور بال گھنے کرنا چاہتی ہوں۔"

6C "کھانے کی ٹیبل پہ کیا نہ ہو تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

☆ "دال اور سبزی۔"

61 "آپ کے بیگ اور والٹ میں کون سی دو چیزیں لازمی ہوتی ہیں؟"

☆ "پیسے اور اے ٹی ایم۔"

62 "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گی اور تاوان میں کیا وصول کریں گی؟"

☆ "زرداری کو اغوا کر کے تاوان میں امن چاہوں گی اور اوباما کو اغوا کروں گی اور تاوان میں اپنے ملک کے سارے قرضے معاف کرواؤں گی۔"

☆ ☆

مجھ سے ملیے

شاہین ملک

ادارہ

(1) "تاریخ پیدائش' اسٹار؟"

☆ "6 اپریل' Aries"

(2) "خدا سے تعلق؟"

☆ "شہہ رگ سے جسم کا رشتہ نہیں پوچھا کرتے۔"

(3) "فرصت کا وقت گزارنے کا پسندیدہ طریقہ؟"

☆ "فرصت نصیب ہی نہیں ہوتی۔ کام اور مشغلے ختم نہیں ہوتے دن ڈھل جاتا ہے پتا ہی نہیں چلتا۔"

(4) "کون سی چیز خوش گوار تاثر قائم کرتی ہے؟"

☆ "محبت' توجہ' عنایت اور زندہ دلی سے سلام کرنا۔"

(5) "وہ چیز جو موڈ خراب کر دے؟"

☆ "گھر کی بے ترتیبی۔"

(6) "مشکل ترین لمحہ؟"

☆ "جب خود کو افسردگی سے بچانا پڑے اور کچھ بن نہ پڑے۔"

(7) "بہترین تعریف جو وصول کی؟"

☆ "بہترین تعریف کی تعریف تو کوئی بتائے۔ مجھے تو تعصب اور خوشامد کے رنگ الگ الگ صاف نظر آتے ہیں ان بہلاووں سے کیا بہلنا۔"

(8) "وقت ضائع کرنے کا بہترین طریقہ؟"

☆ "اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھنا وقت ضائع کرنے کا بہترین طریقہ ہے (کم از کم میرے نزدیک)"

(9) "زندگی کا خوفناک واقعہ؟"

☆ "پچھلے دنوں میں اور میرے شوہر اسٹریٹ کرائمز کا نشانہ بنے ان کا موبائل اور گھڑی گئی میری طلائی

چوڑیاں۔ حیران ہوں کہ دیکھنے میں چور کتنے معصوم سے لگتے ہیں ہم و زنی و زنی سے حرف لکھنے والے ان شیطانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔"

(10) "بہترین تحفہ میری نظر میں؟"
☆ "ضرورت کی کوئی بھی چیز ہو بہترین تحفہ ہو سکتی ہے اور ہم تو پیار کی ایک نظر سے بہلنے والے لوگ ہیں۔"

(11) "ایسی تاریخی شخصیت جس سے ملنا چاہوں؟"
☆ "ڈاکٹر عبدالقدیر خان! محسن پاکستان سے ملنے کی خواہش ہے دیکھیے زندگی میں کب پوری ہوتی ہے۔"

(12) "پسندیدہ ساتھی؟"
☆ "تنہائی۔"

(13) "پسندیدہ ہستی؟"
☆ "میری امی۔"

(14) "پسندیدہ پروفیشن؟"
☆ "پسندیدہ پروفیشن یہی اپنی حماقت اور کیا؟"

(15) "بہترین کاوش؟"
☆ "خاموشی سے خیرات کرنا اور مانگنے والے کے لیے محنتی ہونے کی دعا کرنا۔"

(16) "زندگی کی خواہش؟"
☆ "زندگی خوش رنگ، روشن صورت اور زندہ منظروں کی طرف لوٹ آئے۔"

(17) "پریشان کن لمحہ؟"
☆ "بظاہر کوئی نہیں۔"

(18) "جب موڈ خراب ہو تو کیا کرتی ہوں؟"
☆ "تو موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کرتی ہوں خود پر طاری نہیں کرتی۔"

(19) "کوئی ایسا فرد جس کے سامنے کھڑی نہ رہ سکوں؟"
☆ "نہیں میری زندگی میں ایسا کوئی نہیں جس کے سامنے کھڑی نہ رہ سکوں۔"

(20) "فیشن کب مسئلہ بنتا ہے؟"
☆ "جب مہنگائی پریشان کر دیتی ہے۔"

(21) "انسان کا دل کب ٹوٹتا ہے؟"
☆ "جب وہ بنا سوچے سمجھے توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔"

(22) "کیا چیز جذباتی کر دیتی ہے؟"
☆ "بچوں کی سرگرمیاں، ان کی شرارتیں، معصوم سی باتیں اور بھولپن جذباتی کر دیتا ہے۔"

(23) "زندگی کا یادگار دن؟"
☆ "بہت سے دن ہیں مثلاً" شادی کا دن، کرن کی پیدائش کا دن (کرن میری بیٹی کا نام ہے) اور جب پہلا افسانہ خواتین ڈائجسٹ میں چھپا تھا۔"

(24) "موسیقی میرے نزدیک؟"
☆ "موسیقی تو درد کی طلسماتی بلکہ کرشماتی دوا ہے۔"

(25) "پسندیدہ گانا؟"
☆ "دل میں کسی کی یاد کا جلتا ہوا دیا۔"

(26) "پسندیدہ فقرہ؟"
☆ "اور سناؤ۔"

(27) "پسندیدہ کردار؟"
☆ "اگر پی ٹی وی ڈرامے کا ذکر کریں تو انور مقصود کی "نیکی" اور "آنگن ٹیڑھا" کے سلیم ناصر مرحوم کا کردار۔"

(28) "سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی اثاثہ؟"
☆ "سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی اثاثہ یادیں ہوا کرتی ہیں۔"

(29) "اچھا اور خوب صورت موسم؟"
☆ "بہار کا موسم۔"

(30) "ناقابل فراموش واقعہ؟"
☆ "واقعے زیادہ ہیں، کالم مختصر ہے۔"

(31) "پہلی کاوش شائع ہونے پر تاثرات؟"
☆ "ایک سنسنی سی تھی اور اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔"

(32) "وہ رات جو کبھی نہ بھولے گی؟"

☆ "ایسی کئی درد کی راتیں ہیں چھوڑیں اب ذکر فضول ہے۔"

(33) "میرا خواب؟"

☆ "میرا خواب ہے کہ پاکستان سلامت رہے اور خوب ترقی کرے۔"

(34) "پسندیدہ مزاح؟"

☆ "پسندیدہ مزاح" مشتاق احمد یوسفی کی نگارشات کے بعد "نعیم ابرار' رازی فاروقی کی داؤ پیچ کے کالم۔"

(35) "حسد محسوس کرتی ہوں؟"

☆ "اب حسد محسوس نہیں ہوتا بھلا کوئی وجہ بھی تو ہو اس کی۔"

(36) "خوشبو پسند ہے تو کیوں؟"

☆ "جمالیات انسانی شخصیت کا حصہ ہوتے ہیں اور خوشبو ہماری سفیر' ہمارا تعارف۔"

(37) "پسندیدہ خوشبو؟"

☆ "مختلف وقتوں میں مختلف برانڈڈ خوشبوئیں پسند ہیں۔"

(38) "آخری کتاب جو میں نے پڑھی ہو؟"

☆ "عراضہ" ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کے پسندیدہ کالم کا مجموعہ ہے اور محمد حنیف کا ناول "Our Lady of Alice Bhatti"

(39) "پسندیدہ جگہ؟"

☆ "کراچی اپنا شہر۔"

(40) "وہ جگہ جہاں چھٹی گزارنا پسند کروں؟"

☆ "شمالی علاقہ جات اپنے پاکستانی یورپ۔"

(41) "میری قوت ارادی؟"

☆ "کبھی کبھی نظرانداز کیے جانے پر کمزور پڑ جاتی ہے۔ میری قوت ارادی کا سائبان نہ چھنے اس کے لیے میں خود کو زندہ رکھے ہوئے ہوں۔"

(42) "گھر کا پسندیدہ کمرا؟"

☆ "اپنا بیڈ روم۔"

(43) "کیا پہننا پسند کرتی ہوں لباس میں؟"

☆ "جو فیشن میں ہو اور آرام دہ بھی ہو مثلاً "شلوار قمیص سے لے کر ٹراؤزر اور قمیص تک کچھ بھی ایسا لباس جو مجھے باوقار ظاہر بھی کرے۔"

(44) "پسندیدہ رنگ؟"

☆ "کوئی ایک رنگ نہیں مگر آسمانی اور گلابی کے مختلف شیڈز۔"

(45) "پسندیدہ مصنف؟"

☆ "بانو قدسیہ' اشفاق احمد' مستنصر حسین تارڑ۔"

(46) "پسندیدہ شاعر؟"

☆ "پروین شاکر' جاذب قریشی۔"

(47) "ویران سنسان جزیرے پر سب سے پہلا کام کیا کروں گی؟"

☆ "میں لوگوں سے کٹ کر نہیں رہ سکتی خدارا مجھ پر ظلم نہ کریں کہ ویران سنسان جزیرے پر جانے کا تصور بھی محال ہے۔"

(48) "خود اپنی بری عادت؟"

☆ "لوگوں کو بہت جلد معاف کر دینا۔ اب سوچتی ہوں کہ سبق سکھانے کے لیے تھوڑی سی سزا دینا بہت اچھا ہوتا ہے مگر کاش یہ صلاحیت ہوتی۔ جن لوگوں میں ہوتی ہے انہیں لوگ پسند بھی کرتے ہیں اور انہیں cheat بھی نہیں کیا جاتا۔"

(49) "کھانے کی پسندیدہ جگہ؟"

☆ "اپنے گھر میں کھانے کا کمرہ یا باہر کوئی بھی اچھا چائنیز ریسٹورنٹ۔"

(50) "اگر میں مصنفہ نہ ہوتی تو؟"

☆ "مصنفہ کیوں نہ ہوتی میں اس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہوں بھئی۔"

(51) "ایک لفظ جو مجھے واضح کردے؟"

☆ "اسی لفظ کی تو تلاش ہے خود اپنی کو ملبس بننا آیا نہیں کہ خود کو کھوج لیتی۔"

(52) "جنس مخالف کے بارے میں رائے؟"

☆ "اللہ نے کیسی الجھی ہوئی مخلوق پیدا کی ہے۔"

(53) "محبت کے بارے میں خیال؟"

☆ "بہت نیک خیال ہے' زندگی کا ٹانک محبت ہی ہوتی ہے۔ البتہ خواہشوں کا اسیر ہونا باطن کا تضاد ظاہر کرتا ہے محبت عمر بھر کی محبت ہو تو بات ہے۔ محبت کے کھاتے میں ایثار' وفا اور خلوص کے سکے نہ ہوں تو یہ تعلق میکانکی ہو جاتا ہے۔ اس میں حرارت نہیں رہتی۔ جسم خواہشوں کا لباس ہو کر رہ جاتا ہے لباس بدلتے جائیے سکون ہوا برد ہو جائے گا۔"

(54) "اگر محبت کی تو کیا نتائج نکلیں گے؟"

☆ "محبت تو ہو جاتی ہے کی جانے والی چیز کچھ اور ہوتی ہے یہ ذرا سمجھدار لوگوں کے سمجھنے کی بات ہے۔"

(55) "پسندیدہ رشتہ؟"

☆ "پسندیدہ رشتہ ماں باپ اور اولاد کا ہوتا ہے باقی شوہر تو مجازی خدا ہی ہوتا ہے دراصل یہ تمام رشتے محبتوں کی کڑیاں ملاتے ہیں عورت کا کام تو وفا کی مالا جپنا ہوتا ہے۔"

(56) "پسندیدہ لو اسٹوری؟"

☆ "ٹائی ٹینک اچھی لگی تھی' ہندوستانی سلسلے' مغل اعظم اور اشفاق احمد کا ڈرامہ "قرۃ العین" اچھی لو اسٹوریز ہیں۔"

(57) "کوئی ایسی فلم جو بار بار دیکھنا چاہیں؟"

☆ "نہیں ایسی کوئی فلم نہیں جسے بار بار دیکھا جا سکے۔"

(58) "چہرے کچھ بتاتے ہیں؟"

☆ "چہرے چاہیں تو اپنا اعتبار دلا دیں' چاہیں تو منافقت کردیں مگر چہرہ پڑھنا اور شخصیت کی پہچان کرنا ہر کسی کو نہیں آتا۔

لفظ بظاہر لفظ ہے باطن میں اک چہرہ ہے
چہرے کیا پہچانیں جن کو لفظوں کی پہچان نہیں

(59) "شاعری کے بارے میں خیال؟"

☆ "شاعری آئینہ ہے' شاعر کا تعارف کراتی ہے اس کے لہجے کی صداقت اور اس کا وجدان ہوتی ہے۔"

(60) "میری جستجو' میری کھوج؟"

☆ "میری جستجو' مخالفوں سے رعایت طلب کیے بغیر اپنا وجود سنبھالنا' میری کھوج محبت ہے مگر یک طرفہ نہیں۔"

(61) "بہترین کامیابی؟"

☆ "کامیابی کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔"

(62) "وہم کا ازالہ کس طرح کرتی ہوں؟"

☆ "قوت فیصلہ اور ارادے مضبوط رہیں تو وہم کا بوجھ دل سے اتر جاتا ہے ورنہ اعصابی اور ذہنی بیماریاں گلے کا طوق بنتی ہیں۔"

(63) "سائنس کی بہترین ایجاد؟"

☆ "سیل فون۔"

(64) "بدترین ایجاد؟"

☆ "بدترین ایجاد کوئی نہیں غلط استعمال کسی کو بھی بدترین بنا دیتا ہے۔"

(65) "ایسی شخصیت جو شدت سے یاد آتی ہے؟"

☆ "مرحوم والدین۔"

(66) "بستر پر جانے سے پہلے کیا جانے والا آخری کام؟"

☆ "چاروں قل شریف اور آیت الکرسی کا ورد۔"

(67) "ایک بات جو ہمیشہ یاد رہی؟"

☆ "اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے اور جس کا قصور کوئی نہ ہو اسے سزا نہ دی جائے۔"

(68) "زندگی کا خوب صورت ترین دن؟"

☆ "ایک تھا گزر گیا دوسرے دن کا انتظار ہے۔"

(69) "پیغام قارئین کے لیے؟"

☆ "پڑھنے والے ہمیں دعاؤں میں یاد کرلیا کریں کیونکہ ہمیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

(70) "کرن کے بارے میں رائے؟"

☆ "کرن اور میرا گہرا تعلق رہتا ہے۔ صحافیانہ کیریئر بھی اسی ادارے سے شروع کیا۔ یہیں زیادہ افسانے لکھے اور کئی دفعہ بتائے بغیر غیر حاضر ہو گئی ریحانہ علی احمد نے مجھے بار بار discover کیا۔ جیتی رہو اور ماہنامہ کرن تمہارا بہت بہت شکریہ۔"

☆ ☆

نعمان سعود کی باتیں

نایاب جیلانی

بعض لوگ اپنے ماتھے پر درخشاں ستارہ سجا کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں ایسے لوگوں کا با نصیب لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ ذہانت، قابلیت اور ذکاوت میں یکتا۔ جو ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کی بھیڑ میں اپنا منفرد مقام بنانا جانتے ہیں اور ان کے پاس کوئی ایسا اسم ہوتا ہے جو کامیابیوں کے دروازے وا کرتا جاتا ہے وہ اسم "ہنر" اور فن "علم" کے علاوہ اور بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

"نعمان سعود" کا تعلق بھلوال کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے ان کی اسکولنگ تعلیم الاسلام اسکول سے شروع ہوئی انٹر گورنمنٹ کالج بھلوال سے کیا اور گریجویشن پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔

Virtual University سے جرنلزم میں ماسٹرز کرنے کے بعد ایف ایم۔ 104 سے منسلک ہو گئے۔ ان دنوں دبئی (عمان) میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بطور اکاؤنٹنٹ جاب کر رہے ہیں۔

نعمان سعود جن کی میٹھی، سحر انگیز آواز ان کے خوب صورت لب و لہجے کا اتار چڑھاؤ سامعین کے کانوں میں تادیر رس گھولنے کا سبب بنتا ہے۔ ان کی دلچسپ گفتگو نذر قارئین ہے۔

✳ "نعمان بتائیے کہ اس فیلڈ میں آمد کیسے ہوئی؟ جبکہ دیکھا جائے تو ریڈیو کی طرف سے ملنے والا پیکج کچھ خاص نہیں؟"

★ "میں یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں انگلش کے پیپر کی تیاری کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ موبائل پر 107۔ FM سن رہا تھا آر جے نے اناؤنس کیا کہ بھلوال میں ہمارا چینل آواز 104۔ FM لانچ ہو رہا ہے تو بہت خوشی ہوئی کہ اپنے شہر میں چینل کھل رہا ہے سو وہاں انٹرویو دیا انٹرویو دینے والے پچاس کے قریب لڑکے اور لڑکیاں تھیں ان میں سے صرف تین سلیکٹ ہوئے جن میں سے ایک خوش نصیب میں تھا۔"

✳ "کچھ یادوں کے دریچوں میں جھانک کر بتائیے کہ پہلا پروگرام کون سا تھا؟ کس قسم کی سچویشن کا سامنا کرنا پڑا؟ کنفیوز تو نہیں تھے؟"

★ "پہلا پروگرام میں نے جنوری 2008 کو "گڈ آفٹر نون" کے نام سے کیا تھا، پہلے دن پینل کی اور ہماری کچھ بنی نہیں، کبھی مائیک آن رہ جاتا کبھی میوزک تھوڑا ہو جاتا اور کبھی زیادہ ہو جاتا تھوڑا سا کنفیوز ہو ہی گیا تھا۔"

✳ "جیسا کہ ایف ایم کے پیکجز بائیک کے پیٹرول کی ٹنکی بھرنے تک کے لیے ناکافی ہوتے ہیں سو کیا آپ مطمئن تھے؟ پہلا چیک کتنے کا ملا؟ کیا تاثرات تھے پہلی کمائی کو ہاتھ میں لے کر۔"

★ "بس شوق تھا آر جے بننے کا تو جو کچھ مل جاتا تھا ہنسی خوشی قبول کر لیتے تھے۔ پہلی کمائی پاکٹ منی سے بھی کم تھی بس بائیک میں پیٹرول ہی ڈلوا لیا تھا۔"

✳ "آن ایئر جانے سے پہلے کیا کچھ ٹریننگ دی گئی تھی؟"

★ "تھوڑا بہت بتایا گیا تھا باقی ہم خود ذہین تھے سب کچھ سمجھ گئے اب ریڈیو کو ہر حوالے سے ہینڈل کر سکتا ہوں چاہے وہ ٹرانسمیشن ہو یا پروڈکشن ..... میں پروگرام منیجر بھی رہ چکا ہوں۔"

✳ "اس فیلڈ میں آنے کے بعد کس کا تعاون حاصل رہا ہے؟"

★ "سب سے زیادہ اپنی فیملی کی سپورٹ ملی۔ بہت اچھے لسنرز ملے جن کا تعاون ہمیشہ میرے ساتھ رہا جو آج بھی مجھے یاد کرتے ہیں۔"

✳ "سیاست سے دلچسپی کہاں تک ہے؟"

★ "سیاست سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ البتہ کافی سیاستدانوں سے مل چکا ہوں ان کی لائف دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ۔"

✳ "سیاست اس فیلڈ پر بھی اثر انداز تو نہیں؟ جیسا کہ ہر ادارہ سیاسی دباؤ کا شکار ہے؟"

★ "کہہ سکتی ہیں۔ میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ بہرحال سیاست گندی نہیں..... اسے گندا بنا دیا گیا ہے۔"

✳ "کبھی آپ پر کمنٹس پاس کیے گئے؟ جملہ بازی کا نشانہ بنایا گیا؟"

★ "نہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا۔ الحمد للہ اچھے کمنٹس پاس کیے جاتے رہے ہیں۔"

✳ "تنقید کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا تنقید کو برداشت کر لیتے ہیں؟ کبھی ایسی صورت حال تو پیش نہیں آئی کہ کسی نے لائیو کال میں براہ راست تنقید کر دی ہو؟"

★ "تنقید برداشت کرنے کا مادہ ہر انسان میں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے انسان اپنی غلطی کو سدھارنے کی کوشش کرتا ہے۔ کچھ سیکھتا ہے پر شرط یہ ہے کہ بلاوجہ تنقید نہ کی جائے۔ دوسروں کی خامیوں پر خوش ہونے کا مطلب ہے کہ آپ کے اپنے کردار میں خامیاں ہیں۔

میرے خیال میں تنقید کی بجائے اصلاح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک بار لائیو کالز میں ایک لسنر نے کال کی کہ آپ لڑکیوں کی کالز زیادہ لیتے ہیں۔ اب کون سمجھائے کہ ہمارے پاس کالز ٹرانسفر ہو کر آتی ہیں کیا پتا ہوتا ہے کہ لڑکی ہے یا کہ لڑکا؟ ویسے بھی ایم ایف پر بہت کالز آتی ہیں۔"

✳ "کوئی ایسا جملہ جس نے شدید اپ سیٹ کر دیا ہو؟"

★ "وہ الفاظ جب مجھے کال آئی کہ میری امی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا۔ ایسا لگا پاؤں سے زمین نکل گئی ہو اور میرے دل کی دھڑکن لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔"

✳ "شہرت کا نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے یہ نشہ آپ کے سر پر تو نہیں چڑھا؟"

★ "ہر نشے کی طرح شہرت کا نشہ بھی برا ہوتا ہے اور اچھے بھلے دماغ گھما کر رکھ دیتا ہے۔ ویسے بھی ہم اتنے مشہور نہیں ہوئے جتنا آپ نے کہہ دیا۔"

✳ "کوئی ایسا پروگرام جو وجہ شہرت بنا؟"

★ "بہت سے پروگرام کیے "موٹروے ٹاپ گاڑی" میرا پروگرام ہوا کرتا تھا جس کا نام بعد میں میں نے تبدیل کر کے "ایوننگ ڈرائیو ٹائم" کر دیا۔ بہت ہٹ پروگرام ہوا کرتا تھا لسنرز کافی پسند کرتے تھے یونیسف کے ایجوکیشن کے حوالے سے بھی کافی پروگرام کیے۔ کمبائن پروگرامز میں کافی مزا آتا تھا۔"

✳ "آپ کی کوئی ایسی خامی یا خوبی جو آپ کی نظر میں بہت اچھی یا بری ہو؟"

★ "خوبی یہ ہے کہ دوستوں کا دوست ہوں اور خامی یہ کہ غصہ بہت آتا ہے اور کنٹرول نہیں کر پاتا لیکن پھر

بعد میں احساس ہوتا ہے۔"

٭ "مزاج کیسا پایا ہے؟"

★ "ہنس مکھ ہوں' مذاق کرنے کی عادت ہے لیکن کبھی کبھی زیادہ اداس ہو جاؤں تو اپنا وقت تنہائی میں گزارتا ہوں۔ آپ مجھے تنہائی پسند بھی کہہ سکتی ہیں۔ بلاوجہ غصہ نہیں آتا۔"

٭ "موڈ میں آف ہو تو کیساری ایکشن ہوتا ہے؟"

★ "موڈ آف ہو جائے تو باہر نکل جاتا ہوں اور خاموشی اختیار کرلیتا ہوں موبائل آف کردیتا ہوں تاکہ کسی ایسے فرد پر میرا غصہ نہ نکل جائے جو میرے لیے بہت اہم ہو اور جس پر بھڑاس نکالنے کے بعد مجھے پچھتانا پڑے۔"

٭ "اگر کوئی پرستار فون پر کچھ ایسا کہہ دیں جو کہ آپ کو ناگوار گزرے تو پھر کیساری ایکٹ کرتے ہیں؟"

★ "پہلی بات تو یہ کہ کبھی کسی نے ایسا کچھ کہا نہیں اگر کوئی کہہ بھی دے تو اسے سمجھنے کی کوشش کروں گا اور پھر سمجھانے اور قائل کرنے کے بعد اسے دوست بناؤں گا۔ پیار کی زبان چونکہ دلوں کو فتح کرلیتی ہے اور غصہ فساد کو اور نفرتوں کو جنم دیتا ہے۔"

٭ "سب سے زیادہ کس کے ساتھ پروگرام کرنے میں اطمینان محسوس کرتے ہیں؟"

★ "اکیلا ہوں تو اچھا پروگرام ہوتا ہے' لیکن کمبائن پروگرام کا بھی اپنا ہی مزا ہے۔"

٭ "کوئی ایسی خواہش جس کی تکمیل ــــ کے لیے آپ طویل انتظار کرسکتے ہوں؟"

★ "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ اپنا بزنس اسٹارٹ کرنا چاہتا ہوں جس کی برانچز پوری دنیا میں ہوں اور میں جو سوچ لیتا ہوں ان شاء اللہ ضرور پورا کرتا ہوں۔"

٭ "دبئی میں جاکر سب سے پہلا کام کون سا کیا؟"

★ "سب سے پہلے تو سارے دبئی کی سیر کی' خوب گھوما پھرا کیونکہ پتا تھا کہ پھر گھومنے کا ٹائم نہیں ملے گا۔ اپنی کمپنی میں ایزاے کیشیئر اپائنٹ ہوا اور آج کل اکاؤنٹنٹ اور کیشیئر کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔"

٭ "اپنے ساتھیوں میں جو کوئی بہت دل کے قریب ہو؟"

★ "سب دوست دل کے قریب ہیں' کبھی انہیں دل سے دور کیا ہی نہیں۔"

٭ "زندگی کا پہلا دکھ؟ کوئی ایسا غم جو کبھی بھول نہ پائے ہوں؟"

★ "دکھ اور خوشی انسان کے نصیب میں ہوتی ہیں لیکن میں اپنی والدہ کی موت کا دکھ کبھی بھلا نہیں پاؤں گا' مجھے آج بھی یقین نہیں آتا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ہر وقت ان کی یاد میرے دل میں رہتی ہے اور میرا دل میری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔"

٭ "سال کے اختتام میں کوئی ایسا دوست جو بچھڑ گیا اور پھر یاد نہ آیا؟"

★ "بہت سے ایسے دوست ہیں جو مجھے بھول گئے لیکن میں ان کو نہیں بھول پایا' سب کو یاد رکھتا ہوں۔"

٭ "کچھ اپنی فیملی کے بارے میں بتائیے؟"

★ "ہماری ساری فیملی ماشاء اللہ سے ایجوکیٹڈ ہے ہم لوگ تین بھائی اور تین بہنیں ہیں دو بڑے بھائی ہیں اور پھر دو بہنیں جن کی شادیاں ہو گئی ہیں ایک بہن چھوٹی ہے جو کہ پڑھ رہی ہے اور میں ہوں سب سے چھوٹا ہوں اور لاڈلا ہوں۔"

٭ "بچپن کیسا گزرا؟ کیسے اسٹوڈنٹ تھے؟"

★ "بچپن میں شرارتی ہوا کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک بار ضرور گھر میں شکایت آتی تھی۔ ہفتے میں کسی نہ کسی کی پٹائی میرے ہاتھوں ضرور ہوتی تھی پھر گھر والوں سے ڈانٹ اور مار پڑتی تھی اور پڑھائی میں میں شروع سے ہی بہت اچھا اسٹوڈنٹ رہا ہوں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتا تھا بہت اچھا ایتھلیٹ اور ہاکی کا پلیئر ہوں۔"

٭ "ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟"

★ "میں نے بھلوال کے مشہور اسکول "تعلیم

الاسلام" سے اچھے نمبروں میں میٹرک کیا۔ پھر ڈگری کالج بھلوال میں داخلہ لیا اس کے بعد لاہور سے پنجاب یونیورسٹی سے اکنامکس اور جرنلزم میں گریجویشن کی۔ جرنلزم میں ہی ماسٹرز بھی کیا۔"

* "چونکہ آپ کے والد کی ڈیتھ ہو چکی ہے سوان کی دائمی جدائی نے آپ کی شخصیت میں کوئی کمی تو نہیں چھوڑی؟"

★ "میرے ابو کی ڈیتھ اس وقت ہوئی جب میں چار سال کا تھا پر امی نے کبھی ابو کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا ہماری امی نے ہمیں ماں اور باپ بن کر پالا ہے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ میرے ابو کی شخصیت میں بہت جادو تھا آج بھی کوئی مجھے ملتا ہے تو مجھ پر فخر کرتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ تم دوسرے چوہدری سعد ہو۔"

* "صنف نازک میں کوئی ایسی فرینڈ جسے شریک حیات بنانے کے متعلق سوچا؟"

★ "کوئی خاص نہیں۔"

* "کوئی ایسی خواہش جسے پورا کرنے کے لیے آخری حد تک جا سکتے ہیں؟"

★ "کوئی خواہش نہیں..... بھلا ایسی خواہش کا کیا فائدہ جو انسان کو آخری حد یعنی "انتہا پسندی" تک لے جائے، ہمیں گمنام راستوں کا مسافر نہیں بننا۔"

* "عورت کی تعلیم و ترقی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس فیلڈ میں ترقی کے لیے کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے؟"

★ "تعلیم کسی قوم کی ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے ہماری گورنمنٹ تعلیم پر صرف 2% خرچ کر رہی ہے ہماری سوسائٹی کو اس بارے میں سوچنا چاہیے عورتوں کی تعلیم ضروری ہوتی جا رہی ہے کیونکہ ایک پڑھی لکھی ماں اپنی اولاد کی تربیت اچھے طریقے سے کر سکتی ہے اس سے معاشرے سے جہالت کا خاتمہ ہو گا آج کل کے فاسٹ دور میں عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے۔ عورت کو مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیے مگر بد قسمتی سے ہمارے ملک میں جب تک "وڈیرہ سسٹم" رائج ہے عورت کی ترقی خطرے میں ہے اور اس فیلڈ میں ایک تو پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے دوسرا مطالعہ وسیع ہو حالات حاضرہ کا علم ہو۔"

* "اپنی کامیابی کا سہرا کس کے سر سمجھتے ہیں؟"

★ "میری کامیابی ماں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں ان سب کا کریڈٹ میری امی کو جاتا ہے میرے بڑے بھائی اور میری ساری فیملی نے ہر معاملے میں میری سپورٹ کی ہے۔"

* "دوستی پر یقین ہے؟"

★ "میرے خیال میں آپ کی زندگی تب ہی اچھی ہوتی ہے جب آپ اچھے دوست رکھتے ہوں، بہت سے دوست ہیں بچپن کے کلاس فیلوز ایف ایم کے سب کیئر کرنے والے ہیں ایک اچھا دوست ہی معاشرے میں ہمارا تعارف ہوتا ہے۔"

* "کون سے دو فقرے زیادہ بولتے ہیں؟"

★ "السلام علیکم اور ماشاءاللہ۔"

* "پسندیدہ مصنف، شاعر؟"

★ "سعادت حسن منٹو، واصف علی واصف اور شاعر علامہ اقبال اور محسن نقوی۔"

* "کوئی ایسا سنگر جسے ہر وقت سننا پسند کرتے ہیں؟"

★ "سارے سنگرز کو سن لیتا ہوں مجھے سلو میوزک اور صوفیانہ کلام پسند ہے "راحت فتح علی خان" آج کل اچھے لگ رہے ہیں۔"

* "موویز سے کس حد تک لگاؤ ہے؟ کیا موویز دیکھنا پسند کرتے ہیں؟"

★ "اگر فارغ ہوں تو موویز دیکھتا ہوں ہالی وڈ کی ایکشن اور ہارر موویز پسند ہیں ویسے بھی موویز میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور ہوتا ہے۔"

* "کبھی کسی کالر نے دوستی کی آفر کی آپ کا ردعمل کیا تھا؟"

★ "بہت سے ایسے کالرز ہیں جنہوں نے دوستی کی آفر کی میل اور فی میل دونوں نے ہی..... اور میرا ردعمل

نہ ہی پوچھیں۔" (چلیں نہیں پوچھتے)

* "کون سے تہوار کا انتظار رہتا ہے؟"

★ "سب تہوار جوش اور جذبے سے مناتا ہوں عید الفطر کا کچھ اپنا ہی مزا ہوتا ہے۔"

* "نماز کی پابندی کرتے ہیں؟ کون سی نماز اہتمام سے پڑھتے ہیں؟"

★ "الحمدللہ ساری نمازیں پڑھتا ہوں، بس کبھی کبھی فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ رات کو دیر سے سونا ہے۔"

* "موسم مزاج پر اثر چھوڑتا ہے؟ آپ کو کون سا موسم پسند ہے؟"

★ "موسم تو سارے اللہ کی دی ہوئی نعمت ہیں ہر موسم کی اپنے لحاظ سے ویلیو ہے مجھے سردیاں اچھی لگتی ہیں، برف باری، ہلکی ہلکی بارش، موسم جو بھی ہو میں کہتا ہوں کہ انسان کے دل کا موسم اچھا ہونا چاہیے اگر دل کا موسم اچھا ہے تو سارے موسم ہی زبردست ہیں۔"

* "کسی خوب صورت چیز کو دیکھنے کے بعد پہلا جملہ منہ سے کون سا نکلتا ہے؟"

★ "ماشاءاللہ۔"

* "خواتین کی کون سی عادت پسند ہے؟"

★ "سجنے اور سنورنے کی عادت پسند ہے۔" (یہ بھی خوب کہی)

* "کس قسم کے لوگوں کی محفل اچھی لگتی ہے؟"

★ "با اخلاق لوگوں کی محفل اچھی لگتی ہے۔ کچھ نہ کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے، اچھی گفتگو کا قائل ہوں کیونکہ آپ کے جسم میں سب سے خوب صورت اور سب سے بد صورت حصہ زبان ہی ہے۔"

* "کس رشتے کے بغیر رہنا مشکل ہے؟"

★ "ماں کا رشتہ، جس کے بغیر انسان رہ نہیں پاتا۔ مگر خالق کائنات کے سامنے انسان بے بس ہیں۔ میری ماں اگر بیمار ہوتی ہیں ان کے لیے ہزاروں سال جینے کی تمنا کرتا ہوں....."

* "محبت پر یقین ہے؟"

★ "محبت اچھی چیز ہے۔

محسوس کر رہا ہوں جینے کی تلخیاں
شاید مجھے کسی سے محبت نہیں ہوئی

* "کبھی کسی سے محبت ہوئی؟"

★ "میرا خیال ہے آپ کی محبت کا اصل حق دار آپ کا لائف پارٹنر ہے، لائف پارٹنر ملا محبت ضرور کروں گا۔"

* "کسی سے اظہار محبت کرنے کی کوشش کی؟ نتیجہ کیا نکلا؟"

★ "کسی سے محبت کا اظہار کرتا تو نتیجہ شادی کی صورت میں نکلتا سو ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔"

* "اگر کوئی لڑکی آپ کو چاند پر جانے کے لیے کہے؟"

★ "آفس سے چھٹی ملی تو چلا جاؤں گا مگر اس شرط پہ کہ میرا سارا خرچہ وہ برداشت کرے۔"

* "شادی کا ارادہ کب تک ہے؟ گھر والوں کی پسند سے کریں گے یا.....؟"

★ "شادی کا ابھی کوئی موڈ نہیں، ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے بہت آگے جانا ہے پھر شادی کے بارے میں سوچا جائے گا۔ گھر والوں کی پسند سے کروں گا کیونکہ میری پسند ان کی پسند ہو گی۔"

* "اگر کوئی لڑکی شادی کی آفر کرے تو؟"

★ "تو اسے اپنے گھر والوں سے ملواؤں گا باقی فیصلہ وہ کریں گے۔"

* "کرن ڈائجسٹ کے بارے میں کوئی رائے دینا چاہیں گے؟"

★ "کرن اچھا ڈائجسٹ ہے کبھی میں نے پڑھا نہیں مگر گھر والوں کو لا کر دیتا ہوں۔ یہی کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ترقی عطا کرے اور آپ کے ادارے کو بھی (آمین)"

☆ ☆

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوابھی کرتی ہے۔۔۔ زوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔۔۔۔ وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لنچ کی دعوت دیتی ہے۔۔۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے، اور انہیں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کردیتا ہے۔

بیسویں قسط

WWW.PAKSOCIETY.COM

دستک کی آواز پر زوبیہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی وہ اپنے بستر پر لیٹی کتاب پڑھ رہی تھی کہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی

اب آنکھ کھلی تو کمرے میں پھیلا ملگجا سا اندھیرا دیکھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آن کیا اور جیسے ہی سیدھی ہو کر بستر سے اترنے لگی اپنی جگہ ٹھٹک گئی۔

اس کے بستر پر مختلف اوراق بکھرے ہوئے تھے جب وہ کتاب پڑھنے بیٹھی تھی تب یہاں بستر پر ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔

یہ صفحے اس کے رجسٹر میں ہی سے پھاڑے گئے تھے اور ان صفحوں کے پاس جو پنسل پڑی تھی وہ بھی اسی کے پڑھنے والے ٹیبل پر رکھے پین ہولڈر میں سے نکالی گئی تھی۔

یہ سب پہلی بار نہیں ہوا تھا ایسا اکثر و بیشتر ہوا تھا نیند سے جاگنے پر اس نے اکثر اپنے سرہانے یا اپنے آس پاس ایسے کاغذات کا ڈھیر پایا تھا۔

لیکن اس گھر میں آنے کے بعد ایسا پہلی بار ہوا تھا گویا اس کی بے خبری میں شائستہ خالہ نے ایک بار پھر اس کے قریب بیٹھ کر مختلف کاغذوں پر نقش و نگاری کی تھی۔

اس کے نزدیک تو یہ سب نقش ہی تھے جن تصویروں کا مطلب سمجھ میں نہ آئے وہ صرف لکیریں ہوتی ہیں۔

زوبیہ کے یہ سوچ کر ہی احساسات عجیب سے ہوگئے کہ پتا نہیں شائستہ خالہ کتنی دیر اس کے سرہانے بیٹھی رہی ہوں گی۔

زوبیہ بے بسی سے کاغذوں کو دیکھ ہی رہی تھی کہ دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی زوبیہ نے عجیب سے خوف کے ساتھ وہ کاغذات اٹھائے اور انہیں بغیر دیکھے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ٹھونس دیا۔

اس پر بنے خوفناک چہرے دیکھنے کا اس میں یارا نہیں تھا حالانکہ ایسے تمام اسکیچز وہ پرانے گھر میں چھوڑ آئی تھی اور خاصی مطمئن بھی تھی کہ وہاں آنے والے لوگوں نے انہیں ردی میں ڈلوا دیا ہوگا۔

مگر جب شائستہ خالہ کا عکس اس کے ساتھ ہی یہاں آگیا تھا تو ان کے بنائے اسکیچز وہاں رہ بھی گئے تھے تو کیا فرق پڑنے والا تھا ایسا ڈھیر تو دوبارہ جمع ہو جانا تھا۔

زوبیہ انہیں فی الحال دراز میں چھپا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی مبادلہ اگر دروازے پر عائشہ اختر موجود ہوئیں تو وہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بستر پر بکھرے ان کاغذوں کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔

جبکہ زوبیہ بالکل نہیں چاہتی تھی کہ انہیں اس بارے میں کچھ بھی پتا چلے وہ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ اس گھر میں شفٹ ہونے کے بعد اس کی حالت سدھر گئی ہے اور زوبیہ چاہتی تھی کہ وہ سب اسی خوش فہمی میں مبتلا رہیں

لیکن دروازہ کھولنے پر اس نے سامنے عائشہ اختر کی بجائے ملازمہ کو کھڑا پایا جو اس پر نظر پڑتے ہی بولی۔

"آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔"

زوبیہ ایک پل کے لیے سوچ میں پڑ گئی بلال اختر نے اگر اسے خاص طور پر بلایا تھا تو کسی خاص کام سے ہی بلایا ہوگا جانے اب وہ کیا کہنے والے تھے۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" ملازمہ تو اس کا جواب سن کر پلٹ گئی مگر وہ دروازے میں ہی کھڑی رہی ایسے موقعوں پر ہمیشہ اسے یہی لگتا تھا جیسے کسی مظلوم رعایا کی ظالم بادشاہ کے سامنے پیشی ہو رہی ہو کہ جانے اب بادشاہ سلامت کون سا فرمان جاری کر دیں۔

ٹھیک اسی خوف کے ساتھ زوبیہ ان کے بلانے پر حاضر ہوتے ہوئے سوچ رہی ہوتی کہ جانے اب وہ کون سا حکم صادر کرنے والے ہیں۔

زوبیہ دروازے سے پلٹ کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی بالوں کو بلاوجہ اس نے دیر تک ٹھیک کیا پھر منہ دھونے باتھ روم چلی گئی منہ دھونے کے بعد ایک بار پھر اس نے بالوں کو ٹھیک کیا اور جب وقت ضائع کرنے کا اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا تو بلال اختر کے سامنے جانے کے لیے دل کڑا کرتی کمرے سے نکل گئی۔

وہ ان کے بلانے پر ہمیشہ اتنی ہی تاخیر سے آیا کرتی تھی لہٰذا اسے دیکھ کر بلال اختر نے کسی قسم کا سوال نہیں کیا بلکہ اس کے سلام کا جواب دے کر فوراً" ہی وہ موضوع چھیڑ دیا جس کے لیے اسے بلایا تھا۔

"تم نے اپنے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے زوبیہ۔"

"جی۔" زوبیہ کی سمجھ میں نہ آیا۔

"بیٹے آگے کیا کرنا ہے تمہیں پڑھائی وڑھائی چھوڑ کر آخر کب تک بیٹھی رہو گی۔" ان کے لہجے میں ہلکی سی جھنجلاہٹ کی آمیزش تھی۔

"آں..... جی وہ۔" زوبیہ نے اس بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں تھا اس سے کوئی جواب ہی نہ بن سکا۔

"اس کالج میں نہیں جانا تو کسی اور کالج میں ایڈمیشن لے لو۔ اب بیچ سال میں تو تمہیں داخلہ بھی مشکل سے ہی ملے گا۔

خیر وہ سب تو میں مینج کرلوں گا تم یہ بتاؤ تم نے کسی کالج یا یونیورسٹی وغیرہ کا سروے کیا ہے کچھ سوچا ہے کہاں پڑھنا ہے کہاں ایڈمیشن لینا ہے۔" وہ ایسے بات کر رہے تھے جیسے اس کی غیر ذمہ داری کا یقین ہوتے ہوئے انہیں پہلے ہی پتا ہو کہ ان تمام سوالوں کے جواب نفی میں آنے والے ہیں۔

زوبیہ نے کچھ شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا وہ بھلا کیا پتا کرتی وہ تو کہیں پڑھنا ہی نہیں چاہتی تھی اس کی تو بس ایک ہی خواہش تھی کہ اسے دنیا سے الگ تھلگ اپنے کمرے میں پڑا ... رہنے دیا جائے۔

کچھ دیر وہ کوفت اور تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتے رہے پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ یہ سب بھی میں خود ہی کرلوں گا۔"

"آں..... پاپا میں..... میں اگر پرائیویٹ پڑھائی کرلوں۔" زوبیہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بڑی دقت سے کہا۔

"کیوں؟" وہ ابرو چڑھا کر اسے دیکھنے لگے۔

"آں..... کیونکہ..... وہ دراصل..... میں سوچ رہی تھی کہ پڑھائی ہی تو کرنی ہے۔ کالج وغیرہ کا ماحول ایسا نہیں ہوتا کہ میں اس میں ایڈجسٹ ہو سکوں تو..... کیوں نہ گھر پر ہی رہ کر....." بڑی مشکل سے اس نے اٹک اٹک کر اپنی بات پوری کی تھی۔

بلال اختر بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھتے رہے پھر پرسوچ انداز میں ہنکارہ بھرتے ہوئے بولے۔

"ہوں! بات تمہاری صحیح ہے تم نارمل لڑکیوں سے بہت الگ ہو اس لیے تمہیں نارمل لڑکیوں کے بیچ بیٹھ کر پڑھنا بہت مشکل لگتا ہے۔

لیکن تمہارے لیے سارے جہاں سے کٹ کر مکمل طور پر گھر میں بیٹھ جانا قطعاً" مناسب نہیں۔

بلکہ مجھے تو لگتا ہے گرلز کالج میں پڑھنے کی بجائے تمہیں کو ایجوکیشن میں پڑھنا چاہیے شاید اس طرح تمہارے مزاج میں کچھ تبدیلی آجائے۔" بلال اختر کی بات سن کر زوبیہ کی تو حالت غیر ہو گئی اس کا حلق ایسے سوکھ کر کانٹا ہو

گیا جیسے سالوں کی پیاسی ہو۔

"پ.....پاپا..... میں ہمیں گھر میں ہی پڑھنا چاہتی ہوں اور....."

"میں نے ڈاکٹر شکیلہ سے بھی یہ سب ڈسکس کیا تھا ان کا کہنا بھی یہی ہے کہ تمہیں بالکل گھر میں بٹھا لینا ٹھیک نہیں ویسے کوایجوکیشن کی بات میں نے ان سے نہیں کی مگر خیر ان سے بھی ایک بار ڈسکس کر لوں گا۔ تم اپنے ڈاکومنٹس وغیرہ فائل کر کے دے دینا میں دیکھتا ہوں سال کے بیچ میں تمہیں کہاں داخلہ ملتا ہے۔" انہوں نے قطعی لہجے میں کہہ کر جیسے بات ہی ختم کر دی۔

زوبیہ صرف انہیں بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی کچھ کہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی اور فائدہ بھی نہیں تھا بلال اختر کو اس کی بات کون سا ماننی تھی وہ انہیں۔

"جی اچھا۔"

کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور ڈاکٹر شکیلہ کا نمبر ملانے لگی لائن ملنے پر اس کی آواز سن کر ڈاکٹر شکیلہ نے خاصی خوشی کا اظہار کیا تھا اور کیوں نہ کرتیں پہلی بار تو زوبیہ نے خود سے ان سے رابطہ کیا تھا ورنہ ہمیشہ تو وہ عائشہ اختر کے مجبور کرنے پر ہی ان سے ملنے یا اپنی سیٹنگ کرانے آتی تھی۔

"کیسی ہو زوبیہ؟ نئے گھر میں آ کر کیسا لگ رہا ہے۔" انہوں نے بڑی خوش دلی سے پوچھا۔

"جی..... جی بہت اچھا لگ رہا ہے کافی ریلیکس فیل کر رہی ہوں میں۔" زوبیہ نے جان بوجھ کر اپنا لہجہ تھوڑا کھنکتا ہوا بنانے کی کوشش کی۔

"گڈ ویری گڈ۔" ان کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ زوبیہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہو گئی ہے۔

"مطلب گھر کی یہ تبدیلی تمہارے لیے خوشگوار ثابت ہوئی ہے۔" ڈاکٹر شکیلہ دوستانہ انداز میں بولیں حسب معمول۔

"جی..... جی بالکل۔" زوبیہ نے فوراً" تائید کی۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں اب کسی قسم کے ڈراؤنے خواب بھی نظر نہیں آ رہے۔" خواب سے زیادہ ڈراؤنی تو حقیقت تھی مگر زوبیہ نے اس بات پر بحث کرنے کی بجائے اپنا مخصوص "جی جی" کہہ دیا۔

مگر دوسری طرف بھی ایک تجربہ کار ڈاکٹر موجود تھیں جو کافی عرصے سے اس کا علاج بھی کر رہی تھیں تبھی مزید پوچھنے لگیں۔

"اور خواب کے علاوہ جاگتے میں کوئی ناخوشگوار منظر تو نہیں دیکھا نا آئی مین تمہاری شائستہ خالہ کا عکس یہاں تو تمہیں نظر نہیں آیا نا۔" ان کے لہجے سے ظاہر تھا جیسے وہ بڑی بے چینی سے اس سوال کا جواب جاننا چاہ رہی ہوں۔

زوبیہ نے ایک گہرا سانس کھینچا اور بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں۔"

"That's great! زوبیہ یہ تو تم نے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے حالانکہ عائشہ نے مجھے بتایا تھا مگر تمہارے منہ سے سن کر واقعی یقین آ گیا ہے۔

بس اب پچھلی ساری باتوں کو ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھول جاؤ اور کوشش کرو کہ زیادہ سے زیادہ بزی رہو بالکل بھی فالتو مت بیٹھو تاکہ فالتو سوچنے کا بھی ٹائم نہ ملے۔" ان کی آواز میں ایک جوش تھا آخر زوبیہ ان کی اتنی پرانی مریضہ تھی اس میں تبدیلی بلکہ تبدیلی کیا اس قدر مکمل سدھار انہیں سر تا پا سرشار کر گیا تھا۔

"جی..... جی میرا بالکل ارادہ نہیں ہے فارغ بیٹھنے کا میں نے سوچا ہے..... کہ ذرا الماریاں وغیرہ ٹھیک طرح سے

سیٹ ہو جائیں پھر میں کمپیوٹر کی اور کوکنگ کی کلاسز لوں گی۔" زوبیہ نے سفید جھوٹ بولا۔

اس کی الماریاں وغیرہ مکمل طور پر سیٹ ہو چکی تھیں مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ کلاسز لینے کی بات تو ابھی اس کے ذہن میں آئی تھی جسے سن کر ڈاکٹر شکیلہ پھولی نہ سمائیں۔

"ہاں ہاں بالکل زوبیہ۔ پہلے کمرہ وغیرہ سیٹ کر لو شفٹنگ کوئی آسان کام تھوڑی ہے بھئی اور وہ بھی اتنے سالوں کا جما جمایا گھر۔ کتنی تو ایسی چیزیں نکلی ہوں گی جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہوں گی کہ رکھوں کہاں۔"

"جی، جی اصل میں ڈاکٹر میں نے آپ کو اس لیے فون کیا تھا کہ..... پاپا چاہتے ہیں میں اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر دوں۔

میں ہمیں خود بھی پڑھائی شروع کرنا چاہتی ہوں ایسا نہیں ہے کہ میں پڑھائی چھوڑ رہی ہوں۔

لیکن..... پاپا میرا کالج میں ایڈمیشن کرانا چاہ رہے ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ مجھے کوایجوکیشن میں پڑھنا چاہیے۔

میں کوایجوکیشن میں پڑھنا نہیں چاہتی بلکہ مجھے لگتا ہے میں گھر میں زیادہ اچھی پڑھائی کر سکتی ہوں میں پرائیوٹ ایگزام کی تیاری کر لوں گی۔" زوبیہ کی بات پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں پھر پرسوچ انداز میں بولیں۔

"ہاں ٹھیک ہے اگر تم گھر میں پڑھائی کر سکتی ہو اور بقول تمہارے زیادہ اچھی کر سکتی ہو تو یہ تو بہت اچھی بات ہے میں مسٹر بلال سے بات کروں گی تمہیں گھر میں پڑھنے دیا جائے۔" زوبیہ ان کی بات سن کر ایک دم بہت خوش ہو گئی۔

"تھینک یو ڈاکٹر تھینک یو سو مچ مگر آپ پاپا سے بات مت کیجیے گا وہ خود آپ کو فون کریں گے مشورہ کرنے کے لیے۔ تب آپ ان پر ایسے ہی ظاہر کیجیے گا جیسے یہ سب آپ اپنی طرف سے کہہ رہی ہیں اور میں نے آپ سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔"

"اوہ شیور بیٹا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے لیکن تمہیں بھی مجھ سے ایک پرامس کرنا ہو گا۔"

"جی جی کہیں۔"

"تم خوب دل لگا کر گھر میں پڑھائی کرو گی اور اپنی دوائیں وغیرہ بالکل نہیں چھوڑو گی اور اگر تمہیں پہلے کی طرح کوئی بھی چیز یا عکس نظر آتا ہے تم بلا جھجک مجھے بتاؤ گی۔" زوبیہ کو اندازہ بھی نہیں ہوا کہ ڈاکٹر شکیلہ اس کا جھوٹ بولنا بھانپ گئی ہیں۔

وہ ایک منجھی ہوئی ماہر نفسیات تھیں انہیں اچھی طرح پتا تھا کہ محض ایک گھر بدل لینے سے ایک مریض میں اتنی جلدی اتنا فرق نہیں آ سکتا۔

اسی لیے انہیں زوبیہ کی باتیں سن کر بڑی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

مگر جب زوبیہ نے بلال اختر کے ارادوں کے بارے میں بتایا تو جیسے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا۔

وہ بخوبی سمجھ گئیں کہ زوبیہ اپنی منوانے کے لیے انہیں خوش کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے اسی لیے انہوں نے دوائیں نہ چھوڑنے کی خاص طور پر تاکید کی تھی۔

انہوں نے اس پر ظاہر اس لیے نہیں کیا کہ وہ فی الحال اس کا بھروسہ جیتنا چاہتی تھیں جس طرح آج اس نے اپنی پرابلم حل کرنے کے لیے انہیں فون کیا تھا وہ چاہتی تھیں کہ وہ ایسے ہی اپنی ہر بات ان سے ڈسکس کرے اور انہیں حل کرنے کا موقع دے۔

مریض کے گھر والوں کے بتانے میں اور خود مریض کے بتانے میں بڑا فرق ہوتا ہے اس لیے اگر اس ایک موقع سے وہ اس کا اعتماد حاصل کر سکتی تھیں تو یہ ان کے پیشے کے اعتبار سے بہت بڑی کامیابی تھی۔

دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک بھی زوبیہ کا کالج میں پڑھنا اتنا ضروری نہیں تھا یا اگر تھا بھی تو فوری طور پر نہیں تھا کہ جب وہ ذہنی طور پر راضی نہیں ہے لوگوں کے بیچ جانے اور گھلنے ملنے کے لیے تو پھر زبردستی اسے بھیجنا ٹھیک نہیں۔ اس طرح اس کے ذہن پر اور برا اثر پڑے گا۔
زوبیہ نے ان کی تمام شرائط فوراً" مان لیں اور ان کے یقین دہانی کرانے پر پرسکون ہو کر فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼
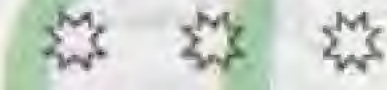
جب ڈاکٹر نے شگفتہ غفار کو چیک کر کے بتایا کی بی پی بہت زیادہ لو ہونے کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی تھی تب کہیں جا کر الیان اور ریاض غفار کی جان میں جان آئی۔
اب وہ بھلے ہی خطرے سے باہر تھیں لیکن بی پی کا اتنا لو ہونا جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ اس میں دل کی دھڑکن بند ہو سکتی ہے۔ مگر وہ خطرہ ٹل گیا تھا ڈاکٹر نے احتیاطاً" انہیں ڈرپ لگا دی تھی اس ایک پریشانی کے کم ہونے پر دوسری پریشانی دوبارہ حاوی ہو گئی۔
ہسپتال کے کاریڈور میں ریاض غفار کے پاس آتے ہوئے الیان بولا۔
"ڈیڈی میں عادل کو فون کر رہا ہوں اس کا پورا خاندان آرمی میں ہے وہ لوگ اس طرح بریرہ کو تلاش کریں گے کہ کوئی افسانہ بھی نہیں بنے گا۔"
"ہاں اس سے کہو جتنی رازداری سے یہ سب ہو سکتا ہے اچھا ہے۔
ابھی تمہارے ماموں کا فون آیا ایسے ہی خیر خیریت پوچھنے کا۔ میں نے ذکر ہی نہیں کیا کہ تمہاری ماں ہسپتال میں ہیں۔
وہ تو یہ سنتے ہی آ جاتے پھر بریرہ کو یہاں نہ پا کر انہیں تعجب ہوتا۔" ریاض غفار کے چہرے پر شکنوں کا ایک جال بچھا تھا۔
"وہ تو خیر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بریرہ گھر پر ہے مگر یہ سن کر ممانی جان یا کوئی اور بریرہ کے پاس گھر بھی پہنچ سکتے ہیں کہ وہ وہاں اکیلی ہے۔" الیان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا تو ریاض غفار نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔
"اچھا پھر میں چلتا ہوں آپ ممی کو لے کر گھر چلے جائیے گا اور ان سے کہہ دیجیے گا بریرہ آج ہی مل جائے گی وہ آرام سے کھانا وغیرہ کھا لیں۔" الیان نے بڑے مرے ہوئے لہجے میں کہا تو ریاض غفار بھی نظریں چرا گئے۔
اور اس سے پہلے کہ الیان آگے بڑھنے کے لیے قدم اٹھاتا اس کا موبائل بج اٹھا۔
فطری طور پر اسے سب سے پہلے بریرہ کا ہی خیال آیا تھا اس لیے اس نے فوراً" جیب سے موبائل نکال لیا ریاض غفار بھی متجسس ہو کر بے چینی سے اسے دیکھنے لگے جو اسکرین پر ایک انجان نمبر دیکھنے کے باوجود کال ریسیو کر کے کان سے لگا چکا تھا۔
"ہیلو! کیا میں الیان غفار سے بات کر سکتا ہوں۔" دوسری طرف سے ابھرنے والی مردانہ آواز بھی بالکل اجنبی تھی۔
"جی بول رہا ہوں۔ آپ کون؟" الیان نے کہا مگر دوسری طرف سے جواب آنے کی بجائے ایک ایسا سوال کیا گیا کہ الیان چونکنا ہو کر اس کی بات سننے لگا۔
"اپنی بہن کے غائب ہونے پر بہت پریشان ہو نا۔ بات تو واقعی پریشانی کی ہے چار دن بعد اس کی شادی ہے بلکہ چار دن بھی کہاں' رات تو ہو رہی ہے سمجھ لو تین ہی دن رہ گئے ہیں آج کا دن تو گزر ہی گیا ہے۔"
"کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو تمہیں جو بھی چاہیے مل جائے گا مگر بریرہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" الیان کے

کہتے ہی ریاض غفار بھی ہراساں ہو کر بغور الیان کے تاثرات دیکھنے لگے جو دوسری طرف کی بات سن کر بالکل حیران رہ گیا تھا۔
"مجھے کوئی پیسہ وغیرہ نہیں چاہیے مجھے صرف ایک فیور چاہیے اگر تم کرتے ہو تو میرا وعدہ ہے کہ تمہاری بہن صحیح سلامت گھر آ جائے گی اور اگر نہیں کرتے تو گھر تو میں اسے تب بھی بھیج دوں گا مگر اس کی بربادی کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"
"کیسا فیور چاہیے جلدی بتاؤ؟" الیان اس کے لہجے میں چھپی دھمکی پر بلبلا اٹھا ایک طرف اس کا دل چاہتا تھا وہ فون پر ہی اس کا گلا دبا دے تو دوسری طرف اس کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔
"چار دن بعد بالکل نارمل طریقے سے اگر تم اپنی بہن کی شادی کرنا چاہتے ہو تو کل تمہیں خود شادی کرنی ہو گی ایک رومیلہ نام کی لڑکی سے۔" ابرار نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا مگر الیان کے تو سر پر سے گزر گئی اس کی بات۔
"کیا؟؟؟"
"تم کیا کہہ رہے ہو میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" الیان نے بے چینی سے موبائل ایک کان سے ہٹاتے ہوئے دوسرے کان پر لگایا۔
"تمہیں کل ایک لڑکی سے شادی کرنی ہے' جس کا نام رومیلہ ہے' اگر تم تیار ہو تو میں بتا دیتا ہوں کہ تمہیں بارات لے کر کہاں جانا ہے؟" دوسری طرف سے ابرار نے اتنے نارمل انداز میں کہا جیسے کسی بزنس ڈیل کے لیے میٹنگ پوائنٹ اور ٹائم طے کر رہا ہو۔
الیان اب بھی ہونق بنا اس کے الفاظ پر غور کر رہا تھا' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے سننے میں غلطی ہو رہی ہے یا اس شخص سے بولنے میں۔
حالانکہ اس کا فون سنتے ہی الیان کی سمجھ میں پوری کہانی آ گئی تھی جو کہ ایسی کوئی پیچیدہ تھی بھی نہیں۔
کسی نے اس کی بہن کو اغوا کیا تھا اور بدلے میں تاوان مانگنے کے لیے فون کر رہا تھا۔
مگر یہاں تاوان کے طور پر رقم کی بجائے ایک عجیب و غریب مطالبہ کیا جا رہا تھا' جس پر عمل کرنا تو درکنار یقین کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔
"تم کون بول رہے ہو؟" بہت سوچ کر الیان کو ایک یہ ہی جملہ بولنا آسان لگا۔
"احمقانہ سوال مت پوچھو' کامن سینس کی بات ہے' جس نے تمہاری بہن کو اغوا کیا ہے وہ اپنا تعارف تو ہرگز نہیں دے گا۔"
"مجھ سے سوال کرنے کی بجائے تم صرف میرے سوال کا جواب دو۔ اپنی بہن کی خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ میرے کہے پر عمل کر دو' تمہاری بہن باحفاظت تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔" دوسری طرف سے آنے والا جواب کوئی خاص حیران کن نہیں تھا۔
الیان کو خود بھی امید تھی وہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ لیکن اس کے بارے میں جاننا اتنا مشکل نہیں تھا' اس کا نمبر تو موبائل پر آ ہی چکا تھا' پھر جو شرط وہ اس کے سامنے رکھ رہا تھا وہ بھی ایسی تھی کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں الیان اس شخص تک نہ سہی' ان لوگوں تک ضرور پہنچ سکتا تھا جو ان سب حالات کے ذمہ دار تھے۔ یہ ہی سوچتے ہوئے الیان نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے پوچھا۔
"کون ہے یہ رومیلہ اور مجھے اس سے شادی کب اور کہاں کرنی ہے؟" ریاض غفار جو بغور الیان کو دیکھ رہے

تھے اس کی بات پر اچنبھے کے ساتھ بولے۔
الیان نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا' کیونکہ دوسری طرف سے وہ شخص کچھ کہہ رہا تھا جو الیان پوری توجہ سے سننا چاہتا تھا۔
"رومیلہ ایک لڑکی ہے اور کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے' بہت اچھے خاندان کی خوب کھاتے پیتے گھرانے کی ہے' تمہیں کل اس سے شادی کرنی ہے باقاعدہ بارات لے کر' تمہیں ایک ہوٹل کے ہال روم میں دولہا بن کر آنا ہوگا' وہاں اس لڑکی کا پورا خاندان موجود ہوگا' وہ لڑکی بھی دلہن بن کر پورے قاعدے قانون کے مطابق باوقار طریقے سے تمہارے ساتھ رخصت ہوگی۔
اور بغیر کسی چالاکی کہ جب تم یہ سب بالکل ہدایت کے مطابق کرلوگے تو دوسرے دن تمہاری بہن تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔
تم طے شدہ وقت پر اس کی شادی کردینا اور ساتھ ہی اپنے خاندان میں اعلان کردینا اپنی شادی کا' تاکہ تمہاری بہن کی شادی میں تمہارا ولیمہ بھی ہوجائے اور سب کو تمہاری شادی کی خبر بھی ہوجائے۔" ہم بڑا ایسے اطمینان سے بول رہا تھا جیسے دو انسانوں کی بجائے گڈے گڑیا کی شادی کی بات کررہا ہو۔
"اور پھر؟" الیان نے اس کے آگے کے ارادے جاننے کے لیے سنجیدگی سے پوچھا۔
"پھر کیا؟ پھر آگے تم خود سمجھ دار ہو۔ رومیلہ کو تمہیں بیوی کے طور پر اپنے گھر میں رکھنا ہوگا اور اس کو اس کے سارے حقوق دینے ہوں گے۔"
اسے اگر ذرا بھی تکلیف پہنچانے کی کوشش کی تو تمہاری بہن کی سسرال میں اس کے اغوا کی خبر اتنے غلط انداز میں پہنچے گی کہ اس کا گھر اجاڑ دے گی۔
یوں سمجھ لو کہ بہن کا گھر بسانا چاہتے ہو تو اپنا گھر بھی بسائے رکھنا' ورنہ تمہارا ایک غلط قدم یا ذرا سا بھی نامناسب رویہ تمہاری بہن کی زندگی برباد کردے گا۔" دوسری طرف سے بڑی سفاکی کے ساتھ کہا گیا۔
الیان اس کی ایک ایک بات کو پورے دھیان سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوگیا تو الیان پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی کے ساتھ سپاٹ لہجہ میں بولا۔
"کیا تمہیں نہیں لگتا کہ میں تمہیں بہت آسانی سے ٹریس کرسکتا ہوں۔" اس کی بات پر کچھ دیر کے لیے دوسری طرف خاموشی چھا گئی' پھر تھوڑے توقف کے بعد وہی آواز اسی ٹھوس لہجے کے ساتھ ابھری۔
"ہاں اگر تم کوشش کرو تو مجھ تک تو پہنچ سکتے ہو' لیکن اس کے بعد تم اپنی بہن کی شادی کو ٹوٹنے سے نہیں بچاسکتے' وہ تو یہ راز کھلنے پر عمر بھر کے لیے بدنام ہوجائے گی' چاہے مجھے عمر قید ہی کیوں نہ ہوجائے۔" اب کی بار خاموش ہونے کی باری الیان کی تھی' اس نے بے اختیار لب بھینچ لیے۔
وہ شخص غلط نہیں کہہ رہا تھا' اس وقت الیان کے پیش نظر اولین ترجیح اس کی بہن کی عزت اور زندگی تھی' جس پر اگر بال برابر بھی آنچ آجاتی تو اس کا ازالہ اس شخص کو پھانسی پر چڑھانے سے بھی نہیں ہوسکتا تھا۔
اسی لیے جب الیان بولا تو اس کے لہجے میں ایک محسوس کی جانے والی بے بسی رچی تھی۔
"نہیں میری بہن کو کچھ نہیں ہونا چاہیے' تم جو کہو گے میں کرنے کے لیے تیار ہوں' بتاؤ کون سے ہوٹل میں بارات لے کر آنی ہے۔" ریاض غفار نے ایک بار پھر بے چین ہو کر کچھ کہنا چاہا' مگر اب کی بار وہ خود ہی ہونٹ چبا کر رہ گئے۔

جبکہ دوسری طرف ابرار نے اسے ہوٹل کا نام بتانے کے بعد تنبیہی انداز میں کہا۔
"تمہیں۔ ٹھیک آٹھ بجے بارات لے کر پہنچ جانا ہے اور کسی قسم کی کوئی ہوشیاری کرنے کی کوشش مت کرنا تمہارے ساتھ صرف تمہارے والدین ہونے چاہئیں۔" الیان کو محسوس ہو گیا تھا کہ وہ فون بند کرنے والا ہے' تب ہی وہ جلدی سے بولا۔
"کیا میں بریرہ سے بات کر سکتا ہوں؟" دوسری طرف ابرار تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گیا' پھر اپنے لہجے کو کسی اشتہاری مجرموں جیسا بناتے ہوئے بولا۔
"اوئے وہ بھی کرادوں گا' لیکن ابھی نہیں۔" ابرار یہ ساری گفتگو بریرہ کے سامنے بیٹھ کر تھوڑی کر رہا تھا جو ابھی بات کرا دیتا' اس نے الیان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فون بند کر دیا۔
الیان کچھ کہنے کے لیے محض منہ کھول کر رہ گیا' اس نے موبائل پر آئے نمبر پر کال بیک کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ شخص کسی نئی سم پر اس سے بات کر رہا ہو گا' جو اس کے نام پر بھی نہیں ہو گی اور جسے وہ روزمرہ زندگی میں استعمال بھی نہیں کرتا ہو گا' اس لیے بغیر نمبر ملائے اسے یقین تھا کہ اس کا فون سوئچ آف ہو چکا ہو گا۔ البتہ الیان نے اس نمبر کو سیف ضرور کر لیا تھا اور یہ سب کرنے کے بعد اس نے ریاض غفار کی طرف دیکھا جو اس کے فون بند کرتے ہی بے قراری سے پے در پے سوال کرنے لگے تھے۔
"کیا ہوا؟ کون تھا وہ شخص؟ کیا کہہ رہا تھا؟ بریرہ کیسی ہے؟
اس سے کہو جتنا پیسہ اسے چاہیے مل جائے گا۔ مگر بریرہ پر آنچ بھی نہیں آنی چاہیے۔
اور یہ شادی کی کیا شرط تھی۔ کون شادی کر رہا ہے؟
تم؟ مگر کس سے؟
آخر تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔" آخری جملہ انہوں نے بری طرح جھنجلا کر کہا تو الیان نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے مختصر الفاظ میں انہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا۔
"یہ کیا عجیب و غریب مطالبہ ہے بھلا تمہارے شادی کرنے سے انہیں کیا فائدہ ہو گا اور گھر بھلا ایسے بستے ہیں کیا۔" ریاض غفار بری طرح تپ کر بولے۔
"میرا نہیں خیال کہ یہ شادی گھر بسانے کے لیے کی جا رہی ہے۔" الیان پُر سوچ انداز میں بولا۔
"کیا مطلب۔" ریاض غفار چونکے۔
"اب بھلا اس سیدھی سی بات کا کیا مطلب ہو سکتا ہے' یہ شادی صرف ہمارے اونچے گھرانے میں آنے اور ہمارے پیسے ہتھیانے کے لیے کی جا رہی ہے۔"
جس رومیلہ نامی لڑکی کا یہ ذکر کر رہے ہیں وہ ان کے گینگ کی ہی ہو گی' اس کے ذریعے وہ زندگی بھر ہمیں لوٹتے رہیں گے۔" الیان کے کہنے پر ریاض غفار کے چہرے پر پھیلے تفکرات میں مزید اضافہ ہو گیا تو الیان گہرا سانس کھینچتے ہوئے بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔
"کہہ تو وہ یہ ہی رہے ہیں کہ وہ لڑکی اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی خاندانی لڑکی ہے' مگر مجھے پتا ہے کہ یہ سب ملے ہوتے ہیں سب ایک سے گھٹیا اور گرے ہوئے ہوں گے۔ بس اللہ تعالیٰ بریرہ کو اپنی حفاظت میں رکھے' وہ ان کے چنگل سے نکل آئے' ان لوگوں سے تو بعد میں بھی نمٹا جا سکتا ہے۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تم اس سے شادی کے لیے تیار ہو؟" ریاض غفار اچنبھے کے ساتھ بولے تو ان کی حیرت کو دیکھتے ہوئے الیان حیران ہو کر بولا۔

"تیار نہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بریرہ ان کے قبضے میں ہے' ہمارا ایک غلط قدم بریرہ کو..." آگے الیان سے بات بھی پوری نہیں کی گئی۔
ریاض غفار کے چہرے پر بھی سایہ سا لہرا گیا' مگر پھر بھی وہ تذبذب کے عالم میں بولے۔
"لیکن الیان... وہ لوگ پتا نہیں کون لوگ ہیں' کس قسم کے ہیں۔ وہ لڑکی جانے کس قماش کی ہو' ہم ایسے کیسے..." ریاض غفار کا دل کسی طور نہیں مان رہا تھا۔
"آپ بے فکر رہیں' میں... زندگی بھر کے لیے اس رشتے کو گلے کا طوق نہیں بناؤں گا' ایک بار بریرہ واپس آجائے' پھر ان سب کا وہ حشر کروں گا کہ..." الیان دانت پیس کر رہ گیا تو ریاض غفار بھی صرف اسے دیکھ کر رہ گئے۔
اپنے بیٹے کی ضدی فطرت سے وہ بخوبی واقف تھے۔ وہ جو ایک بار ٹھان لیتا اسے پھر اس فیصلے سے کوئی ایک انچ نہیں ہلا سکتا تھا' لیکن اس وقت انہیں صرف بریرہ کی فکر تھی' آگے کیا ہو گا یا الیان کیا قدم اٹھائے گا۔ اس تفصیل میں جانے کا قطعی وقت نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

بریرہ کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک اچھے صاف ستھرے کشادہ سے کمرے کے بستر پر دراز پایا۔
کچھ لمحوں کے لیے تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے' پھر جیسے اچانک اسے سب کچھ یاد آگیا۔
وہ پارلر میں اپنی سروس کرانے گئی تھی اور جیسے ہی فارغ ہوئی اس کے موبائل پر کسی آدمی کا فون آیا تھا' جس نے خود کو الیان کا دوست بتا کر اسے اطلاع دی تھی کہ ریاض غفار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے' وہ اسپتال میں ہیں اور ان کی حالت بہت سیریس ہے۔
بریرہ تو یہ سنتے ہی حواس باختہ ہو گئی تھی' اس کا دل ویسے بھی کمزور تھا اور شادی قریب ہو تو لڑکی قدرتی طور پر اپنے گھر والوں کے لیے زیادہ حساس ہو جاتی ہے۔
بریرہ جو پہلے ہی ان سے دور ہونے کے خیال سے ان کے زیادہ قریب ہو گئی تھی' ان کے ایکسیڈنٹ کا سن کر تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔
وہ صرف یہ سن کر کہ فون کرنے والا خود کو الیان کا دوست بتا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ وہ اسے لینے آیا ہے اور باہر سفید رنگ کی وین میں اس کا ویٹ کر رہا ہے فوراً" اٹھ کر باہر آگئی اور باہر کھڑی وین میں جا کر بیٹھ گئی۔
جس میں ایک ڈرائیور کے علاوہ ایک شخص اور اس کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ بریرہ نے بیٹھنے کے بعد اسے دیکھا تھا' بلکہ دیکھا کیا تھا جب اس نے ریاض غفار کی بابت پوچھا تھا کہ وہ کون سے اسپتال میں ہیں اور ان کی طبیعت کیسی ہے تب پیچھے سے وہ آدمی گویا ہوا تھا اور اسے سن کر بریرہ کو پتا چلا تھا کہ وہ فون پر بھی اسی سے مخاطب تھی۔
تب ہی پہلی بار اسے خیال آیا تھا کہ اسے وین میں بیٹھنے سے پہلے الیان یا شگفتہ غفار کو فون کر کے بات کرنی چاہیے تھی۔ لہٰذا اس نے اسی وقت اپنا پرس کھول کر اپنا موبائل نکالا اور ابھی اس نے کال ملائی بھی نہیں تھی کہ پیچھے سے ایک ہاتھ جس میں ایک عدد رومال موجود تھا عین اس کے چہرے کے سامنے آگیا۔
بریرہ کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ وہ اس ہاتھ کو پکڑ کر اسے روکنا چاہتی تھی' مگر تب تک پیچھے بیٹھا شخص اس کی ناک پر سختی سے وہ رومال رکھ چکا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا بریرہ کو کچھ پتا نہیں تھا' اس کی آنکھ اب کھلی تھی اور وہ بستر پر تنہا پڑی تھی۔
اس کے پاس اس کا پرس تھا' نہ موبائل اور نہ ہی ہاتھ پر بندھی گھڑی۔
پتا نہیں کیا ٹائم ہو رہا تھا' کمرہ گو کہ کافی اچھا سیٹ تھا' مگر اس میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا' جو وہ باہر کا منظر دیکھ کر وقت یا جگہ کا اندازہ کرپاتی۔
بریرہ تیزی سے بے چینی کے عالم میں اٹھی اور کمرے میں موجود دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
حیرت انگیز طور پر ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھل گیا۔ بریرہ ایک ترنگ کے ساتھ باہر نکلی۔
مگر یہ کیا؟
وہ کمرے سے باہر جانے کا راستہ نہیں تھا' بلکہ باتھ روم تھا۔ بریرہ کچھ دیر تو یاسیت سے سامنے لگے بیسن کے اوپر نصب آئینے میں خود کو دیکھتی رہی' پھر دوبارہ کمرے کی طرف پلٹ گئی۔
اب اس کی نظر کمرے میں موجود دوسرے دروازے پر پڑی تھی اور یہ ہی کمرے سے باہر جانے کا دروازہ تھا' کیونکہ یہ باہر سے لاک کیا ہوا تھا۔
اس کے باوجود بریرہ جانے کس امید پر' ہینڈل گھما گھما کر اسے کھولنے کی کوشش کرتی رہی' ساتھ میں دروازہ پیٹتے ہوئے وہ مسلسل فریاد بھی کرتی رہی کہ اسے یہاں سے نکال لو' اسے کیوں بند کیا گیا ہے وغیرہ۔
مگر اسے خود بھی پتا تھا کہ اس کے آنسو اور آہیں اس دروازے کو نہیں کھلوا سکتے۔
جانے اسے کھلوانے کی کیا شرائط ہوں گی' وہ یہ سوچنے سے بھی قاصر تھی' جاننا تو بہت دور کی بات تھی۔

☼ ☼ ☼

نمل اور سنبل نے سوچا تو یہ ہی تھا کہ رومیلہ کو ساری سچائی فوراً بتادیں گی اور انہیں بہت اچھا موقع بھی ملا جب رومیلہ کی ساری کزنز کھانا کھانے کمرے سے چلی گئیں' تب وہ رومیلہ سے آرام سے بات کرسکتی تھیں' مگر ان دونوں کی ہی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔
ایک وقت تھا جب رومیلہ اس شادی کو لے کر بہت پریشان تھی' کسی قسم کی خوشی اور شرارت اس کے چہرے کا حصہ نہیں بنی تھی' آخر نمل کے کینیڈا جاکر گلفام سے ملنے پر اس کے اوہام وغیرہ سب ختم ہوگئے تھے اور اس کے چہرے پر ایک سکون نظر آنے لگا تھا۔
مگر اطمینان کا یہ دورانیہ اتنا مختصر ہوگا اس بات کا اندازہ ان میں سے کسی کو نہیں تھا۔
ابھی بھی اپنی کزنز کے منہ سے یہ سن کر کہ لڑکے والے فنکشن شروع ہونے سے پہلے ہی لوٹ گئے ہیں' وہ اچھی خاصی فکرمند ہوگئی تھی۔
مگر نمل کے جواب نے اس کی فکروں کو ایک دم دور کردیا تھا' اسی لیے کزنز کے جانے کے بعد وہ پرسکون ہوکر انہیں اس لڑکی کے متعلق بتانے لگی جو کل صبح اس کے مہندی لگانے آنے والی تھی۔
"تم دونوں بھی یہیں آجانا اور میرے ساتھ ہی مہندی لگوالینا۔" وہ بڑے مگن انداز میں بول رہی تھی' نمل اور سنبل بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔
وہ دونوں اپنی ہمتیں اکٹھا کرتی رہیں اور اس کی کزنز کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر واپس بھی آگئیں' تب سنبل نے سرگوشیانہ انداز میں نمل سے کہا۔
"ان سب کے جانے کے بعد آرام سے رومیلہ کو بتائیں گے' تاکہ وہ کم از کم کھل کر رو تو سکے۔" نمل اس کی

بات پر صرف سر ہلا کر رہ گئی۔
مگر ان کے جانے سے پہلے بڑی عجیب بات ہوئی' رومیلہ کی بھابھی آکر ان سب پر بگڑنے لگیں کہ بجائے رومیلہ کو نیچے لے جاکر رسم وغیرہ کرنے کے وہ سب کمرہ بند کرکے بیٹھ گئی ہیں۔
ان کی جھاڑ پر وہ ساری کزنز حرکت میں آگئیں اور رومیلہ کو ڈوپٹہ اوڑھا کر روایتی انداز میں باہر لان میں لے گئیں۔
سنبل اور نمل کا تو اب کسی بھی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا' وہ دونوں کھنچی کھنچی سی سب کچھ دیکھتی رہیں' تب ہی بھابھی ان کے قریب آکر آہستگی سے کہنے لگیں۔
"اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' تمہاری ایسی شکلیں دیکھ کر رومیلہ بھی مشکوک ہوجائے گی۔ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ صرف تم دونوں تک رہنا چاہیے۔" ان کے تنبیہی انداز پر نمل دبی دبی آواز میں بولی۔
"لیکن دو دن بعد کیا ہوگا؟ یہ رومیلہ کو دلہن کی طرح نیچے لاکر فضول کی رسمیں کیوں کی جارہی ہیں۔"
"یہ فضول کی رسمیں نہیں ہیں' دو دن بعد رومیلہ کی شادی ہو رہی ہے۔" بھابھی نے دور بیٹھی رومیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"کیا؟ ابرار بھائی اب بھی رومیلہ کی شادی گلفام سے کرنے کے لیے تیار ہیں۔" نمل شدید حیرت کے ساتھ بولی تو بھابھی اسے بے زاری سے دیکھنے لگیں۔
"تم بھی حد کرتی ہو' میں تو اس کمرے میں موجود نہیں تھی' جہاں یہ ساری گفتگو ہوئی تھی' مجھے تو ابرار نے ابھی بتایا ہے تو مجھے پتا چلا ہے' لیکن تم نے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' پھر بھی ایسی بات پوچھ رہی ہو۔ کیا ابرار کے مزاج سے تم واقف نہیں۔ ابرار کتنے ضدی ہیں' اب تو چاہے زندگی کے لالے پڑ جائیں' مگر وہ گلفام سے تو رومیلہ کی شادی ہرگز نہیں کریں گے۔
وہ اسی وقت کہیں چلے گئے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئے ہیں تو مجھے بتایا ہے کہ رومیلہ کی شادی پرسوں اسی ہوٹل میں ہوگی' جو ہم نے بک کرایا ہے' تب ہی تو میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ ایسے منہ بسور کر مت کھڑی ہو۔" وہ کہتی چلی گئیں۔
"لیکن دو دن کے اندر کون ___ شادی کے لیے تیار ہوگیا۔" نمل کو ابرار بھائی سے کسی اچھے اقدام کی امید نہیں تھی' تب ہی حیران لہجے میں بولی۔
"یہ تو انہوں نے نہیں بتایا' شاید ان کا کوئی دوست وغیرہ ہوگا۔" بھابھی ایسے لاپروائی سے بولیں جیسے دو دن بعد رومیلہ کی شادی ہوجانا ہی بس اہم ہو' باقی وہ کون ہے اور کس سے ہو رہی ہے' ان سوالوں کی کوئی وقعت نہ ہو۔
سنبل اور نمل تو ابھی ٹھیک طرح سے حیران بھی نہیں ہوئی تھیں کہ بھابھی اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔
"مجھے تو بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے ابرار بھائی نے مقررہ وقت پر شادی انجام دینے کے لیے جانے کسے پکڑ لیا ہوگا۔" سنبل بے چینی سے بولی۔
"ہاں! دو گھنٹے پہلے ہی تو وہ یہاں سے گئے تھے' دو گھنٹے میں بھلا کون شادی کے لیے تیار ہوگیا اور اگر ہوگیا ہے تو انہوں نے بھابھی کو کیوں نہیں بتایا۔"
"یا شاید بھابھی ہمیں بتانا نہیں چاہ رہیں۔" نمل نے بدستور ہنستی کھلکھلاتی بھابھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جو کسی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوگئی تھیں۔
سنبل بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں بھابھی کو دیکھنے لگی اور ان کے چہرے کو کھوجتے ہوئے بڑبڑانے والے

انداز میں بولی۔
"مجھے تو لگتا ہے بھابھی کو کچھ پتا ہی نہیں ہے' یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ابرار بھائی نے ابھی کوئی انتظام کیا ہی نہ ہو۔" سنبل اور نمل بھابھی پر سے نظریں ہٹا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
"میرے خیال سے رومیلہ کو ابھی کچھ نہ بتایا جائے۔ پرسوں تک دیکھ لیتے ہیں۔" سنبل نے پرسوچ انداز میں کہا۔
نمل کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ اس سے متفق نہیں ہے' مگر وہ اس سے اختلاف کرنے کے بھی حق میں نہیں تھی۔
جس پریشانی سے وہ دونوں گزر رہی تھیں رومیلہ کو اس سے آگاہ کر کے وہ صرف اس کا سکون ختم کر سکتی تھیں۔
کیونکہ رومیلہ بھی ابرار بھائی کے سامنے اتنی ہی بے بس تھی جتنی کہ وہ دونوں۔ پھر ایسے میں اس کا بے خبر رہنا ہی اس کے لیے زیادہ بہتر تھا' وہ اس کی یہ نعمت اس سے کیسے چھین سکتی تھیں۔
مگر وہ دونوں بھابھی کی طرح اتنے پرسکون انداز میں اس ڈرامے کا حصہ نہیں بن سکتی تھیں' تب ہی نمل رومیلہ سے رشیدہ کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے گھر جانے کی اجازت لینے چلی گئی اور کیونکہ سنبل کو بھی اسے ہی ڈراپ کرنا تھا چنانچہ سنبل کے لیے کوئی بہانہ گھڑنے کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔
رومیلہ نے سن کر تھوڑا سا پس و پیش کا مظاہرہ کیا' مگر رشیدہ کی طبیعت کے آگے وہ زیادہ کچھ بول نہیں سکتی تھی' پھر وہ زندگی کے ایسے موڑ پر کھڑی تھی جہاں پر بہت ساری چیزیں ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔
وہ اس لمحے اتنی مگن تھی کہ ان دونوں کا جانا خود پر حاوی نہیں ہو سکا۔
دوسری طرف انہوں نے رشیدہ کو بھی فی الحال کچھ نہ بتانا ہی مناسب سمجھا۔ خوامخواہ وہ ابھی سے ہولنا شروع ہو جائیں گی۔ اس لیے ان کے سامنے سنبل کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا دیا' جس پر انہوں نے فوراً یقین کر کے جانے کی اجازت مانگ لی۔
صبح وہ دونوں محض رومیلہ کے گھر جانے سے بچنے کے لیے یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔
نمل تو اس سے بات کرنے سے اتنا گھبرا رہی تھی کہ اس نے رومیلہ کو فون تک نہیں کیا اور محض میسج پر بتا دیا کہ وہ مہندی لگوانے اس کے گھر نہیں آسکیں گی' یونیورسٹی جانا سخت ضروری ہے۔
وہ تو شکر تھا کہ رومیلہ نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور نہ ہی یہ جاننے کی کوشش کی کہ یونیورسٹی جانا اتنا ضروری کیوں ہے' آخر ابھی تک وہ جا رہی تھی' اس کے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کے پیش نظر جانا اتنا ضروری ہو۔
اصل میں اس نے یہ ہی سوچا تھا کہ نمل کی پہلے ہی بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں اور اب وہ مزید کوئی چھٹی نہیں کرنا چاہتی' اسی لیے اس نے بحث نہیں کی' مگر گاڑی میں وہ دونوں بحث پر ضرور اتر آئیں۔
"ہم رومیلہ کے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہے' بجائے اسے صاف صاف بتا دینے کے ہم اسے اندھیرے رکھ رہے ہیں۔" سنبل بے چینی سے ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔
"بتانے سے بھی کیا ہو گا' میں تو یہ سوچ رہی ہوں ابرار بھائی نے کوئی لڑکا دیکھا بھی ہے یا صرف ہم سب کو وقتی طور پر خاموش کرانے کے لیے یہ شوشا چھیڑ دیا ہے کہ کل رومیلہ کی مقررہ وقت پر شادی انجام پا جائے گی۔" نمل نے اضطرابی انداز میں ہونٹ چبائے۔
"شوشا ہی ہو تو زیادہ اچھا ہے' ورنہ پتا نہیں جلدی میں انہوں نے کسے پکڑ لیا ہو گا' میرا تو دل چاہ رہا ہے کسی فلمی

ہیروئن کی طرح رومیلہ کو کہیں بھگا دوں۔" سنبل نے قدرے غصے سے کہا۔
"بے وقوفوں والی باتیں مت کرو' میرے خیال سے ہمیں پھوپھا (رومیلہ کے بابا جانی) سے بات کرنی چاہیے۔" نمل نے گاڑی پارکنگ میں روکتے ہوئے کہا۔
"ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' وہ بیٹے کے سامنے بالکل بے بس ہیں اور پھر جس طرح انہوں نے ہمیں کمرے سے بھیجا تھا مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہماری بات دلچسپی سے سنیں گے۔" سنبل ان کی طرف سے سخت مایوس تھی۔ تب ہی بڑے بور سے انداز میں گاڑی سے اترتے ہوئے بولی تو نمل بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر آئی۔
"کیوں نا ابرار بھائی سے ہی براہ راست پوچھ لیں۔"
"ہاں تو ان کی طرف سے کون سا سیدھا جواب آئے گا' وہ تو ویسے ہی تم سے جلے بھنے ہیں کہ اگر تم کینیڈا نہ گئی ہوتیں تو آج خاموشی سے گلفام کے ساتھ رومیلہ کی شادی ہو جاتی اور کسی کو پتا نہ چلتا کہ ان کا فیصلہ کس قدر غلط تھا یا اگر پتا بھی چلتا تو تب جب رومیلہ کینیڈا پہنچ چکی ہوتی' دوسرے لفظوں میں ابرار بھائی کی جان چھوٹ چکی ہوتی۔" ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ تپے ہوئے لہجے میں بولتی رہی۔
"ہوں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو' جانے ہم دونوں کے گھروں میں ایک سا ماحول کیوں ہے کہ بیٹیوں کو رخصت کرنے کے بجائے اتار کر پھینکنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔" نمل کا لہجہ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ اس کے قدم بھی سست پڑ گئے تھے' جسے محسوس کرتے ہوئے سنبل نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو سامنے سے خرم کو آتا دیکھ کر وہ اس کے جملے کا پس منظر پل بھر میں سمجھ گئی۔
خرم ان ہی کی طرف متوجہ تھا' بلکہ چہرے پر دل جلانے والی مسکراہٹ سجائے ان ہی کی طرف چلا آ رہا تھا۔
نمل اپنی جگہ رک کر ایک طرح سے انتظار کرنے لگی کہ وہ طنز کے نشتر چلا لے تو پھر وہ اندر داخل ہو' ورنہ وہ پیچھے پیچھے اس کی کلاس تک چلا آئے گا۔
رومیلہ کی وجہ سے وہ جس ذہنی اذیت اور کوفت سے گزر رہی تھی خرم کو دیکھ کر اس میں دس گنا اضافہ ہو گیا تھا' اس پر سونے پر سہاگہ والے انداز میں خرم نے آتے ہی اسے جس طرز تخاطب سے مخاطب کیا وہ نمل کو کھولا کر رکھ گیا۔
"ارے او مستقبل کی مسز خرم' ہونے والے شوہر کی یہ عزت ہے تمہارے دل میں۔" وہ رک کر ایسے اسے دیکھنے لگا جیسے وہ ابھی حیران ہو کر اس کی بات کا مطلب پوچھنے کھڑی ہو جائے گی۔
جبکہ وہ سپاٹ چہرہ لیے ایسے کھڑی رہی جیسے اس کی اگلی بات سننے میں کوئی دلچسپی نہ ہو تو وہ خود ہی کہنے لگا۔
"دیکھو نا اتنی قریبی رشتے داری اور کسی نے مجھے رومیلہ کی شادی میں انوائیٹ تک نہیں کیا۔
کم از کم تمہیں تو اس زیادتی پر احتجاج کرنا چاہیے تھا بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔" نمل بدستور پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔
آخر وہ اکیلا کب تک بول سکتا تھا' کیونکہ وہ تو اس وقت اس قدر ذہنی انتشار کا شکار تھی کہ خرم سے کسی لاحاصل بحث میں بالکل نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ سنبل تک اس وقت اس کی مداخلت پر بے زاری محسوس کر رہی تھی' رومیلہ کو لے کر وہ دونوں اتنی فکر مند تھیں کہ خرم کی خوامخواہ کی تکرار اسے بھی جھنجلاہٹ میں مبتلا کر گئی' پھر بھی وہ مصلحتاً خاموش کھڑی رہی۔
خرم کو ان کی خاموشی سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ اکیلا ہی بولنے کے لیے کافی تھا۔

کچھ دیر کے توقف کے بعد جب اس نے دیکھ لیا کہ نمل اب بھی کچھ نہیں کہہ رہی تو وہ خود ہی کہنے لگا۔
"ایک تو ہم یونیورسٹی میں اتنے اچھے دوست ہیں' پھر مستقبل کے ہزبینڈ اینڈ وائف بھی ہیں۔ رومیلہ کو مجھے بلانا چاہیے تھا۔" نمل کو اپنے سر میں درد شروع ہوتا محسوس ہو رہا تھا' جبکہ وہ مزید بتاتے ہوئے بولا۔
"ہاں ٹھیک ہے مجھے اندازہ ہے اس کا ہونے والا شوہر اتنا گڈ لکنگ نہیں ہوگا' جتنا کہ تمہارا ہے' مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ کامپلیکس کا شکار ہو کر مجھے انوائیٹ نہ کرے۔
اسے اب اس حقیقت کو قبول کرنا ہی چاہیے۔ اب اگر اس کے خاندان میں اتنا ہینڈسم لڑکا آ ہی رہا ہے تو اسے کھلے دل سے ویلکم کرے۔
مجھے اوائیڈ کرنے یا مجھ سے کترانے سے تو بات نہیں بنے گی۔
رشتے داری میں ایسا تھوڑی ہوتا ہے۔" نمل کی برداشت جواب دینے لگی۔
اسے تو کوئی کام تھا نہیں وہ تو دو گھنٹے بھی بغیر نمل کے جواب کا انتظار کیے اکیلے ہی بول سکتا تھا۔ مگر نمل کے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں تھا' نہ ہی اس میں اتنی سکت تھی کہ ان حالات میں رومیلہ کے لیے کڑھنے کے ساتھ ساتھ خرم کو بھی جھیلتی۔
وہ ایک طرف سے کترا کر نکلنے لگی تو خرم نے ہاتھ آگے کر کے اس کا راستہ روک لیا۔
"کیا بات ہے فیوچر کی مسز خرم؟ تمہاری زبان شادی سے پہلے ہی بند ہو گئی۔ اتنی جلدی تھک گئیں۔" خرم نے مسکراتے ہوئے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا' جیسے وہ کسی اسائنمنٹ کی تیاری میں ہلکان ہو رہی ہو اور وہ کسی گہرے دوست کی طرح باقی کا کام کرنے کے لیے اپنی خدمت پیش کرتے ہوئے اس کا احوال پوچھ رہا ہو۔
"خرم مجھے دوبارہ ہاتھ اٹھانے پر مجبور مت کرو۔" نمل کو ایک دم غصہ آگیا۔
خرم کی کہی بات میں اسے کہیں نا کہیں ہلکی سی سچائی محسوس ہوئی تھی' اسے واقعی ایسی ہی تھکن محسوس ہو رہی تھی جیسے طویل مسافت طے کی ہو اور اس خیال نے اسے شکست کا احساس دلایا تھا کہ وہ خرم کے سامنے اتنی جلدی ہار ماننے لگی ہے۔
"اوہ ریئلی۔" اسے بولنے پر آمادہ کر کے خرم کو گونا گوں سکون ملا تھا' تب ہی اس کا لہجہ اور شوخ ہو گیا۔
"ایک بار ہاتھ اٹھا کر پچھتاوا نہیں ہو رہا جو دوسری بار بھی وہ ہی غلطی دہرانے کا سوچ رہی ہو۔"
"میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی اور پچھتاوا مجھے نہیں تمہیں ہوگا۔" نمل دانت پیستے ہوئے بولی۔
"اچھا وہ کب ہوگا۔" خرم نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا تو نمل لب بھینچ کر رہ گئی۔
اتنے دن تو ہو گئے تھے ان کی منگنی کو' اس نے اب تک کیا ہی کیا تھا جو اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی تھی' الٹا خرم ہی ہر بار سامنا ہونے پر اسے جلا جلا کر خاک کر دیتا تھا۔
"چلو نمل ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" نمل ابھی سوچ رہی تھی کہ اسے کیا جواب دے۔ سنبل نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"کیا بات ہے سالی صاحبہ آج تو آپ کے مزاج بھی برہم لگ رہے ہیں۔" خرم نے بڑے مؤدب انداز میں کہا تو سنبل زچ ہو گئی۔
"آپ کیوں ہمیں پریشان کر رہے ہیں' پلیز لیو اس آلون۔" اس کے چڑے ہوئے لہجے میں محسوس کی جانے

والی بے بسی تھی۔
نمل کو اس کا لہجہ سخت ناگوار گزرا تھا' خاص طور پر اس کا پلیز کہنا تو ایسا لگا تھا جیسے وہ اس سے التجا کر رہی ہو۔ خرم نے اس کی بات کو لیا بھی ایسے ہی تھا جیسے اس کا لب و لہجہ اسے فکر مند کر گیا ہو۔
"ارے ارے ریلیکس' سالی صاحبہ' خیریت تو ہے یہ آپ کے چہرے سے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ ابھی رو پڑیں گی۔" سنبل اس کی بات پر سچ مچ روہانسی ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کمزور پڑتی نمل نے خرم کو بری طرح جھڑکتے ہوئے سنبل کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔
"خرم اپنے کام سے کام رکھو' زیادہ پرسنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تو شکر تھا اسی وقت خرم کا موبائل بج اٹھا اور وہ چند لمحوں کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور یہ ہی چند لمحے نمل کے لیے غنیمت ثابت ہوئے اور وہ سنبل کے ساتھ چلتی بہت آگے تک نکل گئی۔ سنبل کی حالت کے پیش نظر وہ کلاس میں جانے کی بجائے اسے لے کر نسبتاً" ایک سنسان جگہ پر آئی تھی اور واقعی تنہائی میسر آتے ہی سنبل نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔
نمل چپ چاپ اسے روتا دیکھتی رہی' خرم کے سامنے سنبل کا اتنا کمزور پڑ جانا اسے برا ضرور لگا تھا' مگر اسے سنبل پر غصہ نہیں آیا تھا۔
خود اس کی اپنی حالت سنبل سے مختلف نہیں تھی۔ رومیلہ کے ساتھ جو ہو رہا تھا اسے دیکھ کر نمل کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا' بھلے ہی اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں' مگر وہ خود سنبل جیسے احساسات سے دوچار تھی۔
"ایکسکیوز می مے آئی ہیلپ یو (معاف کیجیے گا کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں)" ایک مردانہ آواز پر وہ دونوں ہی چونک اٹھیں۔
بے اختیار انہوں نے آواز کی سمت دیکھا تو اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر سمیر کو کھڑا دیکھ کر سنبل تو جلدی جلدی اپنا چہرہ صاف کرنے لگی جبکہ نمل سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
"نو تھینکس۔" اسے امید تھی اس جملے پر موصوف کوئی رسمی سا جملہ کہہ کر اپنا راستہ ناپیں گے' مگر وہ نمل کو دیکھتے ہوئے اسی کی طرح سنجیدگی سے بولا۔
"میں آپ سے نہیں' سنبل سے پوچھ رہا ہوں۔" اس کے منہ سے سنبل کا نام سن کر ان دونوں کو ہی بڑا عجیب سا لگا تھا۔
حالانکہ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی آپس میں ایک دوسرے کے نام سے واقفیت کوئی تعجب کی بات نہیں تھی' پھر بھی انہیں حیرانی ہوئی تھی۔
مگر اپنی حیرت کو ظاہر نہ کرتے ہوئے سنبل نے جلدی سے کہا' تاکہ وہ مزید کوئی سوال کرنے کی بجائے چلتا پھرتا نظر آئے۔
"جی نہیں' آپ کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں شکریہ۔" سنبل کا انداز صاف جان چھڑانے والا تھا۔ مگر وہ اتنا صاف انداز دیکھ کر بھی اپنی جگہ ڈٹا رہا اور الٹا ایک قدم ان کے نزدیک آتے ہوئے بولا۔
"آپ لوگ خرم کی اتنی بدتمیزوں کو برداشت کیوں کرتے ہیں۔" نمل اور سنبل اس کی بات پر چونک اٹھیں۔
خرم اور نمل کی منگنی کے متعلق تو سب ہی جانتے تھے' پھر اس کا اس طرح پوچھنا صاف ظاہر کر رہا تھا کہ بہت ساری حقیقتوں سے دوسرے لوگ بھی واقف ہیں' خاص طور پر سمیر جیسے لوگ جو خرم کی ہر حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔

مہک تاج

تجھ پہ قربان میری جان

سنبل، سمیر پر سے نظریں ہٹا کر نمل کو دیکھنے لگی، اسے معلوم تھا ایسے لوگوں کو چلتا کرنا نمل کو بخوبی آتا ہے۔ لہٰذا اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

مگر نمل اس کی سوچوں کے برعکس پرسوچ انداز میں سمیر کو دیکھ رہی تھی۔

ایک بار پہلے بھی سمیر نے اسے خرم کی شرط وغیرہ کے متعلق بتا کر اسے خبردار کیا تھا اور آج پھر ایک غیر ضروری ذکر کو چھیڑ کر اس نے محض انہیں مخاطب کرنے کی کوشش کی تھی۔

یہ اندازہ ہونے پر نمل عام حالات میں تو مقابل کو ایسا ٹکا سا جواب دیتی کہ وہ دوبارہ ان کی راہ سے گزرنے کی کوشش نہ کرے۔

مگر اس وقت نمل اپنی فطرت سے ہٹ کر ایک ایسے نقطے پر سوچ رہی تھی جس پر اس نے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا اور شاید آج بھی نہ کرتی، اگر خرم نے اتنے چیلنجنگ انداز میں اسے یہ احساس نہ دلا تا کہ اس نے ابھی تک خالی خولی جملے بازی کیے، کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا، خرم کو نیچا دکھانے کے لیے۔

اصل میں ابھی تک اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ مگر آج سمیر کو سامنے دیکھ کر اچانک اس کے راستے کا تعین ہو گیا تھا۔ اسی لیے جب وہ بولی تو اس کا لہجہ سنبل کی توقع کے برعکس بہت نرم اور دوستانہ تھا۔

"خرم جیسے بدتمیز انسان سے الجھ کر ہم خوامخواہ کا تماشا نہیں بنانا چاہتے، اس لیے اس کی باتیں سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔" سنبل نے بری طرح چونک کر نمل کو دیکھا۔

اسے ہرگز امید نہیں تھی کہ نمل، سمیر کو چلتا کرنے کی کوشش کرنے کی بجائے اتنے سلجھے ہوئے انداز میں اپنے مسئلے سے مطلع کرے گی۔

دوسری طرف سمیر کو بھی ہلکی سی حیرانی ہوئی تھی۔ نمل کا یہ لب ولہجہ اور گفتگو سن کر، مگر وہ فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"لیکن آپ کی یہ خاموشی تو اسے اور شیر کر دے گی۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟" نمل نے پوری طرح ہمہ تن گوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

سمیر فوری طور پر کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ وہ کبھی اسے اور کبھی سنبل کو دیکھنے لگا جو اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے نمل کو دیکھ رہی تھی۔ مگر نمل اس کی طرف سے انجان بنی کھڑی رہی۔ حالانکہ اسے سنبل کی کیفیت کا بخوبی اندازہ تھا۔

"بتائیں نا میں کیا کروں؟" نمل کے دوبارہ پوچھنے پر سمیر چونکتے ہوئے بولا۔

"آں... اگر برا نہ مانیں تو ایک ذاتی سا سوال پوچھوں۔" نمل اس کا سوال جانتی تھی اور اس نے واقعی نمل کی توقع کے عین مطابق وہی پوچھا جو نمل سوچ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

"چھن۔۔۔" اس کے کانوں سے وہ ہی مسحور کن آواز ٹکرائی اور اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ یہ وہی مخصوص آواز تھی جو اس کے خرمن ہوش پر بجلیاں گراتی تھی۔

وہ تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے محتاط انداز میں اطراف کا جائزہ لیا۔ اماں بی پاندان قریب رکھے چھالیہ کتر رہی تھیں۔ زوہیب اور شعیب اسٹڈی ٹیبل پر رکھے کمپیوٹر سے ہنگمے لے رہے تھے۔ اماں بی کے قریب ہی ردا بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی۔ جبکہ ندا پانی کی ایک بالٹی لیے اس میں پرانا تولیہ بھگو بھگو کر فرش پر پونچا لگا رہی تھی۔

اس نے دبے قدموں آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک مخصوص حد سے آگے نہ جاسکا اور اس کا جسم ایک جھٹکا کھا کر وہیں رک گیا۔

اس نے بے بسی سے اس رسی کو دیکھا جو اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ پھر شعلہ بار انداز میں ایک نظر زوہیب اور شعیب پر ڈالی جو اس کی حالت زار کے ذمہ دار تھے۔

"آخر کب تک۔۔۔ آخر کب تک معصوم دلوں کے ساتھ یہ زیادتی ہوتی رہے گی' کب تک یہ لوگ ہمیں زنجیروں میں جکڑ کر مصلوب کرتے رہیں گے۔ کب تک محبتوں پریوں پہرے لگائے جاتے رہیں گے۔

کب تک؟ آخر کب تک ظالم سماج محبتوں کا گلا گھونٹتا رہے گا۔ مجبوریوں کی یہ زنجیریں کب تک پیار کرنے والوں کا راستہ روکے رکھیں گی۔" اس نے اداس نظروں سے ایک مرتبہ پھر اس کمزور سی رسی کی طرف دیکھا جو اس کی محبت کے راستے میں حائل تھی۔

"محبت جو ہر طوفان سے ٹکرا جاتی ہے۔
ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔
محبت جو پہاڑوں سے ٹکرا جانے کا عزم رکھتی ہے۔ آگ کے دریا پار کر جانے کا عزم بخشتی ہے۔
محبت جو ایک ناقابل تسخیر طاقت کا نام ہے۔ ایک منہ زور طوفان اور سرکش آندھی کا نام ہے اور یہ کمزور سی رسی۔۔۔ ہونہہ۔"

اس کا اوپری ہونٹ کھنچ گیا اور اس کے سفید سفید دانت نظر آنے لگے۔ شاید وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔ اس کمزور سی رسی کی حیثیت ہی کیا ہے؟ یہ میرے راستے کی رکاوٹ کیسے بن سکتی ہے۔ آج میں ہر رکاوٹ دور کر دوں گا! ہر زنجیر توڑ دوں گا۔ ہر دیوار سے ٹکرا جاؤں گا۔ آج ظالم سماج کو ہارنا ہو گا! آج جیت ہو گی' محبت کی جیت۔"

اس نے ایک عزم سے سوچا۔ ٹھیک اسی وقت تیز میوزک بجنے لگا۔ شاید زوہیب اور شعیب نے کمپیوٹر سے کوئی نیا پنگا لیا تھا یا واقعتاً کوئی سونگ پلے کر دیا تھا۔

جھانجھر یا اس کی چھنک گئی
چنری بھی سر سے سرک گئی

میری نظر اس سے ملی تو
اس کی نظر شرما کے جھک گئی

جھانجھر یا۔۔۔

"چھن۔۔۔ چھن۔۔۔ چھن۔" اس کے چاروں طرف جھانجھر بج رہی تھی' جو اس کے دل و دماغ اور اعصاب پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

اسے اس آواز کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے اعصاب تن چکے تھے اور پورا وجود جیسے کچھ کر گزرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔ اور تیسرے ہی زوردار جھٹکے پر وہ اس کمزور رسی کی گرفت سے آزاد ہو چکا تھا۔ پھر اس سے قبل کہ کوئی اور اس کے نزدیک پہنچتا اس کا جسم کسی کمان کی صورت تن چکا تھا۔ پھر اس نے تیزی سے حرکت کی اور وہ جیسے اڑتا ہوا سا باہر جا گرا۔

اس نے ایک ہی جست میں بیرونی دروازہ عبور کر لیا تھا۔

"دوڑو۔۔۔ بھاگو۔۔۔ پکڑو۔" کا ایک شور تھا جو اس کے عقب میں بلند ہوا' لیکن وہ وہاں رکا ہی کب تھا۔ وہ تو دوڑتا ہوا سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا اور پھر آندھی اور طوفان کی طرح اندھا دھند وہ سیڑھیوں چڑھتا چلا گیا۔

ایک لحظے کے لیے اس نے گردن موڑ کر عقبی سمت دیکھا۔ زوہیب اور شعیب بھاگے چلے آرہے تھے۔ ردا۔۔۔ ندا اور یہ ہی نہیں اماں بی بھی ایک ہاتھ سے چشمہ درست کرتی ہوئی اس کے تعاقب میں تھیں۔ اس نے ایک شان بے نیازی سے سر کو جھٹکا دیا اور پھر منڈیر کی طرف بڑھ گیا۔ اسے ان سب کی یکسر کوئی پروا نہ تھی۔ منڈیر پر کھڑے ہو کر اس نے بے تابی سے حنان صاحب کے صحن پر نظریں دوڑائیں اور وہیں جم کر رہ گیا۔ وہ اسے نظر آرہی تھی جو صحن میں بے تابی سے ٹہل رہی تھی۔

"چھن۔۔۔ چھن۔۔۔ چھن۔" اس کی سماعتوں پر بجلی سی گری اور وہ دل تھام کر رہ گیا۔ ٹھیک اسی لمحے ان دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں تو وہ جیسے تھم سا گیا۔

جھانجھر یا اس کی چھنک گئی
چنری بھی سر سے سرک گئی

میری نظر اس سے ملی تو
اس کی نظر شرما کے جھک گئی

ابھی اس کی نظروں کی پیاس بھی نہیں بجھی تھی کہ یک دم جیسے قیامت ٹوٹ پڑی' ایک بھاری بھرکم وجود جیسے اس پر چھا سا گیا۔ یہ زوہیب تھا جس نے پوری قوت اور سختی سے اس کی گردن میں بازو حمائل کر رکھا تھا۔ وہ اسے منڈیر سے واپس گھسیٹنا چاہتا تھا' جبکہ وہ وہاں سے ہلنا نہیں چاہتا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے ایک اور آفت ٹوٹ پڑی۔ یہ شعیب تھا جس نے اس کی کمر دبوچ لی تھی۔ اب وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے تڑپ کر ان دونوں کی گرفت سے نکلنا چاہا' لیکن بے سود۔۔۔ وہ ان دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے خشمگیں انداز میں ایک نظر زوہیب پر ڈالی اور اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے ہوئے گھور کر رہ گیا' جیسے کہہ رہا ہو۔

"مرد کے بچے ہو تو ایک ایک کر کے آؤ' پھر دیکھتا ہوں۔" لیکن زوہیب کے چہرے پہ خشونت طاری تھی اور زوہیب کا سپاٹ چہرہ کسی بھی قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ اس نے بے چارگی سے ٹانگیں پٹخیں جو منڈیر سے ٹکرا کے رہ گئیں۔

میں تے ماراں گا دولتی سنسار نوں
جتھے لوکیں ترسدے نے پیار نوں

اس کی تمام تر دھینگا مشتی کے باوجود زوہیب اور شعیب اس پر حاوی آ چکے تھے اور اسے گھسیٹتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب لے جا رہے تھے۔

"ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔" وہ سیڑھیاں اترتے چلے جا رہے تھے' وہ جیسے ہوا میں معلق ہو کے رہ گیا تھا اور اس کی ٹانگیں بے جان انداز میں نیچے لٹک رہی تھیں اور اس کے دماغ میں وہ لازوال گیت جیسے لہریں لے رہا تھا۔

جگر چھلنی ہے دل گھبرا رہا ہے
محبت کا جنازہ جا رہا ہے

☼ ☼ ☼

"زمانہ نہیں رہا نیکی کرنے کا۔۔۔ بتاؤ ہم تو کتنی نیک نیتی سے اسے لے کر آئے تھے۔ مگر یہ ہے کہ ہماری محبت اور خلوص کا یہ جواب دے رہا ہے۔ سچ ہے کوئی کسی کا نہیں۔" اماں بی نے پڑوسن سے ایک گھنٹے کے مذاکرات کے بعد کہا۔ زوہیب اور شعیب نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اب تو محلے والے بھی پوچھنے لگے ہیں کہ کیا چکر ہے۔ اب بتاؤ ہم کیا جواب دیں۔" اماں بی خود ہی سوال اور خود ہی جواب دے رہی تھیں۔

"کس کا ذکر خیر ہے اماں؟" آخر شعیب نے پوچھا۔

"ارے اسی کم بخت کا۔۔۔ سانڈ کا سانڈ ہے موا۔۔۔ اتنا اس کا خیال رکھ رہے ہیں اور اسے دیکھو کیا حال کر دیا میرے پھول سے بچوں کا۔" اماں بی نے زوہیب اور شعیب کی پھولی ہوئی سانسوں اور ٹماٹر شکلوں کی طرف دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے کہا تو دونوں نے چونک کر

بے اختیار ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں اور پھر شعیب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کیا بات ہے' کیوں پاگلوں کی طرح ہنس رہے ہو؟" زوہیب نے چھوٹے بھائی شعیب کو ڈانٹا تو وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"بھیا ذرا آئینہ تو دیکھیں' کیسے چقندر کی طرح لال ہو رہے ہیں۔"

"اونہہ چقندر کی طرح لال... ذرا اپنی شکل تو دیکھو' جیسے سو کلو میٹر کی ریس جیت کر آرہے ہو۔ سانس دیکھو کیسے دھونکنی کی طرح چل رہی ہے اور مجھے کہہ رہے ہو چقندر کی طرح۔" زوہیب نے بھناتے ہوئے جواب دیا۔

"اے... یہ کیا تم دونوں ہر وقت سیاست دانوں کی طرح لڑتے رہتے ہو۔ گھر کو اسمبلی ہاؤس بنا رکھا ہے۔" اماں بی کے اس دانشورانہ مذاق پر وہ دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"اس کے بارے میں سوچو کہ کیا کرنا ہے۔ محلے والے مشکوک ہو رہے ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ..." اماں بی کی بات ادھوری رہ گئی۔ ان کا ادھورا جملہ زوہیب اور شعیب کو سمجھ میں آگیا تھا۔ لہٰذا دونوں کو ہی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"اہاں اماں بی آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ سوچنا تو پڑے گا' اب یہ ہی دیکھ لیں اس بے آب و گیاہ جگہ سے یہاں اتنی دور اسے لے کر آئے ہیں۔ کیا کیا سوچا تھا اس کے بارے میں' کیسی محبت' چاہت کا سلوک کر رہے ہیں اس کے ساتھ خود میں اور اس میں کوئی تفریق نہ رکھی۔ جو خود کھایا وہ اسے کھلایا' مگر یہ... اس نے کتنی واہیات حرکتیں شروع کردیں۔" زوہیب نے دکھ سے کہا۔ مگر اماں بی کو تو اس کے اس جملے کہ "جو خود کھایا اسے کھلایا" نے آگ لگادی۔ باقی کی باتوں پر انہوں نے توجہ ہی نہیں دی۔

"شاباش بیٹے' تمہیں پتا ہے پالک کیا کلو منگوائی تھی۔ ارے سونے کے داموں سبزیاں مل رہی ہیں۔ کس طرح دو وقت کی ہانڈی پکاتی ہوں' میں ہی جانتی ہوں۔ سبزیوں کا تو رونا ہے ہی چکن بھی اتنا ہی مہنگا ہے دعا ہے۔ برڈ فلو ہو تو مرغی سستی ہو' تاکہ ڈھیر ساری لے کر رکھوں۔" اماں بی نے معصومیت سے کہا۔

"اماں کیا... آپ برڈ فلو کی مرغیاں اسٹاک کرلیتی ہیں۔" زوہیب نے حیرت سے پوچھا اور شعیب اپنے اب تک زندہ رہنے پر حیرت کی زیادتی سے قریب المرگ تھا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا... یہ چال ہوتی ہے' دوسروں کی چیزوں کی مارکیٹ ویلیو ڈاؤن کرنے کی۔" اماں نے ناک پر سے مکھی اڑائی اور شعیب اور زوہیب کو یقین آگیا کہ اماں بی آج کل پورے اخبار کا باریک بینی سے مطالعہ کرتی ہیں۔

"چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ اس کا کیا کریں۔ کتنی محبت سے اسے لے کر آئے ہیں اور یہ... کیا کیا سوچا تھا۔"

"صرف آپ ہی نہیں میں بھی آپ کے ساتھ گیا تھا اسے لینے۔" "البتہ میں نے کچھ سوچا نہیں تھا۔" شعیب نے لقمہ دیا تو زوہیب چمک کر بولا۔

"ہاں... ہاں سوچنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز دماغ ہوتا ہے۔ جو ویسے بھی تمہارے پاس نہیں' تم سوچ کر کیا کرو گے۔"

"جی نہیں سوچنے کے لیے دماغ کی نہیں عقل کی ضرورت ہوتی ہے' دماغ تو بھینس کے پاس بھی ہوتا ہے۔ آپ نے وہ کہاوت نہیں سنی۔ عقل بڑی یا بھینس۔" شعیب نے عالمانہ انداز میں سوال کیا تو زوہیب نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے گھورا۔ لیکن اماں بی پر نظر پڑتے ہی وہ دوبارہ اعتدال پر آگیا۔ بالکل یوں جیسے غبارے سے ہوا نکال دی جائے۔ اماں بی کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں اور وہ خطرناک انداز میں دونوں کو گھور رہی تھیں۔

"کم بختو... ہر وقت ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے رہتے ہو' کبھی تو محبت اور سلوک سے رہا کرو' ساس بہو بنے رہتے ہو دونوں۔"

"ہی... ہی... ہی۔" اماں بی کا جملہ مکمل ہوتے ہی

ایک بے اختیار سی ہنسی کی آواز سنائی دی تو دونوں کی نظریں چونک کر ایک ساتھ اٹھیں وہ ردا تھی جو ہاتھ میں بالٹی اٹھائے شاید واش روم سے پانی لینے جارہی تھی' لیکن ان دونوں کی درگت بنتے دیکھ کر وہیں رک گئی اور اماں بی کے جملوں پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

زوہیب نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا تو وہ اسے منہ چڑاتے ہوئے واش روم میں گھس گئی۔

"یار ویسے ہے تو سوچنے کی بات کہ آخر اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔" زوہیب نے اماں بی کی توجہ بٹانے کی خاطر جلدی سے کہا تو جواباً "شعیب لہک لہک کے گانے لگا۔

یہ عشق کا جادو ہے سر چڑھ کر بولے گا

اور اماں بی سخت خراب موڈ کے باوجود مسکرادیں۔ جس پر زوہیب نے سکھ کا سانس لیا' لیکن وہ شعیب کی طرف گھور کر دیکھنا نہیں بھولا تھا۔

"لیکن اس عشق کا کوئی علاج بھی ہے۔" اماں بی کے لہجے میں مسکراہٹ گھلی ہوئی تھی۔

"ہاں... ہاں کیوں نہیں' مرض کی تشخیص ہوگئی ہے تو علاج بھی ہے بقول شاعر۔

تشخیص بجا ہے کہ مجھے عشق ہوا ہے
نسخہ میں لکھو ان سے ملاقات زیادہ

"اچھا... اچھا اب لگے ہاتھوں لیلیٰ کی نشاندہی بھی فرمادیجیے' تاکہ موصوف کا نسخہ تو تحریر کیا جاسکے۔" زوہیب نے برا سا منہ بناتے ہوئے سوال کیا۔

"لو کر لو بات' آپ کو ابھی تک یہ ہی اندازہ نہیں ہوا۔ یار تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ بھئی وہ ہی جس کے گھٹاؤں جیسے کالے سیاہ بال ہیں۔ نقرئی گھنٹیوں جیسی سریلی آواز ہے۔ بڑی بڑی جھیل جیسی گہری گلابی آنکھیں ہیں۔ لمبی صراحی دار گردن' کتابی چہرہ' لچکیلی کمر اور مستانہ چال کی مالک اپنے پورے محلے میں اس کے علاوہ اور ہے بھی کون؟" اس پیکر ناز کا سراپا سن کر شعیب نے بے چینی سے دوبارہ سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا اسے حیرت ہے۔" شعیب کو اپنی بے خبری پر حیرت ہو رہی تھی۔

"نہیں سمجھے؟ ارے وہ ہی جس کی پائل کی جھنکار ہمارے پچھواڑے حنان صاحب کے صحن میں دن رات گونجتی ہے۔ وہ اپنے افضل چوہان صاحب نے ڈیڑھ گز لمبی نظم "اس سے کہنا" اسی پر تو لکھی ہے۔ تم نے سنی نہیں۔"

اس سے کہنا چھن چھنا چھن پائل کی جھنکار تیری
اس سے کہنا میں سنتا ہوں ندیا کے اس پار تیری

شعیب نے شعر کا بدلہ شعر سے لیتے ہوئے اپنی بات ختم کی تو زوہیب بے اختیار سر دھننے لگا۔ شعر پر نہیں' اپنی بے خبری پر۔

☆ ☆

"واہ... واہ... واہ۔ بھئی کیا کہنے ذرا پھر پڑھیے۔" اور ندا خالص شاعرانہ انداز میں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر آداب بجالانے لگی۔

عید قرباں کی آمد آمد تھی' جس کی وجہ سے ردا' ندا نے کمر کس لی اور خوب محنت کی تھی۔ دونوں نے ہی پورے گھر کو چمکا کے رکھ دیا تھا۔ کچن کا پورا انتظام اماں بی کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے وہاں کا سارا کام نبٹا دیا تھا۔ یعنی عیدالاضحیٰ کی تمام تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ لہٰذا اس وقت وہ سب ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ باتوں باتوں میں شعر و شاعری شروع ہوگئی تھی اور ابھی ندا نے شعر پڑھا تھا۔

عید گزرے گی تو دیکھو گے یہ ہی بندہ نواز
نہ کوئی بکرا رہا نہ کوئی بکرا نواز

اور داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے تھے۔

"واہ... واہ... واہ۔ بھئی کیا کہنے ذرا پھر پڑھیے۔"

"آپ لوگ ایک ہی بار غور سے سن لیں۔ میں اتنی فارغ نہیں ہوں کہ بار بار سناؤں۔" ندا نے نخوت سے کہا۔ جس پر ردا نے شان بے نیازی سے کہا۔

"یہ تھیں۔ ندا صاحبہ جو بڑی بندہ نوازی کے ساتھ بکرا نوازی فرمارہی تھیں۔ اب باری آتی ہے بقلم خود بلکہ خود بخود ردا صاحبہ کی تو... شعر عرض کیا ہے۔"

"جی... جی... آپ حکم کیجیے۔" شعیب کی زبان بے اختیار پھسلی تھی۔ جس پر حسب دستور زوہیب

نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا تھا اور اسے سہم جانے کی اداکاری کرنا پڑی تھی۔ ردا نے بھنا کر کہا۔
”آپ لوگ چپ ہوں گے تو میں کچھ فرماؤں گی، ہاں تو سنیے۔“

مناؤ عید کی خوشیاں بلا سوچے بلا سمجھے
کسے قربان کرنا ہے، کسے قربان ہونا ہے
یہ ملت ہے کہ جعفر ہے، ہزارہ ہے کہ خیبر ہے
یہ گاڑی کون سی ہے یہ ابھی اعلان ہونا ہے

”واہ... واہ... واہ۔“ ایک مرتبہ پھر شوروغل بلند ہوا اور ردا آداب آداب بجالاتے ہلکان ہو گئی۔ شور تھما تو ردا نے تمام سامعین کرام کا شکریہ ادا کیا جو پلیٹ فارم پر موجود کسی مسافر کی طرح تباہ حال تھے۔
”یہ سب آپ کی محبت ہے، ورنہ بندی کس قابل۔“ پھر زوہیب کی آواز گونجی۔
”ابھی آپ کے سامنے ردا صاحبہ اپنا ردی قسم کا کلام پیش کر رہی تھیں۔“
”اچھا! میرا کلام ردی ہے اور خود تو جیسے نوٹوں پر بیٹھ کر لکھا ہے، ذرا سناؤ تو۔“ ردا اس کی بات کاٹتے ہوئے دھاڑی تھی۔
”سوری... سوری... میری سویٹ سسٹر، شاید ناراض ہو رہی ہیں، لہٰذا اماں بی کی اجازت سے اپنا شان دار کلام پیش کرتا ہوں۔“ زوہیب نے کہا تو اماں بی شاہانہ انداز میں بولیں۔
”اجازت ہے، پیش کیا جائے۔“ اور اس نے گنگناتے ہوئے اپنا کلام پیش کیا۔

گھر میں اترا ہزار دقت سے
ایک بکرا ہزار دقت سے
پورے چالیس تھاؤزنڈ دیے ہیں
تب یہ پہنچا ہزار دقت سے

کلمات تحسین کی گونج کے بعد شعیب کی آواز سنائی دی۔ ”یہ تھے محترم زوہیب صاحب جو ہزار دقت کے باوجود اپنا دقیانوسی کلام آپ تک پہنچا کر ہی رہے، سو اب باری آئی ہے میری، یعنی آج کے محفل مشاعرہ کے سب سے سینئر شاعر محترم شعیب صاحب کی۔“
اور پھر وہ زوہیب کی گھورتی ہوئی تیز نظروں کی پروا کیے بغیر گویا ہوا۔
”عرض کیا ہے۔“

عقل اور بھینس کا تصادم کیا
مجھ سے نخرے کی بات مت کرنا
میں بھی شامل تھا لانے والوں میں
دیکھ! بکرے کی بات مت کرنا

پھر جو واہ واہ کا شور بلند ہوا وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ آج کا یہ نجی مشاعرہ شعیب نے جیت لیا ہے۔
اور وہ ایک کونے میں بیٹھا ان کی — حرکتوں پر دل ہی دل میں تپ رہا تھا۔
”تمہاری ان ہی چھچھوری حرکتوں نے تو تمہیں کسی کام کا نہ چھوڑا۔ مغلیہ سلطنت اسی لیے برباد ہو گئی کہ محل میں بھی یہ ہی ڈرامے بازی ہوتی رہتی تھی۔ شہزادہ کنیزوں کو جمع کر کے بیت بازی کرواتا رہتا تھا اور بادشاہ انار کلی کو بلا کر رقص و سرود کی محفلیں برپا کرتا رہتا تھا۔ اگر اس وقت ان دونوں نے کوئی ڈھنگ کا کام کیا ہوتا تو گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ان دونوں کا نام ہوتا... ہونہہ...“ اس نے تمسخر سے سر جھٹکا اور اپنے خیالات کو جھٹک کر دوبارہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

زوہیب اور شعیب عید کی نماز پڑھنے جامع مسجد گئے ہوئے تھے۔
اماں بی تسبیح لیے جائے نماز پر بیٹھی منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہی تھیں، جبکہ ردا، ندا دونوں کچن میں کلیجی کا مسالا تیار کر رہی تھیں۔ قصائی آنے والا تھا۔ وہ اس کے آنے سے پہلے سارا کام نبٹانا چاہ رہی تھیں سب ہی مصروف تھے۔ ایک وہ تھا جو ایک کونے میں منہ لٹکائے اداس اور خاموش بیٹھا تھا۔
حسب معمول چھن چھن کی مسحور کن آواز نے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ جو کچھ اس سے ہو سکتا تھا اس نے کیا تھا۔ بارہا اس نے چھت پر کھڑے ہو کر آوازیں دی تھیں، لیکن بے سود۔
وہ ہر بار شان بے نیازی سے سر جھٹک کر نظریں پھیر لیتی تھی اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ آخر دل ہی تھا پتھر تو نہیں۔ اس کے جذبات کی اسے بالکل پروا نہیں تھی۔ وہ سنگ دل اس کی بے پایاں محبت کو سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔
”ہا... کاش... ایک بار... صرف ایک بار وہ میرے جذبات سمجھ جاتی مجھے باور کروا دیتی کہ ہاں میں تمہاری محبت کو جان گئی ہوں، میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں تو پھر دیکھتی میں اپنی جان تک اس پر قربان کر دیتا، ایک بار، صرف ایک بار۔“ اس نے حسرت سے سوچا، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ حسن والے کسی کے نہیں ہوتے۔ کسی کی محبت، کسی کے جذبات ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ تو کیا فائدہ، ایسوں کے لیے اپنی جان قربان کرنے کا، اس نے سوچا اللہ کی محبت دل میں بسا لے، اس کی خاطر جان دے، تاکہ کچھ صلہ تو ملے۔
وہ سوچ رہا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے زوہیب اور شعیب گھر میں داخل ہوئے تھے، اور جیسے اڑتے ہوئے اس تک پہنچے۔ انہوں نے اسے بہت بری طرح دبوچا تھا۔ پہلے تو اس نے ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اسے قابو کیے گھسیٹتے ہوئے گھر کی عقبی سمت میں واقع میدان میں لے آئے۔
اس کے پتھر دل محبوب کے دروازے کے بالکل سامنے... پھر اچانک کھلے ہوئے دروازے سے وہ اسے نظر آگئی تو وہ سرشار ہو گیا۔ اس نے لہک کر گانا شروع کیا۔

اے میری زہرہ جبیں، تجھے معلوم نہیں
تو ابھی تک ہے حسیں اور میں جواں
تجھ پہ قربان میری جان، میری جان
اے میری...

وہ عمر بھر کے ریاض سے استفادہ کرتے ہوئے گلا پھاڑ کر گا رہا تھا، لیکن زوہیب اور شعیب پر اس کی گلوکاری کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی کارروائی میں مصروف تھے۔
وہ اس کی مشکیں کس رہے تھے۔ در محبوب پر اپنی اس بے بسی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔
ٹھیک اسی لمحے اس کا دل زور سے دھڑکا۔
”نہیں... نہیں یہ اس کا وہم نہیں تھا۔“ اس کی سماعتوں نے اس کی مدھر آواز سنی تھی۔ وہ آ رہی تھی، اس نے جلدی سے اپنی دھندلائی ہوئی آنکھیں کھولیں۔ وہ آ چکی تھی اور محبت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
”بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔“ اس نے شکوہ کیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی اس کے اور اس کی نظروں کے درمیان جیسے بجلی سی کوندی اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں نے اپنے اور اس کے درمیان چیز کو دیکھا تو لرز کر رہ گیا۔ وہ ایک تیز دھار چھری تھی۔ جو عین اس کی نظروں کے سامنے تھی اور اس کے ہونٹوں پر ایک زخمی مسکراہٹ نمودار ہو گئی، اس نے آخری بار اپنے محبوب کا نظارہ کیا۔ وہ کرب کے عالم میں اپنا سر نفی میں ہلا رہی تھی، چلا رہی تھی۔
”نہیں... ں... آ گئی ہوں۔“ مگر اب دیر ہو چکی تھی، چھری آہستہ آہستہ اس کے گلے سے قریب ہوتی جا رہی تھی، اس نے مسکرا کر کہا۔
”الوداع میرے محبوب... الوداع۔“ اور ادھر اس کے حلق سے ایک دلدوز آواز بلند ہوئی۔
”بھیں... ں... نہیں... بھیں۔“ ادھر اس کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں سے آخری آواز نکلی۔
”تجھ پہ قرباں میری جان...“
شعیب نے حنان صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔
”آپ اپنی بکری کو یہاں سے لے جائیں۔ دیکھیں کتنا شور کر رہی ہے۔ ویسے بھی ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے نہیں کاٹنا چاہیے اور ہمارا بکرا ویسے بھی بہت حساس تھا، کہیں آپ کی بکری بھی اس کا اثر نہ لے لے۔“ اور حنان صاحب بکری کی رسی تھام کر آگے بڑھ گئے۔

☼ ☼

نایاب جیلانی

مکمل ناول

گرمی کا زور سر شام چلنے والی ہوا سے کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ بالکونی میں رکھے سارے گملوں کے پودے سوکھ کر بے جان ہو گئے تھے۔ چرمرے سے پتے ہوا کے زور پر کھلی کھڑکی سے اڑتے ہوئے کمرے میں آتے چلے گئے۔ حریم بے دم سی کمرے کے عین وسط میں بیٹھی تھی۔

پورا کمرہ بھاں بھاں کر رہا تھا۔

تمام فرنیچر اور ضرورت کی ساری اشیاء ایک ٹرک میں لوڈ کروا کر ماہیر نہ جانے کون سے مکان میں رکھوا آیا تھا۔ مریم تو اس تمام عرصے میں ایک شاک کی کیفیت میں مبتلا رہی تھی۔ اسے زمیلہ کے واپس چلے جانے کا بھی پتا نہیں چلا تھا۔ ماہیر نہ جانے اسے کب چھوڑ آیا تھا۔ ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں۔ زمیلہ نے بھائی سے کیا کہا۔ حریم تو بس اسے آنسو بہاتے دیکھتی رہی تھی۔ شاید وہ اس جذباتی کیفیت سے نکل کر بھائی سے نظر ملانے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ گھبراتے، منمناتے اس نے ماہیر کو مکان کے کاغذات واپس کرنا چاہے تھے۔

"یہ مکان اب تمہارا ہو چکا ہے۔ میری طرف سے شاید سب سے قیمتی تحفہ، تمہارے بھائی کی بساط بس یہیں تک تھی۔ دل چھوٹا مت کرنا، میں پورے دل سے یہ مکان تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ تم خوش رہو زمیلہ! آباد رہو، شاد رہو۔ میری بس یہی خواہش ہے۔" ماہیر اور بھی نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ حریم کو اپنی سماعتوں کے بہرہ ہو جانے پر شک گزرا تھا۔

کچھ دیر بعد مزدور ٹائپ کے کئی لڑکے گھر میں گھس آئے۔ سامان سمیٹ کر ڈبوں میں بند کیا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ پورا گھر خالی ہوتا چلا گیا۔

ماہیر شاید دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا تھا۔ حریم کو اس کے قدموں کی ذرا سی آہٹ بھی سنائی نہیں دی ۔وہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ رہا تھا۔

"حریم!"

"ہوں۔" حریم ساکت سی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ ماہیر کو دیکھ کر بھی نہ چونکی۔ اس کے مخاطب کرنے پر بھی اس کے وجود میں جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔

"حریم! چلو......" ماہیر کا ہاتھ اس کے لرزتے ہاتھ پر ٹھہر گیا۔

"کہاں؟" وہ خالی خالی نظروں سے ماہیر کو دیکھنے لگی۔

"گھر......" ماہیر کو اپنے لہجے کا کھوکھلا پن واضح محسوس ہو رہا تھا۔

"کون سے گھر؟"

"پلیز حریم! خود کو سنبھالو، اس طرح ہمت چھوڑ دو گی تو مجھے...... ہمیں، امی کو کون سنبھالے گا۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"امی کو کیا ہوا ہے؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تمسخر جھلکنے لگا۔

"ان دونوں کی خواہش پایہ تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔"

"امی ۔۔۔ بھی جذباتی توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہی ہیں۔ بہرحال اس گھر سے ان کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔"

ماہیر نے بے دلی سے اردگرد پر نگاہ دوڑائی۔ یہ دیواریں، چھتیں دو پل میں پرائی محسوس ہونے لگی تھیں۔

"یہ گھر بدری امی کی چوائس ہے۔ وہ نہ زمیلہ کی ناجائز خواہش پر عمل کرتیں۔" حریم کے لہجے میں لحہ بہ لحہ تلخی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ناجائز خواہش۔" ماہیر زیر لب بڑبڑایا۔

"اپنا دل تنگ کر رہی ہو۔"

"بات کو غلط رنگ مت دیں۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"آج اس کی ایک ڈیمانڈ پوری کی ہے۔ کل وہ کوئی اور فرمائش کرے گی۔"

"تم ۔۔۔ حریم! یہ تم کہہ رہی ہو۔" ماہیر کو گویا یقین نہیں آیا۔

"سچائی میں ہمیشہ کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے۔"

"حریم!" وہ کچھ سخت بولنے سے پہلے لب بھینچ کر خاموش ہو گیا۔ ماہیر کو اس کے بدلے بدلے تیور دیکھ کر بہت صدمہ پہنچا تھا شاید وہ کچھ پل کے لیے بول نہیں پایا۔

"فرض کرو، ایسی صورت حال سے تمہارا سامنا ہوتا۔ ایسے حالات تمہیں درپیش ہوتے تو پھر۔۔۔"

"کیسے حالات؟" حریم ایک دم تلخی سے بولی۔

"نبیل کی طرح میں بھی ایک ناجائز ڈیمانڈ کروں تو تمہارا بی ہیویئر کیا ہو گا۔" وہ بہت تول تول کر بول رہا تھا۔

"کیسی ڈیمانڈ۔۔۔؟" حریم لحہ بہ لحہ نہ چاہتے ہوئے بھی مشتعل ہو رہی تھی۔ اس اچانک دربدری کے شاک نے اس کے حواس گویا سلب کر لیے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں گویا مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔

"میں تمہیں مجبور کروں۔ ابھی جاؤ، اپنے باپ سے ان کی واحد پونجی میں سے اپنا حصہ مانگ لو۔ تو تم کیا کرو گی؟ کچھ دھمکیاں بھی پیشگی تمہیں ذہن نشین کروا دی جائیں۔"

"مثلاً ۔۔۔ کیسی دھمکیاں؟" حریم کا دل گویا دھک سے رہ گیا۔

"ماہیر کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔" وہ ذہنی طور پر اور بھی اپ سیٹ ہو چکی تھی۔

"گھر سے نکل جانے کی۔"

"واٹ ۔۔۔" وہ یکدم چیخی۔

"ماہیر! آپ ٹھیک تو ہیں؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ ذہنی توازن نہیں بگڑ گیا میرا۔" اب وہ قدرے نرم لہجے میں بولا۔

"محض تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ زمیلہ کی ڈیمانڈ غلط ہے۔ طریقہ بھی غلط ہے مگر وہ خود غلط نہیں ہو سکتی۔" وہ ابھی تک بہن کی خود غرضانہ فطرت کو سمجھ نہیں پایا تھا یا پھر جان بوجھ کر نظرانداز کر رہا تھا۔

"نبیل نے اسے مجبور کیا تھا۔ وہ اسے گھر سے نکل جانے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ مجھے تو خود اپنی کوتاہ بینی پر حیرانی ہے۔ نبیل اس قدر لالچی فطرت کا ہو گا۔ پہلے اندازہ نہیں ہو سکا مجھے۔ ورنہ زمیلہ کا رشتہ ان لالچیوں میں ہرگز نہیں کرتا۔" وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔

"آپ مکان بیچ دیتے۔ امی کا، اپنا اور موبی کا حصہ نکالنے کے بعد جو حق زمیلہ کا بنتا تھا۔ وہ ہی دیتے۔"

"زمیلہ کا حصہ بہت کم بنتا تھا جبکہ نبیل کو زیادہ رقم درکار تھی۔" ماہیر الجھے الجھے انداز میں بتا رہا تھا۔

"نبیل نے کسی کو پے منٹ کرنا تھی۔ کوئی سائیڈ بزنس شروع کر رکھا تھا اس نے۔ کاروبار میں نقصان ہوا ہے۔" ماہیر وہ ہی کہانی سنا رہا تھا۔ جو اس تک پہنچائی گئی تھی۔

"کل کو پھر سے نبیل کوئی خسارے کا سودا کرے۔ پھر سے اسے رقم کی ضرورت پڑے۔ کیا کریں گے آپ؟ کیسے بیچیں گے؟ کہاں سے رقم کا بندوبست کریں گے؟" وہ اپنے لہجے کی ترشی چھپا نہیں پائی تھی۔

"حریم!" وہ اس کے طنز کو تحمل سے پی گیا۔

"اٹھو، اندھیرا پھیل گیا ہے۔ میں روڈ سے ٹیکسی پکڑ کر لاتا ہوں۔ بیگ صاحب کا گھر اچھی کالونی میں ہے۔ ہمارے اچھے تعلقات ہیں ان سے۔ ابو کے دوست ہوا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کا اوپر والا پورشن خرید لوں گا فی الحال تو کرائے پر لیا ہے۔" وہ کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر بالکونی میں جھانکنے لگا۔

وہ بکھرے حواس مجتمع کر کے نہ جانے ضبط کی کتنی منازل طے کرتے ہوئے اٹھی تھی مگر کمرے کی دہلیز پار کرتے ہی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ بہت زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا تھا اس گھر میں آئے ہوئے مگر حریم کو لگتا تھا۔ وہ صدیوں سے یہاں رہ رہی ہے۔ سالوں سے اس مکان میں بسیرا کر رکھا تھا۔ ہر شے میں اپنائیت کی مہک تھی۔ اک جانی پہچانی خوشبو تھی۔ حریم کو لگا وہ مزید انہی سوچوں کے بھنور میں رہی تو اس کا دل پھٹ جائے گا۔

نیچے اتری تو تخت پر بے دم سی راحت بیگم کو بیٹھا کر ٹھٹک گئی۔ قریب آنے پر پتا چلا کہ امی صاحبہ چپکے چپکے رو رہی ہیں۔ وہ ان ڈراموں سے اچھی طرح آگاہ ہو چکی تھی۔ اس کے دل نے ذرا بھر ہمدردی محسوس نہیں کی۔ ماہیر ماں کو دھیمی آواز میں نہ جانے کون سے دلاسے دے رہا تھا۔ حریم کا دل ہر شے سے اچاٹ ہونے لگا۔

"حریم! موبی کو لے آؤ۔" ماہیر اس کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگا۔ حکم کی تعمیل اس پر فرض تھی اور وہ ویسے بھی منظر سے ہٹنا چاہتی تھی۔ مزید اس عورت کے ڈرامے کو دیکھنا اور حتی المقدور ہمدردی جتانا حریم کو سراسر منافقت کا ایک حصہ لگا تھا۔ اسی لیے وہ پلٹ کر موبی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"موبی!" حریم نے اس کا کندھا ہلا کر متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ موبی بھی فرش پر بیٹھا تھا۔ اس کمرے کا مختصر سامان بھی جا چکا تھا۔ حریم کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ ایک ہی سوالیہ نشان آنکھوں کے سامنے ناچ رہا تھا۔ وہ اپنا گھر بھلا کیسے بنا پائیں گے۔ کرائے کا جھنجھٹ، پرایا مکان۔۔۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے کے قریب تھا۔

"موبی۔" حریم نے ذرا سختی سے موبی کے بازو کو ہلایا۔

"ہوں، ہوں۔" وہ ہڑبڑا گیا تھا۔

"اٹھو۔"

"کہاں جانا ہے؟" موبی نے عجیب سہمی سہمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"جہنم میں۔" وہ تلخی سے بڑبڑائی۔

"جہنم دور ہے؟ موبی کیسے چلے گا؟ موبی تھک جائے گا۔" موبی نے سہم کر کہا۔

"دور نہیں، قریب ہے۔ بہت قریب، تجھے بھانبھڑ جلتے نظر نہیں آتے۔ میرے دل میں تو آگ لگی ہے۔ کتنی تپش ہے۔ کس قدر دھواں ہے۔ ہائے موبی! میں کس سے کہوں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ راکھ بنتا جا رہا ہے۔" اس نے گویا دہائی دی۔

"اٹھو۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے لگی۔ ڈیل ڈول میں تو وہ حریم سے بھی اونچا نکلتا جا رہا تھا عمر اور ذہن کی رفتار گویا ایک برابر تھی۔ بلکہ ذہن تو عمر سے بھی بہت پیچھے تھا۔ عمر کے سال تو پھر بڑھ گئے تھے۔
"بھابھی!" وہ خوفزدہ انداز میں بولا۔
"کیا ہے؟" حریم گویا پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔
"موبی کو ڈر لگتا ہے؟"
"کیوں؟"
"نہ جانے کیوں؟"
"چلو..... ڈر لگتا ہے۔ ہونہہ ' اتنی ڈریکولا جیسی بہن کے ہوتے ' ماں کے ہوتے ڈر لگتا ہے۔" حریم بھنا اٹھی۔
"موبی سچ کہہ رہا ہے۔"
"موبی!" وہ غصے سے اسے کچھ سخت الفاظ کہنا چاہتی تھی مگر ایک دم اس کی خالی خالی نظروں کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ جو اس لمحے خالی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ کچھ تو تھا ان آنکھوں میں۔ کچھ ایسا جو موبی کو واقعی خوفزدہ کر رہا تھا۔ وہ اس وقت کچھ بدلا بدلا دکھائی دے رہا تھا۔
"کس سے ڈر لگتا ہے۔" اب کے حریم نے کچھ نرمی سے پوچھا۔
"بھابھی!" وہ ہراساں نظر آنے لگا۔
"بول بھی چکو۔" حریم نے بے زاری سے کہا۔ اسے اس گھٹن زدہ ماحول سے نکلنے کی جلدی تھی۔ وہ کچھ دیر کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔ اس ساری کثافت کے اثر کو زائل کرنا چاہتی تھی۔ جو دھیرے دھیرے اس کے دل پر ہلکی کائی کی تہ بناتی جا رہی تھی۔
"مجھے عورتوں سے ڈر لگتا ہے۔" بالآخر موبی نے ہولے ہولے ماتھا پیٹتے بتا ہی دیا۔ موبی کی یہ حرکت حریم نے پہلی مرتبہ نوٹ کی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے بھی اک عجیب سا احساس کروٹیں لے کر دل میں بے دار ہوا تھا۔ حریم نے فضول کے خدشات کو جھٹک کر پوچھا۔
"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں موبی! تم عورتوں سے کیوں خوفزدہ ہو۔ جبکہ ایک عورت ابھی بھی تمہارے سامنے کھڑی ہے۔"
"تم عورت تو نہیں تم تو بھابھی ہو ' سب سے اچھی والی بھابھی ' زمیلہ سے بھی اچھی ' فیفا سے بھی اچھی۔" اس وقت حریم کو لگ نہیں رہا تھا کہ موبی کو کبھی ذہنی پرابلم رہی ہے۔ وہ بہت ٹھہرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"تمہیں عورتوں سے کیوں ڈر لگتا ہے؟" حریم نے فی الفور لہجے کی تمام تر سختی کو رفع کیا۔
"موبی کو دیکھتی ہیں۔ گھور گھور کر دیکھتی ہیں ' ہنستی بھی ہیں۔ کبھی کبھی رحم آجاتا ہے ' پھر امی کے سامنے کچھ نہیں بولتیں مگر بعد میں....." وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ بڑی قابل رحم حالت ہو رہی تھی اس کی گویا جو کچھ بتانا چاہ رہا تھا بتانا موبی کے اختیار میں نہیں تھا۔ بے بسی کی نہ جانے کون سی صورت تھی۔ حریم کا سدا کا نرم دل پل بھر میں پگھل گیا۔
"اگر تم میں کچھ کمی ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جو باتیں کرتے ہیں وہ اللہ سے ڈرتے نہیں۔ تم کیوں فکر مند ہو ' ہم ہیں نا..... میں ' ماہیر اور امی۔"
"تو تم بھی جانتی ہو؟" موبی نے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ کر بہت عجیب انداز میں پوچھا تھا۔ اس پل حریم پر کچھ اور بھی منکشف ہو گیا۔ اس کا دل گویا سکڑ کر سمٹ گیا تھا۔ حریم وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ موبی کو ذرہ بھر ذہنی پرابلم نہیں۔ اس کا ذہن متوازن تھا۔ عام انسانوں کی طرح سوچتا تھا۔ فکریں پالتا تھا۔ پریشانیوں کو ذخیرہ کرتا تھا۔ کبھی بھول جاتا تھا۔ کبھی پہروں کڑھتا تھا۔ اپنے خول میں بند منیب عالم نے خود کو سولہ سال کی عمر میں قید تنہائی کیوں دے رکھی تھی؟
وہ بہن بھائی کے درمیان کیوں نہیں بیٹھتا تھا؟
وہ ماں سے عام بچوں کی طرح لاڈ کیوں نہیں کرتا تھا۔

وہ پڑھتا نہیں تھا۔ کیوں؟
وہ ذہنی طور پر صحت مند تھا۔ پھر اس بہروپ کی آخر کیا وجہ تھی۔
اس کی کچھ سوچتی ' کچھ بولتی آنکھوں کے شفاف کانچ سارے راز اگل چکے تھے پھر یہ خود اذیتی کیوں؟ خود فراموشی کیوں؟ یہ قید تنہائی کیوں؟ زندگی کے ان رنگوں میں اس کے حصے کا کوئی ایک رنگ بھی نہیں تھا۔
"کیا؟" حریم نے سنبھل کر پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ یکسر انجان بن گیا۔
"ایب نارمل لوگ کیا جھوٹ بولتے ہوئے نظریں چراتے ہیں؟" حریم کے دل نے چپکے سے سرگوشی کی۔
"موبی!" حریم اس کے دونوں ہاتھوں اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کا رخ اپنی طرف موڑنے لگی۔
"منیب! بھابھی سے کچھ چھپا رہے ہو؟"
"نہیں تو..... میں کیا چھپاؤں گا؟ جب قدرت راز کو عیاں کر دے گی۔ پھر کوئی بھید پوشیدہ نہیں رہے گا۔" اتنی گہری بات وہ عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر کئی رنگ تھے۔ پھیکے ' مٹیالے ' افسردہ ' رنجیدہ ' اداس ' غمگین بے شمار رنگ ' ان میں خوشی ' امید اور امنگ کا کوئی رنگ جھلک نہیں رہا تھا۔
"میں کیا حقیقت سمجھوں جو پہلے تھی یا اب جو کچھ دیکھ رہی ہوں۔"
"حقیقت کچھ بھی نہیں..... مجھے تو زندگی بھی دھوکا معلوم ہوتی ہے۔ ایک بات تو بتائیں بھابھی! کیا زندگی آتی جاتی سانسوں کا نام ہے؟" اس آواز میں کتنے نوحے پوشیدہ تھے۔ حریم کا دل گویا کٹنے لگا۔
"سانس چلتی ہے۔ لہو جسم میں گردش کرتا ہے تو زندگی ہے..... کیا یہی زندگی ہے؟"
"ہاں....." حریم کچھ اور بولنے کے لیے مناسب الفاظ سوچ رہی تھی جب منیب نے کٹیلے لہجے میں کہا۔
"ایسی زندگی منیب کو نہیں چاہیے۔"
"ناشکری نہیں کرتے منیب۔"
"شکر گزاری کے لیے میرے پاس کیا ہے؟" وہ مایوسی کے آخری کنارے پر کھڑا تھا۔ مایوسی کفر کے دہانے تک لے جاتی ہے۔ حریم کا دل کپکپانے لگا۔
"تمہیں کس سے شکوہ ہے۔ مجھ سے ' ماہیر سے ' امی سے۔ کیوں اتنے خفا ہو؟ زندگی سے کیوں ناراض

ہو؟"

"مجھے جس سے شکوے ہیں۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔" اس کی آنکھوں سے بے بسی مترشح تھی۔

"کیوں؟ اعتبار نہیں کرتے مجھ پر۔" حریم کے لہجے میں محسوس کی جانے والی نرمی تھی۔ کچھ دیر پہلے والے ابلتے' جوش کھاتے' مستقل جذبات اب سرد ہوتے جا رہے تھے۔ اسے بھول چکا تھا کہ اسے ماہیر پہ غصہ تھا۔ زمیلہ اور امی پر غصہ تھا۔ دل میں دھوئیں کی مانند کدورت دھیرے دھیرے اٹھنے لگی تھی۔ اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا نہ غصہ اور نہ کدورت۔ اسے تو یہ بھی بھول چکا تھا کہ ماہیر نے اسے کس کام کے لیے منیب کے کمرے میں بھیجا تھا۔

"بات اعتبار کی نہیں۔"

"تو پھر؟"

"کچھ بھی نہیں بھابھی! میں نہ جانے کیا کیا بول رہا ہوں۔" وہ منہ پر ہاتھ مار رہا تھا۔ سرخ گال اس کے ہاتھوں کی سختی سے اور بھی دہکنے لگے۔

"موبی! تم اتنے خالص ہو کہ جھوٹ تم پر سجتا نہیں۔"

"تمہیں کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہے؟"

"تم کیا سمجھتے ہو؟"

"اس دنیا کی نہیں لگتی ہو۔ معصوم' بے ریا اور۔۔۔" اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"اور کیا؟"

"یہاں ہماری خوش نصیبی بن کر آگئی ہو۔"

"بڑی شاعرانہ قسم کی باتیں بھی آتی ہیں تمہیں۔" حریم حیران سی اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے میں کون ہوں؟" ایک دم وہ سرخ آنکھوں کو اس کے چہرے پر ٹکا کر بڑے عجیب سے لہجے میں بولا۔

"نہیں۔" حریم کسی انہونی کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

"جاننا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔۔۔"

"جان کر کیا کرو گی۔ مجھ سے بے زاریت یا نفرت کا اظہار۔" اس کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی۔

"مجھے ایسا سمجھتے ہو۔"

"نہیں۔"

"تو پھر بتا دو۔۔۔ وہ سب کچھ جو تمہارے دل پر بوجھ کی طرح لدا ہوا ہے۔" حریم نے اس کا کپکپاتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"میں پتا ہے کون ہوں؟" موبی نے کہنا شروع کیا۔ وہ اپنے دل کا ہر بوجھ اتارنا چاہتا تھا شاید۔

"موبی۔۔۔!" چرر کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تھا پھر ایک دھاڑ نما آواز سنائی دی تھی۔ حریم کو لگا اس کے کانوں نے کوئی دھماکہ نما آواز سن لی ہے۔ کانوں کے پردے پھٹنے لگے تھے۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔؟" حریم بے ساختہ چیختے ہوئے ماہیر کی طرف لپکی تھی جو کہ منیب کے گریبان کو پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا۔

"نہ کیا بکواس کر رہے تھے؟" ماہیر کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے موبی کے رخساروں پر کئی تھپڑ مارے۔

"پیچھے ہٹیں۔ کیوں موبی کو مار رہے ہیں؟" حریم نے اس کے بازو کو پکڑ کر جھٹکے سے کھینچا۔

"چھوڑ دو بھابھی! مارنے دو انہیں۔" موبی نے بھرائی آواز میں کہا۔ وہ ضبط کے نہ جانے کن مراحل سے گزرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

"یہ بلاوجہ نہیں مار رہے۔ بہت غصہ ہے انہیں مجھ پر۔ مگر میں کیا کروں؟ کب تک پاگل بنا رہوں۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ کاش کہ واقعی پاگل ہوتا۔ میرے پاس سوچنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔"

"بکواس بند کرو۔" ماہیر آگ بگولا ہو کر چلایا۔ راحت بیگم بھی شور کی آواز سن کر گرتی پڑتی آگئی تھیں۔

"کیوں تم نے موبی کو مارا ہے؟" وہ ماہیر سے الجھ پڑی تھیں۔

"غلط بات پر نہیں مارا۔ بھابھی کو بتا دیا ہے کہ میں پاگل نہیں۔" موبی نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

"دفع ہو جا' کمینے۔۔۔ ذلیل' مر کیوں نہیں جاتا تو۔ زندگی کا ناسور بنا ہوا ہے۔" راحت بیگم نے ڈوپٹہ منہ پر رکھ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

"امی! پلیز۔" ماہیر چیخ اٹھا۔

"کیا تماشا ہے یہ۔"

"ہماری تو زندگی تماشا ہے۔" وہ پھپک پھپک کر رو دیں۔

"تو مر کیوں نہیں جاتا موبی!"

"ٹیکسی لینے پپو گیا ہے۔" ماسی نے کمرے میں جھانک کر اطلاع دی۔ ماہیر باہر نکل گیا تھا۔

"بی بی! فکر مت کرنا۔ میں کام کرنے آجایا کروں گی۔" ماسی' موبی کے کپڑے سمیٹتی ساتھ ساتھ کمنٹری جاری رکھے ہوئے تھی۔

اسی پل نفیسہ پھپھو اور فیفا آگئیں۔ وہ آنا"فانا" ان کے مکان بیچ دینے کی خبر سن کر حیران تھیں۔ پریشان تھیں۔ یہ گھر ان کے بھائی نے بڑے ارمانوں سے بنایا تھا۔ ماہیر کے اس اچانک فیصلے نے پھپھو کو حد درجہ متوحش کیا تھا۔

"بھابھی بیگم! یہ سب کیا ہے؟"

"تقدیر کا فیصلہ خانہ بدوشوں کی طرح آخری عمر میں دھکے کھانے پڑ رہے ہیں۔" نند کو دیکھ کر پھر سے جانا پہچانا سین شروع ہو چکا تھا۔

"وجہ کیا ہے؟" پھپھو یکسر ناواقف تھیں یا انجان بن کر راحت بیگم سے "سچ" اگلوانا چاہتی تھیں۔

"ماہیر کو پیسوں کی ضرورت تھی۔" انہوں نے فوراً" ہی جوڑ توڑ کر کے ایک جواز جھوٹ کی پٹاری میں سے نکال ہی لیا تھا۔

"کیسی ضرورت؟" پھپھو بھی چوکنا تھیں۔

"اب مجھے کیا پتا۔۔۔ ہر بات مجھے کہاں بتاتا ہے۔ صاحب اختیار ہے' کچھ بھی کرے۔" اب وہ پوری طرح حاضر دماغی کا ثبوت دے رہی تھیں۔

"یہ پپو کمینہ نہ جانے کب ٹیکسی لے کر آئے گا۔"

"کسی کا قرض دینا تھا؟ مگر اتنا زیادہ۔" پھپھو کو حیرانگی کا جھٹکا لگا۔

"شاید۔" انہوں نے گول مول سا جواب دیا۔

"زمیلہ کی شادی پر لیا تھا؟" پھپھو بھی انہیں مسلسل گھیرنے کی کوشش میں تھیں۔

"نن۔۔۔ نہیں تو۔" وہ کچھ گڑبڑا سی گئیں۔

"ہم نے کون سا گاڑی' پلاٹ جہیز میں دیا ہے۔"

"تو پھر' ماہیر نے کاروبار شروع کر رکھا تھا کیا؟" پھپھو کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ جل کر بولیں۔

"اڑتی اڑتی ایک بات سنی تھی۔" پھپھو نے تمہید کا آغاز کیا۔

"کیسی بات؟"

"زمیلہ نے مکان میں سے حصے کا مطالبہ کیا ہے۔" وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھیں۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"میں نے تو یہ بھی سنا ہے۔ ماہیر نے سارا مکان زمیلہ کے نام لگوا دیا ہے۔" پھپھو یکے بعد دیگرے انکشافات کے تھیلے کی ڈور کھول رہی تھیں۔

"مرضی کا مالک ہے۔" راحت بیگم نے مصنوعی ٹھنڈی آہ بھری۔

"میرے منہ میں خاک' فاروقی صاحب کی بیوی کہہ رہی تھی۔ زمیلہ کو نبیل نے طلاق کی دھمکی دی ہے۔ تبھی تو آنا"فانا" مکان بیچ دیا۔ اتنے لالچی لوگ تھے۔ آپ کو صباحت آپا نے نہیں بتایا۔ برسوں کا ساتھ تھا۔ ایسی کمینوں جیسی فطرت۔ بظاہر تو کتنے وضع دار' رکھ رکھاؤ والے شریف لوگ دکھائی دیتے تھے۔" پھپھو نے تاسف سے کہا۔

"لوگ تو باتیں بنانے کے فن سے آشنا ہیں۔ گز بھر لمبی زبانیں ہیں۔ جو چاہیں کہتے رہیں۔ میری جوتی کو بھی پروا نہیں۔ ہزار مرتبہ ماہیر سے کہا تھا۔ مکان لینا ہے تو کسی دوسری جگہ پر لینا۔ ایسے لوگوں کے درمیان رہ کر کیا کرنا' جو عزت اچھالنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ مگر ماہیر کو بھی اس شہر سے اچھی کوئی جگہ نہیں

نظر آتی۔ بیگ صاحب کے مکان کی دوسری منزل کرائے پر لی ہے۔ جب گھر ہی چھوڑنا تھا تو کسی اور شہر میں مکان دیکھ لیتا۔" راحت بیگم نے کلستے ہوئے دل ہی دل میں نفیسہ پھپھو کو کوسا۔

"اب چلی بھی جا..... تمہیں کیا، جہاں بھی جائیں۔ جہاں بھی رہیں۔ گھر ہمارا اپنا تھا۔ بیٹی کے نام کیا ہے۔ اپنی خوشی سے، دل کی مرضی سے۔ کسی کو بھلا کیا تکلیف۔" وہ تنفر سے سوچتی ہوئی بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"نہ جانے ماہیر بھی کہاں رہ گیا ہے؟"

"ماہیر کس طرح اس مہنگائی کے دور میں پھر سے مکان لے پائے گا۔ پراپرٹی کی قیمت آسمان کو چھو رہی ہے۔" پھپھو بے حد فکر مندی سے بولیں۔

"دکان بھی بیچ دی ہے کیا؟"

"مجبوری تھی اور کیا کرتے۔"

"ماہیر نے اپنے لیے کچھ نہیں سوچا۔ کل کو بچے بھی ہوں گے۔"

"تمہیں ماہیر کے غم میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔" راحت بیگم کی پیشانی پر دو بل پڑ گئے۔

"بی بی! آجائیے..... پپو ٹیکسی لے آیا ہے۔" ماسی نے مژدہ جان فزا سنایا تھا۔ راحت بیگم نے بہت عجلت کے عالم میں سلیپر پیروں میں اڑسے تھے اور پھر لشتم پشتم موبی کا بازو پکڑ کر باہر نکل گئیں۔ حریم بھی شکستہ قدموں سے ان کے پیچھے جا رہی تھی۔ راحت بیگم نے ذرا دیر کے لیے مڑ کر نفیسہ پھپھو کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"کون سا کوہ قاف جا رہے ہیں۔ یہ چار قدم کا تو فاصلہ ہے۔ آتی جاتی رہنا۔"

پھپھو، راحت بیگم کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔ ان کی نظریں حریم کے چہرے پر گویا جم کر رہ گئیں۔ صدمے، دکھ اور افسردگی کے کئی عکس جھلملا رہے تھے اور اس کی آنکھیں برسنے کو بے تاب تھیں۔ پھپھو نے ایسا ہی درد اپنے دل میں اٹھتا محسوس کیا تھا۔ جس درد سے حریم لمحہ بہ لمحہ گزر رہی تھی۔ سہنے پر مجبور تھی۔ بے بس تھی۔ خاموش تھی۔

"تم بے سائبان نہیں ہو بیٹی! تمہارا سائبان، محافظ تمہارے ساتھ ہے۔ آنسو کو گرنے مت دینا۔ تمہاری طرح یہ آنسو بھی بہت قیمتی ہیں۔ ان کا کوئی مول نہیں۔" وہ اس کے برابر چل رہی تھیں۔ پھر ان کا شفقت بھرا لمس حریم کے سر نے محسوس کیا۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

زندگی کے مشکل ترین دور کا آغاز تھا۔ حریم جان چکی تھی۔ اس وقت سے ہی جب گھر سے بے گھر ہونے کا فیصلہ ماہیر نے کر لیا تھا۔ حریم تو اسے دیکھ کر حیران ہوتی تھی۔ عجیب درویش قسم کا آدمی تھا۔ ہر حال میں مطمئن رہتا، مست رہتا۔

یہ گھر جو صرف تین کمروں، تنگ سے کچن اور بہت ہی مختصر سے لاؤنج پر مشتمل تھا۔ اگرچہ ہوادار تھا مگر اپنے گھر کے مقابلے میں سچ مچ ایک ڈربا دکھائی دیتا تھا۔ شروع شروع میں حریم اور راحت بیگم بولائی بولائی پھرتی رہتی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ سب معمول کا حصہ دکھائی دینے لگا۔ وہ لوگ کچھ ہی عرصہ بعد عادی ہوتے چلے گئے۔ اکثر امی تو بیگ صاحب کی بیگم ثریا سے گپ شپ لگانے نیچے چلی جاتی تھیں۔ واپسی تین چار گھنٹوں سے پہلے ممکن نہیں ہوتی تھی۔ ثریا خالہ کی اولاد نہیں تھی۔ دونوں میاں بیوی کے سوا گھر میں تیسرا فرد کوئی نہیں تھا۔ ثریا خالہ کو راحت بیگم کے ساتھ "بہناپا" جوڑنے میں چند پل لگے تھے۔ اب یا تو وہ اوپر آجاتی تھیں یا پھر امی نیچے تشریف لے جاتیں۔ امی کچھ دن بعد اس کرائے کے مکان کو اپنی خوش نصیبی سمجھنے لگی تھیں۔ ان کا دل بہل گیا تھا کیونکہ انہیں بھی اپنا ہم مزاج ملنا کم از کم اس کالونی میں ممکن نہیں تھا۔ ثریا خالہ بھی بلا کی باتونی خاتون تھیں۔

آج بہت دنوں بعد حریم نے راحت بیگم سے میکے جانے کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے پہلے تو توقع کے عین مطابق کاموں کی اک طویل فہرست حریم کے سامنے رکھ کر اس کے ارادوں کو ڈانواں ڈول کرنے کی

کوشش کی تھی۔

"کھانا کون پکائے گا؟ کپڑوں کا ڈھیر بھی رکھا ہے۔ ابھی دودھ والا دودھ دینے آئے گا۔ کون بارہ سیڑھیاں اتر کر گیٹ تک جائے۔ میری ٹانگوں میں تو دم نہیں۔" وہ ہر عذر کو حریم کے سامنے پیش کر دینا چاہتی تھیں تاکہ کسی نہ کسی طریقے وہ میکے جانے کے ارادے سے باز رہے۔

"ابھی دس بجے ہیں۔ ایک بجے تک میں واپس آجاؤں گی۔ کپڑوں کے ڈھیر کو روزانہ دھو بھی دوں۔ تب بھی اتنی رفتار سے یہ جمع ہو جاتے ہیں۔ پرسوں مشین لگاؤں گی۔ رہا دودھ تو ثریا خالہ لے کر رکھ لیں گی۔" حریم نے مختصر سے لاؤنج کے فرش پر پوچا لگا کر ہاتھ دھوئے اور کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

"جاؤ گی کیسے؟" وہ نہا کر باہر آئی تو راحت بیگم نے کلستے ہوئے پوچھا۔

"رکشا سے چلی جاؤں گی۔"

"صبح ماہیر سے کہنا تھا۔ وہ ہی چھوڑ دیتا۔" انہوں نے بے زاری سے کہا۔

"دس بجے تو کچن سے فارغ ہوئی ہوں۔ ماہیر سات بجے کے نکل گئے ہیں۔" اس نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ سبزی والے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ٹوکری اٹھا کر نیچے چلی گئی۔ سبزی لے کر وہ جوں ہی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ راحت بیگم نے ناگواری سے پوچھا۔

"کیا اٹھا لائی ہو۔"

"ٹنڈے۔"

"اور کچھ نہیں تھا۔"

"کدو..... توری اور کریلے۔" وہ مصروف انداز میں جواب دیتی آگے بڑھ گئی۔

"کریلے لے آتیں۔" نکتہ چینی ان کا پہلا فرض تھا اور اس فرض میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔

"ماہیر کو پسند نہیں۔"

"رات کو کچھ اور پکا لیتیں۔"

"اتنا وقت کہاں ہوتا ہے۔ واپس آکر آپ کی قمیص سلائی کرنی ہے۔" وہ ٹنڈے دھونے کے بعد آلو دھو رہی تھی۔

"کام چور تو سدا کی ہو۔ دو ہانڈیاں نہیں پکا سکتیں۔ قمیص سلائی کرنی تھی۔ پہاڑ تو نہیں کاٹنا۔" وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگیں۔ معاً اس کے گیلے بالوں کا خیال آیا تو یوں اچھلیں گویا بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"بہو! یہ کون سا وقت ہے نہانے کا۔" ان کا لہجہ خود بخود اور بھی روکھا ہو گیا تھا۔

"گرمی وقت دیکھنے کا بھی وقت نہیں دیتی۔ کچن سے نکل کر صرف نہانے کا خیال آسکتا ہے۔" وہ ان کی بات میں چھپے مفہوم سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ سو ہر طرح سے تسلی دیتے ہوئے اطمینان سے پلگ لگا کر چادر کو پریس کرنے لگی۔

"تم نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔"

"الحمد للہ، پڑھی تھی امی۔" لائٹ جانے کا وقت بھی ہو چلا تھا سو وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔

"میں نے تو نہیں دیکھا۔ کمرے میں پڑھ لی ہو گی۔" امی صاحبہ کی تشفی نہیں ہو رہی تھی۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں حریم کو جو کچھ وہ جتانا چاہتی تھیں۔ بغیر کسی تردد کے سب حریم کے ذہن میں سما چکا تھا۔

"آپ کو دکھانے کے لیے تو پڑھی بھی نہیں تھی۔ اللہ کے سامنے سربسجود ہونا تھا۔ آپ کو دکھانا ضروری نہیں تھی۔" حریم بے اختیار سوچنے لگی۔

"بجلی کا بل یہ لمبا چوڑا آیا تھا۔ ذرا کم ہی نہایا کرو۔ دن میں تین تین مرتبہ اور....." باقی کے الفاظ لبوں میں گویا چبا چبا کر ادا کیے تھے۔ حریم کے بدن میں گویا خون کی گردش دو گنا بڑھ گئی تھی۔

"امی کی زبان کے آگے خندق ہے۔" اکثر زمیلہ امی کو ٹوک دیا کرتی تھی۔ اب اتنے عرصے میں حریم کو بھی عادی تو ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ اپنی کڑھنے والی فطرت کا کیا کرتی۔

"جی امی! آپ نے کچھ کہا ہے۔" حریم نے ڈھیٹوں کی طرح یوں ظاہر کیا گویا وہ کچھ بھی سن نہیں پائی۔

"نہیں بی بی! امی کی بھلا کیا مجال۔" امی نے ٹھنڈی آہ بھری۔ دھیان بھٹک کر زمیلہ کی طرف چلا گیا تھا۔

"ہائے، کیسے ناقدرے لوگ ملے ہیں۔ میری زمیلہ کیسے مرجھا کر رہ گئی ہے۔" اتنی ہشاش بشاش سرخ و سفید زمیلہ انہیں مرجھائی دکھائی دیتی تھی۔

"ہم کچھ کہیں گے تو برے کہلائیں گے۔ ابھی خاوند سے شکایت لگا دو گی۔"

"اب یہ بات خاوند کو بتانے والی ہے۔" حریم نے گویا ماتھا پیٹا۔ پیاز کاٹ کر اس نے پلیٹ سے ڈھک دیے تھے۔ پھر سوچا، سالن کی ابتدائی تیاری کر لینی چاہیے۔ مسالا بھوننے کا ارادہ پختہ کر کے اس نے ہانڈی چولہے پر چڑھا دی تھی۔

اسی اثناء میں دودھ والا بھی آ گیا تھا۔ حریم برتن اٹھا کر نیچے بھاگی۔

"باجی! آپ ادھر آ گئی ہیں۔" گوالے کا آج بیٹا آیا تھا۔ باپ کی طرح اس نے بھی پہلا سوال یہی داغا۔

"ہاں۔" وہ مختصر بولی۔

"بیگ صاحب کا مکان لیا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر آپ یہاں۔" لڑکا باتونی بھی تھا اور لہجے میں عام لوگوں والا تجسس بھی بھرا تھا۔

"کرائے دار ہیں۔"

"او... تو پھر اپنا مکان کدھر کیا ہے؟"

"بیچ دیا ہے۔" وہ دودھ لے کر اوپر کی طرف جانے لگی تھی۔

"اچھا... اچھا کہیں اور بنا رہے ہوں گے۔ یا پھر کسی اور جگہ خریدنا ہو گا۔" حریم نے گیٹ بند کرتے ہوئے غنی کو کہتے سنا۔ اس کے قدم گویا من من بھر کے ہو گئے تھے۔ بیرونی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے مسالا لگنے کی مہک آنے لگی تھی۔ وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھی۔

"پیاز جل گیا ہو گا۔" وہ اپنے مخصوص تخت پر لیٹے لیٹے اس کا دل جلانے کی غرض سے بولیں۔

"آپ کی تو بھرپور کوشش تھی۔ پیاز جلے اور میں لیٹ ہو جاؤں۔" حریم نے سسکتے ہوئے آنچ دھیمی کی، نمک، مرچ اور باقی مسالا جات ڈال کر ڈھکن بند کیا اور باہر آ گئی۔

"مجھے آم کا شیک تو بنا دو۔ سینے میں جلن ہو رہی ہے۔" اس کی صورت دیکھ کر انہیں بے شمار کام یاد آنے لگتے تھے۔ وہ بھی اس وقت جب حریم کو میکے جانے کے لیے تیار دیکھ لیتیں۔

"آم نہیں ہیں۔" فریج میں بغیر دیکھے بھی حریم جانتی تھی کہ کل دوپہر کے بچے دو آم انہوں نے رات کو کھا لیے تھے۔

"سیب تو ہوں گے؟ موبی بھی شوق سے پی لیتا ہے۔ سیب کا ملک شیک بنا دو، جگ میں دو گلاس دودھ پڑا ہے۔" دو گلاس جتانے کا مقصد حریم کو خوب سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے گرینڈر کے جگ میں سیب چھیل، کاٹ کر ڈالنے لگی۔ دو کیلے پڑے تھے، وہ بھی ڈال لیے۔ آن کا بٹن دبایا تو اک ناگوار شور سنائی دینے لگا۔ برف کوٹ کر گلاسوں میں ڈالی، گلاس کنارے تک بھر دیے تھے تبھی امی کی پھر سے آواز سنائی دی۔

"پولکا کا کپ بھی فریزر میں رکھا ہے۔ دو چمچے بھر کر ڈال لو گلاسوں میں، موبی کو پولکا بہت پسند ہے۔" موبی کی آڑ میں اکثر وہ اپنی زبان کا چسکا پورا کر لیا کرتی تھیں۔ حریم نے پولکا کا کپ نکال کر آئس کریم گلاسوں میں ڈالی تھی۔ پھر ایک گلاس موبی کو اور دوسرا راحت بیگم کو پکڑا کر کھونٹی پر لٹکی اپنی چادر اتارنے لگی۔

"حریم! میرا بھی ایک سوٹ استری کر دو۔ پسینے سے نچڑ رہی ہوں۔ تھوڑا سا پانی ڈال لوں اوپر، جان نکلی جا رہی ہے گرمی کی شدت سے۔" وہ تخت پر لیٹے، لیٹے ہی نچڑ رہی تھیں۔ جبکہ اوپر فل اسپیڈ میں پنکھا بھی چل رہا تھا۔ فارغ بیٹھ کر وہ پسینہ پسینہ تھیں اگر کچن میں کھڑے ہو کر مسلسل کام کرنا پڑتا تو نہ جانے ان کا کیا حال ہوتا اور اس کا حشر وہ کیا کرتیں۔ حریم کلاک کی

طرف دیکھ کر کچھ پل کے لیے ساکت رہ گئی۔ پھر چادر کو دوبارہ کھونٹی پر لٹکا کر استری اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔ امی گلاس پیندے تک خالی کر کے واش روم میں گھس گئی تھیں۔

حریم نے جلدی جلدی کپڑوں کو پریس کیا اور باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ امی نے چٹخنی گرا کر ہاتھ باہر نکالا۔ کپڑوں کو ہاتھ میں لیا۔ حریم پلٹنے لگی تھی جب امی کی چیخ نما آواز سنائی دی۔

"یہ انگوری رنگ کا سوٹ تو بریزے کا ہے۔ کبھی کبھار پہنتی ہوں۔ یہ کیوں استری کیا ہے۔"

"پھر کون سا دوں؟" حریم زچ ہو کر دبی آواز میں بولی۔ اس کا دل گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چل رہا تھا۔ باربار غیر ارادی نظر گھڑی کی طرف اٹھ جاتی۔ کتنے دن ہو گئے تھے میکے گئے ہوئے ماں اور بابا سے ملے ہوئے۔ اس کی آنکھوں کے گوشے خود بخود بھیگ گئے۔ راحت بیگم پرانا سوٹ پہن کر باہر آ گئیں۔

"لاکھیا رنگ کا۔"

"وہ بھی تو بریزے کا ہے۔" حریم نے ناگواری دبا کر بتایا۔

"آں... ہاں، پھر وہ سندھوری دے دو۔ جس کے دوپٹے کا بالٹو قرمزی رنگ کا ہے۔"

"وہ کلاسک لان کا سوٹ ہے۔ اکثر میلاد وغیرہ پر پہنتی ہیں۔" حریم نے ان کے اٹھارہ سو کے سوٹ کے متعلق بتایا۔ وہ جان بوجھ کر ایسے کپڑوں کا نام لے رہی تھیں جو وہ کبھی کبھار پہنتی تھیں۔ صرف اور صرف اس کا وقت ضائع کرنے کے لیے تاکہ گھڑی کی سوئیاں بارہ کا ہندسہ پار کر جائیں۔ اسے زچ کرنے کے لیے ان کے پاس ایک سو ایک طریقے موجود تھے۔

"اچھا، پھر وہ خاکستری دے دو۔" وہ تخت پر بیٹھ کر بال ہاتھوں سے سلجھانے لگیں۔

"کون سا خاکستری؟" حریم بھینچی آواز میں چیخی۔ خاکستری رنگ کے تین سوٹ تھے ان کو نہ جانے کون سا ابھی پہننا تھا۔

"زمیلہ کی مکار ساس نے جو دیا تھا۔ ساڑھے نو سو والا، ایسا کپڑا تو گھر میں بھی پہننے کے لائق نہیں۔" اس لمحے انہیں بھول چکا تھا کہ ان کی بہو نے جو لباس زیب تن کر رکھا ہے۔ وہ کم از کم میکے پہن کر جانے کے لائق بھی نہیں۔ پھیکا بدرنگ، گھسا پٹا، پرانا کئی دفعہ کی دھلائی ہو جانے کے بعد اڑے رنگ والا ساڑھے پانچ سو میں خرید آ گیا سوٹ۔ یہ لباس بھی اس کی اعلا ذوق کی حامل ساس محترمہ خرید کر لائی تھیں اور اسی سوٹ کی شان میں بھی انہوں نے ہزار قصیدے پڑھے تھے۔

"وہ سوٹ تو آپ نے ایک مرتبہ پہن کر ماسی کو دے دیا تھا۔" حریم کو اچانک خیال آیا تو کہنے لگی۔ ماسی کو خاکستری رنگ کا سوٹ پہنے وہ کئی مرتبہ دیکھ چکی تھی۔

"اچھا... اچھا۔" وہ قدرے گڑبڑا گئیں۔

"بی بی! کوئی تو لا دو، پسینے کی بدبو والا دوبارہ سے پہن لیا ہے۔ خود سے بھی کوئی کام کر لیا کرو۔ ہر بات پوچھنے کھڑی ہو جاتی ہو۔ ارغوانی سوٹ لا دو، جو تم نے سلائی کر کے دیا تھا۔" اب وہ خوامخواہ حریم پر چڑھ دوڑی تھیں۔ حریم بغیر کچھ کہے ان کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی جب لائٹ اچانک چلی گئی۔ تیز رفتار چلتا پنکھا آہستہ آہستہ رک گیا تھا جبکہ راحت بیگم کی زبان فراٹے بھرنے لگی۔

"تم تو چاہتی یہی تھیں... میں کپڑے ہی نہ پہنوں، یہی عزت ہے میری خود تو بن سنور کر کھڑی ہو گئی ہو۔ ساس بے چاری کا خیال نہیں۔ لوگ بزرگوں کی اتنی عزت کرتے ہیں۔ صبح سویرے سنوارنے کا کہتے ہیں۔ باتھ روم میں استری شدہ کپڑے لٹکے ہوتے ہیں۔ مہارانیوں کی طرح تخت پر بیٹھی ہوتی ہے زمیلہ کی ساس اور دادی ساس... کلف لگے، استری شدہ کپڑے۔ ایک سلوٹ بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔" حریم کو کچھ کہنا سننا بے کار تر لگا تھا۔ تبھی الماری کھول کر ارغوانی رنگ کا سوٹ نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ مطلوبہ سوٹ استری شدہ ہینگر میں لٹک رہا تھا۔ حریم نے اک گونا سکون دل میں اترتا محسوس کیا۔ کپڑے دیکھ کے امی کا رنگ بدل گیا۔ وہ تو ابھی حریم کو مزید زچ

کرنا چاہتی تھیں۔ بے دلی سے کپڑے پکڑ کر بولیں۔

"ایک کپ چائے تو بنا دو۔ سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی ہیں۔" چہرے پر مسکینی طاری کر کے التجائیہ کہا گیا۔ حریم جلتے کلستے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ دودھ بھی تقریباً" ہلکی آنچ پر ابالا گیا تھا۔ بالائی کی موٹی تہہ نے دودھ کی اصل رنگت چھپالی تھی۔ جیسے تیسے چائے بنا کر امی کو پکڑائی تو موبی نے دروازے میں کھڑے ہو کر آواز لگائی۔

"مجھے بھوک لگی ہے بھابھی! کچھ کھانے کو دے دو۔"

"کیا دوں؟ فروٹ بھی نہیں۔ بسکٹ بھی ختم ہیں، نمکو شاید پڑی ہے۔ کیا کھاؤ گے؟" حریم نے بے دلی سے پوچھا۔

"سینڈوچ بنا دو۔ میں بھی چائے کے ساتھ کھالوں گی۔ خالی چائے سے معدہ ہی ساڑنا ہے۔" ایسے موقعوں کی تلاش تو انہیں ہمیشہ سے رہتی تھی۔ اب کیوں ہاتھ آیا چانس جانے دیتیں۔ بال سنوارے جا چکے تھے۔ پنکھا بھی دوبارہ یو پی ایس کی بدولت چل پڑا تھا۔ راحت بیگم اطمینان سے تخت پر لیٹ چکی تھیں۔ سینڈوچ کے لیے ڈبل روٹی نہیں تھی۔ حریم جھنجلا کر کچن سے باہر آئی۔

"بریڈ ختم ہے۔ اب کیا کروں؟"

"میرا کلیجہ بھون دو۔" وہ بھناتے ہوئے بولیں۔

"بن تو ہوں گے۔ برگر بنا دو۔ خوامخواہ کے بہانے، خود تو نہ جانے کب آؤ گی۔ اتنی دیر تک کیا ہم بھوکے مریں۔"

"جانے دیں گی تو آؤں گی نا۔" حریم گھڑی کی طرف مایوسی سے دیکھتی آزردگی سے سوچنے لگی۔ شیش کباب فریج میں رکھے تھے۔ پین میں گھی ڈال کر پہلے انہیں فرائی کیا۔ پھر بن کے چار پیس توے پر معمولی سے سینک لیے۔ ٹماٹر دھو کر کاٹے، بند گوبھی کو کش کیا۔ آملیٹ بنایا۔ بن کے پیس پر سلاد کا پتا گول کاٹ کر رکھا پھر ٹماٹر، پیاز اور بند گوبھی کی ایک تہہ جمائی۔ بڑا سا کباب اس تہہ کے اوپر رکھا، کیچپ کا اچھی طرح لیپ کر کے آملیٹ نفاست سے اس کے اوپر بچھا کر بن کے دوسرے حصے سے کور کرنے کے بعد وہ کچن سے باہر نکلی تو پسینے سے شرابور تھی۔

پہلے امی تک برگر پہنچایا۔ وہ چائے برگر کے انتظار میں رکھے بیٹھی تھیں۔ پلیٹ پکڑنے سے پہلے بولیں۔

"ٹھنڈی بد مزا چائے کہاں حلق سے اترتی ہے۔"

"اور بنا دوں؟" حریم نے مری مری آواز میں پوچھا۔

"نہیں، اب رہنے دو۔ کہاں وخت کرو گی چولہا جلانے کا تم یوں کرو، کوک کا گلاس لا دو۔ برف زیادہ ڈالنا موبی کو بھی ایک گلاس دے دو۔" برگر دیکھ کر موڈ بدل گیا تھا۔ اسی لیے چائے کے کپ کو اٹھا کر پرے کھسکایا۔ حریم پھر کچن کی طرف چلی گئی۔ ایک تو کچن کا رقبہ بھی اتنا کم تھا کہ ایک فرد سے زیادہ کی گنجائش نکالنا محال تھی۔ اوپر سے گرمی اور گھٹن حد سے سوا تھی۔ روشن دان اور کھڑکی کے باوجود چھوٹا سا باورچی خانہ تنور کی طرح تپ رہا تھا۔ سورج کی ساری تپش گویا کھڑکی کے ذریعے کچن میں آگھسی تھی۔ حریم باورچی خانے سے لاؤنج تک کے چکر لگاتے لگاتے بے حال ہو چکی تھی۔

موبی کو برگر اور کوک کا گلاس دینے آئی تو وہ کمپیوٹر کے سامنے جم کر بیٹھا تھا۔ یہ کمپیوٹر ماہیر اس گھر میں آنے کے تیسرے روز لایا تھا۔ صرف اور صرف موبی کے لیے شاید اپنے اس دن کے بے رحم رویے کے ازالے کے طور پر بطور تحفہ موبی کو دیا گیا تھا۔ اس سفید رنگ کے ڈبے کو دیکھ کر موبی کی خوشی دیدنی تھی۔ موبی نے ہی اسی خوشی اور سرشاری کے عالم میں حریم کو بتایا تھا کہ وہ کب سے کمپیوٹر لینے کی خواہش دل میں رکھتا تھا۔ جواب بغیر کہے پوری ہو چکی تھی۔ موبی کا تمام دن کمپیوٹر کے ساتھ گزرتا تھا اور یہ اس کے لیے بہترین مصروفیت تھی۔

"بھابھی!" حریم ٹرے رکھ کر چپکے سے کھسکنے لگی تھی جب موبی نے ذرا سی گردن موڑ کر حریم کو پکارا۔

"کیا بات ہے؟" حریم دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے نہ جانے کن وقتوں کے بعد بولی تھی۔

"ادھر آؤ۔" وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولا۔

"کیا کہنا ہے۔ بتا دو، جلدی سے۔ مجھے کام سے جانا ہے۔" بے زاریت حریم کے لہجے، چہرے اور لفظ لفظ سے عیاں تھی۔

"یوں نہیں ادھر آکر بیٹھو، میرے پاس۔"

"جو بھی کہنا ہے۔ شام کو بتانا ابھی مجھے کام سے کہیں جانا ہے۔" حریم نے عجلت کا مظاہرہ کیا۔ نظریں بے بی پنک کارٹون کی شیپ والے کلاک پر تھیں۔

"کہاں جانا ہے؟" موبی نے مصروف سے انداز میں پوچھا۔

"اپنے ابو کے گھر ان سے ملنے۔"

"ابھی۔" موبی نے کچھ پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کس کے ساتھ۔ کیا ماہیر بھائی آئیں گے۔" مانیٹر سے اس کی نظریں ہٹ چکی تھیں۔ حریم کے جانے کا سن کر وہ سخت بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ اگرچہ دن کے بارہ گھنٹوں میں حریم صرف تین مرتبہ کھانا دینے کی غرض سے اس کے کمرے میں آتی تھی۔ اکثر تو کھانا رکھنے کے بعد وہ دوسرے ہی لمحے بھاگ جایا کرتی تھی۔ موبی بے چارا آوازیں دیتا رہ جاتا۔ راحت بیگم نے ایک دو مرتبہ نوٹ کرنے کے بعد اس کی خوب کھنچائی کی تھی۔ اب انہی کے طویل ترین لیکچرز سے بچنے کے لیے حریم موبی کی باتیں سننے کھڑی ہو جاتی تھی۔ عموماً" غائب دماغی سے جواب دے کر جان چھڑوانے کی کوشش کرتی۔

"نہیں۔"

"اکیلے جاؤ گی؟" بہت فکر مندی سے موبی نے پوچھا۔ بہت دن ہوئے تھے اسے معمول کا کوئی دورہ بھی نہیں پڑا تھا۔

"ہاں۔"

"نہیں، اکیلے مت جانا۔" موبی کچھ خوفزدہ ہوا۔

"میں بہت عرصے سے نہ جانے کہاں کہاں تنہا جاتی رہی ہوں۔" حریم محض سوچ کر رہ گئی۔ اب موبی کو بھلا کیا بتاتی، بیمار باپ اور معذور بہن کی ساری ذمہ داری اسی کے کندھوں پر تھی۔ شادی سے پہلے ایک جگہ جاب بھی کیا کرتی تھی۔

"کیا فرق پڑے گا۔"

"تمہیں ڈر لگے گا بھابھی!" موبی سچ مچ خوفزدہ تھا۔

"کس چیز سے؟" وہ بے زاری سے بولی۔

"انسانوں سے، لوگوں سے، عورتوں سے اللہ کی یہ مخلوق بڑی خطرناک شے ہے۔" اس کی آنکھیں نہ جانے کون سا دردناک منظر دیکھ رہی تھیں۔ بے حد سرخ آنکھیں۔

"اچھا..." حریم نے بحث میں وقت ضائع کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"بھابھی! تم ماہیر بھائی کے ساتھ چلی جانا۔ وہ ساتھ ہوں گے تو تمہیں ڈر نہیں لگے گا۔ جیسے بھائی کی موجودگی میں مجھے ڈر نہیں لگتا۔" موبی نے گویا درخواست کی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" حریم نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔

"میں غلط نہیں کہتا۔ آج نہیں تو کل مان لو گی۔ میں کچھ غلط کہہ نہیں سکتا۔" موبی اب خود کلامی کے سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"کیوں تمہارا کہا غلط کیوں نہیں ہو سکتا۔" حریم اب کے چونک سی گئی۔

"تم کیا ولی ہو؟" وہ ہنس کر بولی۔

"نا... نا، مجھ حقیر کو گناہ گار تو نہ کرو۔" موبی دہل کر بولا۔

"میں تو معمولی سے معمولی انسان سے بھی حقیر ہوں۔"

"یوں نہیں بولتے منیب!" حریم بے اختیار ٹوکنے لگی۔

"کوئی بھی انسان کم تر نہیں ہو سکتا۔ ہر کسی میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے۔"

"اچھا... بتاؤ، تنہا تو نہیں جاؤ گی؟"

"نہیں۔" حریم نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ موبی ایک دم مطمئن ہو گیا تھا۔

"تم بتاؤ، تمہارا کہا کبھی غلط نہیں ہوتا۔ یہ دعوا کیوں ہے تمہیں۔" حریم کچھ خیال آنے پر دوبارہ موضوع کی طرف پلٹی۔

"میں جو بھی کہتا ہوں۔ دل سے کہتا ہوں، کچھ چیزیں تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔" اس کے چہرے پر عجیب سی بے چینی پھیلتی چلی گئی۔

"مثلاً" کیا..... کیا؟" حریم نے بے صبری سے پوچھا۔ موبی کم کم ہی تو کھلتا تھا۔ اب موقع ملا تو حریم نے اس موقع کو ضائع کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"بڑی عجیب سی باتیں ہیں میری۔" وہ کچھ سوچنے لگا۔

"بتاؤ نا....." حریم غیر محسوس طریقے سے موڑھے کی طرف بڑھ گئی۔

"پتا ہے۔ جب ابو کو دل کا دورہ پڑا۔ تو میں گہری نیند سو رہا تھا۔ یوں لگا گویا میں جاگ رہا ہوں یا پھر سوتی جاگتی کیفیت میں ہوں۔ کسی نے میرا انگوٹھا ہلایا۔ ایسے گویا کوئی مجھے جگانا چاہتا ہو۔ پھر کسی نے مجھے کہا، اپنے ابو کو دیکھ لو۔ میں اٹھ گیا اور پھر ابو کے کمرے کی طرف بھاگا اس وقت ابو کے چہرے پر تکلیف کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ بالکل ٹھیک تھے۔ ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ ابو نے مجھے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح یہاں بوسہ دیا، پھر یہاں دیا۔ پھر یہاں سے چوما۔" موبی اپنے گال، پیشانی اور ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ حریم ہمہ تن گوش تھی اور موبی کی ایک ایک بات غور سے سن رہی تھی۔

"وہ مجھے اسی طرح پیار کرتے تھے۔ اتنا پیار کرتے تھے، تم سوچ بھی نہیں سکتیں" موبی باپ کی یاد میں کھو سا گیا۔

"پھر کیا ہوا؟" حریم کو بے چینی لاحق تھی۔

"صرف تین منٹ گزرے تھے۔ ابو کے بازو میں درد اٹھا، پھر انہوں نے سینہ پکڑ لیا۔ ان کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔ میں نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا۔ ماہیر بھائی ابو کو لے کر ہسپتال چلے گئے تھے۔ پھر جب ابو واپس لوٹے تو بالکل خاموش تھے۔ گہری نیند میں تھے۔ میرے جگانے پر بھی نہ جاگے۔ میرے پکارنے پر بھی نہ بولے۔" موبی کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔ کچھ پل خاموش رہنے کے بعد پھر سے موبی نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"میں نے اپنے اس خواب کو اہمیت نہیں دی تھی۔ اپنے گھر والوں کے علاوہ میں بتاتا بھی کسے۔ ہمارے خاندان کے لوگ مجھے پاگل سمجھتے تھے۔ مجنون سمجھتے تھے۔ کسی سے ذکر بھی کرتا تو لوگوں نے تمسخر اڑا دینا تھا۔ مگر میں نے ماہیر بھائی کو بتا دیا تھا اور پتا ہے بھابھی! ماہیر بھائی نے میری بات پر یقین کر لیا تھا۔"

"ہوں۔" حریم نے ہنکارا بھرا۔

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"مجھ پر پھر سے وہ کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ابو کی وفات کے بعد دوسری مرتبہ مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ اس دفعہ میں نیند میں نہیں تھا۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ میں نے خواب نہیں دیکھا تھا مگر خواب کی سی کیفیت ضرور تھی۔ میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی تھی۔ پھر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے ارد گرد کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر یہ آنکھیں بھابھی! ان آنکھوں نے پھر سے عجیب منظر دیکھا۔ کچھ لوگ آ رہے تھے۔ سجے سنورے۔ بہت لشکارے مارتے۔ پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہتے تھے مگر اک سفید لبادے والے ہیولے نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا، اپنے سفید جبے میں چھپا لیا۔ تم یقین جانو صرف تین روز بعد ہمارے گیٹ پر کچھ ایسے لوگ کھڑے تھے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں بھابھی! میں نے جو کچھ لاشعوری آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جو کچھ آنکھ کے پردے کے پیچھے تھا، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہوتا چلا گیا..... مگر میں، میں ہر لحاظ سے محفوظ رہا، ہے نا حیرت کی بات۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔

"یہ خواب میں نے بہت چھوٹی عمر میں دیکھے تھے اور اب میں جو کچھ دیکھتا ہوں اور مسلسل کئی سالوں سے ایک ہی خواب دیکھ رہا ہوں..... نہ جانے یہ کیسا خواب ہے..... پہلے میں سوچتا تھا، خواب میں نظر آنے والی عورت تم ہو بھابھی! مگر ماہیر بھائی سے تمہاری شادی ہو جانے کے بعد بھی اس خواب کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں آیا۔" وہ پھر سے کسی گہری سوچ کے زیر اثر خاموش ہو گیا تھا۔

"نیند میں کیا دیکھتے ہو؟" حریم کو اپنی آواز کسی کنویں میں سے نکلتی محسوس ہوئی۔

"ایسے لگتا ہے گویا کانچ کی ایک دنیا ہے۔ چمکتی دمکتی دنیا، ضروریات زندگی کے سارے لوازمات سے سجی دنیا۔ یا پھر شیشے کا محل ہے۔ پھر ایک عورت دکھائی دیتی ہے۔ اس عورت کا چہرہ واضح نہیں ہوتا۔ یوں لگتا ہے ایک باریک جالی کے پیچھے ہے۔ مگر پھر بھی وہ عورت دیکھی دیکھی سی لگتی ہے۔ روتی، گڑگڑاتی، آنسو بہاتی فریادیں کرتی، بھیک مانگتی۔ ایسے لگتا ہے، اس نے دونوں ہاتھوں میں سیاہ رنگ کا کشکول تھام رکھا ہے اور جو چیز مجھے خوف میں بے تحاشا خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔ وہ بتاؤں کیا چیز ہے بھابھی۔" موبی کی آنکھوں میں خوف دھمالیں ڈال رہا تھا۔ لحہ بھر کو تو حریم بھی اسی خوف کے زیر اثر کپکپا کر رہ گئی۔ اس کی پیشانی پسینے سے تربتر تھی۔

"کیا چیز ہے؟" حریم نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ اب وہ موبی کے کمرے سے نکلنے کے بارے میں سوچ رہی تھی مگر بڑا مسئلہ تو یہ تھا۔ موبی نے اپنی بات پوری سنانے کے بعد اسے جانے دینا تھا۔ دوسری صورت میں موبی کی ذہنی رو بگڑتے بھی دیر نہیں لگنی تھی۔ چیخ چیخ کر سارا گھر اس نے سر پر اٹھا لینا تھا۔

"آنسو..... خالی کشکول میں گرتے اس عورت کے آنسو۔ یوں لگتا ہے آنکھوں سے سفید موتی نہیں خون کے قطرے لڑیوں کی صورت میں گر رہے ہیں۔ کشکول سرخ رنگ کے خون نما آنسوؤں سے بھرتا جا رہا ہے۔ پھر وہ عورت ماہیر بھائی کی طرف لپکنے لگتی ہے۔ ٹوٹی بکھری سی عورت، تھکی ہاری سی عورت۔ ماہیر بھائی کے قدموں میں سسک سسک کر روتی گڑگڑاتی اس عورت کا چہرہ مجھے یاد نہیں۔ مگر میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں، میں اس عورت کو پہلے دیکھ چکا ہوں۔ یہ خواب میں نے صرف تمہارے ساتھ شیئر کیا ہے بھابھی!"

"کاش کہ نہ ہی کرتے۔" حریم پسینہ پسینہ سی اٹھ گئی۔ خوف کے مارے ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی موبی کی فضول بکواس سننے کی۔" وہ دل میں اٹھتی بے تحاشا خوف کی لہروں سے گھبرا کر زیر لب بڑبڑائی۔

"حریم! ارے حریم۔" امی گرتی پڑتی دروازے میں کھڑی باٹ دار آواز میں اسے پکار رہی تھیں۔

"اس دیوانے کی بک بک سننے بیٹھ گئی ہو۔ یہ تو ایویں بکواس کرتا رہتا ہے۔ تم نے میکے نہیں جانا؟؟" بڑی معصومیت سے فرمایا جا رہا تھا۔ حریم سرتاپا جل کر رہ گئی۔

"ڈیڑھ بج چکا ہے امی! دو بجے آپ کو دوپہر کی روٹی ہر صورت ٹھونسنی ہوتی ہے۔ چاہے ملک شیک ڈکاریں یا برگر سینڈوچ۔ ساری چالاکیاں آپ کی مجھے ازبر ہو چکی ہیں۔" وہ غصے سے بھناتے ہوئے ٹنڈے چھیلنے لگی۔

☼ ☼ ☼

آٹھ بجے کے قریب ماہیر گھر آ چکا تھا۔ امی اور ماہیر لاؤنج میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ حریم تازہ پھلکے توے سے اتار اتار کر لاؤنج میں پہنچاتی جا رہی تھی۔

"تم بھی آ جاؤ۔" ماہیر نے تیسری مرتبہ آواز لگائی تھی۔

"ابھی آئی۔" جگ میں پانی پیندے سے جا لگا تھا۔ وہ ٹھنڈی بوتل نکال کر لے آئی۔ پہلا نوالہ توڑ کر منہ میں رکھا ہی تھا۔ جب امی کو پیٹ میں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی۔

"حریم! سیون اپ رکھی ہے۔"

"جی....." حریم کو گڑبڑ کی وجہ سمجھ میں آنے لگی تھی۔

"ایک گلاس لا دو۔" تکلیف کے آثار اب چہرے پر دکھائی دینے لگے تھے۔

"تم آرام سے کھانا کھالو۔ میں بوتل لے آتا ہوں۔" ماہیر اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔ ویسے بھی اسے امی کی یہ عادت قطعاً" پسند نہیں تھی۔ کھانا کھاتے افراد میں سے کسی نہ کسی کو اٹھانا' متوجہ کرنا کسی کام کا اچانک یاد آجانا پھر اسی وقت پایہ تکمیل تک پہنچانا۔ ذرا دیر ہوجانے پر غصہ کرنا' موڈ بگاڑ لینا۔

ادھر امی صاحبہ کو بھی بیٹے کی اس عادت سے بے تحاشا چڑ تھی۔ ماں کے سامنے بیوی کا خیال رکھنا۔ پلیٹ میں سالن نکال کر دینا۔ گلاس میں پانی ڈال کر رکھنا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ نہ کچھ پلیٹ میں رکھتے جانا۔ کبھی سلاد' کبھی کباب' کبھی خوراک کی افادیت پر لیکچر دینا۔

"آج کل کے لڑکوں میں بھی حیا نہیں۔" ماہیر کے سامنے اس قسم کے ارشادات سے کافی پرہیز کیا جاتا تاہم تنہائی میں وہ دیواروں کو تو سنائی نہیں تھیں اور جسے سنانے کی کوشش کی جاتی تھی' وہ تحمل سے سنتی رہتی۔ پلٹ کر جواب نہ دیتی۔

سیون اپ پی کر طبیعت قدرے بہتر محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر سیون اپ کا جو گلاس ماہیر نے حریم کے سامنے رکھا تھا۔ اس کی وجہ سے اختلاج ہونا ضروری تھا۔ انہیں پھر سے اپنی بیٹی کی بدنصیبی کا خیال آگیا۔

"ماہیر جیسا داماد بھی مل جاتا تو ہر طرف سے پرسکون ہوجاتی۔" انہوں نے افسردہ سانس زوردار جھٹکے کے ساتھ خارج کیا۔

"امی! بہت دن ہوئے زمیلہ نہیں آئی۔" ماہیر کو اچانک بہن کا خیال آیا تھا۔ جو نہ جانے کن حالات کا شکار تھی۔

"مہینے میں ایک مرتبہ بھی میری بیٹی کو میکے نہیں آنے دیا جاتا۔" امی کو تو بھڑاس نکالنے کا موقع چاہیے تھا۔ یہ خبر نہیں تھی بیٹی خود ہی میکے نہیں آنا چاہتی۔

"آپ خود چلی جائیں۔ حریم کو بھی ساتھ لے جانا تھا۔ اسی بہانے تھوڑی آؤٹنگ ہوجاتی۔" وہ ٹی وی کی آواز آہستہ کرکے ماں کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"جن کے دل میں خوشی ہو' آؤٹنگ شاؤٹنگ انہی کو بھاتی ہے۔ ادھر تو دل جل جل کر خاک ہوتا رہتا ہے۔" انہوں نے خود پر ہمیشہ والی رقت طاری کرلی۔

"لوگ تو مہینے میں بیس بیس چکر میکے کے لگا آتے ہیں۔"

"کون سے لوگ؟" ماہیر نے بھی شاید بات بڑھانے کی غرض سے پوچھ لیا تھا۔ راحت بیگم کچھ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"یہی آس پڑوس کی بہویں۔"

"چھوڑیے امی! آس پڑوس کی طرف کم دھیان دیا کریں۔ اپنی بہو کی طرف توجہ رکھا کریں۔" ماہیر نے شرارتی نظروں سے ماں کو چھیڑا۔

"ہاں...... بہو سے یاد آیا۔ قریشی صاحب کی نئی بہو کو دیکھنے جانا ہے۔ خالی ہاتھ جاتی اچھی لگوں گی۔ مٹھائی کا ڈبا اور پانچ سو روپے کافی ہیں۔ ولیمہ پر بھی تم جا نہیں سکے تھے۔" امی کا دھیان قریشی صاحب کی نئی نویلی بہو کی طرف پلٹ گیا تھا۔

"بڑی خوب صورت دلہن ہے۔ ماسی بتا رہی تھی۔ لاکھوں کا جہیز لائی ہے۔ بھائی نے پلاٹ بھی دیا ہے۔ دو دو کانیں بھی دی ہیں۔"

"خوامخواہ دوسروں کی بہوؤں کے راگ الاپنے کا فائدہ۔ ادھر اپنے گھر کے چراغ کو دیکھا کریں۔ آپ کی بہو تو حقیقت میں دیکھنے کے لائق ہے۔" ماہیر بڑے دنوں بعد اس موڈ میں دکھائی دے رہا تھا۔ حریم کے دل کی کلی کھل اٹھی۔ صبح سے مزاج برہم ہونے کے باوجود اس پل حریم محض ماہیر کو خوش دیکھ کر پھر سے تروتازہ ہوگئی تھی۔

"ہمارا تو سارا دن کا ساتھ ہے۔ تم ہی جی بھر کر دیکھ لیا کرو۔ صبح کے گئے رات کو لوٹتے ہو۔" امی نے بظاہر بڑی خوش بیانی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"میری والدہ کسی قدر براڈ مائنڈڈ ہیں حریم! تمہیں ایسی ساس تو اگلے' پچھلے جنم میں نہیں ملنی تھی۔" ماہیر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

"دفع دور...... یہ جنم ونم کیا ہوتا ہے۔" امی نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"امی! شکرانے پڑھا کریں۔ حریم جیسی بہو ملی ہے۔ بے زبان گائے' جس کھونٹے سے باندھا آرام سے بندھ گئی۔" نہ جانے وہ ماں کو چھیڑ رہا تھا یا حریم کو چڑا رہا تھا۔

" یوں بولو نا شکر ہے' تمہیں حریم مل گئی۔ ماں کے کندھے پر بندوق ضرور رکھنی ہے۔" امی نے ناگواری سے کہا۔ ماہیر پر کون سا امی کی "ناگواریت" کا خاص اثر ہوتا تھا۔ ایسے اثرات حریم بے چاری پر پرنٹ چھوڑا کرتے تھے۔ برے اور بدنما پرنٹ۔

"تو کیا میں شکرانے پڑھوں؟" ماہیر کی آنکھوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ حریم کے ہونٹوں پر بھی شگفتہ بہت ہی شگفتہ سا تبسم نمودار ہوا۔

"نہ بیٹے! سوا لاکھ آیت کریمہ پڑھو...... شاہ غازی کے دربار پر جمعرات کو حاضری دو۔ سرسوں کے تیل کے چراغ جلاؤ۔ بڑا کمال جو ہوا ہے۔" امی سچ مچ بگڑ گئیں۔

"امی! اگر حریم آپ کی بہو نہ ہوتی تو آپ کی زندگی میں ایک بڑا خلا ہوتا تھا۔ عجیب سا خالی پن میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" ماہیر نے چہرے پر معصومیت طاری کرلی تھی۔ حریم مسلسل اسے خاموش رہنے کے اشارے کررہی تھی مگر آج تو وہ ان ساس بہو کو زچ کرنے کا شاید ٹھان کر بیٹھا تھا۔

"امی کی زندگی کے خلا نے تو بھر ہی جانا تھا مگر بیٹے کے خالی پن اور اندر کے سناٹوں کو دور کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ تم خوش تو ہم خوش۔ ہم تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرسکتے ہیں۔ اچھا ہوا حریم ہمارے بیٹے کو مل گئی۔" انہوں نے دوپٹہ پھیلا کر دعائیہ انداز میں کہا۔ ماہیر کو حریم نے اس عرصے کے دوران پہلی مرتبہ اتنے موڈ اور ترنگ میں دیکھا تھا۔ امی کی کھٹی میٹھی باتیں بھی اس پل ناگوار محسوس نہیں ہورہی تھیں۔

"دعا میں ان الفاظ کا اضافہ بھی کرلیں۔ اچھا ہوا' مجھے حریم جیسی بہو مل گئی۔" ماہیر نے پھر راحت بیگم کو چھیڑا۔

"ویسے امی ہمارے درمیان کون سے عہدوپیماں تھے۔ طوفانی قسم کا عشق تھا۔ آپ کی اور ابو کی مشترکہ پسند ہے۔ میں بردکھوے کے لیے خود تو نہیں گیا تھا۔ آپ کی پسند کو دل و جان سے پسند کرنا ہمارا جرم ہوسکتا ہے۔"

"خدا ناخواستہ جرم کیوں؟ سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں لائے ہیں۔ عزت آبرو کے ساتھ۔" امی بات کو اپنے رنگ میں لے گئی تھیں۔ حریم کی حمایت میں بولنا انہیں گوارا نہیں تھا مگر کبھی کبھی وہ اس کا دل ضرور خوش کردیتی تھیں۔

"ماں باپ کے فیصلوں پر سر جھکانے والے بیٹے' بیٹیاں مطمئن اور خوش رہتے ہیں۔"

"درست فرمایا ہے۔" ماہیر نے فوراً" اتفاق کیا۔

"اب مجھے ہی دیکھ لیں۔ حریم کو بغیر دیکھے اوکے کردیا تھا۔ ابو کی خوشی کو مقدم جانا۔ سودا گھاٹے کا نہیں تھا۔"

"بغیر دیکھے کیوں...... ہزار مرتبہ تو جمال بھائی کی طرف جاتے رہے ہو۔ کبھی باپ کے ساتھ تو کبھی اکیلے۔" امی کو ماہیر کا یہ جھوٹ ہضم نہیں ہوا تھا۔

"پالنے میں حریم صاحبہ کو شاید خبر پہنچ گئی تھی' میرے ساتھ رشتہ طے ہونے کی۔ خدا گواہ ہے۔ کبھی ایک جھلک دکھائی نہیں دی۔ میں تو موٹی' کالی اور بھدی حریم کا تصور کیے صبروشکر سے بیٹھا تھا۔" وہ ماں کی گود میں سر رکھے آرام سے لیٹ گیا۔

"چلو جھوٹے! میں نہیں مانتی۔" انہوں نے پیار سے بیٹے کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرے۔

"حریم کے سر کی قسم۔"

"اور سن لو' حریم کا سر کیا فالتو ہے۔" امی فوراً" برامان گئیں۔ پھر اچانک خیال آنے پر بولیں۔

"حریم کو صبح دفتر جاتے ہوئے میکے چھوڑ دینا۔"

"یاحیرت۔" حریم اس مہربانی پر جھٹکا کھا کر رہ گئی۔

"مجھے تو صبح ساڑھے سات نکلنا ہوتا ہے۔ یہ کچن سے فارغ کہاں ہوتی ہے۔"

"صبح کا کام رات کو ختم کرلیا کرے تو وقت بھی بچے اور خود کو بھی سہولت ہو۔"

"جتنی بھی کوشش کرلوں۔ آپ کے ساتھ جانا ممکن نہیں۔"

"تو پھر؟"

"رکشا ہے نا۔" وہ اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی تھی۔ امی بھی ذرا جلدی کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"تم بھی چھوڑو ان دھندوں کو۔ چلو سوتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن کی لائٹ آف کرتا کمرے میں آ گیا۔

"سوائے سونے کے اور کوئی کام بھی ہے۔"

"کیا کریں مجبوری ہے۔ تمہارے بغیر نیند کہاں آتی ہے؟" ماہیر نے لفظ مجبوری پر خاصا زور دیا تھا۔

"سخت مجبوری کا یہ بیان امی کے سامنے نہ جاری کر دیجیے گا۔" حریم برش پکڑ کر الجھے بال سلجھانے لگی تھی۔

"سارے فضول کام تمہیں اسی وقت یاد آتے ہیں۔" ماہیر نے جمائی روک کر کافی ناراضی سے حریم کی "مصروفیت" کو دیکھ کر کہا۔

"سارا دن بال سلجھانے کا وقت نہیں ملتا۔" وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھی۔

"ابھی بچے نہیں تو تمہارا یہ حال ہے۔ اگر دو چار ہو گئے تو تم حریم! مجھے ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملو گی۔" ماہیر اگلے دو چار سالوں کے خاکے میں حریم کو تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا اور پھر بے اختیار ہنسنے لگا۔

"کیا ہوا ہے؟" حریم نے گردن موڑ کر حیرانی سے ماہیر کی طرف دیکھا۔ وہ آج سچ مچ اسے حیران کرنے کے چکر میں تھا۔

"ایک کو ساتھ لگائے' دوسرے کو بغل میں دبائے' تیسرے کو کاٹ میں سلاتے ہوئے' اڑے اڑے حواسوں والی حریم کو دیکھ کر مجھے ہنسنا چاہیے یا پھر......" وہ شرارت سے لب بھینچے اسے دیکھنے لگا۔

"ماہیر!" حریم شرارت سے جھنجلا اٹھی۔

"ابھی تو ایک بچے کا امکان دور دور تک نظر نہیں آ رہا اور میں تین تین کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" ماہیر اسے پھر سے چھیڑنے لگا۔ نہ جانے کیوں حریم چپ سی ہو گئی تھی۔

"یار! کچھ سوچو نا۔" ماہیر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

"آپ سوچتے رہیں.... جب کسی نتیجے پر پہنچ گئے تو مجھے بھی "باخبر" کر دیجیے گا۔" حریم نے سر جھٹک کر ایک خیال سے پیچھے چھڑاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"تمہارے تعاون کے بغیر تو سوچنا بھی محال ہے۔" ماہیر نے ایک بھرپور شرارت کا عملی مظاہرہ کیا۔

"ماہیر! کل کا سارا دن میں بابا کی طرف رہوں گی۔" وہ اس کے بازو پر سر رکھتے ہوئے لاڈ سے بولی۔

"کیوں؟" ماہیر فوراً چونکا۔

"بابا نے کوئی ضروری بات کرنا ہے۔"

"کس قسم کی بات؟" ماہیر نے الجھ کر پوچھا۔

"کیا ہمارے مکان بیچنے کی۔"

"نہیں ..... میں نے ابھی یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔"

"ویٹس گڈ۔" ماہیر قدرے مطمئن ہو گیا۔

"پھر کیا کہنا ہے انکل نے۔"

"میرے خیال میں حانی کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔" حریم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا۔" ماہیر نے ہنکارا سا بھرا۔

"تم نے پہلے ذکر نہیں کیا۔"

"جمعہ کی شام کو بوا نے فون کیا تھا۔"

"کون لوگ ہیں؟" ماہیر نے عام سے لہجے میں پوچھا۔ اکثر لوگ حانی کے رشتے کا سن کر چونک جایا کرتے تھے۔ ماہیر کے لہجے میں کسی خاص قسم کا تجسس نہیں تھا۔

"بوا کے جاننے والے ہیں۔" حریم' خالہ کے بتائے پرپوزل کے بارے میں سوچنے لگی۔ اسے بذات خود حانی کے لیے احسان حسن کا پرپوزل مناسب لگا تھا مگر بوا کے ریجیکٹ کرنے کے بعد حریم کو ضد کرنا' اصرار کرنا۔ وہ بھی احسان حسن کو دیکھے بغیر' پرکھے بغیر کچھ بہتر نہیں لگا تھا۔

"لڑکا کیا کرتا ہے؟" حانی کے معاملے میں ماہیر دلچسپی لے رہا تھا۔ حریم دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی تھی۔

"ابھی کچھ خاص تفصیل نظر سے نہیں گزری۔"

"ہوں.... اچھی بات ہے۔" ماہیر اب گہری سوچ میں گم' حریم کی طرف متوجہ تھا۔

"اے حریم! میری موجودگی میں کہاں کھو گئی ہو۔" ماہیر نے اس کے گرد گھیرا خاصا تنگ کر کے اسے سوچوں کے بحر سے باہر نکالا۔

"ماہیر! جب ہم اسلام آباد سے واپس آئے تھے۔ تب کی بات ہے' خالہ نے مجھے حانی کے لیے ایک پرپوزل بتایا تھا۔ احسان حسن نام تھا' درس و تدریس کے لیے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ یا پھر یوں کہہ لیں کسی مخلص ساتھی کے خواہشمند تھے۔ عمر چھیالیس سال ہو گی۔ آپ کا کیا خیال ہے' یہ پرپوزل حانی کے لیے کیسا رہے گا؟"

"حریم! تم ہوش میں ہو۔ چھیالیس سالہ آدمی عمر کا اتنا فرق' حانی تو ابھی بچی ہے۔" کم و بیش ماہیر نے بھی بوا کی طرح کا ردعمل ظاہر کیا تھا۔

"مگر دیکھیں نا' حانی معذور ہے' پھر نہ جانے۔" حریم کو اپنا نقطہ نظر واضح کرنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔

"حانی ناقابل علاج نہیں۔ ابو بتایا کرتے تھے۔ حانی کا آپریشن یورپ میں ممکن ہے۔"

"مگر علاج بہت مہنگا ترین ہے۔" حریم کی آواز بھرا گئی۔

"اگر ہماری اتنی بساط ہوتی تو حانی کب کی اپنے قدموں پر کھڑی ہوتی' چلتی پھرتی۔"

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں' حانی کے آپریشن میں انکل کی مدد کروں گا۔"

"آپ....." حریم گویا ساکت ہو گئی۔

"ماہیر! آپ کس طرح..... یہ کیسے ممکن ہو گا۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔"

"مگر آپ کیسے؟"

"جب اپنی بہن کے لیے سائبان بیچ سکتا ہوں۔ تو تمہاری بہن کے لیے اتنا سا کام نہیں کر سکتا۔" ماہیر نے نرمی سے کہا۔

"اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے گی۔" حریم تو ابھی تک ششدر تھی۔

"اللہ وسیلے بنا دیتا ہے۔ جب اس نے کسی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوتا ہے تو خود بخود راہیں ہموار کر دیتا ہے۔" ماہیر نے اس کے گال سے اپنا گال رگڑ کر کہا۔ حریم کو لگا یہی بات اسی انداز میں کسی اور نے بھی کہی تھی۔ سنہری فریم سے جھانکتی ان آنکھوں میں بھی خلوص کے دیے روشن تھے اور وہ بابا سے اصرار کر رہا تھا۔

"کیا حرج ہے اگر میں حانی کو امریکہ لے جاؤں۔ مجھ پر بھروسہ نہیں کیا؟ بیٹا کہتے ہیں صرف' سمجھتے نہیں۔"

"میں بیمار ہوں زرجان! حانی کو تنہا کیسے بھیج دوں اتنی دور' کیسے سمجھاؤں بیٹا؟" بابا بے بسی سے بولے۔

"میں خود تو اتنا طویل سفر نہیں کر سکتا۔"

"حریم ہیں نا..... وہ ساتھ چلی جائیں گی۔" زرجان نے جھجک کر کہا تھا۔

"حریم!....." ماہیر نے نرمی سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"کہاں کھو جاتی ہو' میری جان!"

"کبھی کبھی..... اپنے نصیب پر رشک آنے لگتا ہے۔" حریم کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔

"کبھی کبھی کیوں؟ اکثر کیوں نہیں۔" ماہیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یہ آنسو کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔" حریم ہنس پڑی۔ سورج پر گویا بادلوں کی چادر تن گئی تھی۔ دھوپ' چھاؤں کے اس روپ نے ماہیر کو دم بخود کر دیا۔

"میرے دل کا جام تمہاری محبت سے لبالب بھرا ہوا ہے حریم!" وہ اس کے کھلے بالوں میں منہ چھپا کر مخمور لہجے میں بولا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے بے فکر ہو جانا چاہیے۔" حریم نے مذاقاً کہا۔

"کس معاملے میں۔"

"یہی کہ اس دل میں کسی اور کی گنجائش ذرہ بھر نہیں۔" حریم ہنسی۔

"دانا عورتیں کہتی ہیں۔ مرد کی کسی بات پر بحث نہ کرو۔"

"ان دانا عورتوں میں سرفہرست تو جنت بوا ہوں گی۔" ماہیر وثوق سے بولا۔

"تو اور کیا؟" حریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دانا عورتوں نے اور کیا فرمایا ہے؟" ماہیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مرد کی ہر بات پر اعتبار کرو۔ سوائے اس کے۔" حریم کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ ماہیر کے موبائل کی بپ نے ان دونوں کی توجہ اس ننھے سے موبائل کی طرف مبذول کروالی تھی۔ ماہیر نے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور یس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگا لیا۔

"ماہیر عالم اسپیکنگ۔"

"تھینک گاڈ!" دوسری طرف مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

"بڑی کوششوں کے بعد آپ کا پرسنل نمبر ملا ہے ماہیر صاحب!" کافی بے تکلفی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

"آپ کون ہیں اور کیوں فون کیا ہے؟" ماہیر کو یہ بے تکلفی قطعاً نہیں بھائی تھی۔

"میں باسط ہوں ماہیر صاحب! پہچانا نہیں ... دراصل زکام کی وجہ سے آواز اور بھی بھدی اور پھٹیچر سی ہو گئی ہے۔"

"او ... باسط تم! اس وقت کیوں فون کیا ہے؟" وہ ایک ہی کمپنی سے منسلک تھے۔ باسط اس کے انڈر کام کرتا تھا۔ ماہیر کچھ وقت سے ہی سہی تاہم باسط کی آواز پہچان چکا تھا۔

"ماہیر صاحب! آپ کے لیے خوشخبری ہے۔" باسط نے جان بوجھ کر تجسس کو ہوا دینے کی کوشش کی۔

"پھوٹ بھی چکو۔" ماہیر نے بے زاری سے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"اس موڈ کے ساتھ خوشخبری آپ کا حق نہیں۔" باسط شروع سے لیچڑ تھا۔ باتوں کا شوقین اکثر لوگ جانتے پہچانتے ہوئے بھی باسط کی لسوڑے جیسی عادت کے پیش نظر اسے پہچاننے سے انکار کر دیتے تھے۔

"تمہارے فون سے پہلے میرا موڈ بڑا خوشگوار تھا۔" ماہیر نے بھناتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں؟ چاندنی رات کو انجوائے کر رہے تھے۔" باسط نے اسے چڑانا چاہا۔

"بکواس نہیں کرو باسط!" ماہیر کے ضبط نے جواب دے دیا۔ وہ بھناتے ہوئے فون بند کرنے لگا تھا۔

"ماہیر صاحب! سن تو لیں۔" باسط نے دہائی دی۔

"بولو..."

"کمپنی آپ کو ایک پرکشش آفر دے رہی ہے۔" باسط نے بالآخر منہ سے بھاپ نکال ہی دی۔

"کون سی آفر؟" ماہیر چونکا۔

"آپ کو ہانگ کانگ بھیجا جا رہا ہے۔" باسط نے اپنے تئیں بڑا آتش فشاں پہاڑ پھاڑا تھا۔

"کیوں؟"

"یہ تو کمپنی کے مالکوں کو پتا ہوگا۔" باسط اس کے معمول کے رواں لہجے کو سن کر قدرے بور ہوا۔

"میں نے سوچا یہ خوشخبری آپ تک پہنچانے والا باسط مرزا پہلا شخص ہونا چاہیے۔"

"شکریہ۔" ماہیر نے خشک لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ اسے خوشامدی لوگوں سے بڑی چڑ تھی اور باسط مرزا نے خوشامد میں گویا پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔

"خیریت۔" حریم نے اپنا ہاتھ ماہیر کے شانے پر رکھ کر متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہوں۔" ماہیر چونکا۔

"بالکل خیریت ہے۔"

"کس کا فون تھا؟"

"کمپنی کی طرف سے ہانگ کانگ جانا ہے۔"

"کتنے عرصے تک؟" حریم نے فکر مندی سے

پوچھا۔

"غیر معینہ مدت تک۔" ماہیر کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"کیا مطلب؟" حریم کی سانسیں تھم گئیں۔

"آپ چائنہ جائیں گے اتنی دور۔" حریم کی آنکھیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں۔

"ارے ... یہ کیا؟" ماہیر گھبرا گیا۔

"میں کیا ابھی جہاز پر چڑھنے لگا ہوں۔ حد ہوتی ہے حریم! اب رونا نہیں۔"

"جہاز پر تو ضرور چڑھیں گے۔ اتنی اچھی آفر جو ملی ہے۔" حریم نے سوں سوں کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں رلا کر تو ہرگز نہیں۔ بھاڑ میں جائے اچھی آفر۔"

"کہنے کی باتیں ہیں۔"

"نہیں جاؤں گا یار!" ماہیر زچ ہوا۔

"ابھی تو میں خود اس اچانک آفر کی اصل وجہ جاننا چاہوں گا۔"

"تو پھر وعدہ کریں۔ آپ کہیں بھی نہیں جائیں گے۔" حریم نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھ کر گویا التجا کی تھی۔

"بابا! نہیں جاؤں گا کہہ تو دیا ہے۔"

"پکا۔" وہ مضبوط عہد لینا چاہتی تھی۔

"بالکل پکا ... گھڑے کی طرح پکا۔" ماہیر نے اسے چھیڑا۔

"یعنی کچا پکا ... ٹوٹنے والا عہد۔"

"بڑی تیز ہو گئی ہو حریم! پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔" ماہیر نے مصنوعی حیرانی کا اظہار کیا۔

"پہلے آپ دور بھاگنے کی باتیں بھی تو نہیں کرتے تھے۔"

"تم سے دور بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ تم تو زندگی ہو حریم! زندگی رنگوں سے سجتی ہے۔ رنگ اور زندگی سے کون دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔" ماہیر نے اسے بانہوں کے حصار میں لے کر زور سے بھینچ لیا۔

☆ ☆ ☆

صبح بہت جلدی نکلنے کے چکر میں گیارہ پھر بھی بج ہی گئے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی حریم نے سبزی والے کا انتظار کیے بغیر آلو کی بھجیا بنالی تھی۔ برتن سمیٹ کر دھوئے تھے اسی اثنا میں ماسی نے لپک جھپک صفائی کرلی۔

وہ گھر سے نکلی تو اس وقت اچھی خاصی بدلیاں آسمان پر تیر رہی تھیں۔ جوں ہی کالونی کی سڑک کراس کر کے مین روڈ تک حریم پہنچی بادل نہ جانے کون سی سمت کی طرف تیرتے ہوئے نکل گئے۔ بادلوں کا پردہ چاک ہوتے ہی سورج کی نوکیلی کرنیں جسم میں چبھنے لگیں۔ صرف دس قدم چلی تھی اور پورا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔

حریم بے دم سی دور دور تک کسی ... رکشا کو تلاشنے کے چکر میں ہلکان ہونے لگی۔ اسی اثنا میں سلور سوک اس کے قریب آرکی تھی۔

"زرجان!" حریم کے لب بے آواز ہلے۔ بغیر کچھ کہے، زرجان نے بیک ڈور کھول دیا تھا۔ جانتا تھا حریم

فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا کبھی گوارا نہیں کرتی اور پھر وہ بھی زرجان کے برابر میں۔

آگ اگلتے سورج کی جھلسا دینے والی تپش سے بچنے اور دور دور تک کوئی رکشا نظر نہ آنے کے بعد وہ مایوس ہو چکی تھی۔ تبھی تو بغیر بحث کیے آرام وہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"میں تایا جی سے ملنے جا رہا تھا۔" گاڑی سبک خرامی سے چلنے لگی تھی۔ اے سی کی کولنگ نے حواس کچھ ٹھکانے لگائے تھے۔ زرجان کی لگژری گاڑی میں چکراتی کسی امپورٹڈ کلون کی خوشبو اس کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ احساس دلاتی خوشبو' متوجہ کرتی' کچھ کہتی' کچھ سنتی.... دھیرے دھیرے اپنے ہونے کا احساس دلاتی' اپنائیت ظاہر کرتی' خلوص لٹاتی بے تحاشا قیمتی اور انمول جذبوں کی مہک کو سموئے ایک ہی مدار کے گرد گھومتی خوشبو۔

"حانی نے بتایا تھا۔ آپ ورجینیا گئے ہیں۔" حریم نے کچھ تو کہنا تھا۔

"نہ جانے مہینے میں کتنی مرتبہ ایتھنز ——— اوسلو' بنکاک اور نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑتا ہے۔ رزق باندھ کر ملک ملک' شہر شہر لے جاتا ہے۔"

"چاچی خیریت سے ہیں؟" اگرچہ محترمہ فلک ناز اس کی چاچی کے منصب سے بہت سال پہلے اتر چکی تھیں تاہم حریم اور حانی انہیں ابھی تک چاچی کہنا پسند کرتی تھیں۔ خیر سے چاچی کی شکل تک بھی کچھ خاص یاد نہیں رہی تھی۔ اتنے سال تو بیت چکے تھے انہیں دیکھے ہوئے اور آخری ملاقات کچھ ان حالات میں ہوئی تھی کہ حریم اور حانی ان کے نقوش ازبر کرنے کی بجائے بس حیران پریشان سی ان کے منہ سے ادا ہونے والے لفظوں پر غور کرتی رہ گئی تھیں۔ مگر ایک بات تو روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ زرجان عباس نے ایک ایک نقش اپنے باپ کا چرایا تھا۔ اس کے چچا جمشید عباس بھی بلا کے حسین اور پرکشش مرد تھے۔

"مما ٹھیک ہیں۔" مختصر سا جواب ملا تھا۔

"ماہیر کی جاب کیسی جا رہی ہے؟ کوئی پرابلم تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"میں نے نیویارک میں ڈاکٹر فلپ ویلسن سے دو گھنٹے کی طویل ملاقات کی تھی۔ حانی کے آپریشن اور علاج کے سلسلے میں۔ پچھلی رپورٹس' ٹیسٹ رپورٹس اور ڈاکٹرز کے مختلف کمنٹس اسٹڈی کرنے کے بعد ابتدائی تشخیص کے بارے میں ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ حانی کا آپریشن ممکن ہے۔ ٹخنوں کے جوڑ کے اردگرد باریک وینز میں سے ایک دو ڈیمج ہیں۔ ڈاکٹر کا خیال تھا یہ آپریشن ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہو گا۔" وہ بہت ٹھہرے' سلجھے رواں لہجے میں اس حساس موضوع پر بات کر رہا تھا جو حریم کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ حانی کی صحت اور تندرستی حریم کی اولین خواہشوں کا حصہ تھی۔

"میں تایا جی سے اسی سلسلے میں ڈسکشن کرنا چاہ رہا تھا۔" وہ احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"مثلاً کیا؟" حریم نے بے چینی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"حانی کو نیویارک بھیجنے کے سلسلے میں۔"

"مگر حانی تنہا تو نہیں جا سکتی۔" حریم بے دلی سے بولی۔

"اس پہلو پر بھی بہت غور کیا ہے میں نے۔" وہ نرمی سے شفاف سڑک پر نظریں جمائے بولا۔

"پھر کیا نتیجہ اخذ کیا؟"

"ایک آپشن تو یہ تھا' بوا' حانی کے ہمراہ چلتیں۔ مگر میرا نہیں خیال کہ وہ جہاز پر بیٹھنا پسند کریں گی۔ وہ بھی اتنے طویل سفر کے لیے۔ دوسرا آپشن بھی کچھ بوگس سا ہے۔ اگر آپ تعاون کرتیں تو مسئلہ حل ہو جاتا۔" زرجان مزید نہ جانے کیا کہنا چاہتا تھا جب حریم سرعت سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"میرا جانا ممکن نہیں۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ آپ کی اپنی شادی شدہ زندگی ہے۔ ازدواجی زندگی میں بہت سے رشتوں کی پسند ناپسند کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ آپ کا جانا تو کسی طور

مناسب نہیں۔ تیسرا آپشن مجھے تو ہر لحاظ سے کچھ بہتر لگا ہے۔ نیویارک میں حانی کے لیے مستقل ایک نرس فلیٹ میں رہا کرے گی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" سفید پیشانی پر لہراتے لچھے دار سیاہ بالوں پر گلاسز ٹکاتا وہ پل دو پل کے لیے مرر کی طرف دیکھ کر سامنے متوجہ ہو گیا تھا۔

"اور جو خرچہ ہو گا۔ وہ ہماری رینج سے کتنا اوپر ہو گا۔" حریم رقم کے حساب کتاب میں الجھنے لگی۔

"یہ آپ کا ہیڈک تو نہیں حریم!"

"یوں تو بابا ہرگز نہیں مانیں گے۔" حریم نے نفی میں سر ہلایا۔

"بابا نہیں' اپنی بات کریں۔ تایا جی میری بات ہرگز نہیں ٹالتے۔" اس کے لہجے میں بابا سے محبت کا مان بول رہا تھا اور بابا کو بھی تو زرجان سے بہت محبت تھی۔

حریم انہی سوچوں میں الجھی تھی جب گاڑی لوہے کے پھاٹک کے سامنے رک گئی۔ وہ دونوں ایک ساتھ گاڑی سے اترے تھے۔ ایک ساتھ ڈرائیو وے پر چلتے ہوئے اپنی اپنی سوچوں میں گم برآمدے تک آئے تھے۔ اس بات سے قطعاً" بے نیاز کہ اسٹک کے سہارے کھڑی حانی کی آنکھوں میں بجلی کے کوندے گویا لپکے تھے۔ اک عجیب سا خوشگوار احساس اس کے اردگرد چٹکیاں بجانے لگا تھا۔ گنگنانے لگا تھا۔

"حانی! حانی گڑیا' کہاں ہو۔" زرجان کی آواز سن کر بابا بھی کمرے سے نکل آئے تھے۔ لاؤنج میں فرش پر بیٹھ کر خربوزے کاٹ کاٹ کر کھاتی جنت بوا بھی بوکھلا اٹھی تھیں اور ادھر حانی دھیرے دھیرے ایک ٹانگ پر وزن ڈالے چلتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔ وہ دونوں اب ساتھ ساتھ نہیں کھڑے تھے۔ مگر حانی کی آنکھوں میں وہ منظر گہرے عکس چھوڑ گیا تھا۔

"بھیا! میں یہاں ہوں؟" وہ اس کے عین پیچھے کھڑی تھی۔ زرجان پلٹ کر سرخوشی کے عالم میں حانی کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اسٹک حانی کے ہاتھ سے پکڑ لی تھی۔ حانی اس کے بازو کے سہارے چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

"زرجان سے بہتر کوئی مضبوط سہارا حانی کے لیے ہو سکتا ہے؟" حریم کے دل نے چپکے سے سرگوشی کی۔

"بھیا! میں نے آپ کو بہت مس کیا تھا۔ اتنے دن لگا دیے گوروں کے ملک میں کہیں وہاں دل تو نہیں لگا لیا۔" حانی شرارت سے چہکی۔

"دل کا مکان تو ایک دفعہ آباد ہوتا ہے۔ حریم دل میں سویرا حریم جمال کے دم سے ہے۔ باقی تو کچھ بھی نہیں۔"

"ماہیر نہیں آیا بیٹے!" بوا دوپٹے سے منہ پونچھ کر "فراغت" کے بعد ان کے قریب فرش پر پھسکڑا مارے بیٹھ گئی تھیں۔

"اس وقت وہ دفتر میں ہوتے ہیں بوا!" حریم ایک کرسی کی طرف بڑھ گئی۔

"بھیا! آج کھانا کھائے بغیر تو نہیں جانے دوں گی۔" زرجان' بابا سے گفتگو میں مصروف تھا' جب حانی نے ٹھنک کر مان بھرے لہجے میں کہا۔

"ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنا ہے۔" زرجان نے ہمیشہ والا جواز پیش کیا۔

"میں کچھ نہیں سنوں گی۔ آج دو لوگ جو مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔ اچانک آکر مجھے پرمسرت سرپرائز سے ہمکنار کر چکے ہیں۔ اس خوشی میں حانی جمال کی طرف سے پرتکلف لنچ۔"

"لنچ میں تم کیا کھلاؤ گی۔ ارہر کی دال' لیموں کا اچار یا انار دانے کی چٹنی۔" حریم نے مسرور سی حانی کو چھیڑا۔

"ٹیبل دیکھ کر منہ میں پانی بھر آئے گا محترمہ!" حانی نے چیلنج بھری نظروں سے دیکھا۔

"ایسا بھی کیا خاص بنا ڈالا ہے۔"

"اپنی ساس کے لہجے میں "ناک ناک" کردار کرنے کی ضرورت نہیں۔" حانی نے لاپروائی سے کہا۔

"وہ کب کچھ کہتی ہیں۔" حریم' زرجان کے سامنے شرمندہ سی صفائی پیش کرنے لگی۔

"ان کے منہ سے تو شہد ٹپکتا ہے۔"

"بزرگوں کے بارے میں اس طرح نہیں کہتے۔"

حریم نے حانی کو آنکھیں دکھائیں۔

"تو پھر کس طرح کہتے ہیں؟" وہ لبوں کا کونا دبائے ہنس رہی تھی۔

"بکو نہیں۔" حریم اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

"ناراض کر دیا نا۔" زرجان نے تاسف سے سر ہلایا۔

"کیسے بھلا۔" حانی نے بھولپن سے کہا۔

"حریم کو۔" زرجان اس کی معنی خیز نگاہوں سے نظریں چرا گیا۔

"بھیا! ہم حریم کو کیسے منائیں؟" حانی کے دل میں کھدبد ہونے لگی۔

"وہ تو سچ مچ ناراض لگتی ہے۔ سنیں ذرا کچن میں برتن گرنے کی آوازیں۔"

"ہوں..... اب کیا ہو سکتا ہے؟" زرجان نے ذرا سی گردن موڑ کر جلدی جلدی میز پر برتن لگاتی حریم کو دیکھ کر کہا۔

"مناتے ہیں اسے۔" حانی کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"کس طرح؟" زرجان اس کے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے ہمیشہ کی طرح جواب دے رہا تھا۔ حانی کے ساتھ باتیں کرتے نہ تو اسے آفس بھاگنے کی جلدی ہوتی تھی نہ وہ کبھی بے زاریت کا شکار ہوا تھا۔ تایا جی کی یہ بیٹی اسے بہت عزیز تھی۔

"یہ تو آپ بتائیں گے۔" حانی نے بندوق زرجان کے کندھے پر رکھ دی۔

"اچھا۔" وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

"مجھے حریم کو منانا کہاں آتا ہے اور وہ روٹھتی کب ہے۔ بھلا ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق موجود ہے؟ میں تو حیران ہوں۔ میرے ساتھ دو چار باتیں کس طرح کرتی رہی ہے۔ شاید مروت کے مارے۔"

"کھانا لگ چکا ہے..... تشریف لے آئیے۔"

"حانی! اتنا کچھ کس کے لیے بناتی ہو۔" زرجان نے اک طائرانہ نظر میز پر ڈال کر کہا۔

"پردیسیوں کے لیے۔" حانی نے اسٹک کو ایک طرف رکھ کر کرسی کی بیک کا سہارا لیا تھا۔ پھر دھیرے سے زرجان کے برابر بیٹھ گئی۔

"پردیسی۔" حریم اور زرجان نے چونک کر کہا۔

"آپ دونوں پردیسیوں سے کم ہیں۔ چاند کی طرح جھلک دکھاتے ہیں۔" حانی نے بے اختیار شکوہ کیا۔

"حانی نئے مہینے کے چاند کی بات کر رہی ہے۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سب موجود تھے' اس کے باوجود ماہیر کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں جی' میں تو عید کے چاند سے آپ دونوں کو تشبیہ دے رہی ہوں۔" حانی جلبلا کر بولی۔

"اتنی مبالغہ آمیزی۔" زرجان دھیرے سے مسکرا دیا۔

"سچائی کا پردہ چاک کر رہی ہوں۔" حانی نے نہ جانے کس ڈرامے کے ڈائیلاگ بولے تھے۔

"حانی! کی کوکنگ بیسٹ ہے۔" زرجان نے تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ وہ بھی حانی کے بے حد اصرار کی وجہ سے مگر تعریف وہ دل سے کر رہا تھا۔

"حریم کے ہاتھ کا ذائقہ کبھی چکھ لیں تو مدتوں یاد رہے گا۔ اپنے شیف کو کان سے پکڑ کر باہر نکال دیں گے آپ۔ بدمزا کھانے پکانے کی وجہ سے۔" حانی اشارٹ ہو چکی تھی اور حریم شرمندگی کے مارے کھانے سے جلد ہاتھ کھینچ کر پانی کے بہانے اٹھ گئی۔

"چلتا ہوں تایا جی! سوچ سمجھ کر حریم سے مشورے کے بعد جو بھی فیصلہ کریں۔ مجھے آگاہ کر دیجیے گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"چائے تو پی لیں۔" حانی اس کا ہاتھ پکڑے التجائیہ بولی۔

"ابھی دو منٹ میں حریم بنا لاتی ہے۔"

"حریم یہاں آرام کرنے کے لیے آتی ہیں گڑیا! تم انہیں کچن میں گھسا دیتی ہو۔" زرجان نے حانی کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"میں کون سا پہاڑ سر کر کے آتی ہوں۔" حریم نے نا چاہتے ہوئے بھی لب کشائی کی تھی اور اب حانی کی گھوریوں پر کچھ پشیمان سی کھڑی رہ گئی۔

"آئم سوری! شاید آپ کو برا لگا۔" زرجان کے

معذرت خواہانہ انداز پہ حانی بھنا گئی۔
"آپ دونوں اتنے فارمل انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ مجھے تو سخت اختلاج ہونے لگتا ہے۔"
"ہمارے درمیان کب بے تکلفی کی فضا قائم رہی ہے گڑیا۔" زرجان محض سوچ کر رہ گیا۔
"چائے پی لیں۔" حریم کچن سے قدرے بلند آواز میں بولی۔
"حریم نے چائے بنالی ہے۔ دو منٹ کی تو بات ہے۔ ورنہ حریم کا دل برا ہوگا۔" حانی کچھ دیر کے لیے مزید زرجان کو روکنا چاہتی تھی۔ زرجان کو رکنا ہی پڑا۔ حانی کے اصرار پر نہیں، وہ حریم کو ٹرے اٹھائے کچن سے نکلتا دیکھ چکا تھا۔
"ایسی چائے تو بانصیب لوگ پیتے ہیں۔" حانی کی زبان پر پھر سے کھجلی ہوئی۔
"بھیا! آپ خود کو "بانصیب" سمجھ لیں۔"
"کون جانے کس کا نصیب بلند ہے۔ کس کے بخت کا ستارہ آب و تاب سے چمکتا ہے۔ جس کے چاروں طرف "رات" ہو۔ اسے کچھ بھی بجھائی نہیں دیتا۔" بولتی خاموشی چپکے سے زرجان کے ہمراہ اٹھ گئی تھی۔
"ہر رات کے اختتام پر ایک صبح تو منتظر ہوتی ہے۔" خاموشی بھی بہت رنجیدہ تھی۔
"میری صبح نہ جانے کہاں کھو گئی ہے؟"
"تم اسے ڈھونڈتے کیوں نہیں۔" خاموشی نے لرزیدہ آواز میں کہا۔ وہ اس کے ہمراہ تھی۔ ہمراز تھی۔ حریم کے ساتھ ساتھ اس نے بھی تو زرجان عباس کے دل میں قیام کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی تو خاموشی بھی گھبرا اٹھتی تھی۔
"ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔"
"بھلا، تمہیں اس محبت نے کیا دیا؟" خاموشی نے بے بسی نما غصے سے پوچھا۔
"ایک تو تمہارا ساتھ دیا ہے۔"
"میرا ساتھ۔" خاموشی لرز کر رہ گئی۔
"میرا ساتھ کسی کو خوشی تو نہیں بخشتا۔"
"مگر میں تمہارے ساتھ خوش ہوں۔"
"کب تک ساتھ رہو گے؟" خاموشی نے رنجیدگی سے کہا۔
"کوئی تو آئے گی جو میرا اور تمہارا ساتھ چھڑوا دے گی۔"
"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"
"تمہارے ارادوں میں کسی نے شگاف ڈال دیا تو۔" خاموشی خوفزدہ تھی۔
"یہ ممکن کہاں ہے؟"
"میں کبھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔" خاموشی نے بڑے دل سے ایک وعدہ کیا۔
"میں بھی یہی چاہتا ہوں، ہمیشہ تم میرے ساتھ رہو۔"
"ایک بات تو بتاؤ۔ حانی لاج میں جاتے کیوں ہو؟" خاموشی تجسس نما بے چینی سے بولی۔
"تایا جی کے لیے، حانی کے لیے۔"
"جھوٹ۔" خاموشی کو قطعاً یقین نہ آیا۔
"تو سچ تم بتادو۔"
"حریم کے لیے جاتے ہو نا۔" خاموشی نے لہک کر سچ بتایا۔
"جان کر زخم ادھیڑتی ہو۔"
"محبت کو تم نے کیا دیا۔" خاموشی کچھ پشیمان ہوئی۔
"زندگی کا ایک ایک لمحہ۔"
"تم بھی نا زرجان!" خاموشی کو سر پر ہاتھ مار کے جانا پڑا تھا کیونکہ سلور سوک ایک وسیع و عریض عالیشان عمارت کے سامنے رک چکی تھی۔ جس کے ماتھے پر بڑے بڑے حروف میں، بہت واضح لکھا تھا۔
"زرجان انڈسٹریز۔"

☆ ☆ ☆

"عصر کے بعد آنا تھا ان لوگوں نے کیا فون کر کے پوچھ لوں؟" بوا نے احمقانہ سا سوال کیا تھا پھر خود کو

کوسنے لگیں۔
"میں بھی سٹھیا گئی ہوں۔ بھلا اس طرح کے معاملات میں خود سے فون کرنا مناسب ہے۔ کیا سمجھیں گے وہ لوگ بچی کیا ان پر بھاری ہے۔"
"بوا! دن تو آج کا ہی بتایا تھا نا۔ کہیں آپ کو سننے میں مغالطہ نہ ہوا ہو۔" حریم بے چینی سے بولی۔ آج حانی کو دیکھنے بوا کے جاننے والوں میں سے کسی نے آنا تھا۔ حریم اسی سلسلے کی وجہ سے آئی تھی۔ بوا نے وقت بھی انہیں عصر کے بعد کا دیا تھا۔ اب انہی لوگوں کا انتظار ہو رہا تھا۔
"جمال! اگر زرجان کو بھی فون کر کے بلا لیتے تو بہتر تھا۔" بوا اسل پر قیمہ پیستے پر سوچ انداز میں بولیں۔
"ایک بجے دوپہر کو تو وہ یہاں سے گیا ہے۔ بچے کے بھی ہزار کام ہیں۔ پھر سے فون کرنا مناسب ہوگا؟" بابا کی آنکھوں میں تفکر کے سائے تھے۔ غیر ارادی طور پر ان سب کی نظریں کلاک کی طرف بار بار اٹھ رہی تھیں۔
"زرجان کے بغیر تو سانس بھی نہ لیں۔" حریم نے جل کر سوچا۔ آج سے چند سال پہلے بابا کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی جمشید کے تینوں بچے اسی شہر میں رہائش پذیر ہیں۔
وہ بھادوں کی ایک سہانی شام تھی جب زرجان ان کے گھر چلا آیا تھا۔ چچا جان کی وفات کے متعلق بتانے، اطلاع دینے۔ شاید جمشید چچا نے زرجان کو ان کے گھر کا پتا دیا تھا۔
اس سہانی شام نے چپکے سے نجانے کون سا عہد زرجان سے لے لیا تھا۔ اس کے قدم کہیں اور جانے کے لیے اٹھتے تھے اور وہ "حانی لاج" کے سامنے آ رکتا۔
زرجان کے بڑے دونوں بھائیوں کو آج تک حریم اور حانی نے نہیں دیکھا تھا۔ چاچی سے بھی صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی کچھ تصویریں ادھر پڑی تھیں۔ اکثر حانی نکال کر دیکھتی رہتی۔ کچھ دیر بعد ایک سرخ کار گیٹ کے سامنے رکی تھی۔ اپنی اپنی جگہ ان سب کے دل اک پل کے لیے لرز کر رہ گئے تھے۔ حانی غصے سے بھناتے ہوئے وہیل چیئر گھسیٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مہمانوں کی موجودگی میں وہ کم کم اسٹک کے سہارے چلتی تھی۔
بوا نے آگے بڑھ کر مہمانوں کا استقبال کیا تھا۔ حریم بھی قدرے تپاک سے ملی۔ تین عورتیں تھیں۔ مرد کوئی ہمراہ نہیں تھا۔ حریم کو کچھ اطمینان ہوا۔ وہ اٹھ کر کچن میں آنے لگی تھی جب بوا نے اسے اشارے سے روکا۔
"تم بیٹھو! میں کچن میں جاتی ہوں۔"
مہمان خواتین اردگرد کے جائزے سے فراغت پا کر حریم کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔
"کیا تعلیم ہے آپ کی چھوٹی بہن کی؟" انٹرویو کا گویا آغاز ہو چکا تھا۔
"پرائیویٹ بی اے کیا ہے۔" حریم نے تحمل سے جواب دیا۔
"تم شادی شدہ ہو؟" لڑکے کی ماں بڑی باریک بینی سے حریم کا جائزہ لے رہی تھی۔
"جی۔"
"تمہاری شادی کہاں ہوئی ہے۔ خاندان میں یا خاندان سے باہر۔"
"خاندان سے باہر۔ بابا کے دوست تھے عالم انکل۔ ان کے بیٹے کے ساتھ۔" حریم نے آہستگی سے بتایا۔
"حانی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔ ایکسیڈنٹ وغیرہ۔" بزرگ نما آنٹی نے نرمی سے پوچھا۔
"چھت سے گری تھی۔"
"تو آپ نے علاج وغیرہ نہیں کروایا۔" خاموش بیٹھی عورت نے کافی نخوت سے پوچھا۔
"ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو کوئی نہیں بیٹھتا۔" حریم نے ناگواری دبا کر جواب دیا۔
"کاش زرجان بھی آجاتا۔" نہ جانے دل نے اس لمحے کیوں اسے پکار لیا تھا اور وہ بھی شاید اسی پکار کے انتظار میں تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ ڈرائنگ روم میں

داخل ہوا تو گویا ہر منظر دھندلا گیا۔ اس کی چھا جانے والی شخصیت نے مہمان خواتین کو مرعوبیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"آپ کی تعریف؟" خواتین کے لہجے میں نمایاں فرق نظر آنے لگا تھا۔

"بیٹا ہے ہمارا۔" بوا کولڈ ڈرنکس لے آئی تھیں۔ حریم جو ابھی تک زرجان کی آمد کے متعلق الجھن میں گرفتار تھی گویا سمجھ کر خاموش ہو گئی۔ بوا نے زرجان کو فون کر کے بلوایا تھا۔

"اچھا.... اچھا۔" عجیب بات تو یہ تھی کسی نے "بیٹے" کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ یہ زرجان کی وجاہت کا کمال تھا یا دولت کا رعب۔ حریم مخمصے میں پھنس کر رہ گئی۔

"بچی کہاں ہے؟"

"بوا! حانی کو لے آئیں۔" حریم نے آہستگی سے بوا کو مخاطب کیا۔ کچھ دیر بعد حانی اسٹک کے سہارے چلتی ہوئی آ گئی۔ مہمانوں کے سامنے وہ ہرگز اسٹک کا سہارا نہیں لیتی تھی بلکہ آرام سے وہیل چیئر پر بیٹھی رہتی۔ مگر آج حریم کی منتوں ترلوں کے بعد خاموشی سے مان گئی تھی۔ خواتین نے بہت پسندیدہ نظروں سے حانی کو سر تا پا دیکھا تھا۔ وہ بیٹھ چکی تھی اور کوئی عیب ڈھونڈنے سے بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کچھ دیر بعد زرجان نے بوا سے کہا۔

"حانی کو لے جائیں۔"

"آپ کا بیٹا کیا کرتا ہے؟" زرجان ان کے جانے کے بعد خواتین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"بینک میں منیجر ہے۔" نرگس نامی خاتون لڑکے کی ماں تھیں۔ اب سارے جوابات انہی کی طرف سے مل رہے تھے۔

"نام کیا ہے؟"

"مبشر اکرام۔" نرگس آنٹی کو ساتھ بیٹھی خاتون نے ٹہوکا دیا۔

"کون سے بینک میں جاب کرتا ہے۔"

"نیشنل بینک میں۔" وہ جز بز سی جواب دے رہی تھیں۔ زرجان کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا تھا۔

"ہمیں تو بہن! بچی بہت پسند آئی ہے۔ بھائی صاحب! آپ بھی کسی اتوار آ کر مبشر کو دیکھ لیجئے گا۔" نرگس نے بابا کو مخاطب کیا تھا۔ جمال صاحب ابھی ابھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر تفکر کا جال بنا تھا۔

"ہم اسی اتوار آ جائیں گے۔" بوا نے گفتگو میں حصہ لیا۔ مہمان خواتین چائے پی کر اٹھ گئی تھیں۔ انہیں رخصت کرنے کے بعد حریم پر واپس جانے کی دھن سوار ہو گئی۔

"ماہیر کو فون کر دو۔ واپسی پر لیتا جائے۔" بوا برتن سمیٹ رہی تھیں۔ حانی بھی کمرے سے باہر آ گئی۔

"کچھ دیر تو رکو۔ مہمانوں کے بارے میں کچھ تبصرہ تو کر لیں۔" حانی کی شوخیاں لوٹ آئی تھیں۔

"کون سا تبصرہ!" حریم اپنے دھیان میں گم تھی۔ بے خیالی میں پوچھنے لگی۔

"یہ عورتیں شکل سے کافی چالاک لگتی ہیں۔"

"آج کے دور میں سیدھا کون ہے؟"

"حریم! ایک بات تو سنو۔" حانی قدرے سنجیدہ ہوئی۔

"کیا ہے۔"

"ان عورتوں نے مجھے اسٹک کے ساتھ پسند کیسے کر لیا۔ بات کچھ ہضم نہیں ہوتی۔"

"بے کار کے واہمے پالنے کی ضرورت نہیں۔" حریم نے نرمی سے جواب دیا۔ وہ گھر جانے کے لیے بے چین تھی جبکہ شام کی چادر بھی پھیلنے کی قریب قریب تھی۔ بابا اور بوا نے اسے تنہا تو جانے نہیں دینا تھا۔ جبکہ ماہیر کا موبائل بھی آف تھا۔ وہ فکر مند سی گھڑی کی آگے بڑھتی سوئیوں کو دیکھنے لگی۔

"تم زرجان بھیا کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔ انہوں نے تمہیں ڈراپ کر دینا تھا۔"

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔ ابھی ماہیر آ جائیں گے۔"

"آئی بھی تو ان کے ساتھ تھیں۔" حانی نے شرارتاً کہا۔

"تم دونوں کو ایک ساتھ چلتا دیکھ کر کچھ پل کے لیے تو میں بھول گئی تھی کہ تم زرجان بھیا کی نہیں ہو۔"

"حانی!" حریم سخت مشتعل ہو گئی۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ابھی مزید وہ حانی کو لتاڑنا چاہتی تھی مگر بائیک کی آواز سن کر خاموش ہو گئی۔

"ماہیر بیٹا آئے ہیں۔" بوا نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانک کر اطلاع دی تھی۔ حریم جلدی سے گیٹ کی طرف لپکی۔

☆ ☆ ☆

"بہن کی منگنی کے بتاشے بانٹ آئی ہو۔" حریم کی توقع کے عین مطابق وہ جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھتے ساتھ ہی فارم میں آ گئیں۔

"میکے جا کر دل لگا لیتی ہو۔ پچھلے بھول جاتے ہیں۔ گیارہ بجے کی گئی سات بجے لوٹی ہو۔ آلو کی بھاجی ہمارے متھے مار گئی تھیں۔ جیسے تیسے میں نے روٹی پکا لی۔ اب خالی برتن منشار رہے ہیں۔ ماہیر تو سسرال سے کھانا کھا کر آیا ہو گا۔ ہمیں کیا ہوا کھلاؤ گی۔" حریم جب گھر میں داخل ہوئی تھی تب وہ موبی کے کمرے میں تھیں۔ پانی پی کر جب وہ کچن سے باہر نکلی اسی پل راحت بیگم نے اسے دیکھا تھا اور شروع ہو گئیں۔

"ماہیر تو گیٹ سے اندر بھی نہیں آئے۔ پہلے ہی لیٹ ہو چکے تھے۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو اور بھی دیر ہو جاتی۔" حریم کا صفائی دینا بھی عذاب ہو گیا تھا۔

"سسرال سے سوکھے منہ آ گیا۔" امی صدمے سے گویا بے حال ہو گئیں۔ حریم کی جان شکنجے میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ تبھی ماہیر نہا دھو کر آ گیا۔

"کچھ کھانے کو ہے تو لا دو۔ آج تو لنچ کا بھی وقت نہیں ملا۔"

"ہوا ہے کھانے کو ہم بھی وہ ہی کھائیں گے۔ ایک بجے کی بھاجی کھا کر بیٹھے ہیں۔ برتن اوندھے پڑے ہیں۔ بہو بیگم کو پچھلوں کی فکر کا ہے کی.... خود تو دعوتیں اڑا کر آ رہی ہیں۔" انہوں نے خوب جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ حریم بغیر کچھ کہے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بوا اور حانی نے زبردستی ٹفن بھر کر ساتھ کر دیا تھا۔

"یہ کوئی وقت ہے ہانڈی پکانے کا۔ تمہاری ساس تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں گی۔ مشین میں گرم کر لینا۔" بوا نے وہ ہاٹ پاٹ بھی شاپر میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ ٹفن کھولا تو کئی طرح کی چیزیں برآمد ہوئیں۔ روسٹ کباب، رول، چٹنی، بریانی اور ایک پلاسٹک کے بند ڈبے میں کھیر۔ قورمہ۔

حریم نے اوون میں سب کچھ گرم کر کے ٹرے میں سجایا اور خوشبو اڑاتے کھانے تخت پر سجا دیے۔ راحت بیگم جہاں کی تہاں رہ گئیں۔ تاہم پیشانی کے بل کم نہیں ہوئے تھے۔

"بازار سے لائے ہو؟" یعنی وہ پھر بھی مشکوک تھیں۔ حریم کے دل میں پھانس سی چبھی۔

"بازار سے کیا؟" ماہیر چونکا۔

"یہ کھانا۔" انہوں نے کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

"نہیں تو۔" ماہیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایک بھاری سا شاپر بوا اسے پکڑا رہی تھیں۔" ماہیر کے بتانے پر بھی ان کی شاید تشفی نہیں ہوئی تھی۔

"تیز مسالے ہیں بریانی میں۔ مجھے تو سادہ روٹی پکا دو۔ اچار سے کھا لوں گی۔" انہوں نے ٹرے پرے کھسکا دی تھی۔ ماہیر کھانا کھا کر اٹھ گیا تھا۔ حریم نے بے دلی سے کباب، رول اور بریانی فریج میں محفوظ کی۔ ایک باؤل میں کھیر ڈال کر ماہیر کے سامنے رکھی۔ ماہیر کو کھیر بہت پسند تھی۔ اکثر فرمائش کر کے بنواتا تھا۔

حریم نے روٹی پکا کر اچار کا جار اٹھایا اور باہر آ گئی۔ امی نے روٹی کھا لی تو وہ دو چار برتن دھو کر لائٹس آف کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ماہیر گہری نیند میں تھا۔ حریم بھی بغیر آہٹ کیے دوسری طرف خاموشی سے آ کر لیٹ گئی۔ نہ جانے کب امی کے کٹھیلے رویے کو سوچتے ہوئے آنکھ لگ گئی تھی۔

نیند میں ہی حریم کو پیاس کی شدت کا احساس ہوا

تھا۔ ایک دم آنکھ کھلی تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ لائٹ اچانک چلی گئی تھی۔ یو پی ایس کی بدولت پنکھا چل رہا تھا۔ حریم اٹھ کر پانی پینے باہر چلی آئی۔

کچن میں کھٹ پٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے کپکپانے لگا۔ تھوڑا سا آگے ہو کر کھلے دروازے میں سے حریم نے جھانکا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

امی بریانی کی پلیٹ بھر کر بوٹیوں کے پہاڑ چاولوں پر سجائے ارد گرد سے بے خبر کھانے میں جتی ہوئی تھیں۔ کھیر کا ڈونگہ بھی قریب رکھا تھا۔ حریم تاسف سے سر ہلا کر بغیر پانی پیے الٹے قدموں پلٹ آئی۔

☼ ☼ ☼

بوا اور بابا دونوں جا کر نا صرف مبشر کو دیکھ آئے تھے بلکہ کافی خوش خوش واپس لوٹے تھے' بوا تو بہت ہی مسرور تھیں۔ لڑکا خوش شکل تھا' تعلیم یافتہ تھا۔ مڈل کلاس فیملی سے تھا۔۔۔ تاہم جس جگہ رہائش تھی۔ وہ محلہ بوا کو پسند نہیں آیا تھا۔ زرجان نے بھی چھان بین کروالی تھی۔ مبشر شریف اور مہذب لڑکا تھا۔ اس سب کے باوجود حریم کا دل کسی انہونی کے خیال سے کھٹک رہا تھا۔ حانی بھی کچھ وہم اور خدشات کے زیر اثر پریشان تھی۔ اس صبح خالہ کا فون آگیا تھا وہ حانی کے لیے اتنے اچھے پرپوزل پر مبارکباد دے رہی تھیں۔

"حانی کے لیے دل بڑا پریشان رہتا تھا۔ اب بھائی صاحب بھی کچھ مطمئن ہو جائیں گے۔"

"جی خالہ! میں تو خود حیران ہوں۔ ان لوگوں نے کسی بھی بات پر اعتراض نہیں کیا۔" حریم الجھی الجھی سی تھی۔

"اللہ کی اتنی وسیع دنیا میں نیک اور بھلے لوگوں کی بھی کمی نہیں۔" خالہ اور بوا کے اکثر خیال ملتے جلتے سے ہوا کرتے تھے۔

"پھر بھی خالہ! نہ جانے دل مطمئن کیوں نہیں۔" حریم اپنی بے چینی بتانے سے قاصر تھی۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو بیٹی!"

"محسن، محب ٹھیک ہیں؟" حریم کو بچوں کا خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"کرم ہے رب تعالیٰ کا۔ تم سناؤ' ابھی کوئی امید نہیں بندھی۔"

"نہیں۔" حریم کا دل بجھ سا گیا تھا۔

"اللہ مہربانی کرے گا۔ فکر مت کیا کرو۔" خالہ محبت سے تسلی دینے لگی تھیں۔ حریم کے آنسو گالوں پر پھسلنے لگے۔ یہی بات ثریا خالہ بھی سہ پہر کے وقت کہہ رہی تھیں۔

"کسی ڈاکٹر کو دکھانا تھا راحت!"

"اچھا۔۔۔ ماہیر سے کہوں گی۔" انہوں نے فوراً" اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا پتا اس حادثے میں کوئی نقصان ہو گیا ہو۔" ثریا خالہ نے دبی آواز میں سرگوشیانہ کہا۔

"کیسا نقصان؟" راحت بیگم کے ساتھ ساتھ حریم بھی ٹھٹک گئی۔

"سو طرح کے مسئلے بن جاتے ہیں۔ مکمل چیک اپ کروا لینا تھا۔ کیا پتا جس شجر کی آبیاری کر رہی ہو۔ پھل لگنے کا امکان ہی نہ ہو۔" ثریا خالہ سفاکی کی حد تک صاف گو تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔" امی دہل کر رہ گئیں۔

"خدانخواستہ کچھ مسئلہ ہوا تو علاج کروا لینا۔۔۔ اب تو سائنس بڑی ترقی کر چکی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو آپا! ماہیر سے آج ہی بات کروں گی۔" امی نے دل میں ارادے کو مضبوط کیا۔ حریم خوفزدہ سی ان کے چہرے دیکھتی رہ گئی تھی۔

امی نے اپنی بے صبری طبیعت کی وجہ سے رات کو ہی ماہیر سے بات کر لی تھی۔ کچھ پل کے لیے تو ماہیر بالکل خاموش رہ گیا تھا۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے بیٹا! ڈاکٹر کو دکھا لینے سے ہماری ناک نیچی تو نہیں ہو جائے گی۔" وہ مسلسل ماہیر کو قائل کرنے کی کوششوں میں تھیں۔

"اگر ڈاکٹر نے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی۔" وہ فکر مند سا تول تول کر بول رہا تھا۔

"تو پھر کیا؟"

"آپ کا رد عمل کیا ہو گا؟" ماہیر پرسوچ نظروں سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"خدانخواستہ تم پہلے سے فضول باتیں منہ سے نکالتے رہو۔" وہ فوراً" برا مان گئیں۔

"پھر بھی۔" ماہیر بضد ہوا۔

"جو اللہ کی مرضی۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر لی۔

"صبر کے سوا پھر کیا کر سکتی ہوں۔" اتنی صابر وہ لگتی تو نہیں تھیں۔ جتنا بڑا صبر کرنے کا دعوا کر رہی تھیں۔

"میں نہیں مان سکتا۔" ماہیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کا متوقع رد عمل ابھی سے میرے ہوش اڑانے لگا ہے۔"

"تم غلط کیوں سوچتے ہو۔" امی کو غصہ آ گیا۔

"ڈاکٹر تو کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔"

"ماہیر!" وہ سخت مشتعل ہو گئیں۔

"مجھے ابھی سے دہلانے کی ضرورت نہیں۔"

"رپورٹ دیکھے بغیر آپ کی یہ حالت ہے۔ اگر خدانخواستہ ڈاکٹر نے۔۔۔" ماہیر نجانے کیا کہنا چاہتا تھا۔ حریم سے مزید کچھ سنا نہیں گیا۔ کانوں میں الگ سے سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔ سر بری طرح گھوم رہا تھا۔

"ڈاکٹر نے اگر کسی وہم میں مبتلا کر دیا تو آپ مجھے دوسری شادی پر مجبور تو نہیں کریں گی۔" ماہیر کی آنکھیں ہی نہیں' لب بھی مسکرانے لگے تھے۔ راحت بیگم کو اب احساس ہوا تھا کہ وہ اتنے حساس موضوع پر بہت غیر سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہے۔

"تجھ سے کہہ کر بات گنوائی ہے۔ خود لے جاؤں گی حریم کو ڈاکٹر ثمینہ کے کلینک میں۔" وہ بھنا اٹھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" ماہیر نے فوراً" انکار کر دیا۔

"کیوں؟" امی کو اور بھی غصہ آیا۔

"آپ ایسے ہی میری دوسری شادی کر دیں۔" وہ اب بے آواز ہنس رہا تھا۔ امی نے خفگی سے رخ موڑ لیا جبکہ حریم چکراتے سر کو تھامتے ہوئے سلیب سے ٹکرائی۔

"امی حضور! میں دو دو بیویاں قطعاً" افورڈ نہیں کر سکتا۔ ابھی تو ایک بیوی کی کوئی خواہش پوری نہیں کر سکا اور آپ مجھ پر ایک اور ستم ڈھانے کو تیار ہیں۔" وہ ابھی تک غیر سنجیدہ تھا۔

"میں کون سا سہرا ہاتھ میں پکڑے کھڑی ہوں۔" وہ تلملانے لگی تھیں۔

"مجال ہے جو میری کسی ایک بات کا بھی سیدھا جواب دیا ہو۔"

"کون سی بات۔" وہ یکسر انجان بنا۔

"ماہیر!" ان کی برداشت بس یہیں تک تھی۔

"میری بکواس تیرے کانوں کے قریب سے گزر گئی ہے۔"

"پھر بتا دیجیے۔۔۔ میں نے غور نہیں کیا۔" ماہیر نے مصنوعی بھولپن کا مظاہرہ کیا۔

"میں تمہاری دوسری شادی کروا رہی ہوں۔" انہوں نے جلتے بھنتے لیموں کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔"

"ہائے۔۔۔ ہمارے نصیب ایسے کہاں۔" ماہیر نے کھنکتے لہجے میں کہتے ہوئے جوں ہی گردن موڑ کر کچن کی طرف دیکھا' اس کے ہاتھوں کے سارے طوطے کبوتر اڑ گئے۔

"حریم۔۔۔!" وہ اچھل کر سیدھا ہوا تھا پھر بھاگتا ہوا حریم تک آیا۔ وہ بے دم سی فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ جوں ہی ماہیر نے اس کا شانہ ہلا کر سیدھا کرنا چاہا تھا۔ اس کی گردن ڈھلک کر ماہیر کے کندھے سے آ لگی۔

"امی!۔۔۔ امی' حریم کو دیکھیں کیا ہوا ہے۔"

"ارے۔۔۔ بیٹھے کیوں ہو۔۔۔ بیگ صاحب سے کہو گاڑی نکالیں۔ حریم بے ہوش ہو گئی ہے۔"

☼ ☼ ☼

وسیع و عریض گلاس ٹیبل کے سامنے رکھی کرسی پر

بیٹھے زرجان کے چہرے پر مختلف تاثرات ابھر رہے تھے۔ وہ ایک فائل اسٹڈی کر رہا تھا۔ یہ فائل خواجہ اسجد نے زرجان کو چند ایک سگنیچر کرنے کے لیے بھجوائی تھی۔ خواجہ اسجد کے ساتھ وہ ایک نئی فیکٹری لگانے کے ایگری منٹ پر سائن کر چکا تھا۔ پچھلے دنوں پی سی میں دیا جانے والا عشائیہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

"اس لسٹ میں یہ نام کس نے درج کیا ہے۔" کچھ دیر بعد وہ اپنے اسسٹنٹ سے پوچھ رہا تھا۔

"اسجد صاحب نے.....!"

"ہوں....." وہ فائل کو دوبارہ دیکھنے لگا۔ اس کی پیشانی پر دو سلوٹیں شدید غصے کی غماز تھیں۔

"اس نمبر پر فون کرو۔" کچھ دیر بعد اس نے ایک نمبر لکھ کر باقر کی طرف پیڈ کھسکایا۔

"سر! بیل جا رہی ہے۔" باقر نے ریسیور زرجان کی طرف بڑھا دیا۔ کچھ دیر بعد ماہیر کی بھاری ــــــ آواز سنائی دی تھی۔ یوں لگتا تھا بڑی ترنگ کے عالم میں کال ریسیو کی گئی ہے۔

"میں زرجان انڈسٹریز کا اونر بات کر رہا ہوں۔"

"یعنی زرجان عباس بذات خود مخاطب ہیں۔" ماہیر نے کچھ پل خاموش رہنے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

"فرمائیے؟"

"میرا خیال ہے مزید تعارف کی ضرورت نہیں۔ خواجہ کمپنی کے ذمہ دار ورکر ہیں۔ اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ خواجہ اسجد کے ساتھ میری پارٹنر شپ کے بارے میں بھی آپ باخبر ہوں گے اور یہ بات بھی آپ کے علم میں ہو گی کہ کمپنی آپ کو "وکٹوریہ" بھجوا رہی ہے۔ کیا آپ چائنہ جانے کے خواہش مند ہیں؟" بڑے ٹھہرے' رواں لہجے میں زرجان نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"آپ اپنی کمپنی کے ہر ورکر کو اس کی پسند کے مطابق پروموٹ کرتے ہیں۔ اس کی خواہش کو اولیت دیتے ہیں۔ پسند ناپسند کا خیال رکھتے ہیں۔ یا پھر یہ خاص مہربانی ماہیر عالم کے لیے ہے۔" جواباً" وہ بھی بڑے سادہ لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

"ماہیر عالم کا نام اتنا خاص ہے کہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ فائل میں امیدواروں کے نام دیکھ کر میں ٹھٹکتا یا چونکتا نہیں۔ آپ میں کچھ تو ہے۔" زرجان نے سادگی سے وضاحت کی۔

"بہرحال یہ اعزاز جمال انکل کے حوالے سے ہمارے حصے میں آیا ہے۔ تاہم میں خواجہ اسجد کی کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں۔" ماہیر کا لہجہ جتانے والا نہیں تھا۔

"اسجد سے میری پارٹنر شپ ہے۔ اسی حوالے سے ہر فائل جس کا تعلق ہماری مشترکہ فیکٹری سے ہے' وہ میری نظر سے ضرور گزرتی ہے۔ ابھی وکٹوریہ بھیجنے والی ایک فائل میں موجود لسٹ کو دیکھ کر میں ٹھٹک گیا تھا۔ سوچا آپ کی خواہش جان لوں۔ کیا آپ چائنہ جانا چاہتے ہیں؟"

"نوازش ہے آپ کی زرجان صاحب! بندے کو کسی قابل جان کر رشتہ داری کے ناتے سے سہی میری مرضی یا ارادے کے متعلق پوچھ لیا ہے۔ میں ان حالات میں ملک چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ میری والدہ' بھائی اور بیوی کو میری ضرورت ہے۔ یہی بات میں نے کمپنی کے ایم ڈی تک پہنچا دی ہے۔ ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ ایم ڈی کو میرے انکار پر اتنا غصہ کیوں آیا۔ جبکہ اور بھی بہت قابل اور ذہین امیدوار اس چانس کو حاصل کرنے کے چکر میں ہیں جبکہ مجھے نہ جانے کی صورت میں ٹرمنیٹ کر دینے کی دھمکی دی گئی ہے۔" ماہیر نے اپنی کچھ پریشانی زرجان سے شیئر کر لی تھی۔ اس کا لہجہ ہی اتنا نرم' حلیم اور اپنائیت سے لبریز تھا۔ ماہیر کو قطعاً" اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ حالانکہ شادی کے بعد ایک دو مرتبہ ہی صرف زرجان سے اس کی ملاقات ہوئی تھی اور اس نے زرجان کو بہت مختلف پایا تھا۔ ہمدرد' شفیق اور بلا کا منکسرالمزاج۔ بے حد قانع' متواضع اور حق پرست۔

"تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ میرا ہیڈک ہے۔" زرجان نے دو پل میں اجنبیت کی باقی ماندہ دیواریں گرا دی تھیں۔

"تھینکس زرجان صاحب! آپ نے میرا سب سے بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ یقین جانیے' میری بیوی بہت دنوں سے اسی مسئلے کی وجہ سے ٹینس تھی۔ اسے میرا پردیس جانا گوارا نہیں تھا۔ اگرچہ اس ٹینشن کا نتیجہ کافی خوشگوار سامنے آیا ہے تاہم بہت اونچی اڑان کا میں خود خواہش مند نہیں ہوں۔ تھینکس اگین' کہ آپ نے میرا اتنا خیال رکھا۔ میری پسند کو اولیت دی۔ جتنا رزق میرے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے۔ وہ مجھے اپنے دیس میں بھی مل کر رہے گا۔ آپ کا خیال ہے؟"

"گڈ..... ویٹس گڈ۔" زرجان اس کی سوچ کے اجلے پن کو سراہے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس مادہ پرستی کے دور میں جب انسان پیسے کے پیچھے بھاگ رہا ہے' راتوں رات آسمان پر پہنچنے کی کوشش میں ہے۔ ایسے لوگ اور ایسی باتیں مادیت پرستوں کی اس دنیا میں قیمتی اور منفرد تھیں۔ بہت ہی منفرد۔

"یہ آپ جناب کا تکلف کیوں۔ زرجان بول لیا کرو یار! ہم رشتے دار بھی تو ہیں۔" زرجان نے فوراً" غیر محسوس انداز میں اسے ٹوک دیا۔

"اور تمہارے گھر میں سب خیریت ہے؟" زرجان نے لہجے کی بے قراری پر ضبط کا پہرا بٹھا کر پوچھا۔

"الحمدللہ! سب خیریت ہے۔" وہ خوشدلی سے بولا۔

"اپنی مسز کو نہ جانے کی خوشخبری سنا کر ٹینشن دور کر دو۔" زرجان نے مخصوص نرم لہجے میں کہا۔

"ٹینشن تو ان کی ایک اور "خوشخبری" سن کر ہی دور ہو چکی ہے تاہم خوشخبریوں کے اس اسٹاک کو برے وقت کے لیے جمع کر لیتا ہوں۔ کشیدہ ماحول میں کام آئیں گی۔"

"تمہاری باتوں میں بڑا چارم ہے یار! سحر زدہ سا کر دیتے ہو۔" زرجان سچ مچ اس کے گمبھیر مزاحیہ لہجے سے شدید متاثر ہوا۔ سنجیدگی کے اس بانکپن میں کچھ الگ سی بات تھی۔ زرجان جانتا تھا۔ وہ بہت ہی مہذب اور ڈیسنٹ نوجوان ہے۔ فضول باتوں اور بری محفلوں سے دور بھاگنے والا۔

"او کے جناب! اجازت دیجیے' پھر کبھی ملاقات ہو گی۔" زرجان نے خوشدلی سے الوداعیہ کلمات بولے تھے۔ ادھر ماہیر بھی فون رکھے حیران حیران سا حریم کو دیکھے جا رہا تھا۔ جو بیڈ پر لیٹی نرم نرم سی مسکان لبوں پر سجائے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکی تھی۔

"حریم..... حریم جان!" ماہیر نے اسے چٹکی بجا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ خود وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے باہر سے آنے والی تازہ ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"اٹھو' ٹیرس پر چلتے ہیں۔ اتنا پیارا موسم ہے۔" کالی گھنگھور گھٹائیں بارش کا سندیسہ سنا رہی تھیں۔ حریم سلیپر پیروں میں اڑس کے اس کے پیچھے ٹیرس پر آ گئی۔

موسم واقعی بلا کا دلفریب تھا۔ اگر بارش ہو جاتی تو گرمی کا زور اور بھی ٹوٹ جانا تھا۔ اس وقت بھی ٹھنڈی ٹھنڈی پر نم ہوا گرمی کی شدت کا خاتمہ کرنے کا باعث بنی تھی۔

"حریم جان! خوش تو ہو نا۔" وہ ٹیرس کی گرل سے کمر ٹکائے کھڑی تھی۔ ماہیر ایزی چیئر پر نیم دراز سے وارفتگی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہوں۔" وہ جھینپی جھینپی ــــ سی بولی۔

"یہ ہوں کیا ہوتا ہے۔" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"ہوں کا مطلب اقرار ہوتا ہے۔" حریم نے نچلے لب کا کونا دبا کر مزے سے بتایا۔

"یعنی تم خوش ہو اور اس خوشی کا ہوں کے ذریعے اقرار کر رہی ہو۔" وہ بال کی کھال ادھیڑ کر خوب محظوظ ہوتا تھا۔

"خوشی کا اظہار کسی اور طریقے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔" ماہیر پر سوچ انداز میں بولا۔

"مثلاً"..... "حریم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کس طریقے سے اظہار کیا جا سکتا ہے؟"

"بہت سے طریقے ہیں۔ زیادہ بیسٹ تو معانقہ کرنا

ہے۔ کیوں بھئی میں نے کچھ غلط کہا۔" وہ اسے بھرپور نظروں سے دیکھتا ہوا شرارت سے بولا۔

"آپ کبھی غلط کہہ سکتے ہیں۔" حریم جھینپ کر رہ گئی۔

"ابھی پتا ہے کس نے فون کیا تھا۔" معاً" ماہیر کو خیال آیا تو ذرا سنجیدگی سے بتانے لگا۔

"مجھے کیا پتا۔" حریم لاپرواہی سے بولی۔

"زرجان کا فون تھا۔"

"اچھا۔۔۔" حریم تھم سی گئی۔

"کیوں فون کیا تھا زرجان نے۔" محسوس کی جانے والی ناگواری اس کے لہجے میں در آئی تھی۔ ماہیر نے اسے زرجان کے فون کا تمام تر متن سنا دیا تھا۔ کچھ پل کے لیے وہ چپ سی ہو گئی۔

"اب خوش ہو۔ تمہارے پاس رہوں گا ہمیشہ! کچھ مہینوں بعد ہماری خوشیوں کو دوبالا کرنے والا بھی آجائے گا۔" ماہیر کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"امی بھی بہت خوش ہیں حریم! ورنہ تمہیں ہسپتال لے جاتے ہوئے تو امی کو بھی ٹھنڈے پسینے آرہے تھے اور وہ مجھ پر بار بار غصہ کر رہی تھیں کہ میری فضول بکواس کی وجہ سے تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ یہ خبر نہیں تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے۔"

"میں اس وقت شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہی تھی۔"

"اتنی محبت ہے مجھ سے؟" وہ اس کی شفاف آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"آپ کو شک ہے کیا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر؟"

"دل کے اطمینان کے لیے تمہارے اقرار کی بوندیں بہت ضروری ہیں۔" ماہیر ہنس دیا۔

"اور میرے دل کو بھی کبھی کبھی اظہار کی چاہ بے قرار کر دیتی ہے۔" شکوہ لبوں پر مچل اٹھا۔

"یہ تو زیادتی ہے یار!" ماہیر نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

"میری رات تو محبت کی تسبیح کرتے گزرتی ہے۔"

"اب خالی خولی محبت سے کام نہیں چلے گا۔ کچھ اور ہونا چاہیے، کچھ ایسا جس میں آپ کی اس محبت کو بند کر دیا جائے۔"

"تو کیا لوہے کا بہت بڑا ڈرم ہونا چاہیے۔" ماہیر نے آنکھیں پھیلائیں۔

"خیر دفع کرو ڈرم کو، میرا دل کس لیے ہے۔"

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ ہنس پڑی۔

"میرا اشارہ موسم کی مناسبت سے چائے کی طرف تھا۔"

"خالی خولی چائے سے بھی کام نہیں چلے گا۔ ساتھ کچھ اسنیکس بھی لے آنا۔" ماہیر نے پیچھے سے آواز دی۔

"او کے جناب۔" حریم ہنستے ہوئے باہر نکل گئی۔

لاؤنج میں سے گزر کر کچن میں جانا تھا۔ تخت پر بیٹھی ثریا خالہ حریم کو نظر آگئی تھیں۔ وہ سر جھٹک کر کچن میں گھس گئی۔

چائے اور کرما گرم پکوڑے پہلے ماہیر کو پہنچا کر پھر موبی کے لیے اور امی کے لیے نکال کر لے آئی تھی۔ خالہ نے سرتاپا حریم کا جائزہ لیا تھا۔ حریم کو ہنسی آگئی۔

"میری منہ سے نکلے لفظ تو تمہارے لیے مبارک ثابت ہوئے ہیں۔" ثریا خالہ ۔۔۔ خفت مٹانے کی غرض سے امی کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔

"ہاں ثریا!" امی نے شدومد سے سر ہلایا۔

"اسی رات ہی تو حریم کی طبیعت بگڑی۔ ہم "آنا فانا" ہسپتال لے گئے تھے۔ بات کھلی تو پتا چلا۔۔۔ خیر سے خوشخبری ہے۔" امی کے چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ نے جھلک دکھائی۔

"چلو، تمہارے آنگن میں بھی بچے کی چہکاریں سنائی دیں گی ۔ ہم مانگے کی قلقاریوں سے دل بہلا لیا کریں گے۔" ثریا خالہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"تم بھی ثریا! ضد چھوڑ دو نا۔ لے آو رباب کو گھر۔"

"اس گھر میں تو وہ میرے مرنے کے بعد ہی آئے گی۔" ثریا خالہ نے تنفر سے کہا۔

"اتنا غصہ بہتر نہیں۔۔۔ اپنی اولاد سے کیا ناراضی۔"

"اولاد۔" حریم چونک گئی تھی۔ اس نے تو سنا تھا۔ ثریا خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

"میرا خون ہی تو نہیں تھا۔ اسی لیے دھوکا دے گیا۔" خالہ نے خود پر رنجیدگی طاری کر لی۔

"میں تو تمام عمر شاہو کو معاف نہیں کروں گی۔"

"پسند کی شادی جرم تو نہیں۔ بچے کو گھر سے بے دخل کر دیا ہے۔ بیگ صاحب تمہاری وجہ سے مجبور ہیں۔ ورنہ ان کا بھی پوتی اور بیٹے کے لیے کس قدر دل بے قرار ہو گا۔" امی تو ہمیشہ جذباتی گفتگو میں ماہر رہی تھیں۔

"شادی کرتا، کسی ہم پلہ خاندان میں ۔۔۔ لڑکی خوب صورت ہوتی، خاندانی ہوتی تو میرا بھی دل خوش ہو جاتا۔ اٹھا لایا ہے گلی کے گند کو، منحوس چمارن۔۔۔ کالی سیاہ، نجانے شاہو کو اس میں کیا نظر آگیا تھا۔" ثریا خالہ نے بے زاری سے کہا۔

"لڑکی تو حریم بی بی جیسی ہونی چاہیے۔ ہر طرف چانن ہو جائے۔" ماسی بھی ہاتھ پونچھتی شڑپڑ کرتی سیڑھیاں چڑھ آئی۔

"ثریا بی بی! کپڑے دھو دیے ہیں۔ ہماری اجرت نکالیے۔ ہم بھی چلتے بنیں۔" ماسی نے خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا۔

"چائے تو پی لو۔" حریم فوراً" اٹھ کر کچن سے چائے گرم کر کے لے آئی۔ ساتھ پکوڑے بھی تھے۔

"اللہ سوہنا، بوہتے رنگ لائے حریم بی بی! چائے پلانی تو ثریا بیگم کو چاہیے تھی مگر یہ خود عین چائے کے وخت (وقت) اوپر آگئی ہیں۔" ماسی بھی اپنی دونوں مالکنوں کی طرح خاصی منہ پھٹ تھی۔

"بیگ صاحب گھر میں نہیں ۔ صبح دوں گی روپے۔" ثریا خالہ نے ناراضی سے کہا۔

"اب اٹھ بھی جا منحوس۔"

"جا رہی ہوں بی بی! غصہ کیوں کرتی ہو۔" ماسی چائے کے بڑے بڑے گھونٹ بھر کر پکوڑے دوپٹے کے پلو میں باندھ کر اٹھ گئی تھی۔ خالہ ثریا بھی ماسی کے پیچھے ہی چلی گئیں۔

"امی! خالہ کا بیٹا بھی ہے۔ میں نے تو سنا تھا یہ بے اولاد تھیں۔" حریم اپنے تجسس پر زیادہ دیر قابو نہیں پا سکی تھی۔

"ثریا، بیگ صاحب کی پہلی بیوی ہے۔ بچہ نہیں ہوا تو بہت سال بعد ان کی ماں نے دوسری شادی کر دی۔ شاہنواز سوتیلا بیٹا ہے ثریا کا۔ گورنمنٹ ملازم ہے۔ بڑی اچھی نوکری ہے اس کی۔ ان دنوں صوبہ سرحد میں تعینات تھا شاید۔ وہیں ایک رباب نامی پہاڑن سے اس نے شادی کر لی۔ بس اسی دن سے ثریا نے رباب بے چاری سے بیر باندھ لیا ہے۔" امی نے کافی تفصیل سے بتایا تھا۔

ویسے بھی دوسروں کے بخیے آسانی کے ساتھ ادھیڑ لیے جاتے ہیں۔ وہ اب مسلسل ثریا خالہ کے مظالم کی داستان سنا رہی تھیں۔ شاہنواز پر کس طرح سختی کی جاتی تھی۔ وغیرہ، وغیرہ اسی پل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ حریم نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔ حانی کا فون تھا۔

"بے وفا! کبھی خود سے بھی فون کر لیا کرو۔" ہمیشہ کی طرح حانی نے شکووں کی پوٹلی کھول لی۔

"ابھی رات کو اتنی لمبی کال کی ہے۔ سو روپے کا بیلنس تمہاری بے سروپا باتیں سن کر پھونک دیا تھا۔" حریم نے خفگی سے جتایا۔ امی کے کان بھی فون کی طرف لگے تھے۔ جھٹ سے دل پر ہاتھ رکھا۔

"سو روپے کا بیلنس ضائع کر دیا۔ اس قدر فضول خرچی۔ میرے بیٹے کی جیب کا تو کباڑہ کر دے گی۔" انہیں نئی فکر نے بے چین کر دیا۔

"دس منٹ بات کیا کر لی اب احسان جتایا جا رہا ہے۔" حانی بھی بات کی ٹانگ پکڑ لیتی تھی۔

"بکو نہیں۔۔۔ بتاؤ فون کیوں کیا ہے؟"

"بغیر وجہ کے فون کرنا منع ہے۔" حانی آج کل خوب مسخری ہو رہی تھی۔

"فارغ نہیں ہوں میں۔ بہت سے کام ہیں مجھے۔" حریم نے جان بوجھ کر سستی بھری سسکاری لی۔

"ہونہہ' بیل جوتتے ہیں انہیں' اپلے تھاپنے ہیں۔ گوبر اٹھانا ہے۔ بہن کو کاموں کی تفصیل بتائی جارہی ہے۔ اس حالت میں ڈنگروں کی طرح کام لیتے ہیں ہم بہورانی سے۔" راحت بیگم کھل کر کلستی رہ گئیں۔

"کل ذرا چکر تو لگانا' ہماری طرف۔" حانی کچھ سنجیدہ ہو کر بولی۔

"کیوں؟"

"مارکیٹ تک جانا ہے۔"

"اب کیا خریدنا ہے۔" حریم نے گہری سانس خارج کی۔ حانی کو کوکنگ کے علاوہ بہترین ڈریسنگ کا بھی شوق تھا۔ کپڑوں کے معاملے میں بہت چوزی تھی۔

"کچھ نئے پرنٹ دیکھنے ہیں۔"

"کمیٹی مل گئی ہے؟" حریم نے ہنس کر پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ تبھی تو شاپنگ کروں گی۔ بوا کے لیے بھی کپڑے خریدنے ہیں۔"

"کل تو نہیں' کچھ دن تک پروگرام بناؤں گی۔ میں نے مہینے بھر کا راشن بھی لے کر آنا ہے۔" حریم نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے راشن ڈھونے کی ذمہ داری بھی خود بخود حریم کے کندھوں پر آپڑی تھی۔

"ساس کہاں ہیں تمہاری؟" حانی نے دبی آواز میں پوچھا۔

"گھر میں ہیں۔" حریم بھی آواز اور لہجے کو دبا کر بولی۔

"اچھا پھر اللہ حافظ۔" اس کی مزید کوئی بات سنے بغیر حانی نے فون رکھ دیا تھا۔ حریم بھی سر پر ہاتھ مار کر ہنس پڑی۔

"لطیفہ سنایا ہے حانی نے۔" امی زیادہ دیر خاموش کہاں رہ سکتی تھیں۔

"نہیں تو...." حریم کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

"قہقہے تو خوب لگا رہی تھیں۔ اب مجھے نہ بتانا چاہو تو اور بات ہے۔" امی صاحبہ عادت کے مطابق فوراً "برا" مان گئیں۔

"حانی نے کچھ کپڑے وغیرہ خریدنے ہیں۔ اسی لیے فون کیا تھا۔ ساتھ جانے کے لیے کہہ رہی تھی۔" حریم دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ اس تفتیش سے گزرتی تھی۔ اب تک اسے عادی ہو جانا چاہیے تھا مگر اپنی فطرت کا کیا کرتی۔

"اچھا۔" شاپنگ تو امی کا پسندیدہ موضوع تھا۔ اسی لیے چہرے کے بگڑے زاویے کچھ بہتر ہونے لگے۔

"حانی کی منگنی طے ہو گئی۔ لو ہمیں بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ رشتہ بھی پکا کر لیا۔ ایسی بھی کیا پردہ داری تھی۔ تم سے کیا شکوہ ہمارے بیٹے نے بھی کچھ بتانا گوارا نہیں کیا۔ کیا ہم نے رشتے میں لات مارنی تھی۔ لگائی بجھائی کرنی تھی۔ ہمارے لیے تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اچھا کیا' حانی کا رشتہ طے کر دیا۔ کون سا کمی ہے بچی میں.... خوب صورت ہے' تعلیم یافتہ ہے۔ چار سال پہلے اگر کوشش کی ہوتی تو آج اپاہج نہ ہوتی۔ مگر ہزاروں سے بہتر ہے۔ چل پھر بھی سکتی ہے۔ اپنی مرضی اور سہولت کے لیے وہیل چیئر پر گھومتی رہتی ہے۔ ورنہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے کئی مرتبہ سوٹی کے ساتھ حانی کو چلتے دیکھا تھا۔ ایک ٹخنے میں مسئلہ ہے۔ ذرا سے آپریشن کی بات ہے۔ بھلی چنگی ہو جائے گی۔ بھاگنے دوڑنے لگ جائے گی' پہلے کی طرح.... مبارک ہو تمہیں بھی۔ بھائی صاحب کو بھی فون کر دوں گی مبارک کا۔ کیا سوچیں گے ہمیں بچی کی منگنی کی خوشی نہیں ہوئی۔" راحت بیگم جب اسٹارٹ ہو جاتی تھیں پھر رکنا یا روکنا کہاں آسان تھا۔ حریم بس ان کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھتی رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئیں تو حریم نے تحمل سے کہنا شروع کیا۔

"امی! ابھی ایسی کوئی بات نہیں۔ یعنی منگنی وغیرہ کا کوئی چکر نہیں' البتہ وہ لوگ حانی کو پسند کر گئے ہیں۔ ادھر بابا کو بھی لڑکا پسند ہے۔ مگر بات پکی نہیں کی۔"

"بھئی حانی میں کون سی برائی ہے۔ اتنی سگھڑ سیانی۔ ہر فن میں طاق ہر کام میں ماہر ذرا چلنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ شوہر اچھا ہوا تو علاج کروا لے گا۔ مگر سنا ہے حانی کا آپریشن بیرون ملک ہو گا۔" امی کا لہجہ بھی بدل گیا تھا اور موڈ بھی۔ انہیں رنگ بدلتے لمحہ بھی نہیں لگتا تھا۔

"جی.... آپریشن ممکن تو ہے مگر باہر جانا پڑے گا۔" حریم نے افسردگی سے بتایا۔

"تو کیا پیسوں کا مسئلہ ہے۔" امی نے تجسس دبا کر پوچھا۔

"بس یہی سمجھ لیں۔" حریم نے مبہم سے انداز میں کہا۔

"تو کسی سے ادھار مانگ لیں۔" امی کے پاس مفت مشوروں کا اسٹاک جمع رہتا تھا۔

"کس سے مانگتے....؟" حریم کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ہاتھ پھیلانا کوئی آسان بات ہے۔"

"لو اپنوں سے قرض لیتے ہوئے کون سی جھجک۔"

اپنوں سے نہ جانے راحت بیگم کی مراد کیا تھی۔

"اتنی بڑی رقم بطور قرض کبھی کوئی نہیں دیتا۔" حریم نے رنجیدگی سے کہا۔

"وہ ہے نا' تمہارے چچا کا بیٹا' اتنا دولت مند ہے۔ اس کے لیے یہ معمولی سی رقم ہاتھ کا میل ہو گی۔ بوڑھے تایا کی مشکل آسان کر دے تو کون سی دولت کے انبار میں سے کمی ہو جانی تھی۔ بس لوگ بھی نام کی حد تک رشتہ دار ہیں۔ ویسے تو بڑا ہمدرد بنتا ہے۔ ڈاکٹروں کے پاس بھاگ بھاگ کر لے جاتا ہے مگر حانی کے علاج کے لیے رقم نہیں دے سکتا۔" راحت بیگم کی آواز میں تاسف گھل گیا۔ حریم اس ذکر سے بچنا چاہتی تھی اسی لیے بات بدلتے ہوئے بولی۔

"آپ اٹھ کر نہا لیں' لائٹ جانے کا وقت بھی ہو چلا ہے۔"

"لائٹ کی آنکھ مچولی تو سارا دن لگی رہتی ہے۔ یہ بھلا کون سا وقت ہے نہانے کا۔ پٹھوں میں ویسے بھی درد ہو رہا ہے۔" وہ ہائے وائے کرتی پھر سے لیٹ گئی تھیں۔ حریم موٹر چلانے کی غرض سے نیچے چلی آئی۔ ارادہ تھا بجلی جانے سے پہلے ٹنکی پانی سے بھر لی جائے۔ گیٹ کے قریب پمپ کا بٹن تھا۔ جوں ہی وہ بٹن آن کر کے پلٹی تھی کسی مضبوط اور بھاری سے شے سے ٹکرا گئی۔

"یا وحشت!" حریم چیخ اٹھی۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ سامنے بیگ صاحب کھڑے تھے شرمندہ سے۔

"بیگ انکل! آپ۔" حریم بھی شرمندہ ہو گئی۔

"سوری بیٹا!" وہ کترا کر باہر نکل گئے۔ حریم کچھ پل سوچتی رہی پھر نچلے پورشن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ثریا خالہ نے چیخ چیخ کر سر پر اٹھا رکھا تھا۔

"نہیں آنے دوں گی اسے۔ یہ میرا گھر ہے۔ دیکھ لینا کیا حشر کرتی ہوں میں اس کلموہی کا۔"

"خالہ! پلیز کول ڈاؤن۔" حریم بوکھلا اٹھی۔

"اب نہیں کول ہوا جاتا۔ وہ ڈائن میرے گھر میں آنے کے پروگرام بنا رہی ہے۔" انہوں نے اپنی بہو کو دو چار موٹی موٹی گالیوں سے نوازا۔

"ٹھیک ہے نہ آنے دیجیے گا۔ ابھی تو خاموش ہو جائیے۔ یہ پانی تو پی لیں۔" حریم نے زبردستی ان کے لبوں سے گلاس لگا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود بخود خاموش ہو گئیں۔

"شاہو کی بیوی یہاں نہیں آئے گی۔ یہ میری بھی ضد ہے۔"

"ابھی تو آپ پرسکون ہو جائیے۔" حریم کے سمجھانے بجھانے کا اتنا اثر ضرور ہو گیا تھا کہ ثریا خالہ خاموش ہو گئیں۔

"حریم! مجھے ایک گلاس اور پانی ڈال کر دو۔" ثریا خالہ ہانپ کر رہ گئی تھیں۔ تبھی راحت بیگم کی اوپر سے آواز آنے لگی۔

"جاؤ' ورنہ ہارٹ اٹیک ہو جائے گا اسے دو گھڑی کا سکون نہیں لینے دیتی تمہیں۔" خالہ جل کر بولی تھیں۔ حریم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں۔ میرا تو دل گھبرانے لگا تھا۔" امی اسے دیکھ کر گویا پرسکون ہو گئیں۔ معاً انہیں نیچے سے آتی آوازوں کا خیال آیا۔

"ثریا کیوں چلا رہی تھی۔"
"مجھے کیا پتا۔ آپ خود پوچھ لیجیے گا۔"
"گھنی' میسنی خود سے کچھ نہیں بتائے گی۔" انہوں نے دل ہی دل میں خوب پیچ و تاب کھائے۔
"تم ہی بتا دو۔ مجھ سے سیڑھیاں اتر کر نیچے جایا نہیں جاتا۔"
"شاید ان کی بہو گھر آنا چاہتی ہے۔" حریم کو بالآخر بتانا ہی پڑا۔
"تم نہ ہی بتاؤ۔ میں خود ثریا سے پوچھ لوں گی۔" انہوں نے رکھائی سے کہا تھا۔ حریم نے گہری سانس کھینچی۔ ان کی بے اعتباری کا یہی حال تھا۔ اسی لیے حریم انہیں کچھ بھی بتانے سے پرہیز کرتی تھی۔ کیونکہ یقین تو انہیں حریم کی کسی بات پر آتا نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر کپڑے اتارنے چھت پر چلی گئی۔ کیونکہ راحت بیگم کی بڑبڑاہٹیں سننے کا موڈ ہرگز نہیں ہو رہا تھا۔ وہ چھت پر ٹہلتے ہوئے زندگی میں اچانک در آنے والے اس خوشگوار موڑ کے متعلق سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"لسٹ میں سے اس نام کو خارج کر دو۔" زرجان نے مصروف سے انداز میں ایک نام پر ٹک کا نشان لگا کر فائل باقر کی طرف بڑھا دی تھی۔
"ماہیر عالم۔" باقر زیر لب بڑبڑا کر اپنے باس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔
"سر!" کچھ دیر بعد باقر نے ہمت مجتمع کر کے زرجان کو دھیرے سے مخاطب کیا۔
"ہوں۔" وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔
"سر! ماہیر عالم کا نام لسٹ میں سرفہرست ہے۔ اس نام کو لسٹ میں سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔" باقر نے فائل دوبارہ سے زرجان کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔
"کیوں؟" زرجان نے ہمیشہ کی طرح تحمل سے پوچھا۔
"سر! اسجد صاحب نے بطور خاص ماہیر عالم کا نام لیا تھا۔" باقر نے وہ ہی معلومات زرجان تک پہنچائی تھی جس کے متعلق اسے انفارم کیا گیا تھا۔
"وجہ۔" زرجان نے ابرو اچکا کر باقر کی طرف دیکھا۔
"سر! وجہ تو مجھے معلوم نہیں۔"
"تمہیں سیلری کس کام کے لیے دی جاتی ہے؟" زرجان کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔
"سر! مجھے اسجد صاحب کے پی اے نے صرف فائل آپ تک پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ ایک دو جگہ سگنیچر کی ضرورت تھی۔" باقر مودب سا سر جھکا کر بولا۔
"جو گلاس فیکٹری چائنہ میں' میرے اور اسجد کے مشترکہ تعاون سے پرافٹ دے گی۔ کم از کم اس فیکٹری کے تمام ورکرز کے انتخاب میں میری مرضی کا کتنا عمل دخل ہونا چاہیے؟" زرجان نے سنہری فریم کے گلاسز ٹیبل پر رکھ کر باقر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جس کی پیشانی اے سی کی کولنگ کے باوجود پسینے سے تر ہونے لگی تھی۔
"ایکول سر!" باقر کو بالآخر جواب تو دینا تھا۔
"اسجد صاحب کو میرا پیغام پہنچا دو۔ ماہیر عالم کم از کم چائنہ میں ہماری فیکٹری کو سپروائز کرنے کا اہل نہیں۔"
"او کے سر!" باقر اس کے دو ٹوک لہجے میں چھپی دھمکی محسوس کرتا پلٹ گیا تھا۔ صرف آدھے گھنٹے بعد خواجہ اسجد کی فون کال نے زرجان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔
"ماہیر جیسے قابل' ذہین اور محنتی نوجوان کے بارے میں ایسے الفاظ..... وہ ہماری فیکٹری کو سپروائز کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ سات سالوں سے وہ میری کمپنی سے منسلک ہے۔ میں نے اسے ہر طرح سے پرفیکٹ پایا ہے پھر تم نے اس کا نام لسٹ میں سے خارج کیوں کر دیا۔ ایسے چانس تو ورکر کبھی مس نہیں کرتے۔ تم اس کا ایک گولڈن چانس مس کروا کر زیادتی نہیں کر رہے؟" خواجہ بغیر زرجان کی سنے تیز لہجے میں بولتا زرجان کو اس پل سخت برا لگا تھا۔ اسے دھیمے مزاج اور ٹھہرے لہجے میں گفتگو کرنے والے لوگ پسند تھے۔
"ورکر کی پسند ناپسند کی بھی کچھ اہمیت ہوتی ہے۔" زرجان نے یہ بات خواجہ سے براہ راست نہیں کہی تھی تاہم اس نے ماہیر کے لیے ایسے الفاظ اس وجہ سے استعمال کیے تھے تاکہ خواجہ کو ماہیر کا نام لسٹ میں سے خارج کروانے کے لیے بہتر ریزن دے سکتا۔
"میرا تمہارے باقی بزنس سے اور تمام ترورکر سے کوئی لینا دینا نہیں..... نہ میں تمہارے پرسنل میٹرز میں مداخت کرنے کی اتھارٹی رکھتا ہوں تاہم ماہیر عالم کو جس فیکٹری بھیجا جا رہا ہے۔ اس فیکٹری کے لیے ورکر میری پسند کے ہوں گے۔" زرجان نے دو لفظوں میں بات سمیٹ لی تھی۔ خواجہ نے بھی مزید بحث نہیں کی تھی۔ فون رکھنے کے بعد کچھ دیر تک وہ سوچتا رہا تھا پھر اپنے پی اے سے مخاطب ہوا۔
"ماہیر عالم کا کراچی برانچ میں ٹرانسفر کر دیا جائے۔ ایک بات تو طے ہے' ماہیر عالم کو اب لاہور میں دوبارہ دیکھنا خطرے سے خالی نہیں..... یہی میڈم کا آرڈر ہے۔ ورنہ کروڑوں کی ڈیل ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔ ہمیں اپنا مفاد عزیز ہے۔ ماہیر عالم یہاں رہے یا کراچی' ہمارے لیے بات تو ایک ہے۔ تاہم "میڈم" کے ساتھ مقابلہ کرنا یا متھا لگانا ہمیں نقصان سے دوچار کر دے گا۔" خواجہ اسجد موبائل اور کی رنگ اٹھاتا اپنے پی اے کو مختصر ہدایات دے کر باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی!" موبی دروازے میں سے جھانک کر حریم کو دھیمی آواز میں بلانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"کیا ہے؟" حریم بڑیوں کے لیے مسالا تیار کر رہی تھی۔ بغیر موبی کی طرف دیکھے بولی۔
"امی کہاں ہیں۔"
"نیچے گئی ہیں' خالہ ثریا کے پاس۔" اس نے مصروف سے انداز میں بتایا۔ وہ بالکونی میں کھلنے والے دروازے کے سامنے ہی گیلری میں فرش پر بیٹھی تھی تاکہ باہر سے کچھ تازہ ہوا بھی آتی رہے۔ بالی والے دروازے بند تھے۔ مکھیوں اور مچھروں سے بچاؤ کے لیے کچھ دن پہلے ماہیر نے لگوائے تھے۔
"تین چار گھنٹے سے پہلے نہیں آئیں گی۔" موبی اس کے قریب آ کر بیٹھ رہا تھا تب حریم چونکی۔
"کچھ چاہیے؟"
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"یہ کیا بنا رہی ہو۔"
"مونگ کی دال اور مسالے کی بڑیاں ہیں۔" حریم دوبارہ سے اپنی کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"تمہیں پسند ہیں؟"
"نہیں۔" موبی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔
"آج دوپہر کو یہی پکاؤں گی۔ پھر تم کیا کھاؤ گے۔"
"جو تم بنا دو گی۔" موبی بڑیوں کے سائز چیک کر رہا تھا شاید چھوٹی' بڑی اور درمیانی سائز کی بڑیاں۔
"یہ بڑیاں۔" حریم شرارت سے ہنسی۔
"کھالوں گا۔" وہ فرمانبرداری سے بولا۔
"تمہارے لیے دہی پکوڑیاں بنا دوں گی۔ روٹی کے ساتھ کھالو گے نا۔"
"ہاں۔" وہ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔
"بھابھی....." کچھ پل بعد موبی نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔
"ہوں۔"
"اپنا گھر اچھا تھا نا۔" اس کی آواز میں گہری یاسیت تھی۔
"ہاں....." وہ کچھ چونک کر موبی کی طرف دیکھنے لگی۔
"مگر یہ گھر بھی اچھا ہے کیوں؟" وہ مسکرائی۔
"اپنا تو نہیں۔"
"ان شاء اللہ اپنا بھی بنا لیں گے۔" حریم پرامید تھی۔
"نہ جانے کب۔"
"بہت جلد۔" حریم مسکرا دی۔ کس قدر فکرمند ہو رہا تھا موبی' حریم کو اس کا تفکر نہ جانے کیوں اچھا لگا۔
"تم ایسی باتیں سوچتے ہو۔"

"کیوں؟ تم بھی مجھے پاگل سمجھتی ہو بھابھی!" موبی نے افسردگی سے کہا۔
"نہیں تو۔"
"بھابھی! تمہیں ایک بات کا پتا ہے۔"
"کیا؟" حریم چونکی۔
"امی نے گھر کیوں بیچنے پر زور دیا تھا۔" موبی کا انداز ناقابل فہم تھا۔
"مجھے کیا پتا؟"
"کچھ بھی نہیں پتا۔" موبی عجیب سے لہجے میں بولا۔
"زمیلہ کو شاید پیسوں کی ضرورت تھی۔" حریم نے محتاط سے انداز میں کہا۔
"بھلا کس لیے؟"
"نبیل کو رقم چاہیے تھی۔" حریم نے سرسری لہجے میں بتایا۔
"جھوٹ۔" موبی نے نفی میں سر ہلایا۔
"سراسر جھوٹ۔۔۔ تم بھی بہت بھولی ہو بھابھی! زمیلہ کے شوہر یا سسرال والوں کی طرف سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔ وہ تو بہت اچھے اور شریف لوگ ہیں۔"
"تو پھر یہ گھر بدری کیوں؟" حریم ششدر رہی تو رہ گئی تھی۔ موبی کے اکثر انکشاف حریم کو متوحش کر دیا کرتے تھے۔
"تمہیں تو کچھ بھی نہیں پتا۔ کچھ نہیں جانتیں تم بھابھی!" موبی نے اپنا ماتھا پیٹا۔ اس اسٹائل میں ہمیشہ موبی گفتگو کے دوران کچھ نہ کچھ ایساری ایکٹ کر دیا کرتا تھا جو حریم کو بہت غیر فطری لگتا۔
مگر اسی وقت کچھ اور سوچنے کی طرف حریم کا دھیان نہیں تھا۔
"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"
"ہماری امی کچھ اور ٹائپ کی خاتون ہیں۔ انہوں نے سوچا اپنی زندگی میں مکان کے حصے بخرے کر دیے جائیں تاکہ زمیلہ کو حصہ ان کے سامنے دے دیا جائے۔"
"زمیلہ کو حصہ دینے کی بجائے پورا مکان ہی اس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔" حریم نے الجھ کر موبی کو بتایا۔ حالانکہ موبی کی اکثر باتیں درست ہونے کے باوجود حریم کو مشکوک لگتی تھیں۔
"امی کو شو آف تو کرنا تھا نا۔ اس عادت سے مجبور ہو کر انہوں نے اچھا سا مناسب منصوبہ ترتیب دیا تھا۔ تاکہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچی رہے۔ کیونکہ زمیلہ کی دیورانی جو جہیز میں فلیٹ لائی تھی وہ امی اور زمیلہ دونوں کی نظر میں کھٹکتا تھا۔" موبی ہنسنے لگا تھا۔
"کوئی اس قدر بھی خودغرض ہو سکتا ہے۔"
حریم بغیر کچھ کہے سامان سمیٹ کر اٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں دل میں عجیب سے چبھن ہونے لگی تھی۔ رشتے، ان کے پیچیدگیاں، یہ سازشوں کے جال، محبت کے عجیب و غریب انداز، حریم تو اس الجھے ریشم میں اور بھی الجھنے لگی تھی۔
"میں ماہیر سے بات کروں گی۔ امی نے ایسے کیوں کیا؟ اتنا بڑا جھوٹ۔ اتنا بڑا فراڈ۔" حریم کا دماغ چکرانے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح صبح بوا اسے لینے کے لیے آگئی تھیں۔ راحت بیگم نے خلاف توقع اجازت دے دی تھی۔ گھر آئی تو حانی بجی سنوری منتظر سی بیٹھی تھی۔
"کہیں جانا ہے۔" حریم نے چادر اتارنے سے پہلے پوچھا۔
"نہیں۔"
"تو پھر یہ ہار سنگھار۔" حریم نے حیرانگی سے کہا۔
"ہر کوئی تمہاری طرح تو نہیں ہوتا۔ شادی کو بمشکل ڈیڑھ سال ہوا ہے اور محترمہ سر جھاڑ منہ پہاڑ والے محاورے پر بڑی خوش اسلوبی عمل کر رہی ہیں۔" حانی نے اس کا سرتاپا جائزہ لے کر بری طرح لتاڑا۔
"جانا کہاں ہے؟ بتا بھی دو۔" حریم ان دنوں بہت

بے زار ہو رہی تھی۔ خواہ مخواہ ہر وقت [illegible] سی طاری رہتی۔
"خالہ آرہی ہیں۔ بچے بھی ساتھ ہوں گے۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے میں نے سوچا تیار شیار ہو جاؤں۔"
"کب آئیں گی۔" حریم خوشگوار لہجے میں پوچھنے لگی۔
"تین بجے تک آئیں گی۔ رات کو فون کیا تھا۔ خیر سے بات تو پکی ہو چکی ہے۔ سوچا ہے، چھوٹی سی منگنی کی رسم کر لیتے ہیں۔" جنت بوا مہندی کی پڑیا کھول کر پیالے میں گھولنے لگی تھیں۔
"تمہارے پاس ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں۔ جب بھی آتی ہو یہ گھسا پٹا سوٹ پہنا ہوتا ہے۔" حانی کو حریم کی ڈریسنگ سے بہت چڑ تھی۔ وہ جتنی خوش لباس تھی۔ حریم اسی قدر لاپروا۔
"بابا کہاں ہیں؟" حریم نے حانی کی خفگی کو گویا چٹکیوں میں اڑا دیا۔
"پنشن لینے گئے ہیں۔" وہ خفا خفا سی رخ موڑ کر میگزین دیکھنے لگی۔
"رات کے لیے کیا اہتمام کرنا ہے۔ مجھے بتا دو، کچھ ابتدائی تیاری کر لوں۔" حریم اٹھنے لگی تھی۔ حانی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔
"سب کر لوں گی۔ تم صرف اتنا کرو، میری الماری میں سے کوئی شوخ رنگ کا سوٹ پہن لو۔"
"تمہاری الماری میں سارے کپڑے شوخ رنگوں کے لٹکے ہیں۔" حریم نے منہ بنایا۔
"تم رہنے دو۔ یہ بھی ٹھیک ہے، بس قمیص کا رنگ ذرا سا اڑ گیا ہے۔"
"ذرا سا۔" حانی چیخی۔
"تم سست الوجود، بیٹھی رہو۔ میں لے کر آتی ہوں۔" حانی اسٹک اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔
"رہنے دو، میں خود دیکھ لیتی ہوں۔" حریم کو بالآخر اٹھنا پڑا۔ وہ دونوں ساتھ چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔
"ماہیر بھائی کو بتا دیا ہے۔" حانی نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں۔" حریم ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔
"میں نے سارے گھر کی از سر نو صفائی ستھرائی کروائی ہے۔" حانی نے جوش و خروش سے بتایا۔
حریم نے ستائشی نظروں سے بہن کی طرف دیکھا تھا۔ پھر حانی کی پسند کا شاکنگ پنک سوٹ نکال کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔
خالہ تین بجے سے پہلے آگئی تھیں۔ ان کے آتے ہی گھر میں رونقیں اتر آئیں۔ اتنے عرصے بعد اس گھر میں بے فکرے قہقہوں کی آوازیں گونجی تھیں۔ محسن اور محب کی شرارتیں، شوخیاں۔ گھر میں اک ہنگامہ مچ گیا تھا۔ قہقہے، ہنسی، مسکراہٹیں۔ اس شور ہنگامے کے باوجود نہ جانے کیوں حریم کا دل بجھا بجھا سا تھا۔۔۔ پانچ بجے تک مبشر کے گھر جانے کا پروگرام تھا۔ خالہ

ایک دفعہ ان لوگوں سے خود ملنا چاہتی تھیں۔ اس سے اگلے دن منگنی کی رسم کرنا تھی۔

حریم کھانے کے بعد برتن سمیٹ رہی تھی۔ محب اور محسن بھی ساتھ تھے۔ فون کی گھنٹی بجی تو حانی نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔

"حریم! تمہارا فون ہے۔" حانی نے دور سے ہی ہانک لگائی تھی۔

"کون ہے؟" حانی نے اس کے ہاتھ میں ریسیور تھما دیا۔

"السلام علیکم۔" ماہیر نے عجلت میں جواب دیا۔

"کب تک آؤ گی۔"

"ہیں..... ابھی سے، کچھ دیر تک تو مبشر کے گھر جانا ہے۔ میں آپ کے آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔" حریم حیران حیران سی بولی۔

"میں نہیں آسکتا حریم! تم بھی جس قدر ممکن ہو سکے جلدی پہنچو۔" ماہیر کی آواز میں بے پناہ تھکن تھی۔

"خیریت تو ہے نا۔" حریم نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"امی باتھ روم میں سلپ ہو گئی تھیں۔"

"کیا؟" حریم کے حلق میں سے چیخ نما آواز نکلی۔

"تم ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔" ماہیر نے فون رکھ دیا تھا۔ حریم بے دلی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اب کیا ہو گا۔ نہ جانے کہاں چوٹ لگی ہے؟ تفصیل تو پوچھی نہیں۔" حریم سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھی سوچتی رہ گئی۔ بابا نے سنا تو فوراً بولے۔

"بیٹا! اٹھو، میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔ تمہارا جانا ضروری ہے۔"

"مگر بابا!" وہ تذبذب کا شکار تھی۔

"اگر مگر کچھ نہیں..... تم جاؤ، ہم لوگ مبشر کے گھر سے ہو کر ہسپتال آجائیں گے۔" خالہ نے اسے تسلی دی۔

کچھ دیر بعد وہ بابا کے ہمراہ گھر آگئی تھی۔ ماہیر اور امی ابھی تک ہسپتال میں تھے۔ حریم نے گھر آتے ہی فون کیا تھا۔ امی کی ٹانگ فریکچر ہو گئی تھی۔ اور ابھی نہ جانے کتنے دن ہسپتال میں ایڈمٹ رہنا تھا۔ ماہیر کی تھکی تھکی پژمردہ آواز نے حریم کو لمحوں میں تھکا ڈالا۔

ابھی تو وہ اسی بات پر رنجیدہ تھی کہ حانی کی خوشی میں نہ جانے شریک ہونے کی اجازت ملے گی یا نہیں۔ راحت بیگم کے ہسپتال ایڈمٹ کے دوران گھر سے نکلنا کہاں ممکن تھا۔ وہ بے دم سی تخت پر بیٹھی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔ شام سے رات ہو گئی۔ پھر ایک دم فون کی گھنٹی نے حریم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ وہ لپک کر فون تک گئی۔ اس کے خیال میں کہ ماہیر کا فون ہو گا۔ مگر دوسری طرف خالہ تھیں۔ امی کی خیریت کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ جبکہ حریم کو کچھ اور سننے کی بے چینی تھی۔

"منگنی کے لیے کون سا دن مقرر کیا ہے؟"

"راحت بھابھی کب تک گھر آئیں گی؟" خالہ نے شاید اس کی بے چینی محسوس نہیں کی تھی یا پھر جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا تھا۔ حریم کچھ سمجھ نہیں پائی۔

"ابھی کچھ پتا نہیں۔" حریم نے الجھ کر جواب دیا۔

"خالہ! آپ نے بتایا نہیں؟" بے چینی اس کے لہجے سے ہویدا تھی۔

"کیا بتاؤں؟" صاف لگ رہا تھا خالہ ٹالنے کی کوشش میں تھیں۔ حریم کے ضبط کی طنابیں چھوٹنے لگیں۔

"پلیز خالہ! میرا دل پہلے ہی بہت پریشان ہے۔"

"اسی لیے تو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتی۔" خالہ گویا تھک کر بولیں۔

"بتائیے پلیز۔" وہ زچ ہو اٹھی۔

"ان لوگوں نے منگنی سے پہلے ایک شرط رکھ دی ہے۔" خالہ کو بالآخر بتانا پڑا۔

"کون سی شرط؟" حریم کے بجھے دل کی ساری بے چینیاں اردگرد بھنبھنانے لگی تھیں۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

☼ ☼

بے یقین مسافتیں

سیدہ ضوباریہ ساحر

چھن..... چھن ایک چھناکے سے کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا اور کوئی چیز اس کے قدموں میں آگری۔ اس نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر پہلے اپنے پیروں میں پڑی اس چیز کی طرف دیکھا اور پھر کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرف اس کے ماتھے پر ناگواری کی کئی شکنیں یکے بعد دیگرے نمودار ہوئیں اور ہونٹ مارے حقارت کے جیسے سکڑ کر رہ گئے۔

ماہ کامل اسم بامسمی تھی۔ غزالی آنکھیں جن پر سایہ فگن گھنیری پلکیں ملاحبی شام کا تاثر دیتی تھیں۔ دودھ اور شہد گھلی رنگت، کلیوں کی چٹک جیسی مسکراہٹ اور بادلوں کو شرماتی ہوئی زلفیں۔ وہ سراپا حسن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی مورت تھی۔ جس کی ایک جنبش ابرو پر کوئی بھی جوان پروانہ وار قربان ہو جانے کو تیار ہو جائے۔ لیکن جس قدر وہ حسین تھی۔ اس سے کہیں زیادہ مغرور اور خود پسند بھی تھی۔ اسے اپنے غیر معمولی حسن کا صغر سنی میں ہی ادراک ہو چکا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن و دل میں یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ وہ اپنے اندر ایک ایسی کشش رکھتی ہے کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر وہ اپنی اس کشش کو ہتھیار بنا کر کسی بھی قسم کا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ وہ کلاس روم ہو یا گھر اسے جو اسپیشل ٹریٹمنٹ ملا تھا وہی اس کے خود پسندی و نخوت کا باعث بنا تھا۔

اس نے حقارت سے پیروں میں پڑی اس چیز کو ایک زوردار ٹھوکر ماری اور کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بی اے آنرز کی اسٹوڈنٹ تھی اور پڑھائی سے بہت مخلص بھی۔ والدین کی یکے بعد دیگرے وفات نے وقتی طور پر اسے کچھ بد دل اور اداس ضرور کیا تھا۔ لیکن جب اس کی پھپھو اپنے دو عدد بچوں کے ہمراہ اس کے پاس رہنے کے لیے آگئیں تو جو تھوڑا بہت تنہائی کا احساس تھا وہ بھی زائل ہو گیا۔ وہ کوئی پور یا مڈل کلاس سے تعلق نہیں رکھتی تھی کہ والدین کے بعد اسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے والد نے ایک بے انتہا وسیع و عریض کوٹھی اور ایک پھیلا ہوا بزنس ترکے میں چھوڑا تھا۔ بزنس اس سے چار سال بڑے بھائی آذر خان نے سنبھال لیا جو ڈیڑھ سال پہلے امریکہ سے ایم بی اے کی ڈگری لے کر آیا تھا اور آتے ہی والد کے ہمراہ آفس آنے جانے لگا تھا۔ سو والد کی وفات تک وہ پریکٹیکلی بزنس کی دنیا میں ان ہو چکا تھا۔

آذر صبح سے رات تک آفس میں مصروف رہتا تھا سو ماہ کامل کی دوسراہٹ کے خیال سے پھپھو اس کے پاس آگئی تھیں۔ لیکن ماہ کامل ان کے پاس بہت کم بیٹھتی تھی۔ اس کا کمرہ اوپری منزل پر تھا اور کمرے کے ساتھ ملحقہ ایک چھوٹا سا اسٹوڈیو جہاں وہ اپنے دن کا وہ وقت گزارتی تھی جو پڑھائی کی مصروفیت سے بچ جاتا تھا۔ وہ ایک اچھی مصورہ تھی اور پنسل اسکیچ بنانے میں بہت مہارت رکھتی تھی۔ بلکہ کبھی کبھار افتاد طبع کے ہاتھوں وہ اپنے چند اسکیچز رسالوں کو بھی ارسال کر دیتی تھی۔ شاید غیر معمولی حسن اور دولت کے بعد اب وہ شہرت کے آسمان کو بھی چھونا چاہتی تھی۔

کتابیں ریک پر رکھ کر وہ پلٹی تو اس کی نگاہ ایک بار پھر اس چیز پر پڑی جو اس کے بیڈ روم کی خوب صورت کھڑکی کو بد صورت بنانے کا محرک ثابت ہوئی تھی۔ اس کے بیڈ روم کی یہ کھڑکی ہمیشہ کھلی رہتی تھی۔ سیکنڈ فلور پر ہونے کی وجہ سے اسے کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں تھا۔ لیکن چند دنوں سے اس کھڑکی کو بہت عجیب طریقے سے استعمال کیا جانے لگا تو اس نے اسے بند رکھنا شروع کر دیا۔ لیکن شاید اس کا غلط استعمال کرنے والے اس پیغام کو نہیں سمجھے تھے۔ جبھی آج بند کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا گیا تھا۔ اس نے جھک کر اس گیند نما چیز کو اٹھایا۔ یہ ایک دریائی پتھر تھا جس کے اردگرد کاغذ کی موٹی تہ تھی اور اوپر سے اسے ریشمی ڈوری سے باندھا گیا تھا۔ نہ چاہنے کے باوجود اس نے ڈوری کھول کر کاغذ کو پتھر سے الگ کیا اور اس کی تہ کھول کر اس پر نظر دوڑانے لگی۔

"کہتے ہیں محبت بہت طاقتور جذبہ ہے۔ بڑے بڑے شہہ زور اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان یہ طاقتور جذبہ کون سا بندھن باندھتا ہے۔ ایک فاتح و مفتوح کا، حاکم و محکوم کا یا عاشق و معشوق کا۔"

بہت خوب صورت رائٹنگ تھی لیکن عبارت پڑھ کر اس نے دانت پیس لیے۔ اس لیے کہ وہ ابھی تک اس شہ زور کو دیکھ نہیں پائی تھی۔ اور دن بہ دن اس کی جرات بڑھتی جا رہی تھی۔ پچھلے پندرہ دنوں میں یہ کم از کم ساتواں خط تھا جو اس بے ہودہ طریقے سے اسے ارسال کیا گیا تھا۔ جب پہلی بار اسے اس اجنبی شخص کا خط موصول ہوا تو وہ اس وقت کھڑکی کے قریب ہی موجود تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تھا۔ کوٹھی کی بیرونی دیوار کے پاس دور دور تک کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ وہ اسے کسی بچے کی شرارت سمجھی۔ لیکن تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ریشمی ڈوری میں لپٹا ہوا کاغذ کھول کر پڑھ بیٹھی۔ وہ جسے کسی بچے کی شرارت سمجھی تھی وہ ایک اچھا خاصا محبت نامہ تھا۔

پیاری ماہ!

تحریر اجنبی سہی، میں تمہارے لیے نا آشنا سہی، لیکن تم میرے لیے غیر بالکل نہیں ہو۔ تمہیں محض چند لمحوں تک دیکھا تھا لیکن یوں لگتا ہے وہ لمحے میری ساری زندگی پر محیط ہو گئے ہیں۔ مجھے ہر جگہ تم ہی تم دکھائی دیتی ہو۔ کبھی کس کی صورت، کبھی پرچھائیں اور کبھی سایہ بن کر میرے ہم قدم۔ مجھے یوں لگنے لگا ہے کہ میں تمہاری سانسوں کے ساتھ سانسیں لینے لگا ہوں۔

فقط۔

روحیل۔

اس نے اس محبت نامے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ اور پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ کیونکہ اتنا ادراک تو اسے خود بھی تھا کہ اسے ایک بار دیکھ لینے والا بہت مشکل سے خود کو اس کی طرف ملتفت ہونے سے روک پائے گا۔ اس قدر حسن کی بدولت نک چڑھی ماہ کامل نے جو آئیڈیل تراش لیا تھا ایک شریک زندگی کی شکل میں اس آئیڈیل کا ملنا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور تھا۔

تین دن گزرے تھے جب کھڑکی کے راستے ایک پتھر عین اس کے بیڈ پر آگرا جہاں قریب ہی وہ بیٹھی تھی۔ گرمیوں کے دن اور دن کے ڈھائی بج رہے تھے۔ اس نے بھاگ کر کھڑکی سے باہر اسٹریٹ میں جھانکا۔ حسب معمول کوئی دکھائی نہیں دیا تو بد دل ہو کر اس نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکایا اور پردے کی اوٹ میں ہو کر گلی میں جھانکنے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شخص جو کوئی بھی تھا۔ خط پھینک کر کوٹھی کی دیوار کی اوٹ میں ہو جاتا ہو گا اور جب اس کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہو گا کہ وہ کھڑکی سے باہر جھانک کر واپس پلٹ چکی ہو گی تو وہ اوٹ سے نکل بھاگتا ہو گا۔ لیکن بہت دیر گلی میں جھانکنے کے بعد اسے بہت مایوسی ہوئی کہ اس کا اندازہ درست ثابت نہیں ہوا۔

وہ مرے مرے قدموں سے بیڈ کی طرف بڑھی اور کاغذ کے اس گولے کو رنجیدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ شاید اس لیے کہ وہ اس طرح کی سچویشن سے پہلی بار گزر رہی تھی۔ آج تک اس کے حسن کو خراج پیش کرنے والے اس کی نگاہوں کے سامنے آئے تھے۔ جھکی ہوئی گردنوں اور چور نگاہوں والے اس کے حسن کے قدر دان..... اور وہ ان جھکی ہوئی گردنوں کو تنی ہوئی گردن کے ساتھ نظر انداز کرتی رہی تھی۔ اس بار اس کا سابقہ ایسے شخص کے ساتھ تھا جو اس کے سامنے نہیں آیا تھا وہ پس پردہ رہ کر اس کے شوق اور تجسس کو بڑھاوا دے رہا تھا۔ اس نے ریشمی ڈوری کھول کر خوشبو سے بسا کاغذ اپنی مٹھی میں بھینچ کر ایک گہرا سانس لیا۔ چند لمحے آنکھیں بند کر کے گویا اس کی شبیہ دیکھنے کی کوشش کی اور پھر ناکام ہو کر آنکھیں کھول لیں اور مٹھی میں بھنچا ہوا کاغذ کھول کر پڑھنے لگی۔

سنو ماہ!

"مجھے دیکھنے کا خیال دل سے نکال دو۔ میں تمہارے احاطہ بصارت سے بہت دور ہوں۔ ہاں جس دن مجھے یقین ہو گیا کہ تمہارا دل رومیل کے نام کی دھڑکنوں کو خود میں سمو رہا ہے اس دن میں تمہارے سامنے آجاؤں گا۔

تمام تر محبتوں کے ساتھ تمہارا روحیل۔"

"خبیث ۔۔۔ فراڈیا ۔۔۔ لوفر۔" اس نے دانت کچکچا کر مہذب و نامہذب گالیاں اس انجانے شخص کو دے ڈالیں۔ ہر دوسرے تیسرے دن چند مخصوص مگر انتہائی شاعرانہ وادیبانہ قسم کے الفاظ سے مزین خط اسے ملنے لگا اور آج ساتواں خط تھا۔ اس نے اس سلسلے کے بارے میں کسی سے بھی کوئی بات نہیں کی تھی اور وہ بات کرتی بھی تو کیا۔ نہ اسے موصوف کی شکل کا پتا نہ اس کے گھر کا۔ صرف نام کا علم ہو جانے سے اس تک پہنچنا ناممکن ہی تھا اور پھر کون جانے کہ نام بھی اصلی تھا یا فرضی ۔۔۔ بہر حال اب اس کا دل کسی انجانے خوف کی آہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا ۔۔۔ بہت مستقل مزاج اور ہٹیلا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ماہ کامل اس کے بارے میں کیا سوچتی ہے ۔۔۔ اسے اس بات کی پروا بھی نہیں تھی کہ اس کے خطوط کے جواب میں ماہ کامل کے خط بھی جانے چاہئیں۔ اس اعتبار سے وہ کسی حد تک خود غرض بھی محسوس ہوا تھا۔ جسے صرف اپنے جذبوں اور احساسات کا خیال تھا۔ فریق ثانی کے جذبات و احساسات کی اسے چنداں فکر نہیں تھی۔ ماہ کامل یہ سارا معاملہ ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔ لیکن کس کے ساتھ ۔۔۔ آج ایک طویل عرصے کے بعد اسے اپنی ماں کی کمی محسوس ہوئی تھی۔ ممی ہوتیں تو کب کا یہ مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

"کیا مجھے پھپھو سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔" اس نے سوچا اور پھر خود ہی تردید کر دی۔ پھپھو کے ساتھ اس کا اس قدر کلوز ریلیشن شپ نہیں تھا کہ ان سے اس ٹاپک پر بات کی جاتی۔ وہ اندر ہی اندر خوفزدہ سی ہو گئی۔ لاکھ غرور و تمکنت کے باوجود وہ ایک سلجھی ہوئی لڑکی بھی تو تھی۔

آج اس نے دن کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور سر شام سے ہی اپنے بیڈ روم میں بند ہو گئی تھی کالج سے اس نے دو تین دن کی رخصت لے لی کیونکہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہونے کی وجہ سے وہ اپنی ایجوکیشن پر بھی توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ جب اس نے بڑی لائٹ آف کر کے زیرو پاور کا بلب جلایا۔ کمرے میں گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی اس نے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ پورے چاند نے رات کو اپنے فسوں میں جکڑ رکھا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی مدھر چاندنی ۔۔۔ وہ مسحور سی ہو کر کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

اچانک اسے یوں لگا جیسے گلی میں کچھ متحرک ہے۔ وہ ایک طویل القامت ہیولا تھا جو عین اس کی کھڑکی کے سامنے نیچے گلی میں کھڑا تھا۔ وہ اس کی طرف توجہ نہ دیتی اگر اس نے ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف متوجہ نہ کیا ہوتا۔ جونہی ماہ کامل نے اس ہیولے پر نگاہیں جمائیں ہیولے کا ایک ہاتھ بلند ہوا اور کوئی چیز تیزی سے ماہ کامل کی طرف آئی اور اس کے چہرے کے قریب سے ہوتی ہوئی کمرے کے عین وسط میں ۔۔۔ قالین پر آ گری۔ (اگلے ہی پل وہ جو کوئی بھی تھا بہت تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگا اور اندھیرے کا حصہ بن گیا) ماہ کامل کے لیے یہ چند لمحے خاصے اعصاب شکن ثابت ہوئے۔ جسے دیکھنے کا تجسس اسے بے چین کیے ہوئے تھا۔ آج بالآخر وہ اس کے سامنے آ ہی گیا تھا۔ لیکن اس تجسس کے ساتھ جو ایک دبا دبا سا خوف تھا کسی ناگ کی طرح پھن کاڑھ کر اس کے روبرو آ گیا۔ بے شک اندھیرا ہی سہی آج وہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ کل کو دن کی روشنی میں سامنے آئے گا اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ سب کچھ کم از کم ماہ کامل کی مرضی اور پسند کے مطابق نہ ہوتا۔ اسے اپنے اس اجنبی عاشق سے اتنی جرات اور مردانگی کی توقع نہ تھی۔ کھڑکی یونہی کھلی چھوڑ کر وہ دھیرے سے پلٹی اور آگے بڑھ کر قالین پر پڑا اس عاشق صادق کا تازہ ترین مراسلہ اٹھا لیا۔

"اے رشک قمر!

آج دل کی دھڑکنوں کو ایک نیا پیغام ملا۔ محبتیں جواں ہونے لگیں اور جذبوں پر جو تمہاری سرد مہری کی برف تھی وہ گویا پگھلنے لگی ہے۔ تمہارے بدلے بدلے اطوار اور روزمرہ کے معمولات میں تبدیلی اس بات کی غماز ہے کہ روحیل نام کا ایک دیا تمہاری سوچوں کے مسکن میں جل اٹھا ہے۔ تم بارہ بجے سے پہلے اپنے بیڈ روم میں نہیں آتیں اور آج دس بجے سے بھی پہلے سے اس کمرے میں مقید ہو۔ جب کوئی ہجوم سے بچھڑ کر تنہائیوں میں سمٹنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی بہت اپنا اس کے خیالوں میں بسا ہوا ہے۔ جس کے ساتھ قسمت بتانے کے لیے دنیا سے الگ تھلگ ہونا پڑتا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا ۔۔۔؟

تمہارا اپنا روحیل۔

خوشبو میں بسے کاغذ پر اس کی گرفت سخت ہو گئی۔ دھڑکنیں بے ترتیبی سے تھمکنے لگیں اور سانسوں میں ایک انجانا سا ارتعاش پھیل گیا۔

"نہیں ۔۔۔ میں ۔۔۔ ماہ کامل ۔۔۔ ایک ان دیکھے شخص کے بارے میں سوچوں ۔۔۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ میرے قیمتی وقت کا حصہ بنے۔ مجھ جیسی لڑکی کم سے کم کسی کی تفریح طبع کا باعث بننا گوارا نہیں کر سکتی۔" اس نے گویا خود کو سرزنش کی۔ دل کو اپنی اہمیت و حیثیت کا ادراک کروایا اور دماغ کو ڈانٹا۔ لیکن جب سونے کے لیے لیٹی تو ذہن میں اجنبی خیالات کی ہونے والی دستک کو نہ روک پائی۔

اگلے دن اس نے اپنے معمولات پر خصوصی توجہ دی اور کوشش کی کہ اپنے روٹین کے کاموں کو حسب معمول سرانجام دے۔ شام ساڑھے سات بجے سے اس کا کام اسٹوڈیو میں ہوتا تھا۔ جہاں وہ برش اور رنگوں کے ساتھ کھیل کر اپنے ذوق کی تسکین کرتی تھی۔ لیکن آج اسٹوڈیو میں آنے کے بعد وہ ایزل کے قریب جانے کی بجائے مختصر سے اس کمرے میں ایک طرف بچھے کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ اسے اب اس سلسلے سے چڑ سی ہونے لگی تھی۔ اس مستقل مزاج بندے نے کبھی اس کے خیالات جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اگر اس کا ایڈریس اسے معلوم ہوتا تو پہلی فرصت میں جا کر اس کی طبیعت صاف کر دیتی یا کم از کم اس کو اپنے آئیڈیل کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کر کے اس کی کسی قدر حوصلہ شکنی کر دیتی۔ وہ مسلسل اس سے پیچھا چھڑانے کے بارے میں سوچتی رہی اور بہت دیر کے بعد ایک خیال سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ اٹھی اور ایک چارٹ پیپر پر بلیک مارکر سے اس نے جلی حروف میں لکھا۔

I want to meat you "یقیناً" یہ پیغام اس عاشق کے لیے غیر متوقع اور جانفزا ہو گا کیونکہ یہ سوچ کر کہ ماہ کامل اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔ وہ خود کو بے نقاب کر دیتا اور اس طرح ماہ کامل اس سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑانے کی تدبیر کر سکتی۔ اس نے چارٹ ایک طرف رکھا اور اپنے ایزل کے قریب چلی آئی۔ جس پر لگا ادھورا لینڈ اسکیپ اپنی تکمیل کے لیے استدعا کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کلر پلیٹ اور برش اٹھا لیا اور جس وقت اس نے تصویر کو لاسٹ ٹچ دیا اس وقت دیوار گیر گھڑی ایک بجا رہی تھی۔ اس کی نگاہیں ایک پل کو اس کے پنڈولم پر ٹکیں اور اگلے ہی پل اس نے سر جھٹک دیا۔

"لوگوں کے نزدیک بہت عجیب سہی لیکن میری سوچ خود میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ زندگی کا فیصلہ کرتے ہوئے میں صرف اپنی سوچ پر عمل کروں گی۔" اسے اپنی بہت اچھی دوست زارا کے ساتھ ہونے والی گفتگو یاد آئی۔ جب اس نے اپنے آئیڈیل کے بارے میں اسے بتایا تو وہ بھونچکی سی رہ گئی تھی۔

"اس میں اب کوئی شک نہیں رہا کہ تم پاگل ہو سو فی صد پاگل۔" وہ دانت پیس کر بولی تھی۔

"شاید ۔۔۔ کہہ سکتی ہو۔" ماہ کامل نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم خود کو دوسروں سے الگ ثابت کرنے کی خاطر اس انتہا تک جا سکتی ہو اس بارے میں تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ماہ کامل بی بی! زندگی کوئی لیبارٹری نہیں اور نہ ہی شادی کوئی تجربہ کہ بار بار ناکامی کے بعد بھی اسے دہرایا جا سکے۔ زندگی بھی ایک بار ملتی ہے اور شادی بھی ایک بار ہی کی جاتی ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ تم

بہت سے معاملات میں بہت سی لڑکیوں سے سپیریئر ہو لیکن اپنی برتری ثابت کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔" زارا اسے سمجھانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔

"دیکھو زارا۔ بہت سادہ سی بات ہے میں نے بچپن سے آج تک لوگوں کی نظروں میں اپنے لیے بے تحاشا ستائش، رشک اور حسد کے جذبات دیکھے ہیں۔ اگر میں بقول تمہارے کسی یونانی دیوتا ٹائپ شخص سے شادی کرلوں تو اس کے نزدیک میری کیا اہمیت ہوگی۔ وہ تو خود اپنی ذات کے لیے کانشس ہوگا۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ میں انتہائی بدصورت شخص سے شادی کروں گی۔ ایک ایسا شخص جو میری ہمراہی پر ناز کرے اور جس کی ذات میرے ساتھ ہو تو میری شخصیت زیادہ واضح اور ہمیشہ سے زیادہ نمایاں دکھائی دے۔"

"میں اسے صرف تمہاری بیمار سوچ ہی کہہ سکتی ہوں تمہاری انتہا سے بڑھی ہوئی خود پرستی، کسی دن تمہیں بڑے برے دن دکھائے گی۔" زارا جل کر بولی۔ لیکن ماہ کامل نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔

اس نے کلر پلیٹ ایک طرف رکھی اور چارٹ پیپر اٹھا کر اسٹوڈیو سے نکل کر بیڈ روم میں آگئی۔ چارٹ ایک طرف رکھ کر اس نے پردہ سرکایا اور کھڑکی کھول کر نیچے گلی میں جھانکا وہ شخص کل والی جگہ پر بالکل ساکت کھڑا تھا کسی مجسمے کی طرح۔ ماہ کامل کو اس کی موجودگی کا یقین تو نہیں تھا کہ رات کا دوسرا پہر بھی اختتام پذیر ہی تھا۔

"تو کیا وہ کئی گھنٹوں سے یہاں کھڑا ہے؟" اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی، صرف اس کی خاطر کوئی یوں آرام تج کر نیندوں کی قربانی دے کر یہاں موجود ہے۔

یہ خیال اسے عجیب سے احساسات سے دوچار کر گیا۔ وہ کچھ دیر کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی لیکن حیرت انگیز طور پر وہ آج اپنی جگہ سے ہلا تک نہ تھا۔ نہ اس نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا اور نہ ہی کوئی محبت نامہ اس کی طرف پھینکا۔ بلکہ اس قدر تاریکی کے باوجود ماہ کامل کو اپنے چہرے پر اس کی زندہ آنکھوں کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ تپتا ہوا، جلتا سلگتا ہوا اور جذبوں کی تمام تر لطافت کو خود میں سموئے ہوئے۔ وہ تیزی سے پلٹی اور اپنی کھڑکی کے عین اوپر نصب لائٹ جلا کر وہ چارٹ پیپر اٹھا لائی جس پر کچھ دیر پہلے اس نے اس اجنبی شخص سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ چارٹ پیپر کھول کر اس نے اس رخ سے گلی کی جانب کیا کہ اس پر سیدھی لائٹ پڑتی رہے اور اس پر لکھی گئی عبارت وہ شخص پڑھ سکے کچھ دیر بعد جب اسے یقین ہوگیا کہ اس نے اس کا پیغام پڑھ لیا ہوگا اس نے پیپر ایک طرف کرتے ہوئے گلی کی جانب دیکھا۔ لیکن یہ دیکھ کر اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ کہ وہ اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ وہ ساکت سی رہ گئی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟ کیا وہ محض دل لگی کی وجہ سے میری توجہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ یہ لڑکی میری طرف متوجہ ہوگئی ہے تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن میں تو اسے یہ بتانا چاہتی تھی کہ میں اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتی جیسے وہ چاہتا ہے۔"

وہ گویا خود کو دلیل دے رہی تھی لیکن یہ ایک حقیقت تھی کہ اس کی عدم موجودگی سے وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ اب یہ اس کی فطری خود پسندی تھی یا کچھ اور وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ غالباً" اسے اپنا اگنور کیا جانا اچھا نہیں لگا تھا۔

اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے خوشبو میں بسے وہ سات آٹھ کاغذ نکال لیے جن پر بے انتہا نفیس اور خوب صورت رائٹنگ میں اس سے محبت کا اظہار کیا گیا تھا۔ ان لفظوں میں تو حقیقت کی چاشنی محسوس کی جا سکتی تھی، کہیں سے بھی یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ بوگس اور وقتی جذبوں سے شکست کھا کر لکھے گئے ہیں۔ اسے لگا اس کی نیند روٹھ گئی ہے۔ آنکھیں جلنے لگیں اور پتلیوں میں ریت کی سی چبھن محسوس ہونے لگی۔ وہ رات اس نے سوتی جاگتی کیفیت سے گزار دی۔ لیکن صبح ہی صبح اس کے دروازے پر ہونے والی

بے ہنگم دستک نے اس کی نیند اڑا دی اس نے تھکے تھکے قدموں سے چلتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر باتونی رجو کھڑی تھی۔ نام تو اس کا رضیہ تھا لیکن ماہ کامل نے اس کی قینچی کی طرح چلتی زبان کی وجہ سے اس کا نام باتونی رجو رکھ چھوڑا تھا۔ کچن کا سارا ہولڈ اسی کے پاس ہوتا تھا۔ لیکن آج اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ نہیں بلکہ تازہ گلابوں کا بکے تھا جس کے اندر ایک چمکتے انویلپ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ کیا ہے باتونی رجو۔۔۔" اس نے آنکھیں سکوڑ کر بکے کی طرف دیکھا۔

"اوہ بی بی جی میں کیا جانوں کیا ہے۔ دیکھنے میں تو پھول ہی لگتے ہیں۔ پر جی میں کچن میں ناشتا پکا رہی تھی کہ چوکیدار نے مجھے آواز دی۔ اب بھلا آپ بتاؤ آملیٹ فرائی پین میں رکھا تھا میں اس کی بات کیسے سنتی جی۔۔۔ میں نے تو کہہ دیا جو کہنا ہے۔ کچن میں آکر کہہ دو میں بڑی مصروف ہوں۔۔۔ اسے تو مرچیں لگ گئیں جی۔۔۔"

"خدا کا واسطہ ہے باتونی رجو یہ صبح صبح تم نے کیا نیوز بلیٹن شروع کر دیا ہے۔ مختصر بات کیا کرو۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ یہ کیا ہے میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کون دے کر گیا ہے اور کس کے لیے ہے۔" ماہ کامل نے بے زاری سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"ہے تو جی یہ آپ کے لیے پر یہ میں نہیں جانتی کون دے کر گیا ہے اس موٹے چوکیدار سے پوچھ لینا آپ خود ہی۔" وہ جواب دے کر برے برے منہ بناتی بڑبڑاتی ہوئی بکے اسے تھما کر چلتی بنی۔ اس نے دروازہ بند کیا۔ بکے میں سے کارڈ نکال کر بکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور کارڈ کھول کر پڑھنے لگی۔

"بے قیمت جذبوں کی پذیرائی کا شکریہ۔

دل محبت کی طاقت پر ایمان لے آیا ہے۔ لیکن اے میرے دل کی سلطنت پر حکومت کرنے والی وینس میں تمہیں کیا بتاؤں کہ تمہارے سامنے آنے کی ہمت کیوں کر نہیں کر پاتا۔ مجھے معاف کر دینا کہ میں

تمہاری یہ آرزو پوری نہیں کر سکتا شاید اس لیے کہ اس دل میں اتنا حوصلہ نہیں کہ تم مجھے دیکھو اور نفرت سے دھتکار کر چلی جاؤ۔ تم نہیں جانتیں لیکن میں خود تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم رشک قمر ہو اور میں چاند گر ہن۔ پتا نہیں محبت پانے کا کیسا جنون تھا جس نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کر دیا اور میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے قابل نہیں تمہاری آرزو کر بیٹھا۔ یا شاید چاند سے محبت کر کے بے بال و پر ہو جانا ہی چکور کا نصیب ہے۔

روحیل۔

اس کے الفاظ سے بے انتہا مایوسی و دلگرفتگی جھلک رہی تھی۔ اس بار اس کے نام کے نیچے اس کا ایڈریس بھی تھا۔ یعنی ایک طرف تو وہ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا لیکن دوسری طرف ایک موہوم سی امید کے سہارے اس نے اپنا پتا بھی لکھ دیا تھا کہ شاید اس کے جذبوں کی سچائیاں ایک ایسی ریشمی ڈوری بن جائیں کہ جن سے بندھ کر ماہ کامل اس کے قریب چلی آئے۔ اس نے کارڈ اپنے پرس میں ڈال لیا۔ اور دل ہی دل میں روحیل سے ملنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے ناقدانہ نگاہوں سے اپنے سراپے پر نگاہ دوڑائی۔ سیاہ رنگ کے جدید تراش خراش کے کاٹن کے سوٹ پر بڑا سا ابرق لگا دوپٹہ اوڑھے پنک لپ اسٹک سے مزین ہونٹوں کے ساتھ وہ بالکل ایسے ہی دکھائی دے رہی تھی جیسے رات کی تاریکی میں چودھویں کا چاند' وہ نیچے اتر آئی اور پھپھو کو ایک دوست کے ہاں جانے کا کہہ کر پورچ میں آ گئی۔ جہاں اس کی بلیک شیراڈ اس کی منتظر تھی۔ گھر سے باہر نکلتے ہی اس کی گاڑی انجانے راستوں پر عازم سفر ہو گئی۔ وہ ایک بے حد پسماندہ علاقہ تھا جس کی گلیاں تنگ اور گندی تھیں۔ ایسی گلیاں جن میں بیک وقت چار افراد اکٹھے نہ چل سکیں۔ سوائے بہت پہلے اپنی گاڑی کو روک کر اترنا پڑا۔

ٹوٹے پھوٹے سولنگ کی وجہ سے وہ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ ننگ دھڑنگ بچے اور پھٹے پرانے پردوں کے پیچھے سے جھانکتی حسرت بھری آنکھیں اسے بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ شاید اس جیسے کسی اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والی ہستی کے بارے میں یہاں کی گلیاں بھی خواب نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن وہ یہ سب نظر انداز کیے آگے بڑھتی گئی اور بالآخر گلی کے اختتامی موڑ پر اسے مطلوبہ دروازہ دکھائی دے گیا۔ گلی کے دیگر گھروں کی طرح اس گھر کے بیرونی دروازے پر پردہ لٹکانے کا تکلف بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس نے قدم اندر رکھتے ہوئے چاروں اور کا جائزہ لیا یہ دو یا تین مرلوں پر بنا ہوا ایک مختصر سا مکان تھا۔ جس کی دیواروں کی ناگفتہ بہ حالت مکین کی معاشی بدحالی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ چند قدم چل کر چھوٹا سا برآمدہ پھر ایک تاریک سا کمرہ..... وہ رک گئی۔

"کوئی ہے....." دور مندر میں گھنٹیاں سی بجی تھیں اور اس کے ہاتھوں سے ادھ جلا سگریٹ چھوٹ کر نیچے اینٹوں کے پختہ فرش پر جا گرا تھا۔

"الوژن....." وہ محبت کے ایسے شعبدے آئے روز دیکھتا رہتا تھا اس لیے اس نے توجہ نہیں دی۔ بس ایک پھیکی زخم خوردہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کے کناروں پر مچل کر معدوم ہو گئی۔ لیکن چند لمحے بعد وہ تڑپ کر اس جھلنگا چارپائی سے اٹھا تھا جب وہ کامنی سا وجود دروازے کے کھلے کواڑوں کے درمیان آن ایستادہ ہوا۔

"تت..... تم....." تحیر کی زیادتی سے اس کی زبان فقط اتنا ہی کہہ سکی۔ نیم تاریکی میں اس کا وجود محض ایک ہیولا سا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن ماہ کامل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی اندھیرے سے نامانوس آنکھیں اس ہیولے پر جمی ہوئی تھیں۔ جواب اس کی نظروں سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ اس کا دل مٹھی میں آ گیا یا شاید پسلیوں کا دباؤ اتنا بڑھ گیا کہ دل کی دھڑکن

کچھ گھٹ سی گئی۔ آذر خان جیسے بزنس مین کی بہن' کالج کی گولڈن اسٹار اسٹوڈنٹ اور اپنے حلقے کی ستاروں میں چاند کی طرح نمایاں ماہ کامل اس سیلن زدہ مختصر سی چار دیواری کے اندر اس کی ہجر زدہ نظروں کے سامنے تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی سی لڑکی اندھیرے سے اپنی آنکھوں کو مانوس کر کے اس کو دیکھنا چاہ رہی تھی۔ اسے تو یہ توقع بھی نہ تھی کہ وہ اس کے گھر تک چل کر آ جائے گی۔

"آیئے..... آیئے بیٹھیے پلیز۔" سلجھا ہوا مردانہ لہجہ کچھ مرتعش سا تھا۔

"مم..... مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ..... آپ مجھ سے ملنے یہاں تک آ گئی ہیں۔"

ماہ کامل کی خوب صورت آنکھیں مسلسل نیم تاریکی میں کھڑے روحیل پر گڑی تھیں۔ قدرے سانولا رنگ' عام سے نقوش کا حامل یہ اونچا لمبا شخص اس کے خیالوں سے مختلف ہرگز نہیں تھا۔ وہ اس کے مسلسل دیکھنے سے قدرے گھبرا گیا۔

"مجھ میں کچھ بھی ایسا نہیں جو آپ کو یا کسی کو بھی متاثر کر سکے۔ تعلیم کے میدان میں اعلا کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود بے روزگار ہوں۔ کسی کو بھی کچھ نہیں دے سکتا۔" اس کی نظریں خود پر گڑی محسوس کر کے روحیل کا لہجہ شرمسار سا ہو گیا۔ شاید اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بزبان نظر اسے طنز کا نشانہ بنا رہی ہے کہ خود کو' اپنی اوقات کو دیکھ کر محبت کا اظہار کرتے۔ زمین پر رہ کر آسمان کو چھونے کی آرزو کوئی احمق یا پھر پاگل ہی کر سکتا ہے۔

"میں جانتا ہوں میں کسی بھی لحاظ سے آپ کے قابل نہیں لیکن محبت تو نام ہی نارسائی کا ہے۔" درد گھل گیا' لہجہ دھیما ہو گیا۔

"کس نے کہا.....؟" دور کہیں پھولوں پر شبنم گری تھی' کسی تتلی نے پھول سے سرگوشی میں کچھ کہا تھا یا بادلوں نے درختوں سے گلے مل کر ان پر مہربانی کر دی تھی۔ یا پھر..... یا پھر آسمان' زمین پر جھک آیا تھا۔ روحیل نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"جی....."

"زندگی میں ہمیشہ سب کچھ ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی کچھ ایسا بھی ہو جاتا ہے جو سب سے ہٹ کر ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ بھی حیران ہوں گے اور شاید میرے سب قریبی بھی..... لیکن۔" وہ ایک پل کو رکی شاید اس لیے کہ جو کچھ وہ کہنے جا رہی تھی وہ ہمیشہ کے لیے تھا۔ اسے اپنا فیصلہ بدلنے کی عادت نہیں تھی۔ زندگی کے ساتھی کے لیے جو تصور اس نے اپنے ذہن میں ترتیب دے رکھا تھا۔ آج وہ تصور اس کے سامنے تھا۔ پھر ہر چیز اضافی تھی۔ کچھ بھی سوچنا اور پھر سوچتے چلے جانا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

وہ چند قدم آگے بڑھ آئی روحیل کے قریب..... اتنے قریب کہ اب اس کی روشن ذہین آنکھوں میں جھانک کر اس کے جذبوں کی سچائی کو پرکھ سکتی تھی۔ ان ذہین آنکھوں میں سچی محبت کی نمی نے اسے اپنی پلکیں جھکا دینے پر مجبور کر دیا۔

"لیکن۔" روحیل کی سانسوں کی ڈوری جیسے ایک ایک لفظ کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی۔

"لیکن یہ کہ میرا دل محبت پر ایمان لے آیا ہے۔" مومی ہاتھ روحیل کے ہاتھ پر رکھ کر اس نے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

"کون کہتا ہے کہ سچے جذبوں کی قدر نہیں کی جاتی؟ کون کہتا ہے کہ محبت کے وجود کو تسلیم نہیں کیا جاتا؟" روحیل نے اپنے بھاری ہاتھ پر دھرے نازک مخروطی ہاتھوں کو دیکھا اس نے خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کیا۔ جس محبت کی اذیت میں اس نے ایک طویل وقت کاٹا تھا۔ اس محبت کی ہمراہی کا احساس اس کے لیے جانفزا اور حیات آفریں تھا۔ زندگی بالآخر اس پر مہربان ہو ہی گئی تھی۔

☼ ☼

روشنی بخاری

آرزو عیب نہیں

سبزہ سبزہ سوکھ رہی ہے پھیکی زرد دوپہر
دیواروں کو چاٹ رہا ہے تنہائی کا زہر
دور افق تک گھٹتی، بڑھتی، اٹھتی، گرتی رہتی ہے
کہر کی صورت بے رونق دردوں کی گدلی لہر
بستا ہے اس کہر کے پیچھے روشنیوں کا شہر

زنداں کی بلند دیواروں کے اُس پار کی دنیا بہت حسین ہوتی ہے ڈھیروں مناظر نظروں سے گزرتے ہیں آوازیں سماعتوں سے ٹکراتی ہیں آزاد اور پر لطف زندگی چاروں طرف رقصاں ہوتی ہے۔ آزادی ایک حسین اور تابناک چیز ہے اس کی قدر و قیمت و اہمیت اس سے پوچھیں جس پر جیل کی چھوٹی سی دنیا میں کائنات محدود کر دی جاتی ہے۔
کرن میں ـــــ نیا سلسلہ "روداد قفس" کے نام سے شروع کیا ــــ ہے جیلوں میں قید خواتین کے حالات و واقعات پر مبنی۔ آخر ایسے کون سے مسائل و حالات تھے جن کی وجہ سے وہ قید و بند کی صعوبتیں اٹھانے پر مجبور ہوئیں۔ اس سلسلے کی کوئی کہانی آپ کے پاس ہے تو ہمیں روانہ کریں۔ ہم نوک پلک سنوار کر اسے شائع کریں گے۔

وسل کی آواز سنائی دی اور پھر فولادی ریلوے ٹریک سے رگڑ کھاتے ٹرین کے وزنی پہیوں نے پلیٹ فارم چھوڑ دیا اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں سے ایک طویل سانس خارج ہوئی اور اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

اب وہ مطمئن تھی۔ ابھرے بلیو کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس آنکھوں پر گاگلز لگائے اور سر پر دوپٹہ اوڑھے وہ بہت خوب صورت نظر آ رہی تھی گو کہ اس کا چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ سے عاری تھا لیکن اس کے دمکتے رخسار، عنابی ہونٹ، بڑی بڑی آنکھیں غلافی پلکیں، گولڈن براؤن گہرے لمبے بال، اکانومی کلاس کے اس کمپارٹمنٹ میں اسے سب سے نمایاں اور ممتاز حیثیت کا حامل بنا رہے تھے۔ لیکن حسن و سادگی کا وہ مجموعہ اپنے ہی خیالوں میں گم کھڑکی سے باہر تیزی سے بھاگتے ہوئے مناظر پر نظریں جمائے کسی سنگی مجسمے کی طرح ساکت اور خاموش تھا۔

ٹرین اب پوری رفتار سے بھاگی چلی جا رہی تھی اور شاید اتنی ہی تیزی سے اس کا دماغ بھی حرکت میں تھا۔

مخملی شام میں اکثر سر صحرا کوئی
مجھ پہ کرتا رہا میری طرح گریہ کوئی
یہ تو ہجر ہے یا رحل رکھا ہوا دکھ
یہ کوئی تو ہے کہ بے تجسم جنازہ کوئی
ریل کی پٹڑی پہ چلتے ہوئے وقت رخصت
رو پڑا دے کے مجھے رات دلاسا کوئی
میرے ہونٹوں پہ تھی ہجرت کی مقدس آیت
رات پیروں سے لپٹتا رہا سایہ کوئی

ٹرین کے پہیے چرچرائے اور پھر اس کی رفتار دھیمی پڑنے لگی کچھ ہی دیر کے بعد ٹرین ایک جھٹکے سے رکی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئی "لانڈھی" اسٹیشن تھا چند لمحوں کے بعد دھپ کی آواز سنائی دی تو اس نے چونک کر دائیں جانب دیکھا! کھچڑی بالوں والی ایک بھاری بھرکم خاتون اس کے برابر آبیٹھی تھیں جن کا منہ جگالی کرنے کے انداز میں مسلسل چل رہا تھا شاید وہ پان تناول فرما رہی تھیں ٹھیک اسی وقت ایک ہچکولہ سا لے کر ٹرین

دوبارہ چل پڑی تو وہ بھی دوبارہ کھڑکی سے باہر متوجہ ہو گئی لیکن وہ زیادہ دیر تک اپنا انہماک قائم نہ رکھ سکی۔

"اے کہاں جا رہی ہو بیٹا؟" پھٹے بانس جیسی وہ کرخت آواز یقیناً" نووارد خاتون کی تھی۔ اس نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

"جی! پنجاب۔"

"کراچی میں رہتی ہو؟" بڑی بی نے ایک اور سوال داغا۔

"جی!" اس نے مختصر جواب دیا۔

"اچھا اچھا بڑا لمبا سفر ہے پنجاب کا، میں تو حیدر آباد تک جاتے جاتے ہی تھک جاتی ہوں، چولیں ہل جاتی ہیں جسم کی، پنجاب کا تو بیس گھنٹے کا سفر بنتا ہے اللہ بخشے نوید کے ابا زندہ تھے تو میں بھی پنجاب جایا کرتی تھی۔"

بڑی بی نے اپنی منزل کا پتا دینے کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی اضافہ کیا اور وہ سوچ رہی تھی کہ نوید یقیناً" ان کا بیٹا ہو گا اور اس کے ابا یقیناً" بڑی بی کے شوہر نامدار ہوں گے جو بڑی بی کو پنجاب لے جایا کرتے ہوں گے۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں تھے جس کی وجہ سے بڑی بی صرف حیدر آباد تک کا سفر کرنے پر مجبور تھیں یا شاید چولیں ہلنے سے خوفزدہ تھیں اس لیے پنجاب نہیں جاتی تھیں بہرحال جو بھی ہو میری بلا سے، اس نے کندھے جھٹکتے ہوئے سوچا لیکن بڑی بی اتنی آسانی سے اس کی جاں بخشی پر آمادہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔

"پڑھتی ہو؟" بڑی بی کا اگلا سوال تھا اور وہ زچ ہو گئی بعض لوگ "تو کون میں خواہ مخواہ" کے مصداق بلاوجہ ہی کمبل ہو جاتے اور بلائے جاں کی طرح نازل ہوتے ہیں۔ بڑی بی بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی تھیں جو یہ جانے بغیر کہ اگلا بندہ ان سے بات کرنے کے موڈ میں ہے یا نہیں خواہ مخواہ ہی بے تکلف ہوئی جا رہی تھیں، وہ تو پہلے ہی پریشان تھی، جتنا بڑا قدم اس نے اٹھا لیا تھا اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید ایسا سوچ بھی نہ سکتی، اندیشے ___ وسوسے، خوف و ہراس، منصوبہ بندی اور نہ جانے کیا کیا اس کے دماغ میں کھچڑی کی طرح پک رہا تھا اور بڑی بی تھیں کہ اس کے دماغ کی دہی کیے جا رہی تھیں۔

"جی نہیں ___!" اس نے صبر کے گھونٹ بھرتے ہوئے قدرے ترشی سے کہا لیکن بڑی بی بھی ایک ہی تھیں انہوں نے اس کے لہجے اور رویے کو ذرا بھی محسوس کیے بغیر اپنے پنڈورا باکس سے اگلا سوال برآمد کیا اور بڑے رسان سے جڑ دیا۔

"اچھا کرتی کیا ہو ___ نوکری؟" اور اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

"پکوڑے بناتی ہوں۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی تو بڑی بی کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن اگلے ہی لمحے انہوں نے شاید اپنی ذمہ داری کے بوجھ کو محسوس کیا اس لیے فوراً" ہی ان کا منہ دوبارہ بند ہو گیا اور وہ گویا ہوئیں۔

"اچھا اچھا! اللہ بخشے نوید کے ابا بھی پکوڑوں کے بڑے شوقین تھے جب تک زندہ رہے میرے ہاتھ کے پکوڑے کھاتے رہے اور اب نوید بھی بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔" اور اس مرتبہ منہ کھولنے کی باری اس کی تھی اور وہ حیرت سے منہ کھولے بڑی بی کو تک رہی تھی پھر وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"یہ نوید کون ہے؟"

"اے میرے شوہر ہیں۔" بڑی بی فخریہ انداز میں بولیں تو اس کی آنکھوں کے ڈھیلے عجیب سے انداز میں حرکت کرنے لگے پھر اس نے بے اختیار پوچھا۔

"اور یہ اللہ بخشے ___ مم، میرا مطلب ہے نوید کے ابا؟" اور دوسرے ہی لمحے جیسے زلزلہ آ گیا اس نے گھبرا کر بغور بڑی بی کے تھل تھل کرتے پہاڑ جیسے جسم پر نظریں جما دیں کافی دیر میں اسے اندازہ ہوا کہ ٹرین میں زلزلہ نہیں آیا بلکہ بڑی بی ہنس رہی ہیں اور ان کا پورا وجود ان کے ساتھ ہنس رہا ہے اعضاء کی شاعری شاید اسی کو کہا جاتا ہے اور جس کسی نے بھی کہا ہو گا یقیناً" اس کی ملاقات ان بڑی بی سے ضرور ہوئی ہو گی۔

"اے لو۔" بڑی بی نے ہنسی کے دوران بمشکل کہا اور پھر ہنسی کو کنٹرول کرنے لگیں۔ جس طرح ٹرین کو بریک لگائی جائے تو وہ بہت دور جا کر رکتی ہے بالکل اسی طرح بڑی بی کی ہنسی بھی کافی دیر میں رکی۔

"تم بھی نری چغد ہو، نوید میرے شوہر ہیں تو ان کے ابا میرے سسر ہوئے نا ___ ہوئے کہ نہیں؟" بڑی بی نے تائیدی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تو اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بڑی بی کی دکھائی دینے والی پان میں لتھڑی ادھ کھلی بتیسی ثابت کر رہی تھی کہ وہ مسکرا رہی ہیں اور وہ ___ وہ واقعی اپنے آپ کو "نری چغد" محسوس کر رہی تھی اس نے گھبرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

☼ ☼ ☼

اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تو اس کی بند ہوتی ہوئی آنکھیں آپ ہی آپ کھلتی چلی گئیں بوسیدہ پلنگ، شکستہ ٹیبل اور پھر اس پر رکھا ہوا وہ زخمی واٹر کولر اسے دور ___ بہت دور دکھائی دے رہا تھا، صدیوں کی مسافت پر ___

"اچھی نوکری کے لیے اچھے مارکس ہونا کافی نہیں ہوتا برخوردار کوئی سفارش ہے؟" اس عیار صورت بوڑھے نے پوچھا تو اسے کہنا پڑا۔

"نو سر۔" بوڑھا اس کی فائل پر نظریں جمائے اس میں سے جیسے کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

"کچھ خرچ کر سکتے ہو؟"

"نو سر۔" اس کا جواب حسب سابق تھا۔

"کوئی تجربہ ہے؟" بوڑھے نے مزید دریافت کیا۔

"نو سر۔" اس کا جواب وہی تھا۔

"مسٹر سانول قزلباش! کیوں اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو! اٹھاؤ اپنے یہ کاغذات اور نکلو یہاں سے۔" عیار صورت بوڑھے نے فائل اس کے منہ پر کھینچ ماری تھی۔ اس کے حلق سے ایک سسکاری سی نکل گئی اس نے کرب آمیز انداز میں آنکھیں بند کر لیں لیکن آنکھیں بند کر لینے سے بلی غائب تو نہیں ہو جاتی؟ حلق میں پڑتے ہوئے کانٹے اور پیاس کی شدت

بھوک پر تو غالب آگئی تھی لیکن پتا نہیں کیوں پر وہ ذہن سے ابھی مناظر کے نقوش دھندلے کرنے میں ناکام رہی تھی جب وہ ان خیالات سے چھٹکارا نہ پا سکا تو پریشان ہو کر اس نے آنکھیں کھول لیں۔ واٹر کولر بدستور اتنے ہی فاصلے پر اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ ہمت تو کرنا ہی تھی، وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھا اور پھر ہمت مجتمع کرتے ہوئے پانی کے کولر کی طرف بڑھا وہ شدید نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ پانی تو اسے اٹھ کر ہی پینا تھا اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس اٹھایا اور پھر کولر کی ٹونٹی پریس کی، پانی پی کر اسے کچھ سکون محسوس ہوا اس نے گلاس واپس رکھا اور کمرے کی ابتر حالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے دوبارہ پلنگ پر جا بیٹھا۔

"مسٹر سانول قزلباش..... اٹھاؤ اپنے یہ کاغذات اور نکلو یہاں سے۔" اس نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لیے جیسے سنائی دینے والی اس آواز سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو، لیکن وہ آواز تو اس کی سماعتوں سے چپک کر رہ گئی تھی۔ کمرے میں تو دوسرا کوئی ذی روح موجود ہی نہیں تھا، یہ آواز تو اس کے اندر سے اٹھ رہی تھی، جو اس کی نس نس کو جھلسائے دے رہی تھی اس کا روم روم زخمی کر رہی تھی اور ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا تھا پچھلے تین مہینوں سے یہی سب کچھ تو ہو رہا تھا چھوٹے سے اس شہر کی ہر اس جگہ جہاں نوکری ملنے کی امید تھی اس نے چکر پہ چکر لگائے تھے اور ہر جگہ مایوسی اور ناکامی نے اس کا تعاقب کیا تھا اس کا باپ سبزی کا ٹھیلا لگاتا تھا لیکن جب تک زندہ رہا اس نے اس کی تمام ضروریات کا خیال اپنی بساط سے بڑھ کر رکھا تھا اور کیوں نہ رکھتا اس کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ بھی بن ماں کا..... سانول کی ماں اس کے بچپن میں ہی اسے باپ کے سہارے چھوڑ گئی تھی اور اس نے اسے کبھی بے سہارا ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا تھا لیکن کب تک ....؟ موت تو ایک تلخ حقیقت ہے جس کے آگے کسی کی نہیں چلتی، کوئی جذبہ، کوئی رشتہ اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا سو یہاں بھی اس نے کام دکھایا اور سانول بے سائبان ہو گیا! لیکن وہ گھبرایا نہیں اونچا لمبا گھبرو جوان تھا وہ، خوب صورت تھا، پڑھا لکھا تھا۔

"بہت ترقی کرے گا میرا بیٹا، بڑا نام اور بڑا پیسہ کمائے گا۔" اس کے باپ نے اس کی فراخ پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا اور سانول کا ہاتھ بے اختیار اپنی پیشانی پر پہنچ گیا۔ لیکن وہ لمس، وہ وجود تو اس دنیا میں موجود ہی نہ تھا۔

سانول کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ سبزی کا ٹھیلا لگانے والے کا بیٹا اور گریجویشن ....؟ دو متضاد چیزیں ہیں نا؟ لیکن ایسا ہوا تھا۔ سانول گریجویٹ تھا۔ "لیکن کیا فائدہ۔" سانول نے دکھ سے سوچا۔ پچھلے تین مہینے سے اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس نے صرف وقت ضائع کیا ہے اور تین دن سے اس نے کھایا بھی تو کچھ نہیں تھا۔

"کیا کروں اس ناکارہ وجود کا، جو اپنے لیے ایک وقت کا کھانا بھی مہیا نہیں کر سکتا؟"

وہ سوچ رہا تھا ٹھیک اسی لمحے ٹرین کی آواز سنائی دی، ریلوے انجن کی وسل ... اور اچانک ہی سانول کے ذہن میں پھلجھڑی سی چھوٹی اور پھر دھیرے دھیرے یہ خیال اس کے ذہن میں پختہ ہوتا چلا گیا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں؟ یہ بہترین حل ہے۔" اس نے مایوسی اور شکستگی کے درمیان جھولتے ہوئے سوچا اور پھر فیصلہ کن انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اب وہ گھر سے باہر نکل رہا تھا پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ ریلوے اسٹیشن کی جانب چلا جا رہا تھا اور یہ انتہائی فیصلہ کرنے کے بعد وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ اس کی نظر میں یہ ایک بہترین فیصلہ تھا اور ٹرین اس کی بہترین معاون ... بس اسے ٹرین کی پٹڑی پر لیٹنا تھا، ٹرین نے چلنا تھا اور پھر.....

☼ ☼ ☼

جیل کے دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد اسے پہلی صورت اسی کانسٹیبل کی نظر آئی تھی جو اسے ریسیو کرنے کے بعد اب اسے "چکر" کی طرف لے جا رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ "چکر" کیا چیز ہے؟ پھر اسے ایک دفتر کے سامنے روکتے ہوئے بولی۔

"جاؤ "چکر" میں جا کر اپنا اندراج کرواؤ۔" اور وہ طویل سانس لیتی ہوئی اس دفتر میں داخل ہو گئی جو بقول لیڈی کانسٹیبل کے "چکر" تھا۔

"نام؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا اور وہ اس کرخت صورت بڑھیا کی طرف دیکھتی رہ گئی جو وردی پہنے بڑے طمطراق سے ریوالونگ چیئر پر براجمان تھی۔

"اونچا سنتی ہے کیا؟ میں اپنا سوال دوہرانے کی عادی نہیں سمجھی نام بولو اپنا؟" اور اس نے ہاتھ میں موجود کارڈ اس کے سامنے رکھ دیا۔ کرخت صورت بڑھیا نے ایک نظر کارڈ کی طرف دیکھا پھر میز پر پڑی بید کی چھڑی اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں نے تیرا گنتا نہیں مانگا مجھے پتا ہے کہ اس پر تیرے کرتوت درج ہیں منہ سے بھونک نام؟" اور وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

"حبا چوہدری۔"

"جرم؟" کرخت صورت بڑھیا نے اگلا سوال کیا۔

"302۔" حبا نے لاپروائی سے کہا تو کرخت صورت بڑھیا سنبھل کر بیٹھ گئی اس نے کارڈ اٹھا کر غور سے دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے ایک رجسٹر کھول کر اس میں کچھ اندراجات کرنے لگی۔

"نور جہاں؟" بڑھیا نے آواز دی تو وہی بدصورت لیڈی کانسٹیبل اندر داخل ہوئی جس نے اسے ریسیو کیا تھا اور جیل میں اس کی پہلی میزبان تھی۔

"نشان لو اس کے۔" کرخت صورت بڑھیا نے بدصورت لیڈی کانسٹیبل سے کہا جو بقول اس کے "نور جہاں" تھی۔ پھر طوہاً" و کرہاً" دونوں ہاتھوں کی ساری انگلیوں کے نشانات ایک رجسٹر پہ ثبت کرنے پڑے، اس کے بعد اس کی ہائیٹ ماپی گئی، ٹھیک اسی لمحے ایک دلدوز چیخ کی آواز سنائی دی اور پھر جیسے چیخوں کی مشین اسٹارٹ ہو گئی۔ حبا نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا پھر اس کی نظریں کرخت صورت بڑھیا کے چہرے پر جم گئیں جس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ تھی، خباثت سے بھرپور.....! پھر وہ میز کے پیچھے سے نکلی اور بولی۔

"باہر نکلو۔" اور حبا پلٹ کر تیزی سے باہر نکلی جیل کے احاطے کی سینٹر میں موجود تھا یہ دفتر، جسے چکر کہا جاتا تھا۔ چکر کے دروازے کے قریب ہی زمین میں درخت کا ایک تنا گاڑا گیا تھا اس کے اوپر بھی ایک تنا اس انداز میں نصب کیا گیا تھا کہ دور سے دیکھنے پر وہ دونوں تنے مل کر صلیب کا سا تاثر دے رہے تھے۔ لیکن دیکھنے کی بات یہ تھی کہ اس وقت تنے پر ایک عورت کو اس انداز میں اوندھا باندھا گیا تھا کہ اس کے دونوں بازو دونوں سائیڈوں پر کر کے اوپر رکھے تنے سے باندھے گئے تھے۔ ایک لمبی تڑنگی گرانڈیل عورت جس کے بازوؤں کے مردوں کی طرح مسلز تھے اس کے ہاتھ میں بید کی ایک لمبی چھڑی تھی جو بھیگی ہوئی بھی نظر آ رہی تھی۔ گرانڈیل عورت باؤلنگ کروانے کے اسٹائل میں دور سے بھاگتی ہوئی آئی اور اس کے ہاتھ میں موجود چھڑی شڑاپ کی آواز کے ساتھ بندھی ہوئی عورت کے وجود سے ٹکرائی اور وہاں سے خون آلود دھار سی بلند ہوئی گرانڈیل عورت جو کانسٹیبل کی وردی میں تھی لذت آمیز انداز میں چند لمحے اچھل کود مچاتی رہی پھر اس نے دوبارہ اسٹارٹ لیا اور بید کی وہ منحوس چھڑی ایک مرتبہ پھر شڑاپ کی آواز کے ساتھ اس بدنصیب عورت کے وجود سے ٹکرائی خون کے چھینٹے اڑے اور بندھی ہوئی عورت کی گردن ڈھلک گئی اس کی چیخوں کو بریک لگ چکا تھا۔ حبا نے بے اختیار ایک جھرجھری سی لی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ لڑکھڑا کر رہ گئی اس کی گدی پر ایک دھماکہ سا ہوا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اسے ایک زوردار دھپ رسید کی گئی ہے۔

وہ تیزی سے پلٹی کرخت صورت بڑھیا کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"یہاں اکڑ فوں نہیں چلتی جو اکڑ باز ہوتی ہیں ان کا انجام یہی ہوتا ہے، بھینس کی طرح ڈکراتی ہیں پھر..... یہاں صرف حکم کی تعمیل کرے گی تو اچھی رہے گی سمجھی

.....؟" اور پھر وہ کانسٹیبل سے مخاطب ہوئی۔
"نور جہاں! اسے بیرک نمبر 5 میں چھوڑ دو۔"
"یس میڈم۔" نور جہاں نے کہا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف چلنے لگی۔ حبا نے اردگرد نظریں دوڑائیں تو اسے جا بجا قیدی عورتیں چلتی پھرتی نظر آئیں لیکن ساتھ ہی اکثر مقامات پر خواتین پولیس اہلکار بھی نظر آ رہی تھیں حبا کو محسوس ہوا کہ ہر آنکھ اسے گھور رہی ہے اور ہر کوئی اس کی طرف متوجہ ہے۔ یہ صرف اس کا احساس تھا یا حقیقتاً" ایسا ہی تھا ابھی وہ اس کا فیصلہ بھی نہ کرپائی تھی کہ اس کی رہنمائی کرنے والی لیڈی کانسٹیبل اسے لیے ایک راہداری میں داخل ہو گئی جس کے دونوں طرف سلاخ دار دیواریں نظر آ رہی تھیں جن کے عقب میں بڑے بڑے ہال کمرے سے بنے ہوئے تھے جن کے بھاری آہنی دروازے بھی سلاخ دار تھے اور جن پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔

نور جہاں ناک کی سیدھ میں چلی جا رہی تھی جب کہ حبا اردگرد کے ماحول کا بغور مشاہدہ کر رہی تھی۔ اچانک سامنے سے پولیس کی وردی میں ملبوس ایک اور بھاری بھرکم بھدے نقوش والی عورت نمودار ہوئی تو نور جہاں نے اسے سلام کیا دونوں نے رک کر ایک دوسرے کا حال دریافت کیا پھر بھدے نقوش والی عورت کی نظر حبا پر پڑی تو اس نے نظروں ہی نظروں میں جیسے اس کا ایکسرے کر ڈالا پھر وہ نور جہاں سے مخاطب ہوئی۔
"ارے نور جہاں! یہ نئی چڑیا کون ہے؟" اور نور جہاں نے کہا۔
"پانچ نمبر کی نئی مہمان ہے تین سو دو میں آئی ہے چل تیرے "ڈھیٹے" کا اضافہ تو ہوا کشور۔" اس کی بات سن کر دونوں ہنسنے لگیں اور حبا کو نئی کانسٹیبل سے آگاہی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نئے لفظ سے بھی آشنائی حاصل ہوئی وہ سوچ رہی تھی کہ یہ "ڈھیا" کیا بلا ہے۔
"چل مہارانی! آگے چل تجھے تیرے شیش محل تک پہنچا دوں۔" نور جہاں اس سے مخاطب ہوئی تو اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔ جبکہ کشور وہیں کھڑی اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ پھر ایک دروازے پر پانچ کا ہندسہ نظر آیا تو نور جہاں کے قدم رک گئے۔
"چل مہارانی! یہ ہے تیرا رین بسیرا۔" نور جہاں نے اسے کمرے میں دھکیلتے ہوئے کہا اور خود واپس مڑ گئی! یقیناً" یہی بیرک نمبر پانچ تھا..... جونہی اس نے قدم بڑھائے اس کے کانوں سے ایک سریلی آواز ٹکرائی۔

چھمک چھلو ، ذرا دھیرے چلو
ورنہ جاؤ گی پھسل ، لچک جائے گی پتلی کمر
چھمک چھلو ہواو او او

کمرے میں دونوں دیواروں کی لمبائی کے ساتھ ساتھ فرش پر بستر بچھے ہوئے نظر آ رہے تھے جن پر تکیے دیوار کی سمت رکھے گئے تھے درمیان میں ایک راہداری سی بنی ہوئی تھی جس کے دونوں اطراف بھانت بھانت کی رنگ برنگی عورتوں کے پاؤں تھے۔ ہر نظر اسی پر جمی ہوئی تھی اور پھر اسے وہ سریلی آواز والی دھان پان سی خوب صورت لڑکی بھی نظر آ گئی جو کہنیاں زمین پر ٹکائے دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ سجائے اسی کی طرف متوجہ تھی اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر تان بلند کر رہی تھی۔

چھمک چھلو ذرا دھیرے چلو

پھر ایک بھاری بھرکم عورت تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آ گئی اور بولی۔
"حضور والا کون سا کام کیا جو یہاں تشریف آوری ہوئی؟"
"نام کیا ہے؟" ایک دوسری عورت نے قریب آ کر پوچھا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور پھر بولی۔
"حبا چوہدری۔"
"حبا کسے کیا ذبح؟" پہلی والی نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے پوچھا اور وہ مسکرا کر رہ گئی ذرا سی دیر میں اس کے اردگرد اچھا خاصا ہجوم جمع ہو گیا تھا پھر اس کی نظر سریلی آواز والی اس دھان پان سی لڑکی پر پڑی جو تیزی سے

اس کے قریب آئی اور پھر چیل کی طرح اس پر جھپٹی، اس نے گھبرا کر دونوں ہاتھ آگے کیے تو اس نے اس کے ہاتھ میں موجود کارڈ پر حملہ کر دیا اور پھر اگلے ہی لمحے کارڈ اس کے ہاتھ میں تھا اور شاید اس کا ہدف بھی یہی تھا۔
"قتل میں آئی ہے۔" اس کے حلق سے مسرت آمیز نعرہ بلند ہوا جبکہ نظریں بدستور کارڈ پر پھسل رہی تھیں پھر وہ تیزی سے اس کے قریب آئی اور اس کا کندھا تھپکتے ہوئے بولی۔
"شاباش! یہ کیا نا مردوں والا کام، اگر چوری، ڈکیتی یا عاشقی معشوقی میں آتی تو سب کی خدمت ہی کرتی لیکن اب ایسا نہیں ہو گا، سنو! ہٹو سب ہٹ جاؤ آج سے یہ نوری کی "کھڈے وال" ہے۔" اور وہ سوچ کر رہ گئی کہ اب یہ "کھڈے وال" کس بلا کا نام ہے؟ اور وہ سب تتر بتر ہونے لگیں پھر وہ بھاری بھرکم عورت جاتے جاتے مڑ کر بولی۔
"خیال کرنا چوہدرانی! یہ نوری بڑی "رنگ باز" ہے۔ پھر نہ کہنا کسی نے بتایا نہیں۔" نوری نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ حبا آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی نوری کے ساتھ اس کے بستر پر آ بیٹھی جس کے سرہانے کی سائیڈ پر ایک ڈھکن لگا کنستر رکھا ہوا تھا جس پر کالا رنگ کیا گیا تھا اور سفید رنگ سے لکھا ہوا تھا نوری ولد غلام باری بیرک نمبر 5 پھر اس کی نظروں نے مزید گردش کی تو اسے معلوم ہوا کہ دیوار کے ساتھ ایسے ہی کنستر قطار در قطار ہر بستر پر موجود ہیں۔
"پتا ہے جب چکر میں حوالدارنی نے تجھے تھاپ ماری تھی اور تو گرتے گرتے بچی تھی میں نے تجھے تبھی دیکھ لیا تھا، گی تو تھی بالی کو دیکھنے پر نظر آئی تو....." نوری نے کہا تو حبا کو اندازہ ہو گیا کہ وہ تھاپ کسے کہہ رہی ہے اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی گدی سہلانے لگا۔
"یہ بالی کون ہے؟" حبا نے سوال کیا۔
"ارے وہی جسے ٹکٹکی پر باندھ کر کوڑے لگائے جا رہے تھے بڑی ہی "ڈنگی" (ٹیڑھی) عورت ہے، اس نے کٹ سے وار کر کے شائنل کو زخمی کر دیا تھا جیلر صاحبہ کے حکم سے اسے کوڑے لگائے جا رہے تھے پر وہ بے ہوش ہونے کا ڈرامہ کر گئی۔" نوری نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔
"اچھا یہ "کٹ" کیا چیز ہے؟" اس نے سوال کیا تو نوری گریبان میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولنے لگی پھر جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں اسٹیل کا ایک چمچہ تھا جس کی ڈنڈی والی پتلی سائیڈ کو گھس کر تیز دھار کی شکل دے دی گئی تھی۔
"یہ کٹ ہے۔" نوری نے اسے دکھانے کے بعد چمچہ واپس محفوظ کر لیا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے کشور نامی عورت کمرے میں داخل ہوئی اور ڈنڈا لہرا کر بولی۔
"چلو، چلو گنتی کرواؤ چلو۔" اور سب اٹھ کر بھیڑ بکریوں کی طرح باہر نکلنے لگیں وہ اور نوری بھی باہر نکل کر قطار میں شامل ہو گئیں۔ گنتی کے بعد انہیں واپس بیرک میں داخل کیا گیا اور اس کے دروازے میں باہر سے تالا ڈال دیا گیا۔
"گنتی روزانہ صبح و شام دونوں وقت ہوتی ہے شام کو گنتی کے بعد یہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور صبح کھلنے کے بعد پھر گنتی کی جاتی ہے۔" نوری نے رضاکارانہ طور پر اسے معلومات فراہم کیں۔
"اچھا نوری! یہ کھڈے وال کیا ہوتا ہے؟" حبا نے پوچھا۔
"کھڈا ہم بستر کے لیے مخصوص جگہ کو کہتے ہیں اور اس جگہ پر رہنے والے ساجھے دار "کھڈے وال" ہوتے ہیں۔" نوری نے جواب دیا۔
"اچھا ایک بات اور بتاؤ یہ "ڈھیا" کیا ہوتا ہے؟" حبا نے ایک ایک کر کے اپنی ساری الجھنیں دور کرتے ہوئے لجاجت آمیز انداز میں سوال کیا۔ تو نوری پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔
"ارے چوہدرانی! سب کچھ آج ہی پوچھ لے گی؟ چل تو بھی کیا یاد کرے گی "ڈھیا" یہاں موجود پولیس والیوں کی اوقات کا نام ہے۔ صرف دس کا نوٹ دے دو اور مزے کرو دس کے نوٹ کو جیل کی زبان میں "ڈھیا"

کہتے ہیں۔" حبا اس کے جواب سے مطمئن ہو گئی۔
"نوری! تم گاتی بہت اچھا ہو۔" اس نے مسکہ لگایا۔
"اچھا..." نوری خوش ہو کر بولی۔
"چل پھر تجھے گانا سناتی ہوں۔" اس نے کنستر اٹھا کر گود میں رکھا اور پھر سلاخوں کے پیچھے اس کی آواز بلند ہونے لگی کنستر میوزک دے رہا تھا۔

اللہ جانے وے ماہی ' وے تیرا پیار کی اے
وے دل دی اداسی نئیں جاندی
ہو دل دی اداسی نئیں جاندی
کم کرنا ہندا ہور کوئی میں ہور کوئی کر لینی آں
میں جاناں ہندا ہور کتے میں تیرے ول تڑپنی آں
اللہ جانے وے ماہی وے تیرا پیار کی اے
وے دل دی اداسی نئیں جاندی

جیل کا پرہیبت ماحول' اسیری کا احساس' رات کی تاریکی' سناٹا اور نوری کی سیریلی آواز سماں بندھ گیا تھا سب ہی اپنی اپنی جگہ بے خود سی ہو کر سر دھن رہی تھیں اور نوری تان اٹھا رہی تھی۔

جنہاں روز اڈیکاں بجناں دیاں ' بوہے کھلے رکھ دے نیناں دے
جنہاں نیناں نوں تاہنگاں یار دیاں اوہ نین وچارے نئیں سوندے

اللہ جانے وے ماہی وے تیرا پیار کی اے
وے دل دی اداسی نئیں جاندی
بڑا پیارا لگناں ایں جدوں کول بہناں ایں
جنیں واری ماہیا مینوں اپنی تو کہناں ایں
پتہ نئیں مینوں ہندا اے ہر وار کی اے
وے دل دی اداسی نئیں جاندی

اور حبا کی آنکھیں خوابناک ہو گئیں وہ اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہو چکی تھی اس کا پورا وجود اس کی سماعت بن گیا تھا جہاں چاروں طرف صرف نوری کی آواز کی گونج تھی اور تخیل کے پردے پر ایک دھندلی سی شبیہہ نمودار ہو رہی تھی' ایک عکس تھا جو دھیرے دھیرے ابھر کر واضح ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ایک خوب صورت اور وجیہہ صورت! اس کے حلق سے ایک سسکاری سی بلند ہوئی" سانول!" ادھر نوری کی آواز گونج رہی تھی۔

تیرے کولوں دور رہناں ہو گیا محال اے
ہر ویلے رہندا مینوں تیرا ای خیال اے
سوچاں میں ہر ویلے ایہہ وچار کی اے
وے دل دی اداسی نئیں جاندی
اللہ جانے وے ماہی' وے تیرا پیار کی اے
وے دل دی اداسی نئیں جاندی
وے ڈھولا ' وے سانولا ' دل دی اداسی

☼ ☼ ☼

چھوٹا سا اسٹیشن تھا' ٹرین رکی تو وہ بریف کیس اٹھائے نیچے اتری اور پھر متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی' اسٹیشن چھوٹا ضرور تھا لیکن اب اتنا چھوٹا بھی نہیں تھا کہ پلیٹ فارم پر چہل پہل نظر نہ آتی' بہت سے لوگ اتر رہے تھے' بہت سے لوگ سوار ہو رہے تھے۔ لوگ بھاگ دوڑ رہے تھے جن میں مسافر بھی تھے' قلی بھی تھے اور سودا سلف بیچنے والے لوگ بھی... اس نے گہری نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ پلیٹ فارم نمبر دو پر اتری ہے پلیٹ فارم پر بنے آہنی سائبان کے آخری کنارے اسے دو کا ہندسہ لٹکتا ہوا نظر آ گیا تھا۔

اسٹیشن پر تو اس وقت خاصی ہلچل اور رونق نظر آ رہی تھی لیکن اردگرد جھاڑیاں' ببول کے درخت اور سرکنڈے جنگل میں منگل کا نظارہ پیش کر رہے تھے ایسا لگتا تھا کہ یہ اسٹیشن کسی ویرانے میں واقع ہو لیکن جو بھی تھا وہ اس اسٹیشن پر اتر گئی تھی کیونکہ شاید اس کی منزل ہی یہی تھی۔ وہ بریف کیس اٹھائے پلیٹ فارم پر بنے ایک سنگی برتھ کی جانب بڑھی اور اس پر بیٹھ گئی پھر اس نے پرس میں سے موبائل نکالا نمبر پش کیا اور کان سے لگا لیا۔ "دی نمبر یو ہیو ڈائلڈ از پاورڈ آف۔" ریکارڈنگ سنائی دینے پر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی' اس نے راستے میں بھی ایک دو مرتبہ کوشش کی تھی لیکن یہی آواز سنائی دی تھی۔

"لیکن تب تو رات کا وقت تھا' اب تو دن ہے پھر ایسا کیوں؟" اس نے حیرانی سے سوچا۔

اور پہلے تو کبھی رات میں بھی نمبر بند نہیں ہوتا تھا وہ تو کئی مرتبہ ساری ساری رات بھی بات کر چکی تھی۔ اس نے ایک دو مرتبہ مزید کوشش کی' لیکن یہی صورت حال برقرار رہی پھر رفتہ رفتہ اس کی حیرانی پریشانی میں تبدیل ہونے لگی' اسے خود پر غصہ بھی آ رہا تھا وہ سوچ رہی تھی' کیا کراچی سے پنجاب تک کا یہ سفر بے کار جائے گا؟ اس نے تو واپسی کا کوئی راستہ ہی نہیں رکھا تھا۔

"نہیں نہیں! اس کے ساتھ دھوکا نہیں ہوا' یقیناً کوئی مجبوری ہو گئی ہو گی' انتظار کرنا چاہیے۔" اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔ لیکن کب تک؟ ٹرین جا چکی تھی' پلیٹ فارم ویران ہو گیا تھا اور اب وہ اکیلی وہاں بیٹھی عجیب سی لگ رہی تھی لیکن اسے بیٹھنا ہی تھا۔ جاتی بھی تو کہاں؟ ہاں موبائل پر بار بار ٹرائی کر رہی تھی لیکن بے سود نمبر بدستور آف جا رہا تھا۔ دو تین مزید ٹرینیں آئیں اور کچھ دیر رک کر چلی گئیں لیکن اس کی مراد بر نہ آ سکی۔ نہ تو وہ آیا' جس کی وہ منتظر تھی اور نہ ہی نمبر آن ہوا' صبح سے شام ہو گئی تھی اور وہ؟ اس کی پریشانی عروج پر پہنچ چکی تھی' اس وقت بھی ایک ٹرین اسٹیشن پر موجود تھی جب اس نے بریف کیس اٹھایا اور ٹرین کے ساتھ انجن کی سمت چلنے لگی گاگلز اب اس کی آنکھوں کی بجائے پیشانی سے اوپر بالوں پر ٹکے ہوئے تھے اور اس کی غلافی آنکھوں میں اس وقت شدید پریشانی کے آثار تھے۔

وہ پل کے راستے بھی دوسری جانب جا سکتی تھی لیکن اس کا ارادہ انجن کے سامنے سے گزر کر دوسری جانب جانے کا تھا جو پلیٹ فارم کے آخری کنارے پر موجود تھا۔ جونہی وہ انجن کے اگلے حصے کی جانب بڑھی اچانک ہی دوسری جانب سے نکل کر وہ اس کے سامنے آ گیا۔ الجھے اور بکھرے ہوئے بال' شکنوں بھری مسلی ہوئی شرٹ' جس کے بٹن کھلے ہوئے' بڑھی ہوئی شیو... لیکن! ایک وجیہہ اور پرکشش شخصیت کا مالک جو سر نیہوڑائے ریلوے ٹریک کراس کرنے کے بعد اب اس کے ساتھ ساتھ سیدھا چل رہا تھا۔ نہ جانے اس کے دماغ میں کیا آئی کہ یک دم اس کے ہونٹوں سے آواز برآمد ہوئی۔

"ایکسکیوز می! اے ہیلو۔" اس کی آواز سن کر اس نے ایک لمحے کو مڑ کر دیکھا تو وہ بولی۔

"آپ ہی سے مخاطب ہوں' پلیز ایک منٹ کے لیے میری بات سن لیں" اور اس کے آگے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گئی اور گویا ہوئی۔

"دیکھیے میں... میں کراچی سے آئی ہوں اور اس وقت بہت مصیبت میں ہوں پلیز میری مدد کریں۔" وہ بالکل خاموش کھڑا ایک ٹک اسے تکے جا رہا تھا' حیرت کا سا انداز تھی۔

"وہ دراصل... یہاں میرا کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے اور میں صبح سے پلیٹ فارم پر بیٹھی ہوں۔"

"تو میں کیا کروں؟ واپس چلی جاؤ۔" اس کا جواب اور لہجہ رکھائی سے بھرپور تھا۔ اسے ایک دھچکا سا لگا اور وہ ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

نال سلوک دے بول وے ماہی
اسیں ہاں پردیسی پکھی
تیں محبوب دے ویکھن کارن
بیٹھے روز امیداں رکھی
جد تک توں سانوں نظر نہ آویں
ساڈی تک تک جاون اکھی
غلام فریدا اوہ کدی وی نہ مڑدے
جنہاں لذت عشق دی چکھی

اسے شاید اس کی آنکھوں کا یہ عالم دیکھ کر کچھ ترس آ گیا یا شاید اسے اپنے لہجے کی کڑواہٹ کا احساس ہو گیا جب وہ دوبارہ بولا تھا تو اس کا لہجہ کافی حد تک نرم تھا۔

"دیکھو میں ایک بے روزگار اور ناکارہ انسان ہوں' تین دن سے میں نے کچھ نہیں کھایا اور سچ بتاؤں میں گھر سے اسی ٹرین کے نیچے آ کر خود کشی کرنے کے

ارادے سے نکلا ہوں' میرے جیسا انسان کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ اپنی مدد کے لیے کوئی اور راستہ ڈھونڈو' جاؤ اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو ٹرین چلنے سے پہلے مجھے آگے جا کر ٹریک پر لیٹنا ہے سمجھیں۔" اور پھر وہ ایک جھٹکے سے مڑ کر چلنے لگا اور اس کا دل جیسے مٹھی میں آگیا۔

"یہ کیسا انسان ہے؟ نہیں' نہیں اسے مرنا نہیں چاہیے۔" اس نے سوچا اور پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے دوبارہ اس کی جانب لپکی۔

"اے! ہیلو ایک منٹ..... میں نے بھی کل سے کھانا نہیں کھایا اگر تم اپنا خود کشی کا پروگرام تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کر دو تو پہلے کھانا کھا لیتے ہیں' جب مرنا ہی ہے تو بندہ کھا پی کر تو مرے۔" اور وہ رک کر اسے گھورنے لگا۔

"مم..... میرا مطلب ہے کھانا میں کھلاتی ہوں تمہیں' اس بہانے میں بھی کھا لوں گی' دو..... دراصل میں نے کبھی اکیلے کھانا نہیں کھایا اور یہاں تو میں بالکل اجنبی ہوں کسی کو جانتی تک نہیں..... سچی!" اس نے مسکین صورت بناتے ہوئے کہا اور جملہ مکمل کرتے ہی زبان دانتوں تلے دبا لی۔

"لڑکی دلچسپ ہے۔" اس نے سوچا پھر مسکراتی آواز میں بولا۔

"آؤ میرے ساتھ!" اور وہ زمین پر سے بریف کیس اٹھاتے ہوئے بے ساختہ بولی۔

"یعنی مرنے کا پروگرام کینسل؟" جواباً اس نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ دوبارہ زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

بہت سے شاپنگ بیگز اٹھائے جب سانول دوبارہ گھر میں داخل ہوا تو نیوی بلیو کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس وہ خوب صورت لڑکی اس کے ہمراہ تھی' اس نے کمرے میں پہنچ کر تمام شاپنگ بیگز کمرے میں موجود اکلوتی ٹیبل پر رکھے اور مڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا جو گہری نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

"میرے پاس تمہارے بیٹھنے کے لیے اس خستہ حال پلنگ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے' تم بیٹھو میں کچن میں کوئی برتن وغیرہ دیکھتا ہوں۔" سانول نے کہا تو وہ بولی۔

"نہیں تم نے پہلے ہی تین دن سے کچھ نہیں کھایا اوپر سے "قلی" کا کام بھی کرنا پڑا ہے تمہیں۔" اس نے شاپنگ بیگز کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت آمیز انداز میں کہا۔

"تم بیٹھو کھانا میں لگاتی ہوں۔" پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ میز پلنگ کے قریب رکھی تھی اور اس پر چکن بروسٹ' دہی بڑے' چپاتیاں اور کیلے سیب وغیرہ سجے ہوئے تھے اور وہ دونوں ایک ہی پلنگ پر بیٹھے ان چیزوں کے ساتھ پورا انصاف کر رہے تھے۔

"ہاں! اب بولو' کون ہو تم اور کیا مصیبت ٹوٹی ہے تم پر؟" سانول نے اسپرائیٹ کا سپ لیتے ہوئے سوال کیا۔ دونوں نے ڈٹ کر کھانا کھایا تھا اور حواس بحال ہوتے ہی تجسس نے سر ابھارا تھا۔ لڑکی نے پر خیال انداز میں اسے گھورا اور پھر ہونٹ سکوڑتے ہوئے بولی۔

"نام جان سکتی ہوں تمہارا؟"

"سانول قزلباش!" اس کا جواب تھا۔ وہ چند لمحے تک اس کے چہرے کو تکتی رہی پھر بولی۔

"مسٹر سانول! میں دنیا کے بارے میں اتنا زیادہ نہیں جانتی' انسانوں کو پرکھنا بھی مجھے نہیں آتا' شاید یہی وجہ ہے کہ میں آج اس طرح اس حال میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں' کچی عمر کے خواب..... انہی خوابوں کا شکار ہوئی ہوں میں۔"

"اللہ رے غلط فہمیاں..... اب اتنی کچی عمر بھی نہیں ہے تمہاری۔" سانول نے بے ساختہ کہا تو اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں تمہیں بوڑھی نظر آتی ہوں؟ انیس سال عمر ہے میری' بس نہیں بتاؤں گی میں کچھ بھی۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"سوری بابا! سوری اب کچھ نہیں بولوں گا۔ بس.....!" سانول نے کان پکڑتے ہوئے کہا تو اس کا موڈ کچھ بہتر ہوا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر دوبارہ گویا ہوئی۔

"میں نہیں جانتی کہ کس پر کس حد تک اعتبار کرنا چاہیے؟ کرنا بھی چاہیے یا نہیں! تم کون ہو کس طرح کے آدمی ہو؟ میرے بارے میں جان کر تمہارا کیا رویہ ہو گا؟ کیا سلوک کرو گے میرے ساتھ؟ کچھ بھی نہیں جانتی میں پتا نہیں کیوں دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں سب کچھ سچ بتا دوں..... آگے جو بھی ہو گا وہ تو ہو کر رہے گا۔ حبا چوہدری نام ہے میرا۔ اس نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر دوبارہ گویا ہوئی۔

"چوہدری گروپ آف انڈسٹریز کا نام سنا ہو گا تم نے؟ اس کے مالک اعجاز چوہدری ہیں اور میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں۔" سانول نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اور خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا' ایک لمحے کے لیے حبا نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر جیسے کچھ کھوجنے کی کوشش کی لیکن خاموش جھیل نما آنکھوں میں سکوت ہی سکوت تھا پھر وہ دوبارہ گویا ہوئی۔

"پاپا کا بہت بڑا بزنس ہے اور دنیا کے بہت سے ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ کبھی وہ لندن ہوتے ہیں تو کبھی پیرس' کبھی سنگاپور تو کبھی بنکاک' بچپن ہی میں ماما کا انتقال ہو گیا اور میں تنہا رہ گئی پاپا کو اس بات کا پورا پورا احساس تھا سو انہوں نے میرے لیے ملازموں کی فوج جمع کر دی لیکن ایک باپ مہیا نہ کر سکے ظاہر ہے ان کی بھی مجبوری تھی اتنا بڑا بزنس تھا اگر اس کی دیکھ بھال وہ خود نہ کرتے تو کون کرتا؟ سو میں نے بھی ان سے کبھی شکایت نہیں کی اور اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھال لیا اسکول لائف' کالج لائف تو بہت سی دلچسپیوں کی حامل تھی سو میں نے ہمیشہ خود کو مصروف رکھا لیکن گریجویشن کے بعد میری طبیعت اچاٹ ہو گئی اور میں نے تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا پاپا نے بہت کوشش کی کہ میں ماسٹر ڈگری حاصل کر لوں وہ مجھے فارن بھیجنے پر رضامند تھے لیکن میں نے ان کی ایک نہیں سنی! ناچار وہ تھک ہار کر ایک بزنس ڈیل کی خاطر دوبئی روانہ ہو گئے۔ کچھ دن تک تو سب ٹھیک رہا لیکن پھر میں گھر کے لگے بندھے معمول سے بھی بے زار ہو گئی؟ میں نے اپنے لیے نئی دلچسپیاں تلاش کرنا شروع کر دیں۔ کتابیں' موبائل' انٹرنیٹ..... اور پھر مجھے رحمٰن سمیر ملا فیس بک پر' پہلے چیٹ ہوتی رہی بہت دنوں تک..... پھر موبائل پر رابطہ ہو گیا۔ بہت اچھی گفتگو کرتا تھا وہ اور یوں رفتہ رفتہ میں اس کی عادی ہوتی چلی گئی اتنا کہ اگر کسی دن اس سے میری بات نہ ہوتی تو میں سخت بے چین ہو جاتی' مجھے یوں لگتا کہ میں کہیں پر کچھ رکھ کر بھول گئی ہوں یا میری کوئی قیمتی چیز گم ہو گئی ہو عجیب سی فیلنگز ہوتی تھیں میری..... پھر سمیر نے مجھے بتایا کہ اس بیماری کو محبت کہتے ہیں تو مجھے لگا کہ ہاں سچ ہی تو ہے مجھے شاید اس سے محبت ہو گئی ہے۔

پھر ہمارا ملنے کا پروگرام بننا شروع ہوا سمیر چاہتا تھا کہ ہم فیس ٹو فیس ملاقات کریں لیکن میں چاہتی تھی کہ ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں سو میں نے پاپا سے بات کی پاپا نے تحمل سے میری بات سنی' میں نے نیٹ پر سمیر کی تصویر بھی انہیں دکھائی تب پاپا نے پوچھا۔

"کرتا کیا ہے یہ لڑکا؟" اور میں نے سچ بولا میں نے انہیں بتا دیا۔

"پاپا سمیر گریجویٹ ہے لیکن فی الحال جاب لیس ہے۔"

میری بات سن کر پاپا طیش میں آ گئے وہ بولے۔

"بیٹا آپ کروڑوں روپے کی جائیداد کی مالک ہو' چوہدری گروپ آف انڈسٹریز کا ایک نام ہے پوری دنیا میں اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ ایک سڑک چھاپ بھک منگے کے ہاتھ دے دوں؟ تب سانول..... تب مجھے لگا کہ میرے پاپا میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ وہ انسانیت کی تذلیل تھی سانول! امیری' غریبی' وہی دقیانوسی اور گھسی پٹی فلمی سچویشن' اونہہ مائی فٹ....."

اس نے غصے سے گردن جھٹکتے ہوئے ایک نظر سانول کی طرف دیکھا لیکن جب وہ خاموشی سے ہمہ تن

گوش رہا تو وہ سلسلہ کلام دوبارہ جوڑتے ہوئے بولی۔

"میں نے پوری زندگی کچھ بھی تو نہیں مانگا تھا پاپا سے؟ زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ یہ میری اپنی زندگی تھی اور پاپا...... پاپا نے مجھے جواب دے دیا۔

سانول! انہوں نے انکار کر دیا۔ تب پہلی بار میرے دل نے اس گھر سے، اس ماحول سے اور اپنے پاپا سے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ لیکن میں بے وقوف نہیں تھی، میں نے دل کی آواز لبوں تک نہیں پہنچنے دی بلکہ ڈپلومیسی سے کام لیا" میں نے کہا۔

" پاپا آپ کے علاوہ میرا اور ہے ہی کون؟ یہ باتیں آپ نہیں سوچیں گے تو اور کون سوچے گا؟ میرے دل میں جو کچھ تھا آپ کو بتا دیا لیکن فیصلے کا حق تو آپ ہی کے پاس ہے نا؟" اور پاپا کھل اٹھے انہوں نے میرے گال تھپتھپائے اور بولے۔

"آئی ایم پراؤڈ آف یو مائی چائلڈ! ماں باپ کبھی اولاد کا برا نہیں سوچتے" تم دیکھنا میں اپنی بیٹی کی شادی بہت اچھی جگہ کروں گا، بہت ہی اچھی جگہ......!"

اور پھر دو تین دن کے بعد پاپا اس بات کو سرے سے بھول گئے وہ نیویارک چلے گئے تھے۔ میں نے سب کچھ سمیر کو بتا دیا اور ساتھ ہی اپنا فیصلہ بھی، اس دن پہلی مرتبہ میں نے سمیر کو یہ بھی بتایا کہ میں چوہدری گروپ آف انڈسٹریز کے مالک اعجاز چوہدری کی بیٹی ہوں اور یہ کہ مجھے پاپا کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں، سمیر نے مجھے کافی سمجھایا اور کہا کہ جذباتی مت بنو فی الحال ہم ویسے ہی ملاقات کرتے ہیں، کوئی راستہ نکال ہی لیں گے لیکن میں اپنے فیصلے پر اڑی رہی۔ مجھے پاپا کے کروڑوں، اربوں روپے سے واقعی کوئی دلچسپی نہیں تھی، مجھے تو بس سمیر چاہیے تھا لیکن اب میں اتنی بھی جذباتی نہیں تھی کہ مستقبل کی طرف سے بالکل ہی لاپروا ہو جاتی، میرے اکاؤنٹ میں تقریباً" دس لاکھ روپے موجود تھے، میری گولڈ اور ڈائمنڈ کی جیولری بھی تقریباً" بیس تیس لاکھ روپے کی تھی ہی، میں نے رقم نکلوائی، جیولری اٹھائی، سب کچھ بریف کیس میں رکھا اور گھر سے نکل کھڑی ہوئی ہاں ٹرین میں بیٹھنے سے پہلے میں نے سمیر کو کال کر کے ٹرین کا نام ضرور بتا دیا تھا۔ اس کے بعد میں نے راستے میں بار بار ٹرائی کی لیکن سمیر کا نمبر مسلسل آف تھا، وعدے کے مطابق وہ اسٹیشن پر بھی نہیں آیا صبح سے شام تک میں نے اس کا انتظار کیا لیکن اس نے نہ آنا تھا اور نہ آیا اور اتنی سمجھ تو مجھے بھی آ ہی گئی تھی کہ اب اس کا نمبر دوبارہ کبھی ایکٹو نہیں ہو گا! پھر تم مل گئے سانول اور...... اور اب میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں، سمیر تو نہیں آیا سانول لیکن میں...... میں اب واپس نہیں جا سکتی؟؟"

اور سانول دم بخود بیٹھا رہ گیا یہ داستان الف لیلیٰ اسے ابھی تک اپنے سحر میں لیے ہوئے تھی۔ حبا چند لمحے بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے پلنگ کے نیچے سے اپنا بریف کیس گھسیٹا اور کھول کر سانول کے سامنے رکھ دیا سانول نے حیرت سے اس کی یہ حرکت دیکھی پھر ایک نظر بریف کیس پر ڈالی جس میں نوٹوں کی گڈیاں چنی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی جیولری کے باکس بھی ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔

"یہ رقم تمہیں نئی زندگی شروع کرنے کے لیے کافی ہو گی سانول! بس مجھے تمہارا سہارا چاہیے اور...... اور کچھ بھی نہیں۔" حبا نے کہا سانول نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر بریف کیس بند کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے فی الحال صرف تمہارا موبائل چاہیے، مل سکے گا؟" اور حبا نے موبائل اس کی جانب بڑھا دیا۔

"اب تم بے فکر ہو کر لیٹ جاؤ اور آرام کرو میں کچھ دیر تک آتا ہوں اور ہاں پریشانی کی بات نہیں میں باہر برآمدے میں چٹائی ڈال کر سو جاؤں گا تم آرام سے پلنگ پر لیٹو اور سو جاؤ۔" سانول نے جملہ مکمل کیا اور گھر سے باہر نکل آیا۔ حبا نے آرام سے پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لی تھیں، آسودگی کا احساس تھا۔ گھر سے کافی فاصلے پر آنے کے بعد سانول نے ایک نمبر پش کیا اور موبائل کان سے لگا لیا کچھ ہی دیر کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تو سانول نے کہا۔

"ہیلو فاروق کیسے ہو؟ سانول بات کر رہا ہوں۔" پھر رسمی گفتگو کے بعد سانول نے تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔

"ابے تیری تو لاٹری نکل پڑی باس، تو سچ کہہ رہا ہے۔" دوسری جانب سے فاروق کی پرجوش آواز سنائی دی۔ تو سانول بولا۔

"یار میں سخت پریشان ہوں اور تم خوش ہو رہے ہو، بے وقوف وہ کسی معمولی آدمی کی بیٹی نہیں، چوہدری گروپ آف انڈسٹریز کے مالک اعجاز چوہدری کی اکلوتی بیٹی ہے وہ اور میں ٹھہرا ایک غریب اور بے روزگار آدمی، مجھے تو لگتا ہے وہ لڑکا بھی اسی خوف سے روپوش ہو گیا ہے اوپر سے چالیس پچاس لاکھ وہ بریف کیس میں لیے گھوم رہی ہے میں تو بے موت مارا جاؤں گا نا؟"

"تو بھی ڈھکن ہے یار، تو خود تو اسے بھگا کر نہیں لایا نا؟ انیس سال تم اس کی عمر بتا رہے ہو اس کا مطلب ہے وہ بالغ بھی ہے پھر ڈر کاہے کا؟ خیر اب تو جا کے سو جا میں صبح آؤں گا دو چار دن رکتا ہوں تیرے یہاں، اپنے دوست کی حیثیت سے تعارف کرا دینا میرا، کوئی حل نکال لیں گے پریشان نہ ہو۔" فاروق نے اسے تسلی دی اور لائن ڈسکنکٹ کر دی۔ پھر وہ مرے مرے قدموں سے گھر کی طرف واپس چل دیا۔

"میں تو خود مرنے کا ارادہ کر چکا تھا موت اور زندگی کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تھا جب قدرت نے اسے بھیج دیا، اس نے تو میری جان بچائی ہے اور کیا پتا قدرت اسی طرح میرے حالات بدلنا چاہتی ہو...... پھر میں اتنا خوفزدہ کیوں ہو گیا؟ کیوں اتنا پریشان ہوں، اس نے سوچا اور پھر جیسے وہ اس کی رضا پر راضی ہو گیا اب اس کے دل میں سکون ہی سکون لہریں لے رہا تھا اور اس کے قدموں کی رفتار بھی جیسے خود ہی تیز ہو گئی تھی۔

* * *

حبا نے حفظ کلاس میں داخلہ لے لیا تھا شام کی گنتی تک تو بات ٹھیک تھی لیکن صبح کو ہونے والی گنتی صبح کی اذان کے فوراً" بعد ہوتی تھی اور انہیں خواب خرگوش کے مزے لوٹنے کی بجائے قطار در قطار باہر نکل کر کھڑا ہونا پڑتا۔ ایک دو دن تو پرابلم ہوئی تھی لیکن پھر اس نے خود کو اس نئے ماحول کے ساتھ ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ جو لڑکیاں یا خواتین خود اٹھ جاتی تھیں وہ تو ٹھیک رہتیں لیکن جو سو رہی ہوتیں ان کے ٹخنوں کو کشور کی چھڑی کی ضرب برداشت کرنا پڑتی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتیں۔ جیل میں نوری اس کی بہترین گائیڈ ثابت ہو رہی تھی وہ اسے بروقت تمام معلومات سے آگاہ کرتی رہتی تھی۔ پہلے ہی دن سے اذانوں کے وقت وہی اسے جگاتی تھی اور وہ لیڈی کانسٹیبل کشور کی چھڑی کی ضرب سے محفوظ رہتی، گنتی ہوتی پھر اس کے بعد سب نماز پڑھتیں جس کے بعد سب ناشتے کے چکر میں لگ جاتیں۔

جیل کا کھانا عجیب و غریب ہوتا تھا دال وغیرہ ہوتی تھی لیکن اس میں دال نام ہی کی ہوتی تھی یوں لگتا جیسے پانی کے اندر آٹا ڈال کر روکھا پھیکا پیسٹ سا تیار کر دیا گیا جس میں نمک ہوتا اور نہ مرچ لقمہ منہ میں رکھو تو ابکائی آنے لگے ہفتے میں ایک دن یعنی جمعرات کو گوشت بھی پکتا تھا لیکن بوٹی پیالی میں ڈبکی لگا کر بھی تلاش نہیں کی جا سکتی تھی، روٹی آدھی کچی آدھی پکی، غرض کھانے میں کچھ بھی کھانے لائق ہرگز نہیں ہوتا تھا لیکن جن کی مجبوری تھی وہ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے یہ سب زہر مار کرنے پر مجبور تھیں۔

البتہ کچھ عورتیں یہاں بھی خوشحال تھیں اور یہ وہ عورتیں تھیں جن کی ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ ملاقات آتی تھی، جن کی فیملی کے لوگ ان سے ملنے آتے تھے وہ ہر ملاقات پر دودھ کے ڈبے، فروٹ، خشک راشن جیسے دالیں، چاول، گھی، چینی وغیرہ دے جایا کرتے تھے اور جن کا راشن آتا تھا وہ کم از کم کھانے پینے کی حد تک تو یہاں مزے میں تھیں وہ اپنا کھانا خود بناتی تھیں اور اس مقصد کے لیے ان کے پاس یہاں انگیٹھیاں موجود تھیں اور وہ بھی اپنی نوعیت کی منفرد...... پانچ کلو والے گھی کے ڈبے کے اندر مٹی لگا کر وہ انگیٹھی جیل ہی میں تیار کی جاتی جس میں کوئلے جلائے جاتے تھے اور یہ کوئلے بھی راشن کے ساتھ باہر ہی سے آتے

تھے۔ پیاز یا سبزی وغیرہ کاٹنے کے لیے اسٹیل کے چمچے سے تیار کیا گیا مخصوص انداز کا خود ساختہ کٹ استعمال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ بلیڈ، چھری یا چاقو وغیرہ جیل میں لانے یا رکھنے کی اجازت نہیں تھی کٹ بھی چوری چھپے ہی رکھا جاتا تھا۔ لیکن جن کے پاس رقم ہوتی تھی وہ جیل کے اندر بھی یہ سب چیزیں کھلے عام رکھ سکتی تھیں پیسہ ہی وہ طاقت تھی جو جیل کے باہر اور جیل کے اندر ہر طرح کی سہولت مہیا کرتا تھا۔

جیل انتظامیہ مال دار خواتین پر خصوصی طور پر مہربان رہتی تھی کچھ خواتین ڈرگز کی عادی تھیں اور وہ انہیں جیل کے اندر ہی دستیاب ہوتی اور پھر اس نے دو چار ایسی خواتین بھی دیکھ لیں جو ایسی چیزیں دھڑلے سے فروخت کرتی تھیں اور جیل انتظامیہ کی آشیرباد کے بغیر تو ظاہر ہے کہ ایسا ممکن ہی نہ تھا۔ غرض یہ کہ عقل کو حیران کر دینے والے ایسے بہت سے مناظر اس نے یہاں دیکھے جو جیلوں کے حوالے سے کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتے۔

جہاں یہ سب کچھ تھا وہاں کچھ مثبت باتیں بھی تھیں اور وہ یہ کہ یہاں رہتے ہوئے اگر کوئی پڑھنا چاہے تو اس کا باقاعدہ انتظام تھا، کتابیں مہیا کی جاتیں ٹیچرز بھی آتی تھیں اسی طرح دینی تعلیمات کا سلسلہ بھی تھا سو اس نے حفظ کلاس میں داخلہ لے لیا تھا جو صبح سات بجے سے لے کر گیارہ بجے تک جاری رہتی۔ کلاس سے فارغ ہو کر نوری اور حبا بیرک میں داخل ہوئی ہی تھیں کہ ملاقات کا پرچہ لیے ایک لیڈی کانسٹیبل وہاں داخل ہوئی، یہ معمول کی بات تھی، جس کی ملاقات آتی تھی ان کے ناموں کی باقاعدہ ایک لسٹ بنتی تھی اور پھر ایک کانسٹیبل وہ پرچہ اٹھائے تمام بیرکوں کا چکر لگاتی اور ان خواتین کے نام پکارتی جن کی ملاقات آئی ہوتی اور یوں وہ خواتین ملاقات کے شیڈ کی طرف چلی جاتیں، پچھلے ڈیڑھ مہینے سے اسے ایسی تمام باتوں سے کافی حد تک واقفیت ہو گئی تھی۔ کانسٹیبل نے وہاں کھڑے ہو کر نام پکارنا شروع کیے اور پھر تیسرے نمبر پر بولی۔

"حبا ولد اعجاز چوہدری۔" اور وہ حیران رہ گئی۔ پچھلے ڈیڑھ مہینے کے بعد ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" اس نے حیرت سے سوچا اور پھر ایک صورت اس کے پردہ ذہن پر نمودار ہوئی۔

"سانول.....!" ایک سرسراتی ہوئی سی سرگوشی اس کے لبوں سے آزاد ہوئی اور پھر وہ بے چینی سے باہر لپکی کچھ ہی دیر کے بعد وہ ملاقات والے شیڈ کے قریب کھڑی تھی جس کا دروازہ بند تھا اور دروازے کے باہر ایک مسلح لیڈی کانسٹیبل موجود تھی۔ تقریباً" بیس منٹ کے بعد شیڈ کا دروازہ کھلا اور اس میں سے خواتین برآمد ہونا شروع ہوئیں اور پھر ان لوگوں کی باری آئی بہت سی دوسری خواتین کے ساتھ وہ بھی اپنے دھڑکتے دل کے ساتھ شیڈ میں داخل ہو گئی اور جالی کے پار سانول کی صورت تلاش کرنے لگی۔ لیکن جو صورت اسے وہاں نظر آئی اسے دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی اور اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں اس نے لڑکھڑا کر جالی کو تھام لیا اور پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"بپ..... پاپا آپ؟" اور وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے عین سامنے آ رکے۔ سرخ و سپید رنگت اونچا لمبا قد کنپٹیوں پر سفید بال سرمئی کلر کے ٹو پیس سوٹ میں ملبوس وہ ایک بارعب پرسنالٹی نظر آ رہے تھے۔

"کیوں کیا ایسا تم نے؟" ان کے لبوں سے جیسے کوئی نوحہ بلند ہوا اور حبا لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"پاپا آپ نے ٹھیک کہا تھا وہ سڑک چھاپ آپ کی بیٹی کے لائق نہیں تھا۔ لیکن سچ کہوں تو میں بھی آپ کی بیٹی ہونے کے لائق نہیں تھی اس لیے..... اس لیے پاپا میں نے آپ کو دوبارہ اپنی شکل نہیں دکھائی اور پھر میں..... میں آپ کو اپنی شکل دکھانے کے لائق بھی تو نہیں تھی۔" وہ رو دی اور اعجاز چوہدری پتھر کا بت بنے وہیں کھڑے یک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے۔

"پاپا ایک مرتبہ تو میں غلطی کر چکی تھی، دوسری غلطی نہیں کر سکتی تھی اس لیے پاپا..... اس لیے میں نے سانول کا انتخاب کر لیا اور سانول ویسا نہیں ہے پاپا وہ بہت اچھا ہے، سچا، سیدھا، صاف گو اور کھرا انسان..... لیکن میں جانتی تھی پاپا کہ آپ کے معیار پر وہ بھی پورا نہیں اترے گا آپ کے پاس ہر انسان کو تولنے کے لیے صرف دولت کا ترازو ہے اور وہ تو غریب آدمی تھا اتنا کہ تین دن سے اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا، میں نے اسے کھانا کھلایا اور سوچا کہ اب وہ کبھی بھوکا نہیں رہے گا اور پتا ہے پاپا وہ مرنے جا رہا تھا، میں نے اسے زندگی دے دی یوں کہ اپنی زندگی اس کے نام کر دی اب اس کی زندگی اس کی نہیں رہی تھی، وہ میری زندگی تھی اور وہ زندگی کوئی نہیں چھین سکتا تھا..... کوئی بھی نہیں! بس پاپا آپ اتنا سمجھ لیں کہ سانول اب حبا چوہدری کی زندگی جی رہا ہے اور میں سانول کی.....! آپ..... آپ سمجھ ہی نہیں سکتے پاپا! آپ تو کبھی یہ بھی نہیں سمجھ پائے کہ آپ کی ایک بیٹی بھی ہے جسے آپ کی ضرورت ہے..... آپ میری ضرورتوں کو کیا سمجھیں گے پاپا۔"

وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی اور اعجاز چوہدری ایک جھٹکے سے مڑے اور پھر شیڈ سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور پھر بے اختیار چھلک آنے والے وہ دو آنسو ان کے رومال میں جذب ہو گئے! انہوں نے وہ آنسو حبا سے چھپا لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"فاروق ملک! میرا بہت اچھا دوست ہے یہ۔" سانول نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا تو حبا نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا پستہ قد اور لمبوترے چہرے کا مالک پتلی پتلی باریک مونچھیں اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن میں کوٹ کوٹ کر خباثت ہی خباثت بھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ حبا کو سانول کا وہ دوست ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں کو دیکھ کر سانپ کی آنکھوں کا سا تصور ابھرتا تھا ذہن میں اور اس نے بے اختیار گھبرا کر نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"جی! خوشی ہوئی یہ جان کر اور ان سے مل کر۔" پھر وہ دونوں برآمدے میں جا کر چٹائی پر بیٹھ گئے اور آپس میں گفتگو کرنے لگے، جبکہ وہ عجیب سی بے چینی اور گھبراہٹ کا شکار ہو گئی۔ نہ جانے کیوں اس کی چھٹی حس چیخ چیخ کر یہ اعلان کرنے لگی کہ کچھ ہونے والا ہے، کچھ ایسا جو سمجھ میں نہ آتا ہو، کچھ ایسا جو انوکھا اور خطرناک ہو، لیکن کیا؟ اس بات کا جواب اسے کون دیتا؟ وہ پلنگ پر سے اٹھی اور پھر کمرے کا بیرونی دروازہ بھیڑتے ہوئے واپس پلنگ پر آ بیٹھی، پتا نہیں کیوں وہ فاروق کی طرف سے کھٹک چکی تھی اور اب پوری طرح چوکنی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ آنے والا سانول تھا۔

"فاروق ملتان سے آیا ہے، دو تین دن ادھر ہی رکے گا اگر تم محسوس نہ کرو تو چائے بنا دو اور بسکٹ وغیرہ تو ہیں ہی، میں بازار سے کھانا لے کر ابھی آتا ہوں۔" اور وہ بادل ناخواستہ سر ہلا کر رہ گئی۔ سانول چلا گیا تو وہ اٹھ کر کچن میں داخل ہو گئی۔ کچن میں داخل ہونے کے لیے اسے فاروق کے پاس سے گزرتے ہوئے صحن میں جانا پڑا لیکن وہ نظریں جھکائے چٹائی پر بیٹھا رہا۔ حبا نے چائے بنائی، بسکٹ کا پیکٹ کھول کر پلیٹ میں سجایا اور پھر پلیٹ اور کپ ٹرے میں رکھنے کے بعد ٹرے اٹھائے برآمدے میں داخل ہو گئی، لیکن یہ کیا فاروق تو وہاں تھا ہی نہیں.....!

"ابھی تو یہیں تھا، کہاں گیا ہو گا؟ شاید واش روم میں گیا ہو لیکن واش روم تو کچن سے بھی آگے صحن کے آخری کونے میں تھا اگر واش روم جاتا تو اسے کچن کے سامنے سے گزرنا پڑتا لیکن اس نے تو اسے وہاں سے گزرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا پھر.....؟ شاید وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی اس نے خیال نہیں کیا ہو گا۔" حبا نے کھڑے کھڑے سوچا۔ پھر شانے اچکاتے ہوئے ٹرے چٹائی پر رکھی اور کمرے کی طرف بڑھ گئی لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ دھک سے رہ گئی.....! فاروق اس کے پلنگ کے پاس زمین پر بیٹھا تھا اور اب دروازہ کھول کر اس کے اندر داخل ہونے کی آہٹ پر چونک کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"وہ..... چچ..... چوہا تھا..... اتنا موٹا تازہ چوہا میرے سامنے سے بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو میں نے سوچا کہ مار دینا چاہیے، لیکن ملا نہیں کمبخت.....!" اس نے بریف کیس پلنگ کے نیچے دھکیلتے ہوئے کھسیانے انداز میں کہا اور پھر ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایسا خوب صورت اور قیمتی بریف کیس سانول کے پاس تو نہیں تھا، آپ کا ہے کیا؟" اس نے اپنی کھسیاہٹ پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا تو حبا جو خاموش کھڑی ہونٹ کاٹ رہی تھی، جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"جی! میرا ہے آپ کو کوئی اعتراض ہے کیا۔"

"نن..... نہیں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے ہکلاہٹ آمیز انداز میں جواب دیا اور پھر تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ حبا نے ایک طویل سانس لی اور پھر پلنگ پر ڈھیر ہوتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ ابھی اسے وہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگز لٹکائے سانول کمرے میں داخل ہوا تو حبا جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی شاپنگ بیگز ٹیبل پر رکھ کر وہ پلٹا تو حبا اس کے سر پر کھڑی تھی پھر وہ مضبوطی سے اس کا کندھا دباتے ہوئے بولی۔

"سانول! سانول مجھے تمہارے اس دوست سے وحشت ہوتی ہے۔"

"کیوں، کچھ کہا اس نے؟" سانول نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں! لیکن پتا نہیں کیوں مجھے اس سے خوف آتا ہے پلیز سانول جب تم گھر سے باہر نکلو تو اسے بھی ساتھ لے جایا کرو نا، پلیز.....!" حبا نے عجیب سہمے ہوئے سے انداز میں کہا تو سانول کو وہ ڈری ڈری، سہمی سہمی سی حبا بہت پیاری لگی، اس کا جی چاہا کہ وہ اسے بانہوں میں بھر لے اور کہے کہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں حبا! لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہ کر سکا بس اس کا کندھا تھپکتے ہوئے بولا۔

"اوکے، اوکے ڈونٹ وری..... میں اس بات کا خیال رکھوں گا۔" اور پھر دھیرے سے اپنا کندھا چھڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ حبا اس کے اتنا کہہ دینے سے مطمئن ہو گئی تھی لیکن اس کا یہ اطمینان زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکا تھا کیونکہ کھانا کھاتے وقت فاروق کا وہ انداز اسے دوبارہ بے چین کر گیا تھا۔ اس کی نظروں کی چبھن اس نے اپنے پورے وجود پر محسوس کی تھی وہ کھاتے کھاتے بار بار چونک کر اس کی طرف دیکھتی لیکن اس سے نظریں ٹکراتے ہی وہ سر جھکا لیتا کچھ ہی دیر کے بعد اس کی مخصوص نسوانی حس اسے خبردار کرتی تو وہ دوبارہ چونک اٹھتی! نگاہوں کا تصادم ہوتے ہی وہ فوراً" نظریں جھکا دیتا لیکن وہ اس کی آوارہ نظروں کی گستاخیاں بدستور محسوس کر رہی تھی اس کی طبیعت مکدر ہو گئی اور وہ کھانا بھی صحیح طریقے سے نہ کھا سکی۔ خدا خدا کر کے کھانا ختم ہوا اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے لیکن اس کی بے چینی اپنے عروج تک پہنچ چکی تھی۔ کچھ گڑبڑ ضرور تھی لیکن ابھی تک وہ کوئی درست اندازہ قائم کرنے سے قاصر رہی تھی۔

اس کی نظریں اسے ٹٹولتی رہی تھیں لیکن اس کی نظروں کا انداز ویسا نہیں تھا جیسا کسی لڑکی کو دیکھ کر کسی مرد کا ہو سکتا تھا! تو پھر کیا تھا کون سا غیر فطری عمل تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا؟ ایسی کیا بات تھی جو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی؟ آخر وہ کون سا اندیشہ تھا جو اسے مضطرب کیے ہوئے تھا؟ وہ بہت دیر تک خیالوں کے تانے بانے بنتی اور الجھتی رہی لیکن بے سود..... وہ کسی بھی نتیجے تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ اس کا دماغ اسے بار بار ایک ہی تلقین کر رہا تھا۔ "محتاط..... محتاط" اور اس نے دماغ کی اس آواز پر لبیک کہہ دیا۔ وہ تہیہ کر چکی تھی کہ آج کی رات وہ نہیں سوئے گی اور پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ پلنگ پر لیٹ گئی یوں کہ اس کی آنکھیں تو بند تھیں لیکن ذہن کے ساتھ ساتھ اس کی تمام حسیات پوری طرح بے دار تھیں اسے یقین تھا کہ پردہ غیب سے کچھ نہ کچھ ضرور ظہور میں آئے گا اور وہ اپنے

وجدان سے آنکھیں نہیں چرا سکتی تھی۔

شاہ خاور کب سے افق کی گود میں لیٹ کر اپنی آنکھیں موند چکا تھا لیکن وہ آنکھیں بند ہوتے ہوئے بھی جاگ رہی تھی ہاں سانول اور فاروق شاید گہری نیند سو چکے تھے کیونکہ ان کی باتیں کرنے کی آواز بہت دیر پہلے بند ہو چکی تھی اور اس وقت پورے گھر پر گہرا سناٹا طاری تھا۔ رات دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی اور وہ کسی انہونی کی منتظر تھی۔ پھر نہ جانے رات کا وہ کون سا پہر تھا جب اسے ایک ہلکے سے کھٹکے کی آواز سنائی دی۔ وہ بجلی کی سی پھرتی سے اٹھی اور پھر بلی کی طرح دبے پاؤں چلتی ہوئی دروازے تک جا پہنچی اگلے ہی لمحے وہ دروازے کی ایک درز پر جھکی باہر دیکھ رہی تھی اور پھر وہ اس کی نظروں میں آ گیا۔ ساٹھ واٹ کے بلب کی زردی مائل روشنی میں وہ اسے بخوبی دکھائی دے رہا تھا وہ ارد گرد دیکھتے ہوئے چوروں کی طرح صحن کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کا یہ انداز حبا کے شک کو یقین میں بدلنے کے لیے کافی تھا۔

"گڑبڑ تو ہے۔" اس نے سوچا، جب وہ برآمدے کے باہر نکل کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ بے چین ہو گئی۔

"کیا کروں۔" اس نے خود سے سوال کیا اور پھر شاید وہ فیصلے پر پہنچ گئی، ایک لمحے کے لیے اس کی نظریں سانول کے چہرے سے الجھیں لیکن وہ گہری نیند میں ڈوبا ہوا دکھائی دیا پھر دوسرے ہی لمحے وہ برآمدے سے نکل کر صحن میں تھی..... لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا وہ دبے قدموں بیرونی دروازے کی طرف بڑھی لیکن پھر واش روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر اس کے اندر موجود مادہ جیمز بانڈ کی روح تک بلبلا اٹھی۔

"دھت تیرے کی، یہ گڑبڑ ایسی تو نہیں تھی جو کسی بھی اعتبار سے قابل گرفت ہوتی۔" اس نے مایوسی سے سوچا پھر وہ واپس پلٹنے ہی والی تھی کہ سنائی دینے والی آواز کو سن کر وہ یکلخت دیوار سے جا چپکی۔ یہ آواز پانی گرنے کی نہیں..... بلکہ انسانی آواز تھی، جو فاروق ملک کے علاوہ اور کسی کی نہ تھی۔

"دیکھو صغیر! دوستی گئی تیل لینے، یہ روکڑے کا معاملہ ہے اور تیرے پانچ لاکھ تو کے ہیں ملتان آ کر لے لینا۔ نہیں نہیں کل ہر صورت نکل جاؤں گا پرسوں آ کر وصول کر لینا اب اتنا اعتبار تو تمہیں بھی کرنا ہی پڑے گا۔" پھر کچھ لمحے کے توقف کے بعد آواز دوبارہ سنائی دی۔

"نہیں میں رسک نہیں لے سکتا، دونوں کو ٹپکانا پڑے گا! بس تم صبح ہوتے ہی دروازہ بجاؤ اور رونل دے کر چلتے بنو! بس خیال رکھنا کہ زہر سریع الاثر ہو اور دو بندوں کو لڑھکا سکے سمجھے؟" اور حبا کے دماغ میں سناٹے اتر آئے اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں، پردہ ہٹ چکا تھا! وہ لاشعور میں ڈنک مارنے والے بچھو کا پس منظر جان چکی تھی، ساری حقیقت کھل کر اس کے سامنے آ چکی تھی..... اب وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ وہ کون سی بات کون سا خدشہ تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا! اس نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کامیاب کوشش کی اور جلد ہی وہ سنبھل چکی تھی پھر وہ تیزی سے لیکن دبے قدموں برآمدے کی طرف لپکی۔ کچھ ہی دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنے کے بعد پلنگ پر لیٹی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"تو یہ تھا فاروق ملک کا اصلی روپ؟ یہ ہے سانول کا قریبی اور گہرا دوست؟" اس نے تلخی سے سوچا

"سانول کو نئی زندگی میں نے دی ہے وہ تو اسی دن مرنے جا رہا تھا، اب یہ زندگی اس کی نہیں، یہ زندگی میری امانت ہے اور یہ زندگی کوئی نہیں چھین سکتا..... کوئی بھی نہیں۔" اس نے جیسے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر پتا نہیں کس وقت وہ گہری نیند سو گئی۔ صبح آنکھ کھلی تو جو پہلی آواز سنائی دی وہ فاروق کی ہی منحوس آواز تھی۔

"تم لے آؤ نا یار جا کر میں صبح ہی صبح کیا کروں گا جا کر؟" پھر سانول کی جوابی آواز سنائی دی۔

"جب سے آئے ہو عورتوں کی طرح گھر میں ہی گھسے بیٹھے ہو ذرا باہر کی تازہ ہوا کا نظارہ بھی لو، اٹھ جاؤ

جلدی سے 'ناشتا لینے تم میرے ساتھ جاؤ گے بس میں نے کہہ دیا۔" اور وہ جھوم اٹھی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اسے کیوں ساتھ لے جارہا تھا۔ صرف اس لیے کہ یہ اسے حبا نے کہا تھا! اور یہ جان کر حبا کی روح تک سرشار ہوگئی کہ سانول کو اس کی کہی ہوئی بات کی پروا تھی۔

اس لمحے اسے سانول پر بہت پیار آیا۔ وہ انگڑائی لے کر بستر سے اٹھی اور پھر اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی سانول بولا۔

"ہم ناشتا لینے جارہے ہیں حبا تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں۔" یہ کہہ کر سانول صحن کی طرف مڑ گیا جب کہ فاروق بھی برے برے منہ بناتا اس کے پیچھے تھا۔

ان کو گئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی حبا نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک چیچک زدہ چہرے والا آدمی دکھائی دیا۔

"وہ جی! فاروق صاحب سے ملنا تھا۔"

"وہ تو گھر پر نہیں ہیں' کہیں باہر گئے ہیں کوئی پیغام ہو تو بتادیں۔" نووارد چند لمحوں تک تو جیسے تذبذب کا شکار رہا پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر آئی ڈراپس نما ایک چھوٹی سی بوتل نکالی اور اس کے ہاتھ میں تھمادی جس کے لیبل پر لکھا تھا۔

"خالص عرق گلاب۔"

"وہ جی! میری ادھر حکمت کی دکان ہے فاروق بابو جب بھی ادھر آتے ہیں آنکھوں کے لیے گلاب کا خالص عرق مجھ سے ہی لے جاتے ہیں۔ وہ جیسے ہی گھر آئیں آپ یہ بوتل یاد سے انہیں دے دیں۔" پھر وہ سلام کرکے واپس چلا گیا اور حبا کی رگوں میں دوڑنے والا خون اس کی کنپٹیوں میں جیسے ٹھوکریں مارنے لگا وہ سنسناتے ذہن کے ساتھ کچن میں داخل ہوئی اور پھر متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی جلد ہی اسے آئی ڈراپس کی وہ چھوٹی بوتل نظر آگئی جو اس سے پہلے بھی وہ یہاں دیکھ چکی تھی۔ پھر وہ فوراً" اپنی کارروائی میں مصروف ہوگئی..... چند ہی لمحوں کے بعد آئی ڈراپس کی خالی بوتل میں "خالص عرق گلاب" منتقل ہوچکا تھا اس نے آئی ڈراپس کی بوتل اپنے لباس میں چھپائی اور عرق گلاب والی بوتل میں پانی بھر کر اسے ڈھکن لگادیا پھر کمرے میں داخل ہوکر پانی بھری عرق گلاب کی بوتل ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ پلنگ پر ڈھیر ہوگئی۔ ناشتا کرتے وقت بھی وہ بوتل ٹیبل پر موجود تھی لیکن کسی نے بھی اس پر خصوصی توجہ نہ دی' یہاں تک کہ فاروق نے بھی نہیں! وہ کچھ مضطرب سا دکھائی دے رہا تھا اور بار بار پہلو بدل رہا تھا تاثرات کی مانند حبا بھی اس کی نگاہوں کی حدف نہیں تھی۔ حبا نے کھنکار کر جیسے گلا صاف کیا پھر بولی۔

"فاروق صاحب ایک آدمی آیا تھا اور آپ کے لیے عرق گلاب کے یہ ڈراپس دے گیا ہے۔" فاروق نے ایک نظر اس چھوٹی سی بوتل کی طرف دیکھا اور پھر جھپٹ کر اسے اٹھالیا۔ سانول نے سرسری سے انداز میں اس کی یہ حرکت دیکھی اور دوبارہ ناشتا کرنے میں مشغول ہوگیا۔

"اوہ ہاں! یہاں میرے ایک دو اور دوست بھی ہیں جیسے کہ یہ حکیم صاحب! جب بھی یہاں آتا ہوں عرق گلاب کا تحفہ ضرور دیتے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ اس کے استعمال سے آنکھیں ہمیشہ ٹھیک رہتی ہیں۔ ایسا ہی ایک ہوٹل والا دوست بھی ہے' بہت اچھا کھانا ہوتا ہے ان کا' آج دوپہر کو کھانا میں لاؤں گا اور وہیں سے لاؤں گا۔" فاروق نے فوراً" ہی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ اگلی چال بھی چل ڈالی۔ لیکن اب صورت حال مختلف تھی کیونکہ دوسرا کھلاڑی اس کے کھیل کے انداز سے واقف ہوچکا تھا۔

"جی نہیں! آج دوپہر کا کھانا میں خود اپنے ہاتھ سے تیار کروں گی میں نے کوکنگ کا کورس کس لیے کیا ہے بھلا' آپ رات کا کھانا لے آئیے گا اپنے دوست کے ہوٹل سے۔" حبا نے بھی فوراً" ہی اس کی چال کا توڑ کرتے ہوئے جواب دیا تو فاروق کسمسا کر رہ گیا۔ پھر جیسے بے چارگی سے بولا۔

"چلو جیسے آپ کا حکم دوپہر کا نا سہی رات کا سہی۔" پھر حبا نے واقعی بڑے اہتمام سے دوپہر کا کھانا تیار کیا

اور یہی نہیں وہ ڈشیں اٹھا اٹھا کر فاروق کے سامنے بھی رکھتی رہی۔

"یہ وائٹ کڑاہی لیں نا؟ اور یہ کڑھی پکوڑا..... یہ تو میں نے خاص آپ کے لیے بنایا ہے ارے سویٹ ڈش تو آپ نے لی ہی نہیں! یہ بھی چکھیں نا؟" کھانا کھالیا گیا پھر فاروق ہی بولا۔

"بھئی مان گئے حبا جی! کھانا تو آپ نے واقعی مزے کا بنایا ہے' ضرورت سے زیادہ کھایا اور ڈٹ کر کھا لیا۔"

"زندگی کا آخری کھانا انسان کو ڈٹ کر کھانا چاہیے تاکہ مرتے وقت حسرت نہ ہو کہ کھایا کچھ نہیں۔" حبا نے زہرخند انداز میں کہا تو سانول نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کک..... کیا مطلب؟" فاروق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا تو حبا اپنے لباس میں سے آئی ڈراپس کی چھوٹی سے بوتل نکالتے ہوئے بولی۔

"مطلب یہ مسٹر فاروق ملک! کہ آپ کا "عرق گلاب" میں نے اس بوتل میں منتقل کردیا تھا جو اب آپ کے معدے میں منتقل ہوچکا ہے۔" اور فاروق کی پیشانی پر انتہائی تیز رفتاری سے پسینے کی بوندیں نمودار ہونے لگیں۔

"اور آپ کی جیب میں موجود بوتل میں صرف پانی ہے..... سادہ پانی۔" حبا نے گرتی ہوئی دیوار کو ایک آخری دھکا دیا اور فاروق اس کے لفظوں کا یہ وار نہ سہہ سکا وہ الٹ کر زمین پر جا گرا اور بری طرح تڑپنے لگا پھر اس نے ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ ابکائی سی لی اور اس کے منہ اور ناک سے خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا چند لمحے اس کا وجود جھٹکے سے لیتا رہا پھر ایک جھرجھری سی لے کر ساکت ہوگیا۔ وہ مرچکا تھا.....

☼ ☼ ☼

"حبا! کل تیری رہائی کا دن ہے اور آج کی یہ رات جیل میں تیری آخری رات ہے' آج تو اپنی کہانی سنادو؟ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا تم نے کیسے قتل کیا اور کیوں کیا؟" نوری نے لیٹے لیٹے حبا کی طرف کروٹ لیتے ہوئے اداس لہجے میں کہا تو حبا کے بازو بے اختیار نوری کی گردن میں حمائل ہوگئے۔ ایک نوری ہی تو تھی جس کے سہارے اس نے جیل میں پورے سات سال گزار دیے تھے۔ ورنہ لاوارث انداز میں جیل کے یہ سات سال گزارنا شاید اس کے لیے ممکن ہی نہ ہوتا۔ نوری کو عمر قید کی سزا ہوئی تھی اور وہ حبا کے وہاں آنے کے تین سال پہلے سے وہیں تھی۔ اس نے قدم

قدم پر حبا کا ساتھ دیا تھا یہاں تک کہ اسے لاوارث ہونے کا احساس بھی نہیں ہونے دیا تھا حالانکہ سچائی تو یہی تھی کہ اس نے یہ سات سال لاوارثوں کے انداز میں ہی کاٹے تھے۔ ان سات سالوں میں اس کے لیے صرف ایک ملاقات آئی تھی اور وہ تھے اعجاز چوہدری! اس کے پاپا..... اس کے بعد انہوں نے پلٹ کر اس کی خبر تک نہیں لی تھی کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گئی اور سانول! جس کی خاطر وہ آج جیل کی ان سلاخوں کے پیچھے تھے وہ بھی تو کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے دکھ سے سوچا اور اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھنے لگی' اس کی آنکھیں بھر آئیں اور پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک وہ سب کچھ نوری کو سنا ڈالا جو آج تک اس کے بار بار پوچھنے پر بھی کبھی اس کے لبوں تک نہیں آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"جب وہ مر گیا تو پتا کیا ہوا؟ سانول قریبی تھانے گیا اور اس نے فاروق کے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا جانتی ہے نوری اس کی اس ادا نے مجھے خرید لیا میری جان بچانے کے لیے اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی اسے اپنی زندگی کی پروا ہی کب تھی؟ وہ تو بہت پہلے مرنے جا رہا تھا جب میں نے اسے بچایا پھر میں اسے یہ سب کیسے کرنے دیتی؟ وہ تو جی ہی میری زندگی رہا تھا پھر نوری میں نے اس دن سچ میں اپنی زندگی اس کے نام کر دی' میں نے تھانے میں پیش ہو کر بتایا کہ قتل سانول نے نہیں میں نے کیا ہے۔ کیونکہ میں خود غرض نہیں تھی اگر فاروق صرف مجھے مارنے آیا ہوتا تو شاید میں چپ چاپ مر جاتی لیکن وہ تو سانول کے لیے بھی موت بن کر آیا تھا پھر میں کیسے زندہ رہنے دیتی اسے؟ میں نے یہی سب کچھ تھانے میں بھی بتایا اور یہی نہیں میں نے اس حکیم کا حلیہ بھی بتایا پھر اسے بھی پکڑ لیا گیا میں نے اسے شناخت کیا اور اس نے مجھے' اس نے بھی بتا دیا کہ وہ زہر مجھے ہی فراہم کر کے گیا تھا یوں سانول کی جان چھوٹ گئی اور مجھے سات سال قید ہو گئی۔

بس یہ ہے میری کہانی! میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میں نے آرزو کی تھی اور نوری "آرزو عیب نہیں" آرزو تو عبادت ہے' پوجا ہے' پرستش ہے' باپ کی آرزو کی تو وہ کبھی نہیں ملا' میر کی آرزو کی وہ بھی نہیں ملا پھر میں نے سانول کی آرزو کی تو وہ بھی نہیں ملا' مل کر بھی نہیں ملا' جب میری آرزو میں کھوٹ نہیں' میری عبادت' میری پوجا' میری پرستش میں کوئی کمی نہیں تو پھر وہ مجھے کیوں نہیں ملا نوری..... کیوں؟ وہ تو مجھے کبھی ملنے تک نہیں آیا نوری! ایسا کیوں؟" اس نے نوری کو جھنجھوڑ ڈالا' نوری کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے' حبا سسک رہی تھی ٹھیک اسی لمحے موذن نے اللہ کی بڑائی کا اعلان کیا۔

صبح ہو چکی تھی اور پھر جب وہ جیل سے باہر نکل رہی تھی اس وقت وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ کہاں جائے گی؟ اس کے پاپا اور اس کا سانول دونوں کبھی اس سے جیل میں ملنے تک نہیں آئے تھے تو کیا اسے ان کے پاس جانا چاہیے؟ جیل کے آہنی دروازے سے نکل کر اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں جیسے اللہ سے شکوہ کر رہی ہو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے' اس نے نظریں جھکا کر سامنے کی طرف دیکھا تو سفید کلر کی پراڈو کے ساتھ بلیک سوٹ میں ملبوس ایک بارعب شخصیت بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے بغور دیکھا تو وہ اس کے پاپا تھے اس نے جلدی جلدی آنکھیں صاف کیں تو اپنے پاپا کے پہلو میں کھڑے جدید تراش کے ٹوپیس سوٹ میں ملبوس ایک وجیہہ نوجوان کو جیسے پہلی مرتبہ دیکھا دونوں تیزی سے اس کے قریب آ چکے تھے۔ پھر اسے اپنے پاپا کی آواز سنائی دی۔

"ان سے ملو یہ چوہدری گروپ آف انڈسٹریز کے جنرل منیجر اور تمہاری..... تمہاری امانت..... مسٹر سانول قزلباش۔" وہ پاگلوں کی طرح سانول کا چہرہ تکے جا رہی تھی۔ پھر وہ بے اختیار وہیں سجدے میں گر گئی' اس کے منہ سے ایک ہی آواز آ رہی تھی' آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان ایک ہی جملہ "آرزو عیب نہیں" میرے مالک "آرزو عیب نہیں۔"

☼ ☼

اے محبت

مہوش اقبال

مرد اور عورت کی محبت میں بہت فرق ہوتا ہے جس طرح مرد اور عورت کی فطرت میں فرق ہوتا ہے۔

مرد کی ذات ایک پوشیدہ راز کی طرح ہوتی ہے جسے وہ اپنی مرضی کے بغیر کھلنے نہیں دیتا لیکن عورت مرد کے لیے کھلی کتاب ہے' خاص طور سے اس مرد کے لیے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔ وہ اپنے دل کی کوئی بھی بات اس سے چھپا نہیں سکتی۔

میں مسکان علی بھی ایک کھلی کتاب ہوں علی ابراہیم کے لیے' میں اگر اس سے اپنی کوئی چھوٹی سی بات بھی شیئر کرنا بھول جاؤں تو وہ مجھ سے اس طرح ناراض ہوتا ہے جیسے میں نے اس سے کوئی بہت بڑا راز چھپا لیا ہو۔

میں اگر اس کی موجودگی میں کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنا چاہوں تو وہ مجھے اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ وہ میرے دل کا ہر بھید جاننا چاہتا ہے اور یہ خوش فہمی تو مجھے بھی اس کے متعلق پچیس سال تک رہی کہ میں بھی اس کے ہر بھید سے واقف ہوں۔ میں جو شاید بہت معصوم یا پھر بے وقوف ہوں جو سمجھتی تھی کہ علی ابراہیم کی زندگی مسکان احمد' گھر یا پھر آفس تک محدود ہے۔ وہ جو میرے ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے میں بھی اس کی ذات کے ہر راز سے واقف ہوں لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میں تو اس کے ظاہر کو بھی نہ جان سکی تو اس کے باطن تک میری رسائی کیسے ممکن ہے۔

میں مسکان ابراہیم اپنے شوہر علی ابراہیم کو صرف اتنا جانتی ہوں۔ جتنا وہ خود مجھ پر اپنا آپ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس کی پسندیدہ ڈشز' اس کا فیورٹ پرفیوم' اس کا فیورٹ کلر یا شاید وہ بھی نہیں۔

شادی کی پہلی رات جب میں نے اسے بتایا کہ میں کس طرح اس کی محبت میں گرفتار ہوئی۔ پہلی نظر کی محبت نے کس طرح مجھے گھائل کیا کہ میں کچھ سمجھنے اور سوچنے کے قابل نہ رہی۔ میرا پور پور اس کی محبت میں ڈوب گیا۔ میں سب کچھ بھول گئی سوائے اس شخص کے جو میرے لیے انجان تھا لیکن پہلی نظر میں ہی میرے دل میں بس گیا تھا۔ وہ خاموش رہا' مسکراتا

رہا۔ اس نے میری کسی بات کا جواب نہ دیا۔

اس وقت میں اپنی محبت کو پالینے کی خوشی میں اتنی مست تھی کہ مجھے اس کے جواب کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ شاید میرے لیے میری چاہت کافی تھی یا صرف اتنا کافی تھا کہ وہ میرے ساتھ تھا۔ میرے پاس تھا۔ میں اسے چھو سکتی تھی' محسوس کر سکتی تھی۔

ہاں مگر کوئی کمی تھی۔ میرے اور اس کے بیچ کوئی کمی تھی اک انجان احساس ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ لیکن شاید میں ہی خود میں اتنی مگن تھی کہ مجھے محسوس نہ ہوا۔ شادی کے شروع دنوں میں اس کا سرد رویہ' خود کو بلاوجہ مصروف رکھنا' رات کو گھر دیر سے آنا۔

ہم دونوں ایک ہی گھر' ایک ہی کمرہ اور ایک ہی بیڈ شیئر کرتے تھے لیکن کبھی وہ میری ذات کی نفی اس طرح کرتا تھا جیسے اس کمرے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی نفس موجود نہ ہو۔ وہ میاں بیوی کے پیار کے لمحات' وہ احساسات کچھ بھی تو نہیں تھا ہمارے بیچ' بس ایک میاں بیوی کہلاتے تھے مگر علی ابراہیم کو مجھ سے محبت تھی یا نہیں یا پھر وہ اپنی محبت ظاہر نہیں کرتا' یا پھر وہ مجھ سے محبت ہی نہیں کرتا تھا۔

میں ہر وقت ان سوچوں میں گم رہتی۔ وہ بس مذہب کی طرف سے بیوی کے حقوق پورے کر رہا تھا۔ مگر میاں بیوی کی محبت تو جیسے اس کے لیے مذہب میں تھی ہی نہیں۔

شادی کی پہلی سالگرہ پر میں ساری رات اس کا انتظار کرتی رہی اور جب میں انتظار کرتے کرتے تھک گئی تو مجھے زندگی میں پہلی بار اپنی محبت کی ناقدری کا احساس ہوا۔ وہ انسان جس سے میں محبت کرتی تھی اور ہم شادی کے اس پاک بندھن میں بند بھی گئے تھے مگر اس شخص کو اس پاک رشتے کا ایک سال پورا ہونے اور میرے ساتھ رہنے کی خوشی ہی یاد نہیں تھی۔ بس وہ اپنے کام میں یا اپنی ہی موجوں میں رہتا۔ کیا خوب شخص تھا وہ جس کو ہم اپنے دل کی سلطنت کا بادشاہ بنا چکے تھے اس کو ہماری قدر ہی نہیں' ہمارے احساسات' ہمارے جذبات اس کے لیے فضول ہیں لیکن شاید اب دیر ہو گئی تھی۔

کیونکہ میں بہت آگے بڑھ چکی تھی جہاں سے واپس پلٹنا میرے لیے ناممکن تھا۔

اسی لیے جب صبح وہ واپس گھر آیا وہ مجھے منانے کے بجائے الٹا مجھ سے ناراض ہو گیا کہ "میں خوابوں کی دنیا میں رہنے والی ایک عام سی عورت ہوں جس کی سوچ بہت محدود ہے۔ لٹریچر میں ایم اے کرنے کے باوجود میری سوچ تھرڈ کلاس ناولز کی ہیروئن کی طرح ہے۔" تب مجھے اپنی امی جان کی نصیحت بہت بھرپور طرح سے سمجھ میں آئی۔

"مرد اور عورت کے رشتے میں لین دین برابر کی سطح پر ہونا چاہیے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا نہ ہی عورت کو یہ بات اپنے ذہن میں باندھ لینی چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے بیچ لین دین کا رشتہ ضرور ہوتا ہے۔ لیکن دینا ہمیشہ عورت کو پڑتا ہے اپنی قربانی' اپنا ایثار' اپنی وفا' مرد ہمیشہ وصول کرتا ہے۔

عورت چاہے ماں ہو' بیٹی ہو یا بہن' قربانی اسی کو دینی پڑتی ہے۔ عورت وہ عظیم ہستی ہے جس کے پیروں میں اللہ تعالیٰ نے جنت رکھی ہے۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی۔ تبھی اللہ عورت کو ہر آزمائش دیتا ہے۔

حقوق و فرائض میں حق صرف مرد کا ہوتا اور فرض عورت کا' مرد اس کی ساری وفاؤں کو بھلا کر دو ٹوک فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔ وہ اسے اپنی زندگی سے یوں باہر نکال دیتا ہے جیسے وہ ایک بے جان شے ہو اور اس کے ہونے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ مرد' عورت کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ وہ جھکنا نہیں جانتا جہاں اسے جھکنا پڑے وہاں وہ اس رشتے کو ختم کرنے میں ذرا سی بھی دیر نہیں لگاتا اپنی انا کی جھوٹی تسکین کے لیے' عورت جھک بھی سکتی ہے اور اپنا سب کچھ اس ایک رشتے پر قربان بھی کر سکتی ہے۔"

مگر مردوں میں یہ بات کیوں نہیں ہوتی؟ کیا یہ رشتہ ان کے لیے عزیز نہیں ہوتا؟ کیا انہیں اس رشتے کو ختم کرتے ہوئے ذرا تکلیف نہیں ہوتی؟ وہ کیوں اپنی انا

کے آگے رشتے قربان کر دیتے ہیں؟ کیوں آخر کیوں؟

قربانی ہمیشہ میرے حصے میں آئی اور میں نے اپنا سب کچھ وار کر کے صرف سچی محبت مانگی تھی لیکن شاید عورت واقعی بہت بدقسمت ہوتی ہے جو مرد پر اپنا تن' من قربان کر کے بھی اس کی سچی اور خالص محبت کی حق دار نہیں بن سکتی اور میں بھی شاید بہت بدقسمت تھی۔ سچی کیا میرے حصے میں تو محبت آئی ہی نہ تھی۔

"اللہ نے مجھ پر ایسا ظلم کیوں کیا؟ میں جس سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں وہ مجھے چاہتا ہی نہیں تھا۔ اللہ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا یا پھر میں ہی سب کچھ چھوڑ کر علی ابراہیم کی محبت میں پاگل ہو گئی جو مجھ سے محبت ہی نہ کرتا تھا۔ واہ رے مسکان واہ؟"

آج جب شادی کی پچیسویں سالگرہ پر علی ابراہیم نے مجھ سے پوچھا کہ "میں اس سے کیا تحفہ لینا چاہتی ہوں" تو میرے دل نے آج ایک عجیب سی فرمائش کی' وہ دل جو تنہا محبت کا اظہار کرتے کرتے تھک گیا ہے آج علی ابراہیم کی زبان سے اقرار سننا چاہتا تھا۔ میں آج اس کی زبان سے جاننا چاہتی تھی کہ مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ معلوم نہیں زندگی کتنی بچی ہے۔ جس انسان کو میں پچیس سال سے اپنی محبت دے رہی ہوں' آج میں بھی اس کے دل' اس کی زبان سے پوچھوں کہ وہ مجھے کتنا چاہتا ہے؟ کیا اسے مجھ سے محبت ہے۔ آج میں اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

"میں تمہارے منہ سے محبت کا اقرار سننا چاہتی ہوں۔ مرنے سے پہلے اپنی اور تمہاری محبت کی گہرائی کو جانچنا چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ پچیس سالوں میں ہماری محبت کم ہوئی ہے یا زیادہ۔"

اور وہ مجھے سپاٹ چہرے کے ساتھ یوں دیکھ رہا تھا جیسے میں نے اس سے کوئی عجیب بات پوچھی ہو۔ ایسی بات جس کا کوئی وجود نہ ہو۔

علی ابراہیم میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مجھے لگا جیسے آج وہ میرا مذاق اڑا رہا تھا۔ مجھ پر ہنس رہا تھا۔ میری بے وقوفی پر' پھر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

شاید آج وہ سچ بولنا چاہتا تھا۔ اسے مجھ پر ترس آ گیا ہو یا شاید وہ بھی پچیس سالوں سے جھوٹ بول بول کر تھک گیا تھا' بھرم رکھتے رکھتے تھک گیا تھا۔

اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"محبت ہمارے درمیان کبھی تھی ہی نہیں تو پھر اس کے کم یا زیادہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے درمیان محبت کا نہیں صرف سمجھوتے کا رشتہ تھا۔ تم میرے دل میں نہیں تھیں تم صرف میرے گھر میں تھیں۔ تمہارا اور میرا رشتہ وجود کا تھا' روح کا نہیں۔"

وہ یہ بات کہہ کر باہر نکل گیا اور میں حیرت سے اسے تکتی رہی۔ انسان پچیس سال میں بھی محبت نہیں کرتا؟ میرا دل چاہا میں اسی وقت مر جاؤں۔ مجھے موت آ جائے مگر اب تو عمر گزر گئی تھی۔ اللہ کے پاس جانے کی گھڑی بھی قریب ہی تھی۔

مرد کیوں ہوتے ہیں ایسے' انہیں اس بات کی ذرا بھی فکر نہیں ہوتی کہ جو عورت ان کے ساتھ ہمیشہ رہنے' اپنے عزیز رشتوں' ماں کی محبت' باپ کا لاڈ' بھائیوں کا پیار' بہنوں سے اپنائیت سب چھوڑ کر' قربان کر کے تمہارے پاس' تمہارے ساتھ زندگی گزارنے آئی ہے تمہیں اس عورت کی قدر ہی نہیں ہے۔ تم اس سے محبت نام کی چیز ہی نہیں کرتے۔

عورت کو بھی اللہ نے بہت صبر والا بنایا ہے وہ میاں کی محبت نہ پا کر بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی بلکہ اپنا فرض پورا کرتی ہے' وہ مرد کی طرح نہیں ہوتی جو اپنی مرضی کے مالک ہوں' جب چاہا رکھا' جب چاہا اپنی زندگی سے باہر نکال پھینکا۔ عورت تو ہر روپ میں صبر اور محبت والی ہے' چاہے ماں ہو یا بیٹی یا پھر بیوی۔ واہ ری عورت۔

☼ ☼

اُمِ مریم

موسمِ وفا

مہرہاؤس میں آج بہت گہما گہمی تھی۔ وہاج حسن کی بڑی بیٹی کی شادی تھی۔ کچھ مہمان آچکے تھے کچھ آرہے تھے بہت سوں نے ابھی آنا تھا۔ جتنے لوگ تھے کام بھی اتنے ہی تھے۔ ماما حسن کو پکارتے ہوئے سیکنڈ فلور کی سیڑھیاں اترتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ جہاں صوفے پہ سماز اور عینا بیٹھی مہندی لگانے میں مصروف تھیں ٹی وی آن تھا کوئی میوزیکل شو آرہا تھا مگر متوجہ دونوں ہی نہ تھیں۔

"حسن کہاں ہے؟ اور اگر اسے دیکھنا نہیں ہے تو بند کرنے کی زحمت ہی گوارا کرلو۔ خوامخواہ کا شور۔"

"حسن کا ہمیں پتا نہیں ہے ماما! اور یہ ہم دیکھ نہیں سن رہے ہیں چلنے دیں۔" عینا اپنے کام میں مگن بولی تھی۔ ماما جھلاسی گئیں۔

"ایک تو یہ حسن بھئی کسی چھلاوے سے کیا کم ہوگا۔ ابھی یہاں تھا اب غائب ہے۔ تم ایسا کرو حیدر کا نمبر ملا کے مجھ دو اسے ہی کہوں سعدیہ کو ایئرپورٹ سے لے آئے۔ لاپرواہی دیکھو ذرا ان باپ بیٹوں کی۔ مجال ہے جو کسی کو فکر ہو ہر کام کا مجھے ہی دھیان رکھنا پڑتا ہے۔"

عینا نے مہندی کی کون سائیڈ پہ رکھ کر سیل فون پر حیدر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ پھر منہ بسور کر سیل واپس ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"سوری ماما حیدر بھائی کا سیل آف جارہا ہے۔"

اس اطلاع پہ ماما کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

"تو اپنے باپ کو یا چاچو کو ہی فون کرلو' جتنا سبق دو اتنا پڑھیں گی محترمہ مجال ہے اپنی عقل بھی استعمال کرلیں۔ فلائٹ کا ٹائم ہوا جارہا ہے اور ابھی یہاں یہی نہیں پتا کسی کو کہ انہیں لینے بھی جانا ہے۔"

"یہ لیجیے بیل جارہی ہے خود ہی بات کریں۔" عینا نے نمبر ڈائل کرکے سیل فون ان کی جانب بڑھا دیا جسے کان سے لگائے وہ یونہی کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"ممانی جان کے ساتھ اور کون کون آرہا ہے۔ واشنگٹن سے؟"

سمانہ اپنے گداز مومی ہاتھوں کی پشت پہ تازہ گیلی مہندی کے نقش و نگار کو ستائشی نگاہوں سے تکتے ہوئے نیم دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"اور کس نے آنا ہے؟ انا ہی ہے۔ ماموں تو شاید ہی آئیں۔ اس روز ممانی یہی کہہ رہی تھیں فون پر۔" عینا نے اپنا ہاتھ ہولے ہولے دباتے ہوئے جواب دیا۔ مہندی کی کون پکڑے رکھنے سے اس کے ہاتھ میں درد شروع ہوگیا تھا لڑکیاں بھی تو ماشاءاللہ اتنی ساری تھیں جنہیں وہ اکیلی مہندی لگانے والی تھی۔

"انا تو اور بھی خوبصورت ہوگئی ہوگی؟ ایک سال پہلے بھیجی تھیں اس کی تصویریں ماموں نے جب اس کی اٹھارویں سالگرہ ہوئی تھی۔ یار وہ تو بالکل انگریز لگتی ہے۔ ہے بھئی بالکل وائٹ! وہ والی تصویر یاد ہے جس میں اس نے سفید فراک پہنی ہوئی تھی۔ سلور پٹی والا مائی گاڈ بالکل اپسرا لگ رہی تھی۔"

"ہاں پیاری تو وہ ہے۔" عینا نے تائید میں سر ہلایا تو سمانہ ایک دم جوش سے اٹھ بیٹھی۔

"یار وہ مجھے تو اتنی پیاری لگتی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے اسے ہمیشہ کے لیے اس گھر میں رکھ لوں اپنی بھابھی بنا کر۔" سمانہ کی بات پہ عینا نے مسکرا کر اس کے

جو شیلے انداز کو دیکھا تھا پھر رسانیت سے بولی تھی۔
"اب اتنی بھی جذباتی مت ہو پتا نہیں کیسا مزاج ہو اس کا۔ وہیں پلی بڑھی ہے۔ اللہ جانے ہم لوگ اسے پسند بھی آتے ہیں کہ نہیں۔"
"کیوں نہیں آتے ہم میں بھلا کمی کیا ہے؟ شہزادوں جیسے ہیں ہمارے بھائی دونوں ہی۔" سمانہ کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی جب ہی نخوت سے بولی تھی۔
"اُفوہ تم اس بحث میں نہ الجھو جاؤ چائے بنا کر پلاؤ مجھے! حشر ہو گیا میرا۔ مہندی تھوپ تھوپ کر تم سب کو۔" عینا نے بات ہی ختم کر دی۔ سمانہ نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔
"کیا مطلب مہندی خراب کر لوں اپنی؟ یار کسی اور سے کہو نا؟"
"اور کس سے کہا سے؟ لے دے کے وہی بچتی ہیں مگر میں ان سے نہیں کہوں گی چند دن رہ گئے شادی میں بے چاری ابھی تک کام کرتی پھر رہی ہیں۔"
"تو نہ کرنے دو نا! تم سنبھال لو۔ ویسے بھی تم ہی ان کے بعد سلیقہ مند بنی ہو۔" سمانہ نے بے نیازی سے کہہ کر ٹی وی کی آواز اونچی کر دی۔ عینا کا موڈ سخت خراب ہوا تھا۔
"شرم تو آتی نہیں ہے تمہیں۔ بڑی تم ہو اور باتیں مجھے سناتی جا رہی ہو اصولاً اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے مگر احساس ہو تب ہے نا۔"
وہ جلتی کڑھتی اٹھ کر خود چائے بنانے چلی گئی سمانہ مگن سی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بے تحاشا گوری رنگت، سبز آنکھیں اور سیاہ بالوں کی لمبی سی چوٹی، ملکوتی نقوش کی حامل یہ درمیانے قد کی یلو پھول دار اسکرٹ اور چکن کے سفید ٹاپ میں ملبوس اپنی تمام تر جاذبیت و دلکشی کے ساتھ "مہر ہاؤس" کے تمام مکینوں کے درمیان گردن تانے بیٹھی لڑکی انا ہے جس کو دیکھنے کی چاہ میں خاندان کے کتنے ہی لڑکے پاگل ہوئے جا رہے تھے خاص طور پہ حسن تو اسپیشل تیار ہو کر آیا تھا کہ اس پہ وہ پہلا امپریشن ہی بہت خاص چھوڑنا چاہتا تھا۔ بے نیازی اور نخوت کی ادا بھی بالخصوص اپنائی تھی کہ اس کے خیال میں لڑکیاں مردوں کی اس خوبی پہ جان دیتی تھیں۔
کھانے کے بعد وہ سب لوگ سعدیہ ممانی اور انا کو گھیرے میں لیے بیٹھے تھے۔ باتیں تھیں کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔ خاص طور پر ماما تو انا کے صدقے واری جا رہی تھیں۔
"کتنی سوہنی ہے میری دھی! اس کا نام انا نہیں موریہ ہونا چاہیے تھا۔"
ان کی بات پہ انا جھینپ گئی تھی جبکہ باقی سب محظوظ ہو کر قہقہہ لگا رہے تھے۔
"یار یہ تو مجھے دیکھ ہی نہیں رہی؟"
حسن بے نیازی کا تاثر دیتے ہوئے بھی گویا اسی کی سمت متوجہ تھا اس کی بے پروائی پہ جلبلانے لگا۔ سرمد کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"تمہیں کس نے کہا تھا تین ہزار غرق کرنے کو اب بھگتو۔"
حسن نے جواباً اسے گھورا پھر مسکین سی شکل بنا کر بولا تھا۔
"یار کہانیوں اور ڈراموں وغیرہ میں تو ایسی امریکہ پلٹ کزنز شادی کی تقریب میں شرکت کے بہانے درحقیقت اپنے لیے بر ڈھونڈنے ہی آتی ہیں میں تو اس لیے...!"
"تو کون سا وہ کسی اور کو سلیکٹ کر چکی صبر میری جان!"
سرمد نے تسلی بھی اپنے انداز میں ہی دی تھی۔ وہ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

رات کو مایوں کا فنکشن تھا۔ ساری تیاری ہو چکی تھی۔ انتظام لان میں تھا۔ اب لڑکے لڑکیاں اپنی تیاری میں مصروف تھے۔ ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ اس تقریب کے لیے کیسے کپڑے پہنے۔ انا تو اس کے لیے آج ہی بوتیک سے لمبی شرٹ چنا ہوا دوپٹہ اور چوڑی دار پاجامہ لائی تھی جس پہ پٹاپٹی کا کام ہوا تھا۔ مگر وہ اس قسم کے کپڑے پہنتے ہوئے بہت ہچکچا رہی تھی۔ مگر سمانہ نے اسے قائل کر کے ہی چھوڑا۔
"ارے بھئی اتنا نازک سا سراپا ہے تمہارا، بے فکر رہو یہ ڈریس تم پہ بے تحاشا سوٹ کرے گا دیکھ لینا۔"
اس نے اتنے اصرار سے اتنی محبت سے کہا تھا کہ انا کو مزید انکار کرنا اچھا نہیں لگا۔
سمانہ کے کہنے پہ وہ متامل سی کپڑے اٹھائے واش روم میں چلی گئی۔ پندرہ منٹ بعد نہا کر باہر آئی تو دوپٹہ کاندھے کی بجائے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ جسے آتے ہی اس نے بیڈ پہ پھینکا۔ اور گیلے بال تولیے سے رگڑ رگڑ کر خشک کرنے لگی۔
"سمانہ آپی پلیز مجھے ہیر ڈرائیر دیں ذرا۔" بال جھٹک کر پشت پر گراتے ہوئے اس نے مگن سے انداز میں کہا تھا۔
"اوہ سویٹی! تم ڈرائیر سے بال سکھاتی ہو؟ خیر وہ تو آپی کے کمرے میں ہو گا۔ پتا ہے نا ان کے کمرے کا؟ جاؤ وہاں سے لے آؤ، آپی وہیں ہوں گی۔"
"اوکے۔" اس نے کچھ سوچا پھر پلٹ کر دروازے کی سمت چل دی، سمانہ نے دیکھا اس کا دوپٹہ وہیں بیڈ پہ پڑا تھا۔ اسے اس کی شان بے نیازی پہ بے اختیار ہنسی آئی
"انا ڈیئر! یہ دوپٹہ لیتی جاؤ یار کیوں کسی بے چارے کو قتل کرنے کا ارادہ ہے اپنے زہد شکن سراپے کی چکا چوند سے۔" سمانہ نے وہیں سے اس کا دوپٹہ گول مول کر کے اس کی جانب اچھالا تھا انا جھینپ سی گئی۔
"اوہ سوری! ماما نے مجھے کہا بھی تھا، وہاں دوپٹہ ضرور استعمال کرنا ہے مگر پھر بھی بھول گئی۔" وہ اس کی گہری بات سمجھے بغیر ہی خجل سی وضاحت دینے کے بعد دوپٹہ کاندھے پہ ڈالتی باہر آ گئی۔ سیکنڈ فلور پہ سیڑھیوں کے ساتھ ہی شروع ہونے والے ٹیرس پہ جو کھڑکی کھلتی تھی وہ ہی کمرہ آپی کا تھا۔ اسے یاد رہ گیا تھا۔ جب ہی وہ اگلے چند منٹ میں ان کے سامنے تھی۔
"آپی مجھے ڈرائیر چاہیے۔" آپی رخ پھیرے الماری سے کچھ ڈھونڈ رہی تھیں، اس کی آواز پہ پلٹے بغیر بولی تھیں۔
"ڈریسنگ کی دراز میں ہے، لے لو۔" اس نے بڑھ کر دراز کھینچی ڈرائیر موجود تھا۔ جسے اٹھا کر وہ عجلت میں واپس ہوئی تھی۔ دروازے پہ آ کر اس نے دروازہ کھولنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسی پل باہر سے کسی نے پورے زور سے دھکیلا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ بھاری آبنوسی دروازے سے ٹکراتی لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ اور جھکتے ہوئے کراہنے کے انداز میں اپنا پاؤں پکڑ کے بیٹھ گئی۔
"اوہ سوری مس! میں آپ کو دیکھ نہیں سکا! آپ کو چوٹ لگی ہے؟" آنے والا سٹپٹا کر اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا ہوا متفکرانہ سوال کر رہا تھا۔ انا نے

تکلیف سے بھر آنے والی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بلیک ٹو پیس میں وہ اچھا خاصا خوبرو سا لڑکا تھا۔

"ارے کیا ہوا؟" آپی الماری کے پٹ کھلے چھوڑ کر بھاگی آئیں۔

"نہیں شاید چوٹ لگ گئی ہے' میں تو اپنے دھیان میں تھا' مجھے کیا پتا تھا۔"

"اچھا چھوڑو! اس دراز سے مرہم نکال لاؤ حیدر۔" آپی نے اس کا ہاتھ پیر کے انگوٹھے سے ہٹا کر دیکھا' متاثرہ جگہ سے کھال اکھڑ چکی تھی اور خون رس رہا تھا۔

"دروازہ میں آگیا تھا؟" آپی اسے سہارا دے کے صوفے پہ بٹھا چکی تھیں۔ مرہم لگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ڈرائیر چھوٹ کر پیر پہ جا گرا تھا۔" اس نے خفا خفا سی نگاہ خاموش سائیڈ پہ کھڑے حیدر پہ ڈال کر گویا اسے ہی جتایا۔ جو جز بز ہو اٹھا۔

"ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کیوں ہوا کے گھوڑے پہ سوا بھاگے آرہے تھے؟" آپی نے پہلے اسے تسلی دی' پھر حیدر کو جھاڑا تھا' جس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"مجھے کیا پتا تھا محترمہ سے ٹکر ہو جائے گی۔ حد ہوتی ہے بھئی' معمولی سا زخم ہے پھر بھی۔" اسے یکسر اجنبی چہرے کے سامنے اپنی انسلٹ بری طرح محسوس ہوئی' جبکہ وہ معذرت بھی کر چکا تھا۔

"انا ہے یہ! علی ماموں کی بیٹی! پہچانا نہیں تم نے؟" آپی نے اب کے موڈ بدل کر تعارف کروایا تھا۔

"نہیں پہچانا میں نے کون سا کبھی دیکھا تھا پہلے۔" وہ جواباً" نروٹھے پن سے بولا تھا' آپی کو اچنبھا ہوا۔

"کیوں ہر سال تو ماموں تصویریں بھیجتے ہیں' پھر کیسے بھول گئے؟"

"معاف کریں' بہت بڑا گناہ ہو گیا مجھ سے۔ آئندہ ماموں تصویریں بھیجیں گے تو میں ہر تصویر کو ایک گھنٹہ گھور کر سب کے نقوش ضرور حفظ کر لوں گا۔" وہ بدمزگی اور رکھائی سے بولا تھا۔ انا کو عجیب سی توہین محسوس ہوئی' تو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے ماشاء اللہ! کتنی پیاری لگ رہی ہو اس سوٹ میں' پیر پہ چوٹ بھی لگ گئی' پتا نہیں اب چلا پھرا بھی جائے گا ڈھنگ سے کہ نہیں؟" آپی نے جیسے ابھی اسے دھیان سے دیکھا تھا' بے اختیار تعریف کی' پھر تاسف نے گھیر لیا۔

"آپ کہیں تو میں انہیں اٹھائے اٹھائے پھرتا ہوں جہاں یہ جانا چاہیں میں حاضر۔" وہ بے حد بدمزاجی سے بولا' انا کو کچھ اور بھی سبکی کا احساس ہوا' وہ لب بھینچ کر آگے بڑھی' مگر اتنی زور سے ڈرائیر پیر پہ گرا تھا کہ اس کی جان نکل گئی تھی اب پیر پہ گویا بوجھ ڈالنا دشوار تھا' وہ لنگڑا سی گئی۔

"کیا ہو گیا ہے حیدر! حد ہوتی ہے بھئی! بے حسی اور بدتمیزی کی بھی' مہمان کے سامنے ہی۔" پھر لنگڑاتی ہوئی انا پہ نظر پڑی تو سرعت سے اس کے نزدیک آئی تھیں اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کہاں جا رہی ہو! یہاں بیٹھو میں خود اپنی گڑیا کے بال سکھاتی اور سلجھاتی ہوں۔"

"نو تھینکس آپی! میں خود کر لوں گی۔" اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا' پیر میں درد کا طوفان اٹھا تھا۔ مگر اس نے وانستہ چال میں لنگڑاہٹ نہیں آنے دی۔ مگر سیڑھیوں تک پہنچتے پہنچتے ضبط جواب دے گیا تھا۔ تو وہیں بیٹھ کر نم آنکھوں سے پیر سہلانے لگی۔

"ایسی بہادری کا فائدہ! جو نقصان سے دوچار کردے؟ آیئے میں چھوڑ آؤں آپ کو۔" اس کی گمبھیر آواز پہ وہ چونک کے متوجہ ہوئی' وہ ریلنگ تھامے بہت اطمینان بھرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ میری جان چھوڑ دیں پلیز۔" کسی طرح بھی وہ خود کو تلخ ہونے سے نہیں بچا سکی۔

"مرضی ہے آپ کی؟ ویسے اطلاعاً" عرض ہے لڑکیاں میری ایسی آفرز کا انتظار کیا کرتی ہیں۔" اس کے مغرور لہجے میں کچھ نہیں بہت کچھ ہونے کا زعم تھا۔ انا کا دل جل کر رہ گیا۔

"ڈیم اٹ! میں ایسی ہر آفر کو ایسے ہی ٹھکرا دیا کرتی ہوں' اب تشریف لے جایئے۔" اس کا لہجہ بے حد کڑا تھا۔ حیدر کاندھے اچکا کر سیڑھیاں اتر گیا' جبکہ وہ چلتی

ہوئی دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترنے لگی' مگر درمیان میں ہی عینا اور سامیہ آگئی تھیں۔

"ہمیں بھائی نے بتایا کہ تمہیں چوٹ لگ گئی ہے اور چلا نہیں جا رہا۔" اور اس اطلاع پہ اس کا جی چاہا تھا ان کا سہارا ابھی لینے سے انکار کر دے۔

☼ ☼ ☼

آنکھ کہتی ہے' میری حسن یوسف کی قسم
ساری دنیا میں نہیں کوئی حسیں تجھ سا صنم

آرکسٹرا پہ گیت چل رہا تھا' مایوں کی رسم ادا ہو چکی تھی۔ آپی اورنج سوٹ کے ساتھ میچنگ کی چوڑیاں پہنے غضب ڈھا رہی تھیں۔ انہوں نے رسم کے موقع پر انا کو خاص طور پہ اپنے ساتھ لگا کر بٹھایا تھا۔

"اوہ آپی! اسے تو اٹھائیں نا اپنے پاس سے مووی میں ہر جگہ یہ ہی نظر آئے گی۔" حیدر نے سخت احتجاج کیا تھا۔ اس لڑکی کو چھیڑنے میں اسے مزا آنے لگا تھا۔

"بکو مت حیدر! کیا مطلب ہے تمہارا؟"

یہ بات ماما نے بھی سن لی تھی اور فوری نوٹس لیا تھا۔

جواباً" وہ سر کھجاتے ہوئے معصومیت سے بولا۔

"میرا مطلب ہے جہاں جہاں دیکھی جائے گی مووی اس حسن جہاں سوز کو دیکھ کر لوگ دھڑا دھڑ اپنے رشتے بھیجیں گے۔ اب پتا نہیں ان کا ارادہ ہے یہاں شادی کا یا نہیں؟ خوامخواہ معصوم لوگوں کے دل توڑنا اچھی بات نہیں۔"

"تم اپنے دل کی فکر کرو' باقیوں کا غم نہ پالو۔" ماما نے مسکرا کر کہتے اسے ایک چپت لگائی تھی۔ اور اسٹیج سے اتر گئیں۔

"حیدر گانا گاؤ نا تم!" علینہ نے عین اس کے برابر نشست سنبھال لی تھی۔ آج اس کی سج دھج ہی نرالی تھی۔ وہ تو عام دنوں میں بھی خود پہ خصوصی توجہ دیتی تھی' یہ تو خاص دن تھا۔ حیدر کو مخاطب کر کے اس نے ایک ادا سے بال جھٹکے تھے۔ علینہ نے کیا توجہ اس سمت دلائی' سب ہی اس کے پیچھے پڑ گئے۔ تب وہ اپنے روم سے اپنا گٹار اٹھا لایا تھا۔ اس نے دھیرے سے

تاروں کو چھیڑا' پھر کسی قدر شرارتی لہجے میں بولا۔
"ڈیلی کیٹ کسے کروں؟"
"یہ تو تم بتاؤ گے؟" علینہ نے ہی مسکرا کر کہا۔
"میں تو راز رکھنا چاہتا ہوں۔" اس کی شرارتی آنکھیں لمحہ بھر کو عینا اور سمانہ کے ساتھ بیٹھی اپنے دوپٹے کو بار بار سنبھالتی انا پہ پڑیں۔
"راز کھل جائے گا خود ہی تم گاؤ تو۔" آپی کے کہنے پہ وہ کسی قدر حیران ہوا تھا۔
"وہ کیسے بھلا؟"
"بعد میں بتاؤں گی' ریئلی وعدہ ہے۔" انہوں نے تسلی سے نوازا تو حیدر نے بے نیازی سے کاندھے اچکا دیے تھے۔

مجھے تم چپکے چپکے سے ایسے جب دیکھتی ہو
اچھی لگتی ہو
کبھی زلفوں کبھی آنچل سے کھیلتی ہو
اچھی لگتی ہو' اچھی لگتی

گٹار کے سر' اس کی گمبھیر آواز کا سحر اور تالیوں کا اسی تال میں دیا گیا ساتھ۔ گویا ایک ماحول بندھ گیا تھا۔ کچھ فاصلے پہ بیٹھی انا بھی متوجہ ہوئی' وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں ملنے پہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بھرپور انداز میں مسکرایا۔ انا نے کسی قدر نخوت سے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔

تم میں اے مہرباں! ساری ہیں خوبیاں
بھولا پن' سادگی' دلکشی' تازگی
تعریف جو سن کے تم شرما جاتی ہو اچھی لگتی ہو
کبھی ہنس دیتی ہو اور کبھی اترا جاتی ہو اچھی لگتی ہو

نظریں جھکا لینے کے باوجود وہ اس کی بے باک نگاہوں کی تپش محسوس کر کے جزبز ہوئی تھی۔ اور ہونٹوں کو باہم بھینچ کر دانستہ چہرے کا رخ بھی پھیرا' مگر اس کی نگاہوں پہ پلکوں پہ اتر آنے والی لرزش بہت فطری سی تھی۔ سب نے تالیاں بجاتے ہوئے اسے بڑے جوش سے وش کیا تھا۔
"اب بتائیں کسے ڈیلی کیٹ کیا میں نے یہ سانگ؟" حیدر کو جاننے کی جلدی تھی۔ گٹار رکھ کے وہ آپی کے سر ہوا۔
"علینہ نے بتا تو دیا ہے' کیا تم نے اس کی آواز نہیں سنی۔"
آپی نے نروٹھے پن سے کہا اور اٹھ گئیں' حیدر کا منہ لٹک گیا تھا۔
"یہ تو فاؤل ہوا نا! آپ پرامس کر چکی ہیں۔" وہ پیچھے سے چیخ کر بولا تھا۔ مگر وہ پلٹی نہیں' البتہ پوری محفل کے سامنے علینہ کی گردن میں مزید کلف لگ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

مایوں کے بیچ کے دونوں دن فراغت کے تھے' یعنی دو دن بعد مہندی تھی۔ وہ سوندھی سوندھی سی شام تھی' جب "مہر ہاؤس" کے لان میں حیدر سمیت سب ہی لڑکے لڑکیاں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ بیٹ حیدر کے پاس تھا۔ سرمد کی گیند پہ اس نے شاٹ کھیلا تو ماما کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی اس سمت آتی انا کے بال آ کے پوری قوت سے شانے کی خبر لے گئی' وہ تو چیخ ہونٹوں میں ہی دبا کر ہی بھینچ گئی تھی' مگر ماما نے حیدر کے جوتے لیے تھے وہ سب نے بہت انجوائے کیے' ماما نے اس وقت کھیل بند کرا دیا تھا۔
"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی بیٹا؟" اب وہ ہمدردی اور محبت سے اس کی سمت متوجہ تھیں جو آنسو روکنے کی کوشش میں ہلکان سرخ چہرہ جھکائے بیٹھی تھی۔ ماما کے موڈ کی خرابی کو دیکھتے ہوئے ساری چنڈال چوکڑی کھسک چکی تھی۔ ایک وہ ہی اب بھی منہ لٹکائے کھڑا تھا۔
"کاندھا اتر گیا ہو گا۔ آپ اتنے آرام سے کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟ انہیں ہڈیوں کے اسپیشلسٹ کے پاس لے جائیں نا۔" جواب اس کے بجائے حیدر کی جانب سے آیا اور خاصا تنتنا کر بھی۔ ماما نے بے دریغ گھورا تھا۔ پھر نرمی سے انا کا گال سہلایا۔
"اس کی بکواس پہ دھیان مت دینا' تم بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔"

"ہاں میری تو کوئی عزت ہی نہیں' ڈاکٹر کو کال کرنے جا رہی ہیں؟" وہ پیچھے سے کلس کر چیخا تھا۔ پھر قدرے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا اور نخوت سے بولا تھا۔
"آپ پاکستان شادی اٹینڈ کرنے آئی ہیں یا میری بے عزتی کروانے؟"
"میرا خیال ہے میں یہاں آپ سے اپنی ہڈی پسلی ایک کروانے آئی ہوں بد قسمتی سے۔" اسے بھی بے تحاشا غصہ آیا تھا۔ جب ہی تڑخ کر بولی۔ حیدر نے بغور اس کے تپے تپے سے حسین چہرے کو دیکھا' اس وقت وہ جینز کے اوپر کاٹن کی سفید شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ چوٹی سے نکلے ہوئے بال لٹوں کی صورت گردن اور چہرے کے گرد جھول رہے تھے۔ سبز آنکھوں کی گہرائیوں تک خفگی ہی خفگی تھی۔
"اگر ایسی بات ہے تو کشتی لڑ لیں مجھ سے۔ ایک بار ہی کام نبٹ جائے بار بار کی تکلیف سے بھی جان چھٹے گی۔" اسے پھر سے شرارت سوجھ گئی تھی' انا کے دل پہ چوٹ لگی تھی' کسی قدر شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔
"میری آپ سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے حیدر بھائی! پھر آپ کیوں ہر وقت مجھے زچ کرتے ہیں؟"
"بھاآآئی!" وہ صدمے کی شدت سے بے ہوش سا ہونے لگا۔
"تمہیں کس بدخو نے کہا کہ میری شکل بھائیوں والی ہے؟ اچھے بھلے ہیرو نما لڑکے کو لے بھائی بنا لیا ہے' اب تو دشمنی کی پکی ابتدا ہو گی۔" وہ دانت پیس کر بولا تو انا گھبرا گئی۔ پھر ہونق سی ہو کر بولی۔
"میرا مطلب ہے کہ آپ اپنی باقی تمام کزنز کے ساتھ فرینڈلی بات کرتے ہیں' میں بھی آپ کی ماموں زاد ہوں نا حیدر بھائی!"
"پھر بھائی!" وہ کرسی پہ اچھل کر چیخا' انا ڈر سی گئی' تب وہ اکڑ کر بولا تھا۔
"تو پھر ٹھیک ہے دشمنی ختم کرتے ہیں اور ہاتھ ملا کر دوستی کا آغاز کرتے ہیں۔" اس نے بڑے جوش بھرے انداز میں کہتے ہوئے اپنا بھاری ہاتھ بڑھایا۔ انا نے بے اختیار اپنا ہاتھ پشت پہ کیا تھا اور سر کو نفی میں جنبش دے کر بولی تھی۔
"نو نیور۔ میں لڑکوں سے ہاتھ ملاتی ہوں' نہ ان سے دوستی کرتی ہوں۔"
"اچھا اتنی پارسا لگتی تو نہیں ہو تم؟" علینہ جو انہیں اکٹھے بیٹھے اور باتیں کرتے دیکھ کر ہی سلگ اٹھی تھی پاس آتے ہی حقارت سے بولی۔ انا اس جملے پہ بزل سی ہو گئی۔ اسے فوری طور پہ بالکل سمجھ نہیں آئی کیا جواب دے۔ حیدر نے اس کے چہرے کو دھواں ہوتے دیکھا' پھر کسی درجہ ناگواری سے بولا تھا۔
"واٹ نان سینس علینہ! بی ہیو یور سیلف۔"
"اب تم مجھے بتاؤ گے کہ میں...." غم و غصے کی زیادتی سے وہ بات بھی مکمل نہ کر پائی' اس کا چہرہ اور آنکھیں دہک اٹھی تھیں۔ یہ خیال ہی اندر تک آگ بھر دینے والا تھا کہ حیدر اس کے علاوہ بھی کسی اور کی سمت متوجہ ہو' کس سے ہنسے بولے۔
"علینہ میں نے کہا نا فضول مت بولو' اگر ایسی ہی جلی کٹی باتیں کرنی ہیں تو جاؤ یہاں سے۔" وہ بغیر کسی لحاظ کے ڈانٹ کر بولا' علینہ کا جیسے انسلٹ کے احساس سے تن من سلگ اٹھا۔ انا ان کے جھگڑے سے پریشان ہو کر اٹھی تھی۔
"پلیز پلیز آپ چپ ہو جائیں' میں جا رہی ہوں یہاں سے۔" اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کر تیز قدموں سے بھاگتی اندرونی حصے میں غائب ہو گئی۔ حیدر نے بھی ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ دی۔ علینہ نے لمبے ڈگ بھر کے گیٹ سے باہر جاتے حیدر کو وحشت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔
"تم صرف میرے حیدر ہو صرف میرے' اگر تم نے کسی اور کی جانب دیکھا بھی تو یاد رکھنا میں اسے بخشوں گی نہیں۔" وہ دانت بھینچے سوچے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس دن مہندی تھی' لڑکیوں کا ارادہ پارلر سے تیار

ہونے کا تھا۔ سمانہ نے اسے بھی ساتھ گھسیٹ لیا تھا حالانکہ اس کا موڈ بھی نہیں تھا۔ پارلر سے میک اپ کروانے کا۔ مگر جب وہ سب تیار ہو کر واپس گھر آرہی تھیں تو ان سب کا مشترکہ خیال تھا سب سے زیادہ پیاری اور کیوٹ انا ہی لگ رہی ہے۔ ڈل گولڈن اوپن شرٹ جو کام سے بوجھل تھی' ساتھ میں کھلے پائنچوں والا سادہ ٹراؤزر آف وائٹ بڑا سارا دوپٹہ جس کے چہار اطراف چوڑی سی کامدار تھی۔ سلکی بالوں میں گندھا تازہ کلیوں کا گجرا' وہ واقعی انار کلی لگ رہی تھی۔

"میرے ساتھ ساتھ رہنا پلیز۔" وہ پنڈال میں آتے ہی بہت ساری ستائشی نگاہوں کا مرکز بن کر کنفیوز ہوتی ہوئی سمانہ سے بولی تھی۔

"دولہا والے مہندی لے کر آتے ہی ہوں گے۔ آؤ پہلے اوپر سے پھولوں والی پلیٹیں لے آئیں۔" سمانہ نے اس کی چوڑیوں اور مہندی سے سجی کلائی پکڑ کر ساتھ گھسیٹ لیا۔ مگر اوپر آتے ہی وہ دھک سے رہ گئی تھیں۔

"ہائے یہ پھول کی پتیاں کہاں گئیں؟" سمانہ کی دہائی پہ وہ بھی پریشان ہوئی تھی۔

"رکھی کہاں تھیں؟"

"پھول تو فریج میں رکھوائے تھے۔ مگر اب غائب ہیں۔ ٹھہرو میں سرد سے پوچھتی ہوں لازمی اس نے اسٹیج کے کارپٹ پہ بکھیر دیے ہوں گے۔" وہ غصے سے پھنکارتی پھر نیچے بھاگ گئی۔ انا اس کے پیچھے دوڑی' مگر پھر جیسے وہیں ٹھہر گئی' اسے ڈر تھا کہ سمانہ کی طرح اونچی ہیل اور لمبی شرٹ میں وہ کبھی اتنا تیز نہیں چل سکتی۔

"ارے واہ! یہ تم انا ہی ہو نا؟ یار تم تو اچھی خاصی چارمنگ لڑکی ہو۔ ایسے ہی کپڑے پہنا کرو۔" وہ سمانہ کے انتظار میں وہیں ایک کرسی پہ ٹک گئی تھی' جب حیدر کی چہکتی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوئی جو خود بلیک شلوار کرتے میں کلر تلے کے کام والا پٹکا گلے میں ٹائی کے اسٹائل میں ڈالے' کسی کمپنی کے ماڈل کے انداز میں ہی بڑے اسٹائل سے فریج سے کاندھا ٹکائے کھڑا تھا۔ انا نے منہ بنالیا۔

"سوری فار ڈیٹ! میں آپ کی یہ فرمائش پوری نہیں کر سکتی۔ بی کوز مجھے اس قسم کے ڈریسز پسند نہیں ہیں۔"

"لیکن مجھے تو پسند ہیں نا! اور ہم اگر فرمائش کرتے ہیں تو پھر پوری بھی کروالیا کرتے ہیں۔" اس کا لہجہ شوخ اور کھنکدار تھا' مگر معنی خیز بھی تھا۔ وہ بچی نہ تھی کہ اس کی نظروں کو نہ سمجھتی' جب ہی ماتھے پہ شکنیں پڑ گئیں۔

"میں کسی کی پسند پوری کرنے کی پابند نہیں ہوں اور آئندہ مجھے یار وار کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے پسند نہیں ہے یہ بے تکلفی۔" ٹھنڈے لہجے میں بہت کچھ اس پہ ایک ساتھ جتا کر وہ وہاں سے جانے کے ارادے سے اٹھی تھی۔ مگر ایک قدم سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ اس کا ہاتھ حیدر کے مضبوط ہاتھ کی بہت سخت گرفت میں آیا تھا۔ وہ چند ثانیوں کو منجمد ہوئی تھی' پھر تڑپ کر پلٹی اور بہت سخت نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" مزاحمت بے کار جاتی دیکھ کر تند لہجے میں بولی تھی۔

"میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟"

"آپ انتہائی فضول ہیں' ہاتھ چھوڑیں میرا۔" وہ اس کی سخت گرفت میں ٹوٹتی چوڑیوں سے زخمی ہوتی کلائی کی تکلیف پہ سسکاری بھر کے بولی۔

"اس فضول آدمی سے شادی کرلو' بہت محبت کرے گا تمہیں۔" وہ اٹل مسکان دبا کر بولا۔ انا منجمد ہوگئی۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں انا! سوچنا اس پہ پھر جواب دینا مجھے۔" اس کی نگاہوں کی غیر یقینی شک اور حیرت کو پاتے ہوئے وہ مسکرا کر بولا تھا اور نرمی سے دبا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

انا اپنے ہی دوپٹے سے الجھتی تیز قدموں سے وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ حیدر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

رات جب وہ بہت دیر تک آپی سرد' سمانہ اور عینا وغیرہ کے ساتھ جاگ کر باتیں کر رہا تھا۔ تب اچانک ہی آپی نے اسے بھی شادی کا مشورہ دے ڈالا تھا۔

"ہاں میرا بھی خیال ہے کر ہی لوں۔ اس طرح شاید آپ کی کمی پوری ہو سکے؟" وہ اندر سے افسردہ تھا' مگر بظاہر شریر لہجے میں بولا تھا۔

"کوئی لڑکی پسند نہیں تمہیں؟" آپی نے اسے کھوجنا چاہا تھا' اس نے کاندھے اچکا دیے۔

"کچھ خاص نہیں' مجھے تو ساری لڑکیاں ایک ہی جیسی لگتی ہیں۔"

"مگر بھائی انا بہت منفرد اور خاص لگتی ہے' آئی وش کہ وہ ہماری بھابی بنے۔" سمانہ نے جھٹ اپنی خواہش ظاہر کردی تھی۔ آپی نے بھی بھرپور تائید کی تھی۔

"ہاں بتاؤ انا تمہیں کیسی لگی؟ کیا خیال ہے اس کے بارے میں تمہارا؟" ان کے لہجے میں اشتیاق سا در آیا تھا۔

"ٹھیک ہی خیال ہے۔" اس کا بڑے سے دوپٹے سے الجھنا یاد آیا تو لب بے اختیار مسکرا دیے۔ آپی اس کی دھاندلی پہ چیخ پڑی تھیں۔

"بڑے گھنے ہو' وہ جو علینہ کو چکر دے رکھا ہے؟"

"مائنڈ اٹ آپی اسے میں نے کوئی چکر نہیں دیا ہوا' محترمہ خود ہی مجھ پہ اجارہ داری قائم کیے بیٹھی ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ہم بات کریں ممانی سے؟"

"شوق سے' مگر اس سے پہلے انا سے اس کی رائے ضرور پوچھ لیجیے گا۔"

"اوئے ہوئے بڑا خیال ہے ابھی سے۔" سمانہ اور عینا کے ساتھ مل کر سرد نے بھی اسے چھیڑا تھا۔ وہ ہنستا رہا۔

"بے وقوف کچھ بھی بتا کر نہیں گئی۔" وہ اپنے خیال سے چونکتا ہوا سنبھلا' مگر اگلے ہی لمحے ساکن ہوگیا۔ اس کی داہنی ہتھیلی پہ چوڑیوں کی باریک کرچیاں اور خون کے دھبے' بہت نمایاں تھے۔

"اوہ۔" اس کے اندر ڈھیروں ملال در آیا۔ وہ ایک بار پھر انجانے میں ہی سہی' مگر اسے تکلیف پہنچانے کا سبب بن گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

تم ابر گریزاں ہو' میں صحرا کی طرح ہوں
دو بوند جو برسو گے بے کار میں برسو گے

ہے خشک بہت مٹی ہر سمت بگولے ہیں
صحرا کے بگولوں سے اٹھتے ہی شعلے ہیں

تم کھل کے اگر برسو صحرا میں گلستان ہو
تم سے تو کہیں کیسے تم ابر گریزاں ہو

اگلی صبح بارات آنا تھی' "مہر ہاؤس" میں بہت رونق اور گہما گہمی تھی۔ وہ حیدر کی باتوں سے ساری رات ڈسٹرب رہی' نیند بھی ڈھنگ سے نہ آسکی۔ پھر اس پہ اس کا زخمی کلائی پہ لگانے کو خاص تاکید کے ساتھ بھیجا گیا مرہم۔ وہ کب تک کہاں تک بچتی اور کیسے کہ دل بھی تو مائل بہ محبت تھا۔ مگر پھر بھی وہ بہت ڈر رہی تھی۔ جب ہی اس سے گریزاں ہوگئی۔

رات مہندی کے فنکشن میں بھی ڈھنگ سے شریک نہ ہو سکی' سر درد کا بہانہ بنا کر جلد سونے چلی گئی۔ اب ماما کے پاس کچن میں ناشتا کر رہی تھی' جب حیدر اسے ڈھونڈتا ہوا ہی وہاں آیا تھا۔ اسے موجود پا کے اس کی آنکھوں میں کتنی چمک اتر آئی تھی' جسے ایک نظر دیکھ کر ہی انا کا دل دھڑک اٹھا تھا اور وہ اس کے عین سامنے کرسی پہ براجمان ہو کے کتنے جذب سے اسے نظم پڑھ کے سنا رہا تھا۔ انا بے تحاشا کنفیوژ ہو کر رہ گئی۔

"میری باتوں نے تمہیں اتنا ڈسٹرب کر دیا؟" وہ اس کی سرخ آنکھوں میں جھانک کر استفسار کرنے لگا۔ چائے کا گھونٹ بھی انا کے حلق میں جیسے پھنس گیا۔

"زخم کیسا ہے؟ مرہم لگایا تھا؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر زخم چیک کرنا چاہا' انا نے سرعت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ حیدر کے چہرے پہ ایک سایہ سا گزر گیا۔ ہونٹ

بھینچتے ہوئے وہ ایک دم کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ کچن کے دروازے سے نکلتا اس نے بے ساختگی میں پکار لیا تھا۔ "حیدر....." وہ رکا تھا اور مڑ کر سوالیہ' مگر خفا خفا سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے سوچنے کو وقت دیں پلیز۔" حیدر ایک دم سے کھل اٹھا۔ مسکرا کر پھر کچن کی چوکھٹ سے کاندھا ٹکا کر بشاشت سے بولا تھا۔

"جتنا مرضی لے لو' مگر فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے۔" انگلی اٹھا کر اس نے جس دھونس سے کہا تھا' وہ انا کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ بکھیر گئی۔

☼ ☼ ☼

کہا اس نے محبت زندگی میں درد لاتی ہے
کہا میں نے معجزے بھی تو محبت ہی دکھاتی ہے

کہا اس نے محبت میں فقط آنسو ہی آنسو ہیں
کہا میں نے خاموشی پہ تیرا انکار ہی تو ہے

کہا اس نے مسکان ہونٹوں کی میرا اقرار ہی تو ہے
کہا اس نے کہ جنت میں خدا سے کس کو مانگو گے

کہا میں نے میرے ہمدم میرے محبوب تم ہونا
کہا اس نے بھلا مجھ میں تمہیں کیا چیز بھاتی ہے؟
کہا میں نے تمہیں دیکھوں تو جاں میں جاں آتی ہے

سینے پہ دونوں ہاتھ لپیٹے وہ اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ انا نے گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا اور جبراً مسکرائی۔

"تمہیں کس نے کہا تھا۔"

"کیا؟" وہ ہونق سی ہوئی' ابھی تو ان کے درمیان بات چیت کا آغاز ہوا تھا' ایسا کیا کہہ دیا کہ وہ خفا ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"مسکرانے کو۔" اس نے جواباً "اس کی زبردستی کی پھیکی مسکراہٹ کو جتایا تو انا ایک دم نظریں چرا گئی۔

"انا میں محبتوں میں توازن اور نرمی کا قائل ہوں۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ تمہارے دل میں میرے لیے کوئی گنجائش نہ ہو اور تم جبراً" میرا ساتھ قبول کرو۔ میں اگر زبردستی نہیں چاہتا تو شادی کے بعد تمہاری ذرا سی بٹی ہوئی توجہ بٹی ہوئی محبت بھی گوارا نہیں کروں گا' جو کچھ بھی تمہارے دل میں ہے پلیز مجھے ابھی بتا دو۔"

اس کی الجھن' اس کے تذبذب' اس کے گریز کو حیدر نے بہت شدتوں سے محسوس کیا تھا۔ حالانکہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ مگر وہ ہرٹ اس کے نظریں چرانے فرار کے راستے اپنانے پہ ہوا تھا۔ اور انا وہ اپنی الجھن چاہ کر بھی اس سے شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ بھلا جو اس کا احساس تھا وہ اسے کسی کے لیے الزام بنا کر کیسے زبان سے نکال دیتی۔ علینہ کی نظریں اسے بہت سلگتی ہوئیں ہمہ وقت اپنے تعاقب میں ایک نفرت کے احساس سے جھلساتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ خاص طور پہ تب جب حیدر اس سے مخاطب ہوتا' اس کی سمت متوجہ ہوتا۔ علینہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ علینہ کا رویہ بھی ایسا نہیں تھا کہ وہ یہ سمجھ پاتی کہ وہ خود حیدر میں انوالو ہے۔ اس کا رویہ حیدر کے ساتھ بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ حسن یا پھر سرمد کے ساتھ۔

"کیا اگر جو وہ حیدر میں انوالو ہوتی تو تم اس کی خاطر پیچھے ہٹ جاتیں؟ وہ بھی اس صورت کہ حیدر تمہارے ساتھ' تمہاری محبت کا خواہاں ہے؟"

کوئی اس کے دماغ میں بولا تھا اور جواب میں اس کے اندر سناٹے پھیل گئے۔ جانے کب کیسے وہ اپنی تمام تر دلکشی کے ساتھ دل کا مکین بن بیٹھا تھا۔ اسے تو تب خبر ہوئی تھی جب دل نے اس کے نام پہ دھڑکنوں کے انداز بدلے تھے۔ حیدر کی آنچ دیتی' مگر سوالیہ نگاہیں ہنوز اس کے چہرے پہ رکی جواب کی منتظر تھیں۔ وہ ہڑبڑا سی گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے حیدر! میرے خلوص پہ شک مت کریں۔"

"کیا ہے تمہارا خلوص! مجھے یقین کا کوئی سرا تھماؤ نا۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس کے ذرا سے التفات پہ ہی کھل اٹھا تھا۔ انا اس کی شوخی بھری برجستگی پہ جھینپ گئی۔

"آپ کی رفاقت' آپ کی محبت کو پانا میری خوش بختی ہو گی جناب۔" انا نے جذب سے کہا اور مسکراتے ہوئے پلٹ کر کمرے میں بھاگ گئی۔ حیدر کھل کر مسکرا دیا تھا' اس بات سے بے نیاز کہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے کب سے دیکھتی علینہ کے اندر بھڑکتی آگ الاؤ کا روپ دھارتی جا رہی ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ خوب دل لگا کر ولیمہ کے لیے تیار ہوئی تھی۔ شارٹ سلک کا شلوار کرتا جس پر پرلز اور نگینوں کا انتہائی نازک کام بنا ہوا تھا۔ اس کی سفید رنگت پہ خوب جچ رہا تھا۔ زرقون سے بجی جیولری پہنے جب وہ ہال میں آئی تو بے اختیار بہت سی نگاہیں اس پہ اٹھی تھیں اور ستائش سے بھر گئی تھیں' ان ہی نگاہوں میں حیدر کی بھی نظریں تھیں' وائٹ شلوار سوٹ پہ مسون دھسا اپنے چوڑے شانوں پہ پھیلا وہ اتنا وجیہہ لگ رہا تھا کہ علینہ کو بے اختیار ہی اپنی دھڑکنیں منتشر ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔ جب تک انا وہاں نہیں تھی' وہ کسی کی سمت متوجہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ علینہ کی طرف بھی نہیں' جس نے آج کی تیاری میں ہی ہزاروں روپیہ غرق کر دیا تھا۔ جیولری مہنگے ترین بوتیک سے خریدا سوٹ' سینڈل' میک اپ تک اس کی ہر چیز قیمتی تھی۔ مگر وہ خود کو پھر بھی کسی کے لیے خاص بنانے میں ناکام رہی تھی۔

وہ جس نے اسے یعنی حیدر کو خاص بنا دیا تھا۔ جب اس نے ماڈلنگ کی تھی کتنی مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا' خاندان بھر میں اس کے خلاف' کالج کے فنکشن میں اس نے ماڈلنگ کی تھی' اب یہ اس کی قسمت تھی کہ وہاں مہمان خصوصی جو تھیں ان کے بھائی کی ایجنسی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر انہیں لگا تھا جیسے یہ فوٹو جینک چہرہ ہے۔ انہوں نے اسے ماڈلنگ کی آفر کی اور علینہ کو لگا جنت کا ٹکٹ مل رہا ہے۔ بس خوش بختی کو بڑھ کر تھام لیا۔ اور اس معاملے کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگوائی۔ بالا ہی بالا ہی سارا کام نبٹا لیا۔ وہ تو جب پہلی بار اس کا کمرشل آن ایئر ہوا اور اخباروں' رسالوں میں ہر جگہ اس کا چہرہ جگمگانے لگا تب "مہرہاؤس" کے مکین غیرت اور عزت کا جنازہ نکل جانے پہ بپھر اٹھے۔ اس پہ کسی چیز کا اثر نہ ہوا' ڈانٹ' ناراضی' غصہ — مار پیٹ تک' اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

"مجھے یہ کام کرنا ہے' یہ میرا شوق نہیں جنون ہے۔" پتا نہیں یہ جنون ایک دم ہی کیوں چڑھ گیا تھا اسے۔ چاچو نے اسے کمرے میں بند کر دیا' باہر جانے پہ بھی پابندی لگا دی' کالج جانا چھوٹ گیا۔ مگر وہ علینہ تھی جس میں ضد' غصہ اور اکھڑ پن کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا۔ سوکھ کر کانٹا تو ہو گئی' مگر اپنی ضد نہ چھوڑی۔ اس کے چہرے کے پیلے پن کو نقاہت زدہ وجود کو دیکھ کر چاچی رویا کرتیں' چاچو کی منت سماجت کرتیں تو بھی گرجنے برسنے لگتے۔

"اس طرح تو مر جائے گی وہ۔"

"مرنے دو' ایسی اولاد کا مر جانا ہی اچھا۔" وہ جواباً بے حسی سے کہتے۔ تب حیدر اور پاپا نے ہی چاچو کو رام کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سمجھایا تھا۔

"اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی الیاس! بچی ہے وہ ابھی اتنی سمجھ نہیں' اگر تم بہت سختی کرو گے تو نقصان دہ ثابت ہو گی۔"

"پھر کیا کروں بھائی جان! لوگوں کی باتیں' ان کی نظریں برداشت نہیں کر سکتا' جی چاہتا ہے خودکشی کر لوں۔" وہ رونے والے ہو رہے تھے۔ پاپا نے ان کا کاندھا تھپکا تھا۔

"چاچو' اب تو اچھے خاندان کی لڑکیاں بھی آ رہی ہیں اس فیلڈ میں۔"

"اونہہ اچھے خاندانوں کی' یہ محض ایک ڈھکوسلہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ایسی ہی ہٹ دھرم ہوتی ہے اولاد جو زبردست اپنی من مانی کرتی ہے اور نام خاندان کا بدنام ہو جاتا ہے۔" چاچو زہر خند — ہوئے تھے۔ مگر

اس کے بعد یہ ہوا تھا کہ علینہ کو من مانی کی اجازت مل گئی تھی۔

"تمہیں اندازہ ہے حیدر' تم اچھے خاصے ہینڈسم ہو؟" ایک دن جب وہ سردیوں کی دھوپ میں لان میں بچھی کرسی پہ بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا' علینہ نے اس کا بغور جائزہ لے کر انکشاف کیا تھا۔ جواباً" اس نے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

"نئی اطلاع نہیں ہے' ہر روز یونیورسٹی میں مجھ پہ سیکڑوں لڑکیاں فدا ہوتی ہیں۔"

"ماڈلنگ کرو گے؟" اس کے اگلے سوال پہ حیدر نے سر جھٹک دیا تھا' مگر علینہ اس کے پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔

"آجاؤ نا حیدر' اچھا ہے ہم دونوں کی ایک ہی فیلڈ ہو جائے گی۔"

"کیوں ہم نے ساتھ زندگی گزارنے کے عہد و پیمان کر رکھے ہیں' جو ایک فیلڈ سے سہولت ہو جائے گی؟" وہ نخوت سے بولا تھا۔ اور علینہ نے فی الفور خود کو چھپالیا' وہ اپنے دل کی وہ پسندیدگی اس پہ عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی' وہ ان لوگوں میں تھی جو دوسروں کو جھکانا پسند کرتے ہیں' خود نہیں جھکتے' چاہے اس میں ان کا شدید نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہاں بھی وہ حیدر کو جھکانا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش تھی حیدر اس کے حسن جہاں سوز سے گھائل ہو' اس کے قرب کی خواہش میں تڑپے' سسکے اور پھر وہ احسان جتلانے والے انداز میں اسے اپنا آپ سونپے اور پھر اس پہ یہ بات جتلاتی رہے۔ وہ نفسیاتی طور پہ اسے اپنا زیر بار کرنا چاہتی تھی' ہر معاملے میں' مگر یہ اس کی قسمت تھی کہ تمام تر کوشش کے باوجود ابھی تک اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ مگر ایک دن جب اس نے یہ ہی بات پھر ناشتے کی ٹیبل پہ حیدر سے کہی تو حیدر کے جھنجلا کر انکار کرنے پہ چاچو نے مداخلت کی تھی۔

"حیدر بیٹا آپ کی تعلیم تو مکمل ہو ہی چکی ہے۔ جب تک جاب نہیں ملتی کر لو یہ ہی کام۔ فراغت سے بھی بچ جاؤ گے اور سیلبرٹی بھی بن جاؤ گے۔" ناشتا کرتا ______ حیدر بہت حیران ہوا تھا' جس کام کے لیے علینہ کی اتنی مخالفت اس کی اجازت اسے کیوں خود سے دی جا رہی تھی بھلا؟ یہ ہی سوال اس نے تنہائی میں چاچو سے کرلیا۔

"وہ لڑکی ہے اور تم مرد' مرد کا کچھ نہیں بگڑتا' وہ کچھ بھی کرلے۔" ان کی بات پہ حیدر کو تاسف نے گھیر لیا تھا' اس نے بہت ناراضی سے چاچو کو دیکھا تھا۔

"مگر چاچو گناہ تو گناہ ہی کہلائے گا' چاہے عورت کرے یا مرد' سزا تو دونوں کو ہی ملنا ہے۔" اور اس کے جواب پہ چاچو کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک گئی تھیں۔

"سوری بیٹا! میں جانتا ہوں یہ بات' اللہ مجھے معاف کرے' میں اس گستاخ لڑکی کی وجہ سے تمہیں بھی وہاں بھیجنا چاہتا ہوں' بہت غلط جگہ ہے' ہر وقت کچھ غلط ہو جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے' تم ساتھ ہو گے تو ذرا تسلی رہے گی۔" اور حیدر کو ان کی بے چارگی پہ بے تحاشا ترس آیا تھا' جبکہ علینہ پہ اسی قدر غصہ' مگر اس کے بعد یہ ضرور ہوا تھا کہ اس نے بھی اس فیلڈ میں قدم رکھ دیا تھا۔

شروع شروع میں اس نے وہیں کام کیا جن کمپنیوں کے ساتھ علینہ کا کنٹریکٹ تھا' مگر پھر اسے مزید آفرز آنا شروع ہوئیں تو اس نے خود کو محدود نہیں رکھا۔ البتہ علینہ اس کی اس حرکت پہ جز بز ہوئی تھی۔ مگر اظہار کرنے کے معاملے میں وہ بہت چور تھی' مگر دل میں بغض ضرور رکھتی' جب ہی تو اس نے ایک میگا ڈرامے کا چانس حیدر تک پہنچنے سے قبل ہی مس کروا دیا تھا اور حیدر کو آج تک کانوں کان خبر نہیں ہوئی اور اب تو معاملہ بھی بہت بڑا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ کی طرح چھوڑ کر نئے راستے تلاش کر چکا تھا۔ پھر تو علینہ کا انتقام بھی اسی حساب سے بڑا ہونا چاہیے تھا۔ اس نے سلگتی آنکھوں سے حیدر کے ساتھ کھڑی ہنستی ہوئی انا کو دیکھا اور نفرت سے منہ پھیرلیا۔

☼ ☼ ☼

آپی نے ہی یہ بات ماما' پاپا تک پہنچائی تھی۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہاں سے باقاعدہ رشتہ سعدیہ ممانی تک لایا گیا جو یہ سن کر سوچ میں پڑ گئیں۔

"جواب دیں نا مامی! ہمیں بہت جلدی ہے' میں چاہتی ہوں میرے کینیڈا جانے سے پہلے حیدر کی شادی ہو جائے۔" آپی نے افراتفری مچائی تو سعدیہ مامی بوکھلا گئیں۔

"میں اکیلی کوئی بھی فیصلہ کیسے کر سکتی ہوں۔ پہلے تمہارے ماموں سے بات کروں گی بیٹا' پھر انا سے بھی تو پوچھنا ہے نا۔"

"ماموں کو اعتراض نہیں ہو گا اور انا کی جہاں تک بات ہے تو اسے حیدر منا چکا ہے۔" سرمد نے دانت نکالتے ہوئے بڑے ہی بے ڈھنگے انداز میں کہا تھا۔ ماما نے ______ اسے گھورا۔

"بکو مت سرمد! سعدیہ ٹھیک کہہ رہی ہے' تم بھائی جان سے بھی بات کرو اور انا سے بھی' مگر خیال رکھنا ہم نے بڑی چاہ سے جھولی پھیلائی ہے۔" ماما نے سبھاؤ سے کہا تھا اور سعدیہ مامی مسکرادی تھیں۔

"اگر ایسا ہو جائے تو میرے لیے عین خوشی کی بات ہو گی' بھابھی آپ فکر نہ کریں' ان شاء اللہ اچھا ہی ہو گا۔" اور اگلے چند دن تک بات بزرگوں سے نکل کر پورے "مہرہاؤس" میں پھیل گئی کہ انا کی منگنی حیدر کے ساتھ ہونے والی ہے۔ ماموں نے انکار نہیں کیا تھا۔ البتہ انہوں نے کہا تھا رسم وہ لوگ کرلیں شادی پہ وہ لازماً" شریک ہوں گے' انا نے سنا تو خفا سی ہو گئی تھی۔

"ہر گز نہیں ماما! میں منگنی بھی پاپا کے بغیر نہیں کراؤں گی۔ آپ ان سے کہیے' وہ لازماً" آئیں اکلوتی بیٹی ہوں ان کی۔" اور سعدیہ نے اس کا یہ پیغام من و عن ماموں تک پہنچا دیا تھا۔ جسے سن کر انہوں نے مسکرا کر آنے کی ہامی بھرلی۔

"ماموں شادی بھی ان ہی چند مہینوں میں طے کردیں' پھر تو پانچ سال بعد ہی آؤں گی میں۔" آپی آج پھر آئی ہوئی تھیں' منگنی کے سلسلے میں خریدا گیا انا کا پنک جوڑا دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا تھا' سرمد بدک سا گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟ یعنی آپ پانچ سال بعد آئیں گی اور ہم تب تک کنوارے بیٹھے رہیں؟ بھئی آپ ہمیں اپنے بغیر شادی کی اجازت دے کر جائیں۔" سب ہنسنے لگے جبکہ آپی کا منہ بن گیا تھا۔

"دیکھ رہی ہیں ماما! اس کمینے کو؟ اپنی شادی کی فکر ہے اس بات کی پروا نہیں کہ بڑی بہن شریک ہوتی ہے یا نہیں۔" انہوں نے شکایت کی تو ماما نے سرمد کو ڈانٹا تھا اور انہیں ساتھ لپٹالیا۔

"تو کیوں فکر کرتی ہے بیٹا! اس کی شادی تب ہی ہو گی جب تم واپس آؤ گی۔"

"انا کا ڈریس کتنا پیارا ہے' کس کی چوائس ہے ماما؟" آپی نے پیازی اور سی گرین کمبی نیشن کے جھلملاتے ہوئے دوپٹے کا پلو پکڑ کر دیکھتے ہوئے بے ساختہ تعریف کی۔

"حیدر خود لایا ہے اپنی پسند سے۔" ماما جس وقت مسکرا کے بتا رہی تھیں عین اس پل علینہ نے اندر قدم رکھا تھا۔ اور علینہ ان ہی قدموں سے پلٹ گئی' کسی نے دھیان بھی نہیں دیا کہ اس کی خودسری کے اس فیصلے کی وجہ سے وہ "مہرہاؤس" کے مکینوں کے دل سے اتر گئی تھی۔

"ماشاء اللہ! خدا نیک نصیب کرے' بہت قسمت والی ہے ہماری انا۔" ماما کے کہنے پہ سعدیہ مامی مسکرا دیں۔

"ماموں کب آرہے ہیں؟" تب ہی حیدر آیا تھا۔ سب نے معنی خیزی سے اسے دیکھا۔

"کیوں' بہت جلدی ہو رہی ہے تمہیں؟"

"ظاہر ہے وہ آئیں گے تو ڈیٹ فکس ہو گی۔" وہ شرمندہ ہوئے بغیر بولا' سرمد نے اوئے ہوئے کو سیٹی کی دھن پہ بجایا تھا۔

"ماما آپ نے بات کی ممانی جان سے؟" وہ جھک کر ماما کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔ ماما نے جواب میں کچھ کہے بغیر محض تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

"وہ کچھ نہیں کہیں گی ماما! آپ بات تو کریں۔" اس کا اصرار شدید تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا کہہ رہا ہے حیدر۔" سعدیہ مامی بھی متوجہ ہوئیں، تو ماما جز بز ہو کر رہ گئیں۔

"پھیل رہے ہیں موصوف! منگنی کی بجائے نکاح کا تقاضا ہے۔ بھلا بتاؤ کیا سوچیں گے بھائی صاحب۔" ماما نے اس کی شکایت لگائی۔ سعدیہ نے حیران ہو کر حیدر کو دیکھا، وہ سر کھجاتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

"ممانی جان منگنی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ پھر آپ کی بیٹی اف وہ تو ہاتھ بھی پکڑنے نہیں دیتی اپنا۔" اس نے بڑے درد بھرے انداز میں کہا تو سرمد اور سمانہ وغیرہ کی کل کل کرتی ہنسی نکل گئی۔

"دیکھ لو ہے کوئی شرم لحاظ آج کل کے بچوں میں، حد ہو گئی بھئی! ایک ہم تھے والدین شادی کی بات شروع کرتے اور ہم ان سے چھپتے پھرتے۔" ماما نے کھسیا کر کہتے اسے ایک دھپ لگائی تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"چھپتی کیوں تھیں آپ؟ شادی کر رہی تھیں، کوئی جرم نہیں۔"

"یہ ہی تو شرم حیا تھی جو اب ناپید ہو چکی۔" ماما نے لتاڑا، مگر اس پہ مجال ہے جو اثر ہوا ہو اپنی بات پہ زور دیتا ہوا بولا تھا۔

"آپ مامی سے کہیے نا اچھا ہے رشتہ مضبوط ہو جائے گا یا آپ کو مجھ پہ اعتماد نہیں ہے؟" ماما سے اصرار کرتے کرتے وہ یک دم سعدیہ مامی سے مخاطب ہو گیا تھا۔ وہ گڑبڑا سی گئیں۔ اس کی نگاہوں میں سوال تھا۔

"ہاں حرج تو واقعی نہیں ہے، میں خود اس بات کو مانتی ہوں، منگنی فضول بندھن ہے۔"

"تو پھر آپ راضی ہیں، جیو مامی!" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا اور پھر جوش بھرے انداز میں ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے دو، تین چکر دے ڈالے۔

"ارے رے باؤلا ہوا ہے لڑکے! گراؤ گے مامی کو۔" ماما بدحواس ہو کر رہ گئیں، جبکہ سعدیہ ہنسے گئیں۔ پھر سنبھلنے کو اس کے مضبوط کاندھوں کو تھام کر مسکراتے ہوئے اس کے بال بکھیر دیے تھے۔

"بہت شریر ہے میرا بیٹا، چلو تمہاری خواہش پوری کر دیتے ہیں، منگنی نہیں نکاح ہی ہو گا، اب خوش۔"

"ریئلی مامی۔" وہ خوشی سے چیخا، پھر انہیں گلے لگا کر بھینچ ڈالا، سعدیہ خفیف سی ہو گئیں۔

"مبارک ہو بھائی مبارک ہو۔" سرمد اور سمانہ اچھل اچھل کر بولے، وہ زور سے ہنسنے لگا۔ اپنی فتح نے اسے بہت سرشار کر ڈالا تھا۔

☼ ☼ ☼

پندرہ کی بجائے ایک ماہ بعد کی تقریب رکھی گئی اور طے یہ پایا کہ ساری رسمیں ادا کی جائیں گی۔ بس رخصتی نہیں ہو گی۔

"یہ تو آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی بھائی!" سرمد نے اس سے ہمدردی کی تھی۔

"اس سے تو بہتر تھا منگنی ہی ہو جاتی اب شادی بغیر دلہن کو پائے کچھ پھیکا سا کام نہیں ہو گا۔؟"

حیدر نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ اور ناشتا مکمل کر کے کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"تم چل رہی ہو؟" اس نے بہت اطمینان بھرے مگر لاتعلق سے انداز میں ناشتا کرتی علینہ کو مخاطب کیا۔

"ہاں جانا تو ہے۔" وہ چونکے بغیر بولی۔

"تو پھر آ جاؤ اکٹھے چلتے ہیں۔"

"تمہاری ہونے والی منکوحہ کو اعتراض تو نہیں ہو گا۔؟"

علینہ کا لہجہ سرد تھا حیدر مسکرا دیا اور شرارت سے بولا تھا۔

"اگر اسے اعتراض ہوا تو پھر تمہیں نہیں لے کر جاؤں گا۔"

"تو پھر ابھی بھی تم رہنے ہی دو۔ بی کوز میں تم لوگوں میں پھوٹ نہیں ڈلوانا چاہتی۔" وہ نخوت سے بولی تھی۔ حیدر ہنسنے لگا۔

"تم بھی پاگل ہی ہو وہ ایسا کیوں کرے گی یہ پروفیشن ہے میرا، دن میں پتا نہیں کتنی لڑکیوں سے ملنا ہوتا ہے۔"

"اوکے ایز یو وش! مگر یاد رکھنا اس اپنی ہی کہی بات کو۔"

وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہوئی اور بیگ اٹھا کر کاندھے پہ ڈال لیا اس کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گئی۔ حیدر باہر آیا تو وہ اس کی گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"انا کا پردہ ہے تم سے؟" فرنٹ ڈور اوپن کر کے بیٹھتے ہوئے اس نے استفہامی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ حیدر نے کاندھے اچکا دیے۔

"ہاں ماما کہہ رہی تھیں یہ ضروری ہے۔"

"اور تم نے اس پابندی کو قبول کر لیا؟" وہ ششدر رہ گئی۔ حیدر نے جواب نہیں دیا البتہ ایک معنی خیز مسکان ہونٹوں کے گوشوں میں در آئی۔

"سلمان سعید کو جانتے ہو؟"

"کون؟ وہی جس کا پروڈکشن ہاؤس ہے؟"

"ہاں وہی!" علینہ نے اثبات میں سر کو جنبش دے کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بائی فیس تو بہت اٹریکٹو ہے۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"اس نے مجھے پروپوز کیا ہے۔" علینہ نے کہہ کر حیدر کو بھونچکا کر دیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔؟" وہ سنبھل کر گویا ہوا تھا۔

"میں ہاں کہنے کا سوچ رہی ہوں۔"

وہ بے نیازی سے بولی حیدر کے چہرے پر جو وہ دیکھنا چاہتی تھی وہ دیکھ چکی تھی اس کا مقصد حل ہو گیا تھا۔ اس کے اندر جلتی بھڑکتی آگ پہ جیسے چھن چھن ٹھنڈے پانی کے چھینٹے گرے تھے۔

"اچھی بات ہے بلکہ بہت اچھی بات ہے۔"

وہ نارمل انداز میں کہہ کر اسے وش کرنے لگا۔ جبکہ علینہ کے اندر آگ پہ گرے پانی کے بعد والا دھواں اٹھنے لگا۔ ایک دم حبس کا احساس ہوا تھا اور اس کی آنکھیں اور گلا اس تکلیف دہ احساس سے چھلنے لگا تبھی وہ رخ پھیر گئی۔ اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"انا! انا بھابھی! کہاں ہیں؟"

سمانہ اسے پکارتے ہوئے اچانک شوخ ہو گئی۔ جب اسے چھیڑنا مقصد ہوتا وہ یونہی کرتی تھی۔ اور پھر انا کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ دیکھ کر کھلکھلایا کرتی۔

"چائے بنا رہی تھی تم پیو گی؟" وہ کچن سے منہ نکال کر بولی۔ سمانہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

"چھوڑو چائے وائے۔ کچن کے کام نہ کیا کریں رنگت جھلس جائے گی میرے بھائی کو فریش دلہن ملنی چاہیے۔"

"اتنی آسانی سے نہیں ملے گی یہ دلہن آپ کے بھائی کو۔"

وہ بے نیازی سے گردن اکڑا کر بولی تو سمانہ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"ہاں بے چارے کو ابھی آپ جناب کے فراق میں آہیں بھرنی پڑیں گی۔ اوپر سے ماما نے پردہ بھی کرا دیا۔ خیر پابندی ان پر لگی ہے۔ آپ پر نہیں۔ آئیں آپ کو ان کا ڈرامہ دکھاتے ہیں۔ اس بہانے دیدار ہو جائے گا۔" اس کی بات پہ وہ جھینپی جھینپی سی وہیں ٹک گئی تھی۔ ڈرامہ شروع ہوا وہ محو ہو کے دیکھنے لگی۔

اس کے گمبھیر لہجے کا جذب اور بھاری پن اس کی غضب کی ڈریسنگ اس کی ایکٹنگ وہ واقعی بہت شاندار لگ رہا تھا۔ مگر بہت جلد یہ امیج ختم ہو گیا اور رہ گئی تو بے چینی اور اضطراب۔ ڈرامے میں وہ ایک رومانٹک شوہر کا کردار نبھا رہا تھا۔ ہیروئن کے ساتھ بے تکلفی قربت اور کھلے جملوں نے انا کو ششدر ہی نہیں کیا بلکہ دماغ بھی چکرا کے رکھ دیا تھا۔ مزید ضبط کا یارا نہ رہا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو ابھی ڈرامہ ختم نہیں ہوا۔"

سمانہ کی مداخلت پہ وہ دھیان دیئے بغیر نکل آئی

تھی۔ اور سارا دن اور رات کا پہلا حصہ جلے پیر کی بلی بن کر پھرتی رہی آج اسے حیدر کا انتظار تھا تو وہ آ کے نہیں دے رہا تھا۔ وہ آیا تو اسے آتے دیکھ کر وہ دانستہ کچن میں چلی گئی سبھی لوگ اس وقت ٹی وی لاؤنج میں تھے۔

"آج آپ کے پردے کی پابندی اٹھا دی گئی ہے جو کھلے عام دکھائی دے رہی ہیں۔؟" وہ اسے دیکھ کر لپک کے آیا تھا۔ انا نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لیے۔

"خیریت کیا ہوا؟" حیدر نے لہجے کے ہزارویں حصے میں اس کی خفگی کو پالیا تھا۔

"ایک بات کہوں اگر مانیں گے؟"

"ارے جان من سو باتیں کہو ساری مان لیں گے آپ ارشاد تو فرمائیے۔" وہ نثار ہونے والے انداز میں جھک کر بولا تو انا نے کچھ دیر اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"شوبز کو چھوڑ دیں ابھی اور اسی وقت۔"

عجیب فرمائش ہوئی تھی وہ ٹھٹک سا گیا بلکہ گڑبڑا سا گیا۔

"کیا مطلب؟" "تمہیں کیا اعتراض ہے؟" وہ جز بز ہو کر رہ گیا تھا۔

"اعتراض ہے حیدر۔ آج اتفاقاً" آپ کا ڈرامہ دیکھ لیا۔ اف توبہ اتنی بے حیائی! آپ تو مجھے سچ مچ کے میاں بیوی لگے۔ میرے گمان تک میں نہیں تھا کہ پاکستانی چینلز بھی ایسے حیا سوز سین اتنے دھڑلے سے دکھا رہے ہوں گے۔"

اسے لڑکی کا بار بار حیدر کے گلے لگنا یاد آیا تو کان تپنے لگے۔ جبکہ حیدر کھسیا کر ہنسنے لگا تھا۔

"ارے یار! تم بھی بہت پاگل ہو۔ وہ ڈرامہ ہے ڈرامہ یعنی نظر کا دھوکہ جو حقیقت نہیں ہوتا۔ میری اصل بیوی تو تم ہو گی نا۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا حیدر آپ کو ایسا کرنا ہو گا۔ میں کہہ رہی ہوں آپ سے۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا تو حیدر سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ میرا پروفیشن ہے انا اور میرے کیریئر کا وہ وقت جسے عروج کہا جاتا ہے ایسے وقت میں یہ فیصلہ حماقت کے سوا اور کیا کہلائے گا۔؟"

"تو آپ میری بات نہیں مانیں گے؟"

انا نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ خاموش رہا۔ اس کی خاموشی پہ انا کو غصہ آیا تھا۔

"جواب دیں حیدر!"

"اگر میں کہوں نہیں تو۔" انا ساکت رہ گئی۔ اس نے آہستگی سے پلکیں اٹھا کر حیدر کے چہرے کو دیکھا جہاں سنگینی بے حد نمایاں تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا نمی اتر آئی وہ کچھ بھی کہے بغیر پلٹی تھی اور دوڑتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

پھر اس کے بعد وہ اسے نظر نہیں آئی حالانکہ حیدر نے اسے دیکھنے ملنے کی بہت کوشش بھی کی مگر اس کی کوشش انا پہ چھوڑے ماما کے دل روغے (سمانہ سرمد اور عینا) نے ناکام بنا دی۔ وہ بس ہر بار جھنجلا کر رہ گیا اس طرح دن گزرتے گئے اور مہندی کا دن آن پہنچا۔ ماموں کو آئے بھی ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ اس دوران سلمان سعید کے گھر والے بھی علینہ کا پرپوزل لے کر آئے تھے۔ ان سے رسمی طور پہ سوچنے کو وقت مانگا گیا تھا ورنہ فیصلہ تو ظاہر ہے علینہ کا ہی تھا۔ شادی پہ سلمان سعید کی فیملی کو بھی انوائٹ کیا گیا تھا۔

وہ دن بھی عجیب افراتفری اور بوکھلاہٹ کا تھا ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ حیدر کو پہلے تو اپنا جوڑا ملا ہی نہیں۔ خدا خدا کر کے ملا تو استری کے بغیر سب کپڑوں کے نیچے گولا بنا کر رکھا ہوا۔ حیدر کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ اس نے کپڑے اٹھائے اور تنتناتا ہوا آپی کی تلاش میں چلا آیا کہ ماما کے پاس جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا انہوں نے اسے تیار نہ دیکھ کر ڈانٹنا شروع کر دینا تھا۔

"آپی!" آپی آخر اسے انا کے کمرے میں مل ہی گئی تھیں اس کے دوپٹے کو سیٹ کرتی ہوئیں۔ پیلو سوٹ

کے اوپر سنہرا گوٹہ لگے سوٹ پہنے پلو اور گولڈن کھنکھناتی چوڑیوں کے ہمراہ وہ غضب کا روپ لیے نگاہ کو ٹھٹکائے دے رہی تھی۔ حیدر کا موڈ ایک دم بدلا وہ ہونٹوں کو ستائشی انداز میں سکوڑے یک ٹک مگر شرارتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا جبکہ انا اس کی نظروں کے حصار میں آتے ہی جز بز ہونے کے ساتھ نروس بھی ہوئی تھی۔

"حیدر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور یہ کیا ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئے۔" آپی دوپٹہ سیٹ کر کے سیدھی ہوئیں تو اس پہ نظر پڑی تھی۔

"کیسے ہوتا یہ حشر دیکھ رہی ہیں میرے کپڑوں کا۔؟ پلیز پریس کر دیں۔"

اس نے یونہی گولہ سا بنے اپنے کپڑے آگے کیے آپی عین وقت پہ اس کام کو دیکھ کر جھنجلا اٹھیں۔

"اسی لیے منع کیا تھا کہ آج کہیں مت جاؤ ٹائم سے گھر آتے تو یہ افراتفری تو نہ ہوتی۔ اب میں انا کی تیاری کروں یا تمہارے کام۔"

"لائیں یہ ایک انتہائی فضول سا کام میں کر دوں آپ میرے کپڑے پریس کر دیں۔"

آپی نے جو گجرا انا کو پہنانے کے لیے اٹھایا تھا۔ وہ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ بے نیازی سی بولا تو آپی اس کی چالاکی پہ ہنستے ہوئے اس کے کپڑے اٹھا کر باہر چلی گئیں جبکہ انا کے دل پہ اس کی بے حسی نے جیسے خنجر پھیر دیا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو اس فضول کام کے کرنے کی تشریف لے جائیے؟ ضبط کے باوجود اس کی آواز رندھ سی گئی تھی۔ حیدر نے بغور اسے دیکھا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا پشت پہ چھپایا ہاتھ زبردستی گرفت میں لے کر گجرا کلائی کے گرد لپیٹنے لگا۔

"نو مینشن۔ مجھے بہت پریکٹس ہے یہ کام کرنے کی پتا نہیں ڈراموں میں کتنی بار یہ سین....."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ انا نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی کھینچ لی تھی۔

"بہت برے ہیں آپ۔"

وہ بے ساختہ رو پڑی تھی۔ حیدر نے گہرا سانس کھینچ کر بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"یعنی احمق بھی ہو۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا آپ انسلٹ نہیں کر سکتے میری۔"

وہ روتے روتے چیخی! حیدر نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبالی۔

"محبت تو کر سکتا ہوں نا؟"

"آپ۔" وہ حیا اور بے بسی کے احساس سے سرخ پڑی حیدر نے بہت دلچسپی سے اس روپ کو دیکھا تھا پھر کچھ کہے بغیر کوٹ کی جیب سے ایک اخبار نکال کر اس کے آگے کیا۔

"یہ پڑھ لو۔"

"کیا ہے یہ۔" وہ حیران نظر آئی۔

"تم سے محبت کا ایک خوبصورت ثبوت۔ بے وقوف لڑکی میں نے تمہاری خواہش پہ شوبز کو چھوڑ دیا ہے۔" وہ اخبار کھول کر وہ شہہ سرخی اسے دکھا رہا تھا جہاں اس کی طرف سے شوبز سے قطع تعلقی کا بیان تھا۔ انا نے حیرت و غیر یقینی سے ساکن ہو جانے والی آنکھوں سے اسے دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔

"مجھے خود بھی اچھا نہیں لگا انا کہ اتنی پارسا اور خاص لڑکی کا ہو کر بھی دوسری لڑکیوں کے ساتھ اس حد تک قریب ہوں چاہے یہ قربت ایک دھوکہ ہو مگر پھر بھی گناہ تو ہے نا۔"

وہ اتنی شاکڈ تھی کہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ تبھی آپی کپڑے لیے آگئیں۔

"یہ لو اب جلدی سے پہن لینا ماما کا پارہ چڑھ گیا ہے یہ نہ ہو کہ اب تم پہ غصہ نکل جائے۔" وہ ہنستے ہوئے اسے کپڑے تھما کر بولیں۔ حیدر نے کپڑے لیے ایک بھرپور مسکراہٹ اس کی سمت اچھالی اور کمرے سے نکل گیا۔ جبکہ انا اپنی اہمیت اپنی قدر و قیمت کو جان لینے کے بعد خود کو کتنا آسودہ محسوس کرنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اگر میری محبت خوشبو کی صورت ہوتی تو تم اتنی معطر ہوجاتیں کہ جہاں بھی جاتیں ساری فضائیں مہک اٹھتیں۔" وہ دلہن کا ہوشربا روپ لیے اس کے سامنے اس کی سیج پر بیٹھی تھی اور حیدر اپنے دل میں بے تابانہ اظہار کو اس کی سماعتوں میں سرگوشی کے انداز میں اتار رہا تھا۔ نکاح کے بعد وہ رخصتی پہ اڑ گیا تھا۔ اور ایسا اڑا تھا کہ منوا کر دم لیا۔

"جب پوری شادی کی رسمیں ہوگئیں تو پھر رخصتی بھی ہونی چاہیے ورنہ یہ بے انصافی ہوگی۔ میں اگلے پانچ سال آپی کی واپسی کا انتظار نہیں کرسکتا۔" اس نے اپنے مخصوص بے دھڑک انداز میں کہا تھا اور ماموں کو پتا نہیں اس کی یہ صاف گوئی بھاگئی تھی یا پھر اپنی بیٹی کے لیے اس کی آنکھوں سے چھلکتی محبت نے انہیں اکسایا تھا کچھ بھی تھا بہر حال وہ فاتح ٹھہرا تھا اور بے حد سرشار تھا۔ اپنے بیڈ روم میں انا کے ساتھ تنہائی پاتے ہی اس نے انا کے بظاہر سنجیدہ مگر شرمیلے سے انداز کو دیکھتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر کہا تھا۔

"تھینک گاڈ کہ تمہارا موڈ اس بات پہ خفا نہیں ہوا ورنہ......"

"ورنہ کیا آپ کے دل میں میری طرف سے گرہ پڑ جاتی؟"

"میں کوئی بھی بات دل میں دبا کر رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔ انا تم ایک بات ہمیشہ کے لیے نوٹس کرلو۔ میں بہت شدت پسند ہوں بعض معاملوں میں مجھے جھوٹ بولنے اور سننے سے سخت نفرت ہے۔ میری زندگی کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے اس کا کوئی بھی پہلو تاریکی میں نہیں۔ میں نے جتنا تمہیں جانا تم مجھے اپنے آئیڈیل کے نزدیک تر لگیں جبھی میں نے تمہیں پوری دیانتداری سے اپنا لیا دیکھو اگر تمہاری زندگی میں کوئی تھا تو مجھے ابھی بتادو۔ سوری حالانکہ یہ بات مجھے پہلے کہنا چاہیے تھی۔"

انا نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر سنجیدگی سے بولی تھی۔

"آپ شک کررہے ہیں مجھ پر؟"

"نہیں۔ مگر چونکہ امریکہ جیسے آزاد ملک میں رہی ہو تم وہاں کا تو ماحول....."

"حیدر میں جو یہاں آپ کے سامنے تھی میں ویسی ہی وہاں بھی تھی۔ میرے کردار میں کہیں بھی کوئی جھول نہیں رہا ہے۔" اس کا لہجہ آنچ دینے لگا تھا۔ شب زفاف کی اولین گھڑیوں میں اسے حیدر کے منہ سے یہ باتیں بہت ہرٹ کرگئی تھیں۔

"سوری انا میرا مقصد تمہیں ٹیز کرنا نہیں تھا ایکچولی میں یہ بات تم سے پہلے کرنا چاہتا تھا مگر موقع ہی نہیں مل سکا اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں اگر تم میرے بارے میں جانتی ہو تو مجھے بھی یہ حق حاصل ہے۔"

انا نے جواباً "کچھ نہیں کہا سر جھکائے اپنی کلائی میں بھری سونے کی چوڑیوں سے کھیلتی رہی۔

"خفا ہوگئی ہو تو سوری۔" وہ کان پکڑ کر بولا۔

"آپ آئندہ ایسی بات کبھی نہیں کریں گے اس لیے کہ جب میں ایسی نہیں ہوں تو پھر آپ مجھے تکلیف بھی نہیں دیں گے۔" اس کے رسانیت سے کہنے پہ حیدر نے مسکرا کر فرمانبرداری سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"دیکھا ممانی آپ کا فیصلہ کتنا مناسب رہا ہے۔"

اگلے دن ولیمہ ہنگامی طور پر ہی کیا گیا تھا کہ مہمان تو سب ہی جمع تھے بس کھانے کا انتظام ہی ہونا تھا۔ مہمان کھانا کھانے میں مصروف تھے جب حیدر نے ان کے پاس آکے اسٹیج پہ کوپر کلر کے خوبصورت لہنگے میں فریش فریش سی نظر آتی سمانہ کی کسی بات پہ بے تحاشا ہنستی انا کی سمت اشارہ کرتے ہوئے قدرے شوخی سے کہا تھا۔ سعدیہ نے اس کی شرارت کو سمجھا اور جھینپ کر اسے ایک دھپ لگادی تھی۔

شادی کے ایک ہفتے بعد کی ماموں کی واپسی تھی۔ حیدر اسی دوران ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات جانا چاہ رہا تھا مگر انا متامل تھی۔

"نہیں حیدر! پلیز یہ وقت مجھے ماما پاپا کے ساتھ گزارنے دیں۔ پھر تو بیچ میں اتنے فاصلے آجائیں گے۔"

"اوکے فائن۔ مگر یار سارا دن رہنا ان کے ساتھ رات کو میرے پاس آجایا کرنا مجھے غریب کا ابھی تم پہ حق ہے۔" اس کی سنجیدگی سے کی گئی بات کے جواب میں وہ جس شرارتی معنی خیز لہجے کہا وہ انا کو بلش کرگیا تھا۔

"بہت بدتمیز ہیں آپ۔" وہ خفت سے رخ پھیر کر یہی کہہ سکی۔ حیدر نے ہنسنا شروع کردیا

"اور بہت ان رومانٹک ہیں آپ۔"

پھر دن گزرنے کا پتا بھی نہ چلا۔ پندرہ دنوں بعد ماموں وغیرہ کے جانے کے بعد دو چار دن تو انا بہت افسردہ سی پھرتی رہی۔ اس کا موڈ کچھ بحال ہوا تو حیدر کے پاس وقت نہیں رہا تھا ان دنوں وہ پاپا کے ساتھ مل کر نئی فیکٹری لگا رہا تھا۔ دن میں تو جھلک بھی نظر نہ آیا کرتی راتوں کو بھی بہت دیر سے آتا۔ اگلے ڈیڑھ مہینے تک ایسی ہی مصروفیت چلی تھی تب جاکے ذرا روٹین معمول پہ آئی۔

"میرا خیال ہے اب باقی کا کام میں اور سرمد سنبھال لیں گے حسن بھی ہے۔ تم ذرا ہماری بیٹی کو توجہ دو۔ دیکھو کیسے کملا سی گئی ہے۔ بلکہ ایسا کرو۔ کہیں گھومنے جانا چاہ رہے ہو چلے جاؤ۔"

اس روز پاپا نے ناشتے کی ٹیبل پہ حیدر کو مخاطب کرکے کہا تھا۔ حیدر کی نگاہیں اس بات پہ انا کی سمت اٹھیں جو پاپا کی بات پہ خفت زدہ سی ہوکر رہ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا۔ علینہ نے اپنی بات شروع کرلی تھی۔

"آج سلمان سعید کے گھر والے فائنلی جواب لینے آرہے ہیں۔ انکار نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا انداز حکم دینے والا تھا۔ چاچو کی پیشانی پہ بل پڑنے لگے۔

"ہم انکار کیوں کریں گے؟ ہم تو خود یہ چاہتے ہیں کہ تم یہاں سے جلد از جلد دفعا....."

"الیاس۔" پاپا نے انہیں ٹمپر لوز کرتے دیکھ کر بے اختیار اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پہ رکھا تھا۔ یہ بھی تسلی اور خاموش دلاسے کا ایک انداز تھا چاچو نے لب بھینچ لیے تھے۔

"اوکے بیٹا! آپ فکر نہ کرو۔ سب کچھ ٹھیک ہی ہوگا۔" انہوں نے رسانیت سے علینہ کو جواب دیا تھا۔ وہ جواب میں کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ اس کی ایڑی کی ٹک ٹک ٹیبل کے گرد بیٹھے نفوس کے اعصاب پہ ہتھوڑے کی مانند لگی تھی۔ وہ جاچکی تھی مگر اپنے پیچھے ناگواری بھرا سناٹا چھوڑ گئی تھی۔ چاچو سر جھکائے بیٹھے تھے۔

☆ ☆ ☆

"یہ ہیں جناب ہمارے ٹکٹس جو پاپا نے گفٹ کیے ہیں۔ آپ کی پیکنگ مکمل ہوگئی؟" وہ بیڈ پہ بے دم سے انداز میں بیٹھی تھی جب حیدر نے اندر داخل ہوکر فریش موڈ میں اسے مخاطب کیا۔

"کیا ہوا تھک گئی ہو؟ میں ہیلپ کرادوں۔"

وارڈروب کھلی تھی سوٹ کیس بیڈ پہ پڑا تھا بکھرے کپڑے دیکھ کر وہ یہی اندازہ لگا سکا۔

"یہ بات نہیں ہے حیدر! میری طبیعت ایکدم ہی خراب ہوگئی ہے اتنی دو میٹنگ ہو رہی ہے کہ ان پندرہ بیس منٹ ہی میں میرا حشر ہوگیا۔"

اس کے روہانسی ہوکر کہنے پہ حیدر پریشان سا ہوکر قریب آگیا۔

"کچھ الٹا سیدھا تو نہیں کھالیا تھا۔؟"

اس کے نفی میں سر ہلانے پہ اور ایک دم پھر سے اٹھ کر منہ پہ ہاتھ رکھے واش روم کی سمت بھاگنے پہ وہ متفکر نظروں سے اسے دیکھتا پیچھے چل آیا۔

"ماما کو بتایا ڈاکٹر کے پاس چلی جاتیں۔"

وہ کلیاں کرکے باہر نکلی تو حیدر نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا تھا۔

"ماما تو اس وقت آرام کرتی ہیں میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ سمانہ اور عینا بھی کالج گئی

ہیں۔" وہ نڈھال سی آکر بستر پہ تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو گئی۔

"اُفوہ تو مجھے فون کر لیا ہوتا۔ دیکھو ذرا کتنی پیلی ہو گئی ہو۔ چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ اٹھو۔" اگلے ہی لمحے اس نے ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا تھا۔ اسے سہارا دیئے وہ باہر لایا تو ماما ظہر کے لیے وضو کرنے اٹھ کر اپنے کمرے سے آئی تھیں اسے حیدر کے سہارے چلتے دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"کیا ہوا؟ خیریت۔"

"ماما وومٹنگ ہو رہی ہے اسے۔" میں نے سوچا ڈاکٹر کو دکھا لاؤں۔

"وومٹینگ ہو رہی ہے۔" ماما ٹھٹکیں اور اس کا چہرہ کھوجا پھر مسکرا دیں۔

"یہ تو مجھے خوشخبری معلوم ہوتی ہے چلو یہیں قریب سے پہلے ٹیسٹ کرا لیں۔ میرا خیال ہے ایسی ہی بات ہو گی۔"

ماما ایک دم جوش میں آ گئیں جبکہ انا کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔

"کیا؟" وہ ہونق سی ہو کر پوچھنے لگی ماما نے اسے لپٹا کر بے اختیار چوم لیا۔

"آئی تھینک میں دادی بننے والی ہوں اور تم دونوں ماما پاپا۔"

ان کے کہنے پہ وہ پہلے سٹپٹائی اور پھر بے تحاشا سرخ پڑ گئی۔ حیدر بے طرح چونکا تھا۔

"رئیلی ماما؟" اس کے وجیہہ چہرے پہ بچوں کا سا اشتیاق در آیا ماما مسکرا دیں۔

"مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے بیٹا! اب یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ابھی کلینک سے بھی جا کے کنفرم ہو جائے گا۔"

حیدر یونہی متجسس سا ان کے ساتھ آیا تھا اور جب اس بات کی ٹیسٹ رپورٹ کے بعد تصدیق ہوئی تو اس نے ضبط جذبات سے مغلوب ہو کر وہیں ماما کو گلے لگا لیا تھا۔ جبکہ انا کا دھنک کے رنگوں سے سجا سرخ سرخ سا چہرہ دیکھ کر وہ بے تحاشا ہنسنے لگا تھا اور جب وہ گھر آ کے بھی یونہی ہنستا رہا تو انا زچ ہو گئی تھی۔

"کیوں ہنس رہے ہیں؟" وہ جھنجھلا سی گئی تھی۔

"خوشی منا رہا ہوں یار! اس پر تو پابندی نہیں ہے۔"

وہ شرارتی ہوا۔ ڈاکٹر نے انا کو ہر قسم کے سفر سے فوری منع کر کے بیڈ ریسٹ بتایا۔ احتیاط ضروری تھی۔

"مگر مجھے غصہ آ رہا ہے۔ کتنا شوق تھا مجھے پاکستان کے ان خوبصورت علاقوں کو دیکھنے کا۔" وہ روہانسی ہونے لگی تھی۔

"تمہارے چہرے کے تاثرات سے ہی تو مجھے ہنسی آ رہی ہے۔"

"ہنس لیں میں آپ سے بات بھی نہیں کروں گی۔"

وہ روٹھ سی گئی۔ حیدر نے فوری خود پر سنجیدگی طاری کر لی۔

"کم آن یار' ہمارا بے بی خیریت سے آ جائے پھر چلیں گے ڈونٹ وری پھر اگر تم چاہو تو وہیں گھر بنا کے رہ لیں گے۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے بہلانے لگا اور اس کا دھیان بٹانے میں بھی کامیاب رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تکیوں کے سہارے نیم دراز ہاتھ میں پکڑے جوس کے گلاس سے سپ لیتے ہوئے وہ مسکرا کر سامنے دیوار پہ لگی خوبصورت سے بچے کی تصویر دیکھ رہی تھی جب اس کے سیل پہ مدھر سروں میں بیل ہونے لگی۔ ماما ابھی ابھی اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں۔ آج علینہ کی منگنی تھی بہت مصروفیت تھی اس کے باوجود ماما نے اسے بیڈ سے اٹھنے سے سختی سے منع کیا تھا۔

سائیڈ ٹیبل پہ دھرا فون اٹھانے سے پہلے اس نے پہلے گلاس ہاتھ سے رکھا تھا۔ کوئی نیا نمبر تھا اس نے کچھ دیر کے تذبذب کے بعد کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو!" اس کی آواز میں بھی الجھن تھی۔

"انا۔ ہاؤ آر یو سویٹی۔! تم نے اپنا نمبر بند کیوں کر دیا تھا۔"

انگلش میں کیا گیا یہ سوال خالص امریکی لہجہ اُسے پہچاننے میں اسے ایک لمحہ لگا تھا۔

"جیمز!؟......" وہ ششدر بیٹھی تھی۔

"تھینکس گاڈ کہ تم نے پہچان لیا۔ ورنہ میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں تم مجھے بھول گئی ہو۔" وہ چہک کر کہہ رہا تھا مگر انا ساکن تھی۔ کیسے بھول سکتی تھی وہ اسے ایک وہی تو تھا جو اس کے تمام تر محتاط رویے کے باوجود دل شکن ہوا تھا نہ پیچھے ہٹا تھا۔ ہر موقع پہ کارڈ اور پھول دے کر روش کرتا رہتا۔

"میں تمہاری خاطر مسلمان بھی ہو سکتا ہوں انا۔ ایک بار ہاں تو کرو۔ دوستی نہ سہی تم مجھ سے شادی تو کر سکتی ہو۔"

"نہیں میں نہیں کر سکتی مجھے تم پسند ہی نہیں ہو۔"

اس نے صاف انکار کر دیا تھا مگر وہ مایوس نہیں ہوا تھا ان کے بالکل سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔

"میں کل ——— واپس آیا تو مجھے پتا چلا تم پاکستان میں رہ گئی ہو۔ وائے؟" وہ بے تابی سے اضطراب سے سوال کر رہا تھا۔ انا ہوش میں آئی تو جیسے طیش سے پھٹ پڑی۔

"دیکھو جیمز میں تمہیں بتا رہی ہوں آج کے بعد مجھے فون مت کرنا میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اور اس کے کمرے کے آگے سے گزرتی علینہ ٹھٹک گئی تھی۔ اس کی سماعتوں میں انا کا یہ آخری فقرہ ہی پڑا تھا اس کے ہونٹوں پہ بہت پراسرار سی مسکراہٹ بکھری جبکہ آنکھوں میں خطرناک سی چمک گہری ہو گئی۔ وہ تو موقع کی تاک میں تھی گویا یہ قسمت نے راہ ہموار کی تھی۔ وہ اگلے ہی لمحے دروازہ دھکیل کر انا کے سامنے تھی۔ جو ہاتھ میں سیل فون لیے گویا پتھرائی ہوئی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر وحشت زدہ سی ہوئی۔

"کیا ہوا تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔"

علینہ نے ہمدردی سے پوچھا انا فی الفور سنبھلی اور پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"آں ہاں! آپ بیٹھیے نا! بہت مبارک ہو منگنی آپ کو۔"

"تھینکس!" وہ تکلفاً" مسکرائی پھر جیسے چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے قدرے ہچکچا کر بولی تھی۔

"انا اگر تم برا نہ مانو تو مجھے اپنا وہ جیولری سیٹ آج پہننے کے لیے دے دو پلیز! جو تم نے شادی پہ پہنا تھا۔ اصل میں وہ بہت بہت اچھا لگا تھا نا۔ میں نے مارکیٹ سے بہت ڈھونڈا مگر ملا ہی نہیں۔ سوری تم نے مائنڈ تو نہیں کیا؟" انا کی تحیر سے بھری نگاہوں میں جھانک کر وہ ہلکے سے ہنسی تو انا نے اپنی حیرت پہ قابو پا لیا۔

"ارے نہیں بالکل نہیں بلکہ مجھے تو آپ کی یہ اپنائیت بہت اچھی لگی۔ میں دیتی ہوں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جس پل وہ رخ موڑے وارڈ روب کے لاکر سے جیولری باکس نکال رہی تھی۔ علینہ نے بہت عجلت میں اپنا کام نبٹایا تھا۔ ریسوڈ کالز سے نئی آنے والی کال کا نمبر اپنے سیل میں منتقل کر کے وہ انا کے پلٹنے سے قبل فارغ ہو بیٹھی تھی۔

"تھینکس! اب میں چلتی ہوں۔"

انا کے ہاتھ سے جیولری باکس لے کر وہ مسکراہٹ اس کی سمت اچھالتی ہوا کے جھونکے کی طرح سے باہر نکل گئی کہ اس کا مقصد حل ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ جیمز کون ہے؟"

انا بستر کی چادر جھاڑ کر بچھا رہی تھی ملازمہ کمرے کی ڈسٹنگ میں مصروف تھی جب حیدر آندھی طوفان کی طرح اندر آ کر بھینچے ہوئے لہجے میں بولا۔ انا جیمز کے نام پہ ہی سن ہو گئی تھی مگر اس کے چہرے پہ نگاہ ڈال کر اسے اپنا خون خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"ک کون جیمز!؟" اس نے سوکھتے ہونٹوں پہ زبان پھیری۔ کتنی بار اس کے دل میں آئی تھی وہ حیدر

کو جیمز کے بارے میں بتادے مگر ہر بار ہی خوف نے اس کا دامن تھام لیا تھا حالانکہ وہ انوالو نہیں تھی مگر جیمز کی دیوانگی تو تھی نا پتا نہیں وہ یقین کرتا اس کی بات کا یا نہیں۔

"تمہاری آواز کی لڑکھڑاہٹ تمہارے جھوٹ کا پول کھول رہی ہے کہ جیمز سے تم انجان نہیں ہو۔ کیا تعلق تھا تمہارا اس سے۔" وہ غرا کر بولا تھا۔ انا کا جسم کانپنے لگا وہ بے دم سے انداز میں وہیں بیٹھ گئی۔ ملازمہ گھبرا کر باہر نکل گئی تھی۔

"میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے حیدر میں......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ حیدر کا بھرپور طمانچہ اس کے رخسار کی کھال ادھیڑ کے رکھ گیا۔ وہ الٹ کر گری تھی تو کچھ دیر کو آنکھوں تلے اندھیرے سے چھا گئے اس کا سر بیڈ کے کراؤن سے زور سے ٹکرایا تھا۔

"اگر تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے تو تم نے اپنا ـــــ نمبر کیوں چینج کیا۔ جب اس نے پھر دوسرے نمبر پہ تم سے رابطہ کیا تو تم نے سیل ہی آف کردیا اور میرے استفسار پہ تم نے بہانہ لگایا کہ سیل خراب ہوگیا ہے۔"

اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے وہ اپنے مقابل کھینچ لایا تھا۔ اس وقت وہ گویا حواسوں میں نہیں رہا تھا۔ انا تو اس کے وحشیانہ سلوک پہ گنگ ہوگئی تھی۔ اس کا دماغ بالکل ماؤف ہوچکا تھا۔ غم و غصے، حیرت، بے یقینی نے اس کی بولنے، مزاحمت کرنے کی صلاحیت بھی بے کار کرڈالی تھی۔

"بہت پارسا بنتی تھیں کہ تم جیسا اور کوئی نہیں۔ یہ ہیں تمہارے کالے کرتوتوں کی نشانیاں۔"

اس نے پے در پے اسے تھپڑ رسید کرنے کے بعد جانے کہاں سے ایک لفافہ برآمد کرکے اس کے منہ پہ دے مارا تھا۔

"کرو انکار کہ یہ تم نہیں ہو بولو جھوٹ بولو۔"

وہ پاگلوں کی طرح سے چیختا ہوا اب اپنے ہی بال نوچ رہا تھا۔ جب دروازہ کھلا اور افتاں و خیزاں ماما، چچی اور سمانہ عینا وغیرہ گرتی پڑتی اندر آئی تھیں۔ یقیناً" ملازمہ نے جاکے انہیں اس جھگڑے کی اطلاع دی تھی۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوگیا ہے؟ کیوں پاگل ہو رہے ہو حیدر۔"

کھلے بکھرے بالوں اور طمانچوں کے نشانوں سے سوجے چہرے وحشت سے پتھرائی ہوئی آنکھوں والی انا اور بپھرا ہوا وحشی روپ لیے حیدر ان سب کو ششدر کرگیا۔

"اس سے پوچھیں ماما! اس سے پوچھیں اسے میں ہی ملا تھا بے وقوف بنانے کو۔؟"

وہ لپک کر ان تک آیا اور بے ربط سے انداز میں انہیں جھنجھوڑ کر چلانے لگا۔ ماما مزید پریشان ہوگئیں۔

"ہوا کیا ہے آخر اور حیدر تم نے انا کو مارا ہاتھ اٹھایا اس پہ؟"

ماما کو دکھ کے شدید احساس نے مضطرب کرڈالا تھا۔

"ہاں مارا میں اسے جان سے بھی مار دوں گا۔ اس نے مجھ سے ایسا گھناؤنا کھیل کیسے کھیلا ماما! یہ...... یہ دیکھیں اس کے کرتوت۔"

وہ یونہی غرانے کے انداز میں کہتا جھک کر کارپٹ پہ گرا لفافہ اٹھا کر اس میں سے تصویریں نکال کر انہیں دکھاتے ہوئے گویا رو سا پڑا تھا۔

"دیکھیے ماما! اس نے کتنا بڑا دھوکہ دیا مجھے یہ اتنی لوز کریکٹر تھی تو اس نے خود کو اتنا خاص بنا کر کیوں دکھایا تھا مجھے۔"

اور ماما بس ان تصویروں پہ ایک نظر ہی ڈال سکیں۔ ان کا چہرہ یکلخت سفید پڑ گیا تھا۔ انہوں نے ایک نظر انا کو دیکھا جس کی تباہ کن حالت پہ ترس آتا تھا مگر وہ خاموش کیوں تھی۔

"انا یہ یہ سچ ہے؟" انہوں نے تصویر اس کے سامنے کی جس میں مختصر لباس میں جو لڑکی جیمز کی بانہوں میں جھول رہی تھی وہ انا نہیں تھی مگر اس کا چہرہ اس کا چہرہ تھا۔ اس نے ویسی ہی پتھرائی ہوئی نظروں سے تصویر کو دیکھا تھا اور خاموش رہی تھی۔

"کچھ بولو اپنی صفائی پیش کرو انا فار گاڈ سیک۔"

ماما اس کی پوزیشن میں فرق نہ آتے دیکھ کر گڑگڑاتے ہوئے رو پڑیں۔ تب اس کے ہونٹ کانپے تھے۔

"یہ سچ نہیں ہے۔"

"جھوٹ بولتی ہو بکواس کرتی ہو اپنا گناہ چھپانے کی خاطر۔"

حیدر نے نفرت سے پھنکارتے ہوئے اسے ایک غلیظ گالی دی تھی۔ انا نے اسے دیکھا تھا پھر بھیگی مگر مضبوط آواز میں بولی۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی ہوں نہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے جسے چھپانا میری مجبوری ٹھہرے۔ جیمز مجھے پسند کرتا تھا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور میں نے اسے انکار کردیا تھا۔ اینڈ دیٹس اٹ۔"

"دیٹس اٹ۔" وہ حقارت سے بولا۔

"تم پہلے اسے پہچاننے سے انکاری تھیں اب تم نے اسے نا صرف پہچانا بلکہ یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ کیا کچھ چاہتا تھا۔ ابھی یہ بھی مانو گی کہ یہ تصویریں تمہارے کمزور لمحوں کی گواہ ہیں اور انہی کمزور لمحوں کی نشانی وہ جو تمہاری کوکھ میں پل رہی ہے جسے تم نے میرا بچہ بنادیا۔"

بات سخت تھی اتنی سخت کہ وہ برداشت کی ہر حد سے گزر گئی اسے پتہ بھی نہیں چلا اور وہ ہسٹریائی انداز میں چیختی ہوئی اس پہ پل پڑی تھی۔

"بکواس بند کرو۔ اتنا گھٹیا الزام۔"

حیدر نے اس کے طیش پہ اشتعال میں آتے ہوئے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو اپنے پنجوں میں دبوچا اور نہایت سفاکانہ انداز میں اسے پیچھے کی جانب دھکیل دیا تھا۔

"اپنا یہ مکروہ چہرہ لے کر یہاں سے دفعان ہوجانا میں تمہیں طلاق نامہ بھیج دوں گا۔"

ماما کو نظر انداز کرتا وہ پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا ماما گرتے ہی بے ہوش ہوجانے والی انا کو چاچی اور سمانہ وغیرہ کے ساتھ بد حواسی کے عالم میں سنبھال رہی تھیں۔ جبکہ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکل کر جاتے حیدر نے ایک بار بھی پلٹ کر علینہ کے فاتحانہ چہرے کی آسودہ مسکان کو نہیں دیکھا جو آگ لگا کر تماشا دیکھتی بے حد لطف اندوز ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا یہ سب ہوا کیا ہے۔ حیدر اس دن سے غائب تھا تو انا کی حالت اتنی خراب تھی۔ کہ اس سے کسی نے کچھ پوچھنے کا حوصلہ ہی نہیں کیا تھا پاپا بے حد پریشان تھے تو ماما آنے والے وقت کو سوچ سوچ کر لرزے جاتیں ایک چاچو اور چچی ہی تھیں جو ڈھارس بندھاتے مگر ہراس کم نہ ہوتا تھا۔

"وہ کہاں چلا گیا ہے؟ اسے بلاؤ پلیز اسے سمجھاؤ یہ سب کیا ہوگیا ہے۔"

ماما ضبط کھو کر دن میں پتا نہیں کتنی بار رو پڑتیں۔

"سچی بات ہے بھابھی! میرا تو دل ہی نہیں مانتا! اتنی پیاری اور معصوم سی بچی ہے انا۔ خدا جانے کون دشمنی کررہا ہے۔" چچی نے کہا تھا اور جو دشمنی کررہی تھی وہ ساتھ والے کمرے میں بیٹھی تھی انا کے سیل سے نمبر لے کر اس کے لیے جیمز سے رابطہ کرنا کچھ مشکل نہیں تھا وہ اسے ایک بے وقوف سا لڑکا لگا تھا۔ جو انا کی طلب میں ہر حد پھلانگ سکتا تھا اس نے جیمز کو سمجھایا تھا اگر وہ اس قسم کی تصویریں بھیج دے تو اس کی یہ خواہش وہ پوری کرا سکتی تھی۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں جیمز نے بڑی آسانی سے یہ کام کرلیا کہ کمپیوٹر کے دور میں یہ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

"کب تک مجھے انا کا ساتھ مل جائے گا۔؟"

اس نے تصویریں پوسٹ کرکے اسے فون کرکے پوچھا تھا۔

"یہ تو تمہاری کارکردگی پہ منحصر ہے۔" اور جیمز حیران رہ گیا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے جواباً" بہت بے صبری سے سوال کیا تھا۔

"تم یہاں آسکتے ہو؟"

"مطلب پاکستان؟"

"ہاں اس سے یہ ہوگا کہ جو کام شاید دیر سے ہو وہ جلدی منٹوں میں ہو جائے گا۔ بھلے پھر تم انا کو ساتھ لے کر واپس جانا۔" علینہ نے اسے ایسا لالچ دیا تھا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"ایکچوئلی میرے پاس پاکستان کا پاسپورٹ نہیں ہے۔ اسے بننے میں بھی ٹائم لگے گا۔"

"ڈونٹ وری مگر تم آجاؤ۔ اور حیدر کو یقین دلاؤ کہ تم اور انا ایک دوسرے میں انوالو تھے۔"

"گڈ! میں ایسا ہی کروں گا۔"

وہ بے تحاشا خوش ہو گیا تھا۔ اور علینہ اسی حد تک مطمئن اس دوران البتہ اس نے جیمز سے دو تین مرتبہ کال کروائی تھی حیدر کو اور گویا جلتی آگ پہ تیل چھڑکنے کا کام جاری رکھا تھا۔ جبھی تو حیدر کی نفرت اور غصہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس دن وہ بہت دنوں بعد گھر لوٹا تو اس کی اپنی حالت بھی بہت تباہ ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے اور بے تحاشا سرخ آنکھیں اس کے رتجگوں کی گواہ تھیں تو بڑھی ہوئی شیو اور شکن آلود میلا لباس خود سے برتی گئی لاپرواہی کا۔

اسے دیکھ کر ماما کا تو کلیجہ دہل گیا تھا جبھی اسے سمجھانے قائل کرنے کے ارادے سے بے اختیار آواز دے لی۔

"کیا حال بنا لیا ہے اپنا کچھ تو خیال کرو بیٹا! محبت کرتے ہو اس سے جب ہی تو..."

"ماما! نام مت لیں اس کا میرے سامنے۔"

اس کے کڑے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ ماما گنگ سی ہو کر اسے ٹکر ٹکر دیکھتی چلی گئیں۔

"ہے کہاں وہ اس وقت؟"

اس نے دانت بھینچ کر بہت ناگواریت سے گویا اس کا تذکرہ کیا تھا۔ پھر گہرے طنز سے خود ہی بولا تھا۔

"واپس تو نہیں بھیجا ہو گا آپ نے اسے یقیناً"۔"

"ہم تمہاری طرح سے نہ تو جذباتی ہیں نہ ہی احمق۔"

ماما کو بھی غصہ آگیا تھا جبھی بہت تلخی سے بولیں اور وہ اتنی ہی حقارت سے پھنکارا تھا۔

"اچھا کیا۔ ورنہ شاید میں اسے پھر سے واپس لے آتا۔ اس کی سزا یہی ہے کہ وہ یہیں رہے میں اسے نہ تو اب اپناؤں گا نہ ہی چھوڑوں گا اگر چھوڑوں گا تو گویا اس کی ضد پوری ہوگی۔ وہ وہی گلچھرے اڑانے میں آزاد ہو گی جس کی وہ عادی رہی ہے۔"

اس کی سرخ آنکھوں میں اس پل گویا لہو اتر آیا۔ اس کے لہجے کی سفاکی پہ ماما کانپ سی گئی تھیں۔ تو اس کی بدگمانی پہ انہیں رونا آگیا۔

"مجھے صرف ایک بات کا جواب دو حیدر۔ تمہیں انا واقعی ویسی لگتی ہے جیسی تمہیں بتائی گئی۔ ایک گواہی دل بھی تو دیتا ہے حیدر! تمہارے دل نے کیا گواہی دی۔؟ تم شوہر ہو اس کے اور شوہر اپنی بیوی کی حرکات و سکنات اور رویئے سے ہی اس کے اخلاق و کردار اس کی شرم حیا ——— کے پیمانوں کو جانچ سکتا ہے بڑی آسانی کے ساتھ کیا تم نے واقعی اسے اخلاق و مذہب سے بے راہ پایا ہے۔" ماما نے اسے خاموش پا کے ایک اور بہت گہری بات کہی تھی تب ہی وہ تلملا اٹھا تھا۔

"یہی تو بہروپ ہے اس کا ماما۔ اس نے مجھے دھوکہ دینے کو خود کو یکسر پردوں میں چھپا کر میرے آگے پیش کیا۔"

"کیوں؟ کیا مجبوری تھی اس کی۔؟" ماما کا لہجہ گہرا طنز سمیٹ لایا۔ پھر وہ اسی طنزیہ لہجے میں بات بڑھا کر گویا اس کی عقل پہ ماتم کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"دیکھا جائے تو ایسے کوئی لعل نہیں لگے تھے تم میں حیدر کہ وہ تم پر ڈورے ڈالتی۔ تمہارے پاس اگر دولت تھی تو اس کے پاس بھی کمی نہیں تھی۔ تم اگر خوبصورت تھے تو تم نے جیمز کی تصویریں دیکھی نہیں وہ بھی کم خوبصورت نہیں تھا اس کی خاطر مسلمان بھی ہو رہا تھا۔ پھر یہ سب جانتے ہیں کہ تم انا میں انوالو ہوئے تھے۔" اتنی کھری کھری سن کر حیدر جز بز ہوا تھا۔

"تم نے اس کی آنکھیں دیکھی ہیں حیدر!

نہیں دیکھی تو دیکھ لینا۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں جھوٹے لوگوں کی آنکھیں ویسی نہیں ہوتیں۔ اور ہاں تم نے بہت ہرٹ کیا ہے اسے۔ کردار پہ تو جو حملہ کیا سو کیا اس کے بچے کو ہی تم نے ناجائز بنا ڈالا۔ بہت ہرٹ ہوئی تھی وہ اور ابارشن کروانے پہ تلی ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے سمجھایا بجھایا اس کی ذہنی تباہی کا اندازہ کر لو ذرا۔"

اس نئی اطلاع پہ وہ بہت بری طرح سے چونکا تھا پھر بہت تضحیک آمیز لہجے میں ___ غرا کر بولا تھا۔

"کیوں روکا تھا آپ نے۔ کروانے دیا ہوتا یہ میرا صرف تب کا خیال نہیں میں اب بھی یہی سوچتا بلکہ یقین رکھتا ہوں۔"

"ہم نے ہر فیصلہ اپنے رب پہ چھوڑ دیا ہے حیدر! وہی بہتر انصاف کرنے والا ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھنا پاک دامن عورتوں پہ الزام لگانا وہ بھی بغیر تحقیق کے گناہ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے۔"

حیدر نے ان کی بات سنی تھی اور سر جھٹک کر سیڑھیاں پھلانگ گیا۔ ماما آنکھوں میں اتری نمی پونچھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"اٹھو بیٹا کچھ کھالو۔" وہ بے دم سے انداز میں لیٹی ہوئی تھی جب ماما نے آکے پیار سے اس کا سر سہلایا اس نے بے دلی اور بے توجہی سے انہیں دیکھا۔ جوڑے میں ناشتے کے لوازمات لے کر آئی تھیں۔

اس دن کے بعد سے ہی انا کا قیام سمانہ کے کمرے میں تھا۔ حیدر سے ایک بار بھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ یہ اطلاع ضرور مل گئی تھی کہ وہ گھر واپس آگیا ہے۔

"مجھے بھوک نہیں ہے پلیز!"

"نہ بیٹا! ایسے نہیں کہتے تمہیں تو ان دنوں خوراک کی بہت ضرورت ہے۔ کچھ کھاؤ گی تو بچہ بھی صحت مند ہو گا نا؟" انہوں نے نرمی سے کہتے پلیٹ میں سلائس رکھتے ہوئے کہا۔ جبکہ اس ایک محبت بھرے فقرے نے اس کی ذہنی رو بہکا دی تھی جب وہ اسے زبردستی جوس پلا رہا تھا اور وہ پینے پہ آمادہ نہیں تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ نے دودھ کا گلاس پلایا ہے اب اتنی جلدی جوس۔" وہ منہ بسور رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ لان میں اس کے ساتھ واک کرتی ہوئی آئی تھی حالانکہ حیدر نے مسلسل اسے سہارا دیئے رکھا تھا پھر بھی اس کی سانسیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔

"دیکھو بیوی یہ تو تمہیں پینا پڑے گا۔ تمہاری خوش خوراکی ہی میرے بچے کو صحت مند اور خوبصورت بنائے گی نا۔"

"اور جو میں پھول کر غبارہ ہو جاؤں گی وہ۔"

اس نے آنکھیں نکال کر پوچھا تھا حیدر ہنسنے لگا تھا۔

"تم جتنی بھی موٹی ہو جاؤ مجھے ویسے ہی پیاری لگو گی انا ڈارلنگ۔"

"لیکن میں آپ کے ساتھ چلتی ہوئی تو اچھی نہیں لگوں گی لوگ باتیں بنائیں گے حیدر۔"

وہ اسے باتوں میں لگا کر دھیان بٹانا چاہ رہی تھی۔ حیدر نے اسے گھور کے دیکھا تھا۔

"اور میں تو جیسے لوگوں کی باتوں میں آہی جاؤں گا تمہاری محبت ——— میرے نزدیک کبھی نہیں بدلے گی جان من۔"

"یہ لو کھاؤ میری بچی! پھر آج تمہیں چیک اپ کے لیے بھی جانا ہے یاد ہے۔" ماما کی آواز اسے سہانے ماضی سے کھینچ لائی اس کے ہونٹوں سے بے اختیار سسکی نکل گئی تھی۔

"سب جھوٹ تھا۔ بالکل جھوٹ۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جبکہ ماما بوکھلا کر اس کی جانب لپکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تم آج آفس نہیں گئے۔" ماما ملازمہ سے صفائی کروا رہی تھیں جب وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے ڈائننگ ہال میں آیا۔ بلیو جینز پہ وائٹ شرٹ فریش شیو وہ کل کی نسبت بہت فریش نظر آرہا تھا۔ ماما کو بری طرح سے

سسکتی ہوئی انا یاد آئی تو ملال مزید بڑھ گیا۔ ابھی کتنی مشکلوں سے اسے چپ کرا کے جتنوں سے کچھ کھلا کر آئی تھیں یہ کہہ کر کہ تیار ہو کر نیچے آجائے۔

"نہیں اور جانے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔"

"طبیعت ٹھیک ہے؟" ماما کو فطری پریشانی نے گھیرا جبکہ حیدر کو جیسے اس سوال نے آگ لگادی تھی۔

"بھاڑ میں ڈالیں ہمیں آپ۔ بس آپ اس سگی کا خیال رکھیں ہمارا آپ سے کیا واسطہ۔" کل سے انہیں کسی سائے کی طرح سے انا کو ساتھ لگے دیکھ کر وہ جیسے اب تک سلگ سلگ کر آدھا رہ گیا تھا۔

"میں ماں ہوں تم سب کی پھر جس بچے کے ساتھ زیادتی یا انصافی ہوتی ہو ماں کی فطری محبت اور ہمدردی اپنے اس بچے کے ساتھ بڑھ جاتی ہے۔"

انہوں نے گویا اس کی عقل پہ ماتم کرکے اسے سمجھایا۔ مگر وہ مزید بھڑک گیا تھا۔

"پھر تو آپ کی یہ محبت و ہمدردی میرے ساتھ ہونی چاہیے تھی زیادتی اور ظلم میرے ساتھ ہوا ہے۔"

"یہ تمہارا خیال ہے بیٹا ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے تم ظلم و زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو۔"

"ماما!" وہ پوری قوت سے دھاڑا اس سے پہلے وہ مزید کچھ اور کہتا انا کی چیخوں کی آواز پہ ماما کے ساتھ وہ بھی چونکا تھا۔ چیخیں اتنی دلخراش اور دلدوز تھیں کہ وہ کسی طرح بھی خود کو بدحواسی سے دوڑتیں ماما کے پیچھے جانے سے نہیں روک سکا۔ وہ یقیناً "سیڑھیوں سے پھسل کر نیچے گری تھی۔ اور اب ماہی بے آب کی طرح مچلتے ہوئے جیسے درد سے بے حال تھی اس نے ماما کے تو ہاتھ پیر ہی چھڑوادیئے۔ سمانہ اور علینا کالج تھیں چاچو اور پاپا آفس ایک لے دے کے چاچی ہی تھیں جو ماما کی طرح حواس ہی کھو سکتی تھیں ایسے میں نا چاہتے ہوئے بھی حیدر کو آگے بڑھنا پڑا تھا۔ اور جب وہ اسے گاڑی میں ڈال کر قریبی کلینک لارہا تھا تو اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے۔

"آپ نے اسے ابارشن نہیں کروانے دیا نا جبھی اس نے یہ حرکت کی ہے۔ وہ کسی بھی صورت جان چھڑانا چاہتی تھی اس مصیبت سے۔ مگر ایک بات آپ میری لکھ کے رکھ لیں اگر بچے کو کچھ ہوا تو میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" جس وقت انا کو ڈاکٹر کے پاس اندر لے جایا گیا اور ماما کانپتے ہوئے دل سے دعا کررہی تھیں اس نے سرد غراہٹ زدہ آواز میں کہا تھا۔ ماما نے چونک کر آنسو بھری مگر طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر دیکھا جائے تو تمہارا اس معاملے سے تعلق واسطہ نہیں ہے حیدر! تم اس بچے کو اپنا ماننے سے انکار کرچکے ہو۔" وہ اس بات پہ بری طرح سے غرایا تھا۔

"آپ نے قسم کھا رکھی ہے کہ مجھے قدم قدم پہ ذلیل کرنا ہے۔"

"انسان کے اعمال اور حرکتیں ہی اسے ذلیل بھی کرواتی ہیں۔"

"تو پھر آپ کی وہ چہیتی بھی اپنی حرکتوں کی وجہ سے ذلت سہہ رہی ہیں۔" وہ تیز لہجے میں دو بدو بولا۔ تو ماما نے خود پر سکون رہ کر بھی اسے آگ لگادی تھی۔

"کبھی — یہ آزمائش بھی ہوتی ہے اللہ کی طرف سے۔"

"آپ کو اس پہ اتنا یقین کیوں ہے؟" وہ بری طرح جھنجلایا۔

"اس لیے کہ میں نے تمہاری طرح سے آنکھیں بند نہیں کررکھیں۔"

"ہاں پاگل ہوں نا میں۔" وہ بھنا کر کہتا اس وقت غصے میں پلٹ کر چلا گیا جبکہ ماما پھر سے گڑگڑا کر سب خیریت کی اللہ سے دعا مانگنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"آپ کو مجھ پہ کسی قسم کا شک تو نہیں ہے نا بو! پلیز ٹرسٹ می! میں آپ کے پاس آرہی تھی سیڑھیاں اتر کر کہ ایک دم چکر سا آگیا۔ بہت سنبھالنا چاہا خود کو مگر۔"

ہوش میں آنے کے بعد وہ ماما سے سامنا ہونے پہ

ان کے ہاتھ تھام کر نقاہت سے بولی تھی۔ اس وقت تک پاپا اور چاچو بھی ہسپتال پہنچ گئے تھے۔ اور چاچی بھی۔

"اس لیے تو تم سے ہر وقت کہتی ہوں بیٹا کہ کھانے پینے کا خیال رکھوا اپنے آپ کو سنبھالو۔ تھینک گاڈ! کہ کوئی نقصان نہیں ہوا بچے کا بچ جانا بھی ایک معجزہ ہی ہے۔ ورنہ تم پہ لگے الزاموں میں ایک اور کا اضافہ ہوجاتا۔"

ان کی آواز بھر آئی۔ انا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"میں ایسے گناہ کا سوچ بھی نہیں سکتی وہ تو پتہ نہیں کتنی مخدوش ذہنی حالت میں میں نے وہ بات کہہ دی تھی جس پہ میں پتا نہیں کتنی بار رب سے معافی مانگ چکی ہوں۔"

وہ سسک کر بولی تو ماما نے اس کا سر تھپک کر تسلی دی تھی۔

"ہاں مجھے پتا ہے۔ مگر وہ نہیں یقین کرتا۔ اب بھی کہہ رہا تھا تم نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔" ماما کے افسردگی سے کہنے پہ انا نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ پھر بہت دیر بعد آہستگی سے بولی

"نہیں اب میرے کسی بھی عمل سے کسی بھی بات سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"ایسا نہیں کہتے بیٹا! اللہ تم دونوں کی جلد مصالحت کروادے اسی میں ہم سب کا سکون ہے۔"

"مگر جو کچھ انہوں نے میرے ساتھ کیا اس کے بعد میرے دل میں کوئی گنجائش نہیں نکل رہی ہے بو!"

"اللہ بہتر کرے گا بیٹا! تم زیادہ مت سوچو۔ میں تو یہ ہی سوچ کر بہت پریشان رہتی ہوں یہ آگ آخر کس کی لگائی ہوئی ہے؟

اکیلا وہ لڑکا کیا نام ہے اس انگریز کا وہ تو نہیں — سب کچھ کرسکتا۔ اسے اس گھر کا ایڈریس کس نے دیا اسے حیدر کا نمبر کس نے دیا ہوگا۔؟"

"جس نے بھی کیا۔ بات ساری یہ ہے بو کہ میرا نقصان ہوچکا۔"

اس نے رقت بھری آواز میں کہا اور کروٹ بدل لی جبکہ ماما افسردگی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اداس بے کیف اور طویل جتنے بھی طویل دن سہی مگر بہرحال گزر گئے تھے۔ اس کی ڈلیوری نزدیک آئی تو سعدیہ بھی امریکہ سے چلی آئیں۔ اور انا کو دیکھ کر انہیں صحیح معنوں میں دھچکا لگا تھا۔ فون پر بہت ضبط حوصلے اور برداشت کا مظاہرہ کرنے والی انا بھی بری طرح سے بکھر گئی تھی۔ کچھ ایسی وحشت سے روئی کہ سعدیہ کی گھبراہٹ اور پریشانی دو چند ہوکر رہ گئی۔

"کیا ہوا ہے؟ میری جان کیا ہوگیا ہے تمہیں؟"

انہوں نے روتی بلکتی انا کو ——— دیکھا تھا۔ جبکہ "مہر ہاؤس" کے باقی تمام افراد چپ سادھے مجرمانہ سے انداز میں سر جھکائے آس پاس بیٹھے تھے۔ انا کو اپنی جذباتی کیفیت پہ شرمندگی سی محسوس ہوئی تو ان سے الگ ہوکر خود کو سنبھالتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی۔

"کچھ نہیں مام! بس ایسے ہی آپ کو اتنے عرصے بعد دیکھا تھا نا۔"

سعدیہ نے بس سرسری سی اس کی بات سنی اور کان نہیں دھرا تھا۔ اور سوالیہ نگاہیں ماما پہ اٹھائی تھیں۔

"آپ بتائیں مجھے! میری بیٹی کے ساتھ کیا ہوا یہ خوش نہیں رہی ہے نا مجھے فون پہ کبھی اس کی آواز فریش محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

"سب بتادیں گے سعدیہ تم سفر سے تھکی آئی ہو پہلے فریش ہو لو کھانا وغیرہ کھاؤ پھر بات کرتے ہیں۔"

ماما بے چاری نظریں چرا کر ندامت بھرے لہجے میں بولیں تو سعدیہ پھٹ سی پڑی تھیں۔

"کمال ہے یعنی میری گلاب کے پھول جیسی تروتازہ شاداب بیٹی ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی ہوئی ملی ہے۔ میرا ضبط حوصلہ جواب دے رہا ہے اور آپ مجھے کھانے اور فریش ہونے کا کہہ رہی ہیں۔"

ان کے لہجے میں برہمی تلخی کے ساتھ ساتھ عجیب سی بے بسی نے نمی بھی بھردی تھی۔ انا ہونٹ کچل رہی

تھی۔

"کام ڈاؤن سعدیہ! میں آپ کو بتاتا ہوں آپ دوسرے کمرے میں آجائیے پلیز!" پاپا نے اٹھتے ہوئے رسانیت سے کہا تو سعدیہ لب بھینچے ایک جھٹکے سے اٹھی تھیں اور میٹنگ روم میں صوفے پہ ان کے سامنے بیٹھیں۔ پاپا نے گو کہ بہت دھیمے انداز میں ساری بات بتائی تھی اس کے باوجود سعدیہ کا چہرہ ضبط کی زیادتی سے دہک گیا تھا۔

"اتنا بہت کچھ ہو گیا اور آپ نے ہمیں بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ ہماری بیٹی اتنی گری پڑی تھی کہ اس پہ جس نے جو چاہا الزام لگایا اور سزا بھی سنا دی۔ مجھے بتائیے بھائی صاحب آپ نے ہمیں مرا ہوا سمجھ کر آگاہ کرنا ضرور نہیں سمجھا۔؟" وہ تو۔۔ غم و غصے کی زیادتی سے جیسے رو پڑی تھیں۔ پاپا لاجواب سے ہو گئے۔

"میں ابھی علی کو کال کر کے یہاں بلواتی ہوں۔ اور ہم فوری انا کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ڈلیوری ہو جائے تو ہم طلاق بھی لے لیں گے۔ ہمیں اندازہ ہے کہ ہماری بیٹی کیسی ہے۔ ہم کوئی صفائی نہیں پیش کریں گے اس کی طرف سے۔"

انہوں نے یکلخت اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ جسے سنتے ہی ان کے پیچھے ان کی بلند آواز کو سن کر وہاں آئی انا کا رنگ ایک دم سے سفید پڑ گیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر دو تین قدم آگے بڑھی تھی کہ سعدیہ نے سرعت سے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ اور نرمی سے صوفے پہ بٹھاتے ہوئے اس کی پیشانی چومی تھی۔

"ریلیکس ہو جاؤ بیٹا! تمہاری آزمائش اللہ نے ختم کر دینی ہے۔"

"ماما!" وہ سسک اٹھی تھی۔

"ماما! میں آپ کے ساتھ وہاں نہیں جاؤں گی۔ اس میں بہو کا یا کسی اور کا قصور نہیں ہے۔ میں خود ہی تب بھی وہاں آپ کے پاس نہیں آئی تھی۔ ماما! پلیز سمجھیں۔ اگر میں آئی ڈونٹ کیئر جیسے انداز و تاثرات کے ساتھ آپ کے فیصلے جیسا فیصلہ کرتی تو گویا اس بے بنیاد الزام کی سیاہی کو اپنے ماتھے پہ داغ کی طرح سجا لیتی جو مجھے گوارا نہیں تھا ماما۔ اب بھی نہیں ہے۔ مجھے اپنا کردار بہت عزیز ہے۔ میں یہاں رہ کر اپنی بے گناہی اور پاک دامنی ثابت ہو جانے کے خدائی فیصلے کا انتظار کروں گی۔"

سعدیہ ششدر رہ گئی تھیں پھر اسے خود سے لپٹا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھیں۔

"میں تمہیں لحہ لحہ مرتے ہوئے کیسے دیکھوں میری بچی!؟"

"سب ٹھیک ہو جائے گا ماما! اور آئی پرامس و دیو کہ جب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تب میں آپ کے ساتھ ضرور چلوں گی؟" اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں تسلی دی تو سعدیہ کا دل اتنا بوجھل تھا کہ وہ مسکرا بھی نہ سکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"سلمان جیسے ہی یو اے ای سے آتے ہیں ہماری بھی شادی کی ڈیٹ کنفرم ہو جانی ہے۔" علینہ نے مسکرا کر گویا اسے اطلاع دی وہ گم سم بیٹھا سگریٹ کے گہرے کش لیتا رہا۔ علینہ نے بغور اسے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کہاں گم ہو؟"

"ہاں کہیں نہیں۔" وہ جیسے گہری نیند سے چونکا اور پھر گم ہو گیا۔

"میں نے سنا ہے تم نے پیپسی کے کمرشل کو منع کر دیا۔ بہت بڑا مارجن تھا اس کمپنی کا حماقت نہیں کی تم نے۔؟"

"نہیں میں کبھی بھی کوئی حماقت نہیں کرتا۔"

اس نے جواباً رکھائی سے کہا اور گویا اس سے زیادہ خود کو یقین دلایا۔ مگر وہ یہ نہ دیکھ سکا اس کی اس بات پہ علینہ کتنے تمسخر سے مسکرائی ہے۔

"اتنے عرصے شوبز سے الگ رہ کر پھر سے اٹیچ ہوتے ہوتے تمہیں تو اپنی ساکھ بنانی چاہیے یہ لاپرواہی مہنگی پڑ سکتی ہے۔"

"کتنے عرصے؟ صرف چند ماہ۔" اس نے کڑواہٹ سے جواب دیا تھا۔ علینہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

"اس وقت وہ ایسے ڈرامے کے سیٹ پہ تھے جہاں دونوں کا ہی کردار تھا۔ اور یہ کردار بھی حیدر کو علینہ نے ہی دلوایا تھا۔ گو کہ مرکزی کردار نہیں تھا مگر پاور فل کردار ضرور تھا۔ شوٹنگ کے بعد وہ رات گیارہ بجے تھکا ہارا واپس آیا تو "مہر ہاؤس" کی تقریباً" ساری ہی لائٹیں آن تھیں۔ گھر کے بیشتر افراد جو اس وقت تک سو جاتے تھے وہ بھی جاگ رہے تھے وہ ٹھٹکے بغیر نہیں رہا۔

"کچھ خاص بات؟؟" اس نے کچن سے چائے کے بھاپ اڑاتے مگ اٹھائے نکلتی عینا کو روک کر استفسار کیا۔

"نہیں آپ کے لیے تو بالکل خاص نہیں ہے۔" عینا کا لہجہ کسی قدر تلخی و خفگی لئے ہوئے تھا۔ جب سے انا کے ساتھ اس نے ایسا کیا تھا جہاں بہت سارے لوگوں کا رویہ اس سے بدلا تھا انہی میں ایک عینا بھی شامل تھی۔

"چلو وہی بتا دو جو تمہارے لیے خاص ہے۔"

اس نے بھی جواباً" طنز کا تیر برسایا تو عینا نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

"انا کو ہسپتال لے کر گئی ہیں ماما اور ممانی اینڈ دیٹس اٹ! آپ کھانا کھائیں گے؟" وہ کتنے سرسری سے انداز میں بتا کر اب اس سے اگلا سوال کر رہی تھی۔ حیدر کو جیسے آگ لگ گئی۔

"انا ہسپتال گئی ہے ڈلیوری کے لیے اور مجھے کسی نے انفارم کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ میں پوچھ سکتا ہوں کیوں؟"

"آپ کا اس سے کوئی تعلق واسطہ ہوتا تو آپ کو انفارم کیا جاتا بھائی! آپ تو اس بچے کو بھی اپنا ماننے سے انکار کر چکے تھے۔ اس کے بعد کوئی گنجائش باقی تھی؟؟" عینا صحیح معنوں میں پھنکاری تھی حیدر کو آئینہ دکھایا جانا برا لگا تھا جبھی چیخ پڑا تھا۔

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ عینا!"

"صاحبزادے کیوں چلا رہے ہیں۔؟" پاپا جو اسی وقت ہسپتال سے گھر آئے تھے اسے غراتے دیکھ کر مداخلت کر گئے۔

"دیکھا پاپا یہ عینا کہہ رہی ہے کہ۔۔۔"

"میں سن چکا ہوں کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہی ہے۔"

انہوں نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ پھر عینا کو مخاطب کر کے بولے تھے۔

"بیٹا! آپ کی ماما کہہ رہی ہیں ان کے کمرے میں ایک باسکٹ تیار کر کے رکھی ہے جلدی میں جاتے ہوئے بھول گئیں وہ ذرا لا دیں مجھے۔"

"پاپا آپ بھی۔" عینا کے جانے کے بعد وہ صدمے سے چور آواز میں بولا تو پاپا نے درشتگی سے اسے ٹوکا تھا۔

"کیا میں بھی؟"

"باپ ہونے کے ناتے میرا حق تھا کہ میں وہاں ہسپتال میں موجود ہوتا۔ آپ لوگ مانیں اس بات کو کہ آپ نے زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔"

"تمہیں اپنے کیے الفاظ بھول گئے ہیں حیدر!؟"

پاپا نے گویا اسے ملامت کی تھی۔ وہ نظریں چرا گیا تھا۔

"وہ تو غصے میں کہہ دیا تھا میں نے پاپا! ورنہ یہ بات تو میں جانتا تھا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے۔ اگر وہ غلط تھی تو اپنے ماضی میں مگر۔۔۔"

"شٹ اپ حیدر!" پاپا طیش سے کانپنے لگے تھے۔

"لائیں یہ میں لے کر جاتا ہوں آپ یہیں رہیں۔"

عینا باسکٹ لے کر آئی تو حیدر نے آگے بڑھ کے لینی چاہی مگر پاپا نے نہایت برہمی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے تھے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے یہ احسان کرنے کی اور خبردار جو تم وہاں آئے۔ یاد رکھو تمہارا اس بچے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔" انہوں نے باسکٹ عینا کے ہاتھ سے لی تھی اور پھنکار کے کہتے چلے گئے۔ وہ تلملا کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں جارہے ہو؟" وہ تیار ہو کر سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو پاپا جو لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے اسے ٹوکا۔

"میرا خیال ہے آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے میں مروں چاہے جیوں۔" وہ جواباً" بے حد ناراضی سے بولا اس کا غصہ ابھی تک اترا نہیں تھا۔ وہ ہسپتال بچی کی پیدائش کی اطلاع پا کر ہی گیا تھا۔ مگر وہاں سعدیہ ممانی نے اسے نہ بچی کو دیکھنے دیا تھا نہ ہاتھ لگانے۔ وہ کاٹ پہ بچی کو لینے جھکا تھا انا کو اس نے سرے سے اگنور کر دیا تھا جب سعدیہ نے اس کی اس حرکت پہ تلملا کر اس کا ہاتھ کاٹ سے جھٹک دیا تھا۔

"کیوں آئے ہو؟" ان کا لہجہ سرد تھا۔

"اپنی بیٹی کو دیکھنے اور کیوں؟" وہ جواب میں نخوت سے بولا تھا۔

"یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔ یہ تم خود کہہ چکے پھر کیا لینے آئے ہو۔"

"ممانی میں....."

"تمہارا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے حیدر! جتنا دکھ تم نے ہمیں دینا تھا وہ دے چکے اب بس یہاں سے چلے جاؤ۔"

"آپ مجھے میری بیٹی سے ملنے سے روک نہیں سکتیں۔"

وہ غصے سے چیخا تو پاپا نے مداخلت کی تھی۔

"حیدر جاؤ یہاں سے میں نے کہا بھی تھا تمہیں کہ یہاں مت آنا۔"

"پاپا! آپ سب میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔" وہ روہانسا ہونے لگا تھا اتنی تذلیل پہ۔

"جو تم نے کیا ہے یہ اس کے جواب میں کچھ بھی نہیں ہے ابھی تم انتظار کرنا کہ ہم اور کیا کرتے ہیں۔" سعدیہ نے شعلے برساتی نظروں سے اسے گھور کر ——— کہا وہ جواب میں کچھ کہے بغیر جھٹکے سے پلٹ گیا تھا۔

"تم نے سنا نہیں ہے حیدر میں نے کیا کہا ہے۔" اس کے ان سنی کر کے آگے بڑھ جانے پہ پاپا نے اخبار ٹیبل پہ رکھ کر خود بڑھ کے اس کا راستہ روکا۔

"اولاد سرکش اور نافرمان ہو تو والدین کے لیے دنیا میں ہی سزا بن جاتی ہے۔ آرام سے بیٹھ جاؤ تمہارا آج گھر پہ رہنا ضروری ہے۔"

"ایسا کون سا ضروری کام ہے جو مجھے گھر پہ باندھ رہے ہیں۔"

وہ جھنجلا گیا تھا۔ یہ جھنجلاہٹ بہت بڑھ رہی تھی آج کل۔ اس کی بچی ہو بہو اس کی ہم شکل تھی۔ اور ماما کا کہنا تھا بچی اس سے حیرت انگیز طور پہ اتنی مشابہت قدرت کا انصاف تھا۔ انا پہ لگائے گئے اس الزام کا اسے منہ توڑ جواب۔ اور وہ بچی کو دیکھ کر اتنا جز بز ہوا تھا کہ حد نہیں۔

"تمہارے ماموں آرہے ہیں آج اس لڑکے جیمز کے ساتھ جو بھی بات ہو گی تمہارے سامنے ہو گی۔" پاپا کی بات پہ وہ شاکڈ رہ گیا تھا۔

جیمز!..... وہ کہاں سے مل گیا انہیں؟"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے وہ ان کے سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔" پاپا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"آج سلمان کے گھر والے بھی آرہے ہیں شادی کی تاریخ فکس کرنے۔ سو پلیز اس قسم کا فضول کھٹ راگ آپ پھر کسی دن کھڑا کیجیے گا۔"

علینہ جو لاتعلقی سے ساری بات سن رہی تھی اس آخری بات پہ سن سی ہو گئی تھی مگر پھر خود کو سنبھال کر ناگواری سے کہا۔

"تم ان لوگوں کو منع کر دو یہ معاملہ آج ہی حل ہو گا۔ بچی کی ساری زندگی کا فیصلہ ہے۔"

چاچو کو بیٹی کی بات پہ بے حد ناگواری محسوس ہوئی تھی۔ تبھی غصے سے کہا تھا مگر علینہ کے تو گویا سر پہ لگی تھی۔ ایک بار پھر انا کو اس کی ذات پہ فوقیت دی جا رہی تھی۔

"میری بھی پوری زندگی کا فیصلہ ہونا ہے آج پاپا!" وہ مشتعل ہو کر چلائی تھی۔ چاچو نے تیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے بلوا لو تم بھی آج اسے۔ یہ گھر چھوٹا نہیں ہے کہیں بھی انہیں بٹھا کر تاریخ دے دیں گے۔"

علینہ کو بے حد توہین محسوس ہوئی تو لب بھینچے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ اس کا ذہن یہ سوچ کر شل ہوا جا رہا تھا۔ جیمز نے اگر کچھ ایسا ویسا کہہ دیا تو۔ وہ بے چینی سے جیمز کا نمبر ڈائل کرتی رہی مگر اس کا نمبر بند تھا۔

☼ ☼ ☼

علینہ کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ نا صرف خود راہ فرار ڈھونڈتی بلکہ سلمان سعید کو بھی آج کے دن میر ہاؤس آنے سے منع کر دیتی۔ جس وقت جیمز اور ماموں آئے سب بہت بے چینی سے گویا انہی کے منتظر تھے۔ سوائے حیدر کے جسے پاپا نے ایک طرح سے باندھ کے بٹھایا ہوا تھا۔

"انا کہاں ہیں؟" جیمز نے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی متلاشی نگاہوں کو ادھر ادھر بھٹکا کر پوچھا تو حیدر کی آنکھیں دہک اٹھی تھیں۔

"ول یو شٹ اپ! تم ہوتے کون ہو اس کا نام لینے والے۔ زبان کھینچ لوں گا تمہاری۔" وہ بھڑک کر بولا تو جیمز نے خائف نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" حیدر کو اس کے سوال نے آگ سی لگا دی۔

"میں کون ہوں۔ اس گھر کا مالک اور انا کا شوہر۔ چاہوں تو ایک لمحے میں تمہیں اٹھوا کر باہر پھنکوا دوں۔"

وہ غراتے ہوئے بولا اس کا بس نہیں چل رہا تھا جیمز کا خون کر ڈالے۔

"علینہ کہاں ہیں؟ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ....."

معا" وہ ایک دم زبان ہونٹوں میں دبا گیا جبکہ ڈرائنگ روم میں موجود تمام نفوس یکبارگی چونک گئے تھے سوائے ماموں کے جو جیمز سے اس سے قبل ہی ساری حقیقت جان چکے تھے۔

"علینہ، تم علینہ کی بات کر رہے ہو؟ کیسے جانتے ہو اسے؟" پاپا بہت زور سے چونکے تھے۔

"انہوں نے خود کانٹیکٹ کیا تھا مجھ سے اور کہا تھا کہ....." وہ پھر اٹک گیا۔

"کیا کہا تھا؟ بولو۔" حیدر تلملا کر اس تک آیا اور اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دے کر اپنے مقابل کھینچ لیا جیمز سٹپٹا گیا۔

"بی ہیو یور سیلف حیدر! چھوڑو اسے اور آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔"

پاپا نے برہمی سے کہتے آگے بڑھ کر جیمز کو اس کی گرفت سے زبردستی نکالا۔

"آرام سے بیٹھ کر بات کروں اس کمینے سے۔ جس نے مجھے ذہنی اذیت کا شکار کر کے رکھا ہوا ہے۔" وہ برہم ہوا تو پاپا نے طنزیہ کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اس میں قصور بھی تمہاری کج فہمی کا تھا۔ حیدر! سوچو صرف تم ہی بدگمان ہوئے تھے انا سے تو کیوں؟" وہ لب بھینچ کر دھندلائی نظروں سے انہیں تکنے لگا۔ پھر جیمز سے بولا تھا۔

"وہ تصویریں اور انا سے تمہارا تعلق کیا تھا؟" اور اس سوال کو پوچھتے ہوئے وہ کیسے کند چھری سے کٹا تھا یہ وہ ہی جانتا تھا۔

"انا کے ساتھ میرا ایسا کوئی تعلق نہیں تھا وہ صرف کیمرے کی صفائی اور کمپیوٹر کی مہارت کا کمال تھا۔ یہ علینہ کا پلان تھا اس نے مجھے کہا تھا اس طرح انا کو اس کا ہزبینڈ ڈائیورس دے گا اور میں اسے اپنا سکوں گا۔"

جیمز جیسے جیسے بول رہا تھا۔ ویسے ویسے حیدر کا چہرہ سرخ پڑتا جا رہا تھا۔ جبکہ چچا اور چچی کسی سے نگاہیں ملانے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ ماما شاکڈ تھیں۔

"ہمیں اندازہ نہیں تھا علینہ اتنا بھی گر سکتی ہے۔ مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟" مما اس شاک سے نکلیں تو حیرت سے بولی تھیں۔

"آپ کے اس نکمے بیٹے کی خاطر! اسی نے اسے بھی اپنی محبت کا فریب دیا ہو گا جبھی اس نے اپنی انسلٹ کا بدلہ اس طرح چکایا۔" پاپا کے لہجے میں ہنوز

طنز تھا۔ حیدر احتجاج بھی نہ کرسکا وہ ابھی تک اس انکشاف کی زد میں تھا۔ سناٹوں میں گھرا ہوا۔

"جیمز بیٹا آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری بیٹی کے دامن کے اس داغ کو صاف کرنے میں ہماری مدد کی۔" ماموں نے اٹھ کر جیمز کا کاندھا تھپک کر رسانیت سے کہا تو وہ اچھنبے سے انہیں تکنے لگا۔

"اب آپ یہاں سے دفع ہوجائیں اور آئندہ کبھی نظر مت آیئے گا۔"

حیدر نے پھنکار کر کہا تو جیمز اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے فائن! میں معذرت چاہوں گا کہ میری ایک جذباتی حماقت نے آپ سب کو ذہنی اذیت میں مبتلا کیا۔" اس نے کہا اور پلٹ کر چلا گیا۔ کمرے میں مہیب خاموشی تھی۔

☼ ☼ ☼

میں صابروں کے قبیلے سے ہوں مگر میرا رب۔
وہ محتسب ہے کہ سارے حساب رکھتا ہے۔

انا نے بہت خاموش نگاہوں سے لاچاری کی کیفیت میں بستر پہ دراز علینہ کی جانب دیکھا تھا جو آنکھوں میں آنسو لیے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے معافی کی طلب گار تھی۔

"جب مجھے پتا چلا جیمز تمہارے پاپا کے ساتھ پاکستان آرہا ہے تو میں نے سوچا تھا میں صاف منکر ہوجاؤں گی۔ میں اس جیتی ہوئی بازی کو اتنی آسانی سے ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اللہ جب چاہے، بہت آسانی سے ہمیں شکست سے دوچار کردیتا ہے ہماری ساری مکاری چالاکی اور فریبی کے باوجود میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ میں گھر سے نکلی تو ڈسٹرب تھی۔ اسی ذہنی انتشار کے باعث وہ ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس نے مجھ سے میرا تکبر میری ہستی کا غرور چھین کر مجھے لاچار معذور کردیا۔ سلمان سعید نے جب یہ کہہ کر مجھ سے ہر تعلق ختم کیا کہ وہ ایک اپاہج لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا تو مجھے اندازہ ہوا یہ زیادتی نہیں میرے اعمال کی سزا ہے۔ میں نے اگر کسی پاک دامن پہ گھناؤنا الزام لگایا تھا تو مجھے خمیازہ بھگتنا تھا۔ میں نے تم سے حیدر کو چھیننا چاہا تھا قدرت نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین کر مجھے بتادیا کہ اختیارات میرے پاس نہیں اسی رب کی ملکیت ہیں۔ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ تم سے معافی مانگوں مگر پھر بھی تم اعلا ظرف ہوانا مجھے معاف کردو گی تو شاید میرا ملال میرا اضطراب کچھ ڈھل جائے۔"

وہ رو پڑی تھی۔ انا نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے دبایا۔

"اگر میرے معاف کردینے سے تمہارے دل کا بوجھ کم ہوجاتا ہے تو میں نے تمہیں صاف کیا علینہ، میں دعا کروں گی اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔"

انا نے نرمی سے کہا۔ تو اشک ندامت علینہ کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

☼ ☼ ☼

"انا!" وہ بچی کا فیڈر تیار کرکے کچن سے اپنے دھیان میں باہر آئی تھی حیدر کے پکارنے پہ ٹھٹکی مگر اسے روبرو پاتے ہی اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"انا پلیز! میری بات سنو۔" اسے قدم بڑھاتے دیکھ کر وہ تڑپ کے اس کی جانب لپکا۔

"سب کو معاف کردیا۔ اس فساد کی جڑ علینہ تک کو" کیا میرا قصور اتنا ہی بڑا ہے کہ تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں؟" وہ اتنی بے چارگی سے بولا تھا مگر انا کے چہرے کے تاثرات نہیں بدلے۔

"ہاں! نہیں کرسکتی معاف، میرے دل میں اب آپ کے لیے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ نہ نفرت نہ محبت۔"

"ایسا تو مت کہو انا! جو کچھ ہوا وہ غلط فہمی کی بنا پہ تھا میری جگہ اگر تم ہوتیں تو یہی کرتیں۔"

"پتا نہیں کیا کرتی میں نے کبھی سوچا نہیں۔" اس نے نخوت سے جواب دیا۔

"ماما بتارہی تھیں کل تم لوگوں کی فلائٹ ہے۔ کیا چلی جاؤ گی مجھے چھوڑ کر؟" وہ عجیب سی بے قراری سے بولا۔ انا تمسخر سے ہنس پڑی۔

"اگر میں کہوں میں نے اس ایک دن کا شدتوں سے انتظار کیا ہے تو۔۔۔"

حیدر کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ خاصی دیر بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ بے حد بوجھل تھا۔

"میں تمہاری بے اعتنائی کو برداشت نہیں کرسکتا انا! مرجاؤں گا اس دکھ کے ساتھ۔"

انا مضحکہ اڑانے کے انداز میں ہنس پڑی۔ پھر تمسخر سے بولی تھی۔

"حیدر صاحب! یہ صرف افسانوی باتیں ہیں کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ آپ بھی نہیں مریں گے۔ میں بھی یہ ہی سمجھتی تھی کہ آپ کی بے اعتنائی کے ساتھ مرجاؤں گی مگر زندہ ہوں۔"

حیدر نے ڈوبتی نظروں سے اسے دیکھا اور سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"میں مرجاؤں گا انا! مجھ میں اتنا اسٹیمنا نہیں ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے مرجاؤ۔" انا نے نروٹھے پن سے کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ حیدر کو سکتہ ہوگیا تھا اسے جیسے یقین نہ آیا تھا۔ انا اسے یہ سب کہہ گئی ہے۔ وہ حواسوں میں لوٹا تو ایک وحشت سی اس کے اندر بھر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

حیدر نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ بہت بڑی مقدار میں اس نے خواب آور گولیاں کھالی تھیں۔ اگلی صبح جب وہ اٹھا نہیں تو ماما کے دل کو ہول سے اٹھے تھے۔ اسے جگانے گئیں تب اس کا کارنامہ کھلا تھا۔ اسے فوراً" ہسپتال پہنچایا گیا معدہ واش کیا گیا مگر ڈاکٹرز نے کوئی اچھی امید نہیں دلائی تھی۔ دوا کے مضر اثرات اس کے نروس سسٹم کو اپ سیٹ کرسکتے تھے۔ اسی روز انا اور ماموں ممانی کو واپس بھی جانا تھا مگر اب سب کو حیدر کے سوا سب کچھ بھول گیا تھا۔

انا نے تو جب سے سنا تھا اس کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ وہ ڈسٹرب تھا کئی مہینوں سے۔ انا کو تو سب کی ہمدردیاں اور فیور حاصل تھی جبکہ وہ ہر طرف سے لعنت ملامت کی زد میں تھا اس کی ذہنی حالت یقیناً" بہت ابتر ہوچکی تھی اس پہ انا کی وہ فضول باتیں وہ یقیناً" بہت ڈسٹرب ہوگیا تھا۔

"نہیں کچھ نہ ہو یا اللہ انہیں کچھ نہ ہو۔"

وہ سجدے میں گری بس یہی دعا کیے جارہی تھی اگر حیدر کو کچھ ہوجاتا تو بھلا وہ خود کو معاف کرپاتی! اور اللہ کو یقیناً" اس کی مزید آزمائش منظور نہیں تھی جبھی حیدر خطرے سے باہر آگیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

وہ سب سے آخر میں اس کے سامنے آئی تو ان چند گھنٹوں کی ذہنی اذیت اور مسلسل گریہ وزاری اس کے چہرے و آنکھوں سے عیاں تھی۔ حیدر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تم نے مجھے معاف کردیا۔" اس نے پوچھا اور وہ رو پڑی تھی۔

"بہت ضدی ہیں آپ، اپنی بات منوانے کو کسی بھی خطرے کو مول لے لیتے ہیں۔ اگر آپ کو کچھ ہوتا تو میں بھی زندہ نہ رہتی" ساری ناراضی خفگی لمحوں میں ختم ہوگئی تھی کہ وہ اس کے مزاج کی شدتوں سے آگاہ جو ہوگئی تھی۔

"شکر ہے کچھ نہیں ہوا۔" وہ جیسے ہلکا پھلکا ہوکر ہنس پڑا۔

"آپ ہنس رہے ہیں۔ کیسے جان نکال لی تھی ہماری" انا اسے گھورنے لگی۔

"تم نے بھی اپنا فیصلہ سنا کر نکالی تھی۔" وہ بدلہ چکانے لگا۔

"وعدہ کریں اب ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ نہ میں آپ سے خفا ہوں گی۔ نہ آپ مجھ سے بدگمان اس لیے کہ جہاں محبتیں ہوں وہاں انڈر اسٹینڈنگ بھی ہونی چاہیے۔"

انا کے کہنے پہ حیدر نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر عمر بھر کا یہ عہد دل کی گہرائیوں سے کرلیا تھا۔

☼ ☼

شیریں ملک

دستِ جگنو میں

ناولِٹ

حسنین شاہ نے جیسے ہی گیٹ کے اندر قدم رکھا تیزی سے اڑتی ہوئی بال آئی اور اس کے سفید براق کپڑوں پہ نشان چھوڑتی ہوئی دور جا گری ' ماتھے پہ بل پڑنا لازم تھے۔ لیکن اس وقت تو غصہ سوا ہو گیا جب دیکھا کہ بال کس طرف سے آئی ہے۔ جی ہاں عائشہ فرقان! محلے کے بچوں کے ساتھ ہر روز گھر کے لان میں کرکٹ کھیلتی تھی 'لیکن اسے کیا خبر تھی کہ آج اس کی بال حسنین شاہ کے کندھوں کو چھونے کی جسارت کر بیٹھے گی۔

حسنین شاہ نے ناگواری سے اس کی حرکت کو برداشت کیا تھا۔ جو نیلی جینز کے اوپر لڑکوں کی طرح لمبا سا آف وائٹ کرتا پہنے بغیر دوپٹے کے اور شولڈر کٹ بالوں میں بچوں کے ساتھ بچہ بنی ہوئی تھی۔ حسنین کو ایسی لڑکیوں سے چڑ تھی۔ جو اپنی نسوانیت کو نظرانداز کر کے لڑکوں کے ڈھنگ اپناتی ہیں۔ وہ سر جھٹکتا ہوا آگے بڑھا۔ اسے آج سر فرقان نے فون کر کے بلایا تھا اور وہ اسی سوچ میں تھا کہ انہوں نے کیوں بلایا ہے۔

"سر میں اندر آجاؤں۔" وہ چھوٹے بچوں کی طرح اسٹڈی کے دروازے میں کھڑا اندر آنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔

"ارے میرا بیٹا آیا ہے۔" سر فرقان نے ایک دم اس کے لیے بازو وا کر دیے اور وہ ان میں سما گیا۔ انہوں نے کتنی دیر اسے ساتھ لگائے رکھا۔

"اگر میں اب بھی فون نہ کرتا تو تم نہیں آتے۔" انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں سر' ایسی بات نہیں' اصل میں گاؤں کے مسائل کچھ زیادہ ہی بڑھ گئے تھے۔ ان کو سلجھانے میں ہی دیر ہو گئی ورنہ میں اتنے دن ہرگز نہ لگاتا۔" اس نے ان کے ہاتھوں کو عقیدت سے چومتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو بیٹھو اور بتاؤ کیا کھاؤ پیو گے۔" انہوں نے اسے ساتھ ہی صوفے پر بٹھا لیا۔

"سر' آپ یہ بتائیں آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے' کوئی خاص کام تھا یا صرف مجھ سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔" وہ شرارت سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن اس وقت اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔ جب اس کی بات پر ان کے چہرے پہ ایک سایہ سا آ کے گزر گیا۔ وہ ایک دم اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اور ان کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

"حسنین' تمہیں پتا ہے ایک ماہ پہلے مجھے ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔"

"کیا' آپ کو اٹیک ہوا اور آپ نے مجھے بتایا نہیں۔" وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے دکھ سے بولا تھا۔

"اور اس وقت مجھے شدت سے ایک بیٹے کی کمی محسوس ہوئی تھی۔" انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"میں ٹھیک تو ہو گیا' لیکن انجانے سے خدشے مجھے ہر وقت ستاتے ہیں' مجھے لگا اگر میرا بیٹا ہوتا تو وہ اپنی بہن کا سہارا ہوتا' اگر اس وقت مجھے کچھ ہو جاتا تو مومو کا کیا بنتا۔ اس کی ماں ہوتی تو شاید میں اتنا فکرمند نہ ہوتا' لیکن اب یہ ہی سوچتے ہوئے مجھے نیند بھی نہیں

آتی کہ میرے بعد میری موموکا کیا بنے گا' پھر مجھے تمہارا خیال آیا' کیا خبر تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکو۔" وہ بہت شرمندہ شرمندہ سے لگ رہے تھے۔

"حسنین میری ایک بات مانو گے' میری مومو سے شادی کر لو۔" زمین آسمان ایک ہونا کسے کہتے ہیں' یہ اندازہ آج حسنین شاہ کو ہوا تھا' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سر فرقان کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے اندازہ ہے حسنین کہ ایسی بات مجھے خود سے نہیں کرنی چاہیے تھی' لیکن حسنین مجھے لگتا ہے اگر میرے بعد میری مومو کا کوئی خیال رکھ سکے گا تو وہ صرف تم ہو گے' اس لیے یہ بات مجھے خود کہنا پڑی' یہ میری درخواست سمجھ لو۔" سر اور بھی کچھ کہہ رہے تھے' لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے صرف ان کے آنسو اور لرزتے ہونٹ نظر آ رہے تھے اور کچھ بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

حسنین شاہ کے والد ابراہیم شاہ ایک حادثے میں اس وقت فوت ہوئے جب حسنین میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا۔ فاطمہ بی' حسنین کی والدہ انہیں لگا جیسے وہ ننگے آسمان تلے آ گئی ہوں۔ ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے' لیکن ان میں کوئی اپنا نہ تھا۔ کیونکہ وہ دونوں میاں' بیوی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے اور پھر ان کا بیٹا حسنین شاہ بھی اکلوتا' فاطمہ بی پر اب بیٹے کی ذمہ داری کے ساتھ پورے گاؤں اور وسیع جاگیر کی بھی ذمہ داری تھی۔ جو نسل در نسل سے چلی آ رہی تھی گاؤں کی سیدھی سادی عورت تھیں۔ وہ اکیلے تو یہ سب کچھ نہ کر پاتیں' لیکن بھلا ہو منشی پیر محمد کا جو ان کا وفادار ملازم تھا۔ اس نے سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔ اب سب فاطمہ بی کو مشورہ دیتے کہ وہ حسنین شاہ کو مزید پڑھنے کے لیے شہر بھیج دیں۔ لیکن وہ کسی صورت اپنے بیٹے کو اکیلے شہر بھیجنے کے لیے راضی نہ تھیں۔ سب انہیں سمجھاتے کہ اس طرح وہ کیسے اپنی جائیداد کا انتظام سنبھالے گا' لیکن وہ نہ مانیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔

ایک دن ان کے خالہ زاد بھائی فرقان شاہ ملنے حویلی آئے۔ فرقان شاہ' فاطمہ بی کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ وہ کبھی کبھار ان سے ملنے آتے تھے۔ ان کے ساتھ بھی تقدیر نے فاطمہ بی جیسا ہی سلوک کیا تھا۔ ان کی بیوی اپنی بیٹی کی پیدائش پر ہی فوت ہو گئی۔ جس کا نام عائشہ رکھا گیا اور فرقان شاہ اسے پیار سے مومو کہتے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو بہت پیار سے پالا اور دوسری شادی بھی نہیں کی۔ انہیں جب فاطمہ بی سے معلوم ہوا کہ وہ حسنین شاہ کو اکیلے شہر بھیجنے کے لیے راضی نہیں ہیں تو انہوں نے فاطمہ بی کو قائل کر کے ہی دم لیا۔ وہ خود جاگیردار تو تھے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے شوق کے تحت ایک کالج میں انگلش لٹریچر کے پروفیسر تھے۔ اپنا سب کچھ فروخت کر کے وہ مستقل شہر میں ہی منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے پروفیسر ہونے کی وجہ سے فاطمہ بی کو آسرا مل گیا۔ اور کچھ تسلی ہو گئی کہ حسنین اکیلا نہ ہو گا' لیکن انہوں نے فرقان شاہ کی اس تجویز کو رد کر دیا کہ حسنین ان کے گھر میں رہ کر پڑھے۔ کیونکہ وہ اپنے بیٹے کی نیچر اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ اپنی طبیعت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا اور پتا نہیں فرقان بھائی کے گھر کا ماحول کیسا ہو' حسنین وہاں ایڈجسٹ ہو پائے گا یا نہیں' ان ہی خدشات کے تحت وہ اس بات پر تیار ہو گئیں کہ حسنین فرقان شاہ کی سرپرستی میں ہاسٹل میں رہے گا اور وہ انہیں گائیڈ کرتے رہیں گے۔ اس طرح حسنین نے اپنی مزید تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور سر فرقان کی مدد سے نا صرف اپنا ایم بی اے مکمل کیا بلکہ ہر کلاس میں ٹاپ بھی کیا۔

وہ جانتا تھا کہ اگر سر فرقان نہ ہوتے تو شاید وہ اس مقام تک نہ پہنچ پاتا۔ لیکن افسوس اسے اس بات کا تھا کہ ان کی کامیابیوں کو دیکھنے کے لیے ان کی ماں نہ رہیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کی وفات اور بیٹے کی جدائی کا نہ جانے کیا اثر لیا کہ ایک رات سوئیں اور پھر جاگ ہی نہ سکیں۔ ان کی موت کی وجہ سے حسنین شاہ

سر فرقان کے اور قریب ہو گیا' کیونکہ اس بھری دنیا میں اس کا اپنا کوئی بھی نہ تھا۔ وہ ان کی اتنی تعظیم کرتا کہ ماموں کا رشتہ ہونے کے باوجود وہ انہیں سر ہی کہتا۔ اپنی ذمہ داریوں کو اس نے منشی چاچا کی مدد سے بخوبی سنبھال لیا۔ اتنی مصروفیت میں بھی وہ سر فرقان سے ملنے کا ٹائم ضرور نکال لیتا۔ جہاں وہ ان کی شخصیت سے اتنا متاثر تھا۔ وہیں یہ حیران بھی تھا کہ اتنی نائس شخصیت ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی بیٹی عائشہ کی تربیت عجیب سے انداز میں کی تھی۔ اس کا رہن سہن' اٹھنا بیٹھنا' پہننا اوڑھنا بالکل لڑکوں والے انداز تھے۔ اور اس کے انداز کی ہی وجہ سے حسنین شاہ کو اس سے چڑ تھی۔ لیکن اسے کیا خبر تھی کہ سر فرقان اپنی مہربانیوں کا صلہ اس سے اس صورت میں مانگیں گے' لیکن وہ اچھے خاندان اور اچھی تربیت کا حامل انسان تھا۔

اس نے ان لرزتے ہونٹوں اور آنسوؤں کا مان رکھ لیا۔ یہ سوچے بغیر کہ جس لڑکی کو شاید وہ ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا' اس کے ساتھ اپنی ساری زندگی کیسے بسر کرے گا۔ وہ حیران تھا تو اس بات پر کہ سر فرقان کیسے اپنی بیٹی کو گاؤں جانے کے لیے راضی کریں گے۔ بھلے حسنین اس کو شہر والی ساری سہولتیں دے سکتا تھا۔ لیکن جو تضاد شہر کی اور گاؤں کی زندگی میں ہوتا ہے اسے کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اوپر سے عائشہ جیسی لڑکی کے لیے جو ماڈرن تہذیب کا چلتا پھرتا نمونہ تھا' شاید وہ انکار کر دے' حسنین کو ایک امید سی لگی' لیکن اس دن وہ اپنی بے چارگی پہ ہنس دیا' جس دن سر فرقان نے اسے فائنل تیاری کے سلسلے میں مشورے کے لیے بلایا تھا۔ یعنی اس کی طرح عائشہ نے بھی اپنے باپ کا مان رکھ لیا۔ "میں ان کا سگا بیٹا بھی نہیں ہوں' لیکن ان کی تربیت اور پیار کی وجہ سے ان کا کہا نہیں ٹال سکا۔ وہ تو پھر ان کا اپنا خون ہے' وہ کیسے ان کو دکھ دے سکتی ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ عائشہ کی مجھ سے شادی میں بھی یقیناً" اللہ تعالیٰ کی مصلحت پوشیدہ ہے۔' یہ ہی سب کچھ سوچتے ہوئے حسنین نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ شاید اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

فرقان شاہ کا قریبی کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا' جو ان کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے آتا' لیکن پھر بھی ان کے گھر کی رونق آج دیکھنے والی تھی۔ بھلے ان کا لوگوں سے خون کا رشتہ نہ تھا' لیکن علم کا رشتہ تو تھا' جو بہت خالص اور دیرپا ہوتا ہے۔ ان کے کولیگز' اسٹوڈنٹس' عائشہ کی کلاس فیلوز اور محلے کے تقریباً" سارے بچے ان کے گھر میں مقیم تھے۔ ہر کوئی اپنی ذمہ داری سمجھ کر سارے کام کر رہا تھا۔ عائشہ کی ساری شاپنگ اس کی عزیز از جان سہیلی ماریہ کی مما کروا رہی تھیں۔ ماریہ کی اپنی شادی بی اے کے فوراً" بعد ہو گئی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ سعودی عرب میں مقیم تھی۔ وہ خود تو فوری طور پر نہیں آ سکی' لیکن اس کے فون متواتر آ رہے تھے۔ اتنے سارے لوگوں کے خلوص کی وجہ صرف اور صرف فرقان شاہ اور ان کی بیٹی کا اچھا اخلاق تھا۔ وہ باپ' بیٹی جس سے ملتے اپنے

خلوص سے اس کو اپنا گرویدہ بنالیتے' اور ہر کوئی ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہوجاتا۔ یہ ہی وجہ تھی ہر کوئی اس شادی میں اس طرح شریک ہورہا تھا' جیسے وہ ہی اپنا ہو اور عائشہ وہ مایوں کے کپڑوں میں بیٹھی اپنی زندگی میں در آنے والے اس موڑ پر مسرور ہونے کے ساتھ حیران بھی تھی۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کی شادی حسنین شاہ جیسے شخص سے ہوگی۔ وہ شخص اسے اپنے بابا جانی کا پرتو لگتا تھا۔ اس کی شخصیت بھی اس کے بابا جانی کی طرح تھی۔ جیسے تپتی دوپہروں میں سایہ دار شجر کی چھاؤں میں جو طمانیت ہوتی ہے' ایسا ہی احساس ان کے ساتھ میں ہوتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کتنے قریب ہے' جو یوں بن مانگے بھی بخش دیتا ہے۔ اسی اطمینان کے ساتھ اسے اپنے بابا جانی سے دور جانے کا دکھ بھی تھا۔ اس کی زندگی میں اور کوئی بھی خونی رشتہ نہ تھا' اس نے صرف بابا جانی کو دیکھا تھا۔ وہ ہی اس کے لیے سب کچھ تھے۔

عائشہ صرف حیران تھی تو اس بات پر کہ حسنین شاہ نے شادی کے لیے اسے ہی کیوں منتخب کیا۔ جبکہ اس کے کسی انداز سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی ایسی خواہش رکھتا ہے' وہ اسے بچپن سے دیکھتی آرہی تھی۔ دونوں کی عمروں میں تقریباً" دس سال کا فرق تھا۔ جب وہ ان کے گھر آیا تھا اس وقت وہ دن یا ٹو میں پڑھتی تھی۔ اس وقت سے آج تک وہ اسے اپنے گھر میں بارہا دیکھ چکی تھی۔ لیکن اسے یہ اندازہ نہ تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کی حیرانی بھی بجا تھی۔ کیونکہ ایک باپ نے اپنی بیٹی کا بھرم رکھ لیا تھا۔ انہوں نے اسے یہ ہی بتایا تھا کہ حسنین شاہ نے خود شادی کی بات کی ہے۔ جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس تھی۔ لیکن وہ تو اپنی بیٹی کی زندگی میں صرف خوشیاں اور رنگ بھرنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حقیقت کو پوشیدہ رکھا۔ انہیں حسنین شاہ پر بہت اعتماد تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے اپنے رب سے اسی کو مانگا تھا۔ یہ ہی سوچ کر وہ پر سکون تھے کہ ان کی بیٹی حسنین شاہ کی سنگت میں خوش رہے گی۔ یہ ہی ان کی امید بھی تھی اور یہ ہی ان کی دعا بھی۔

حسنین شاہ کی طبیعت ان دنوں بہت مضطرب تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آیا جو کچھ وہ کرنے والا ہے' وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ اسے نہ جانے کیوں اپنا آپ خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ وہ اپنی مرضی کے بغیر کرنے جارہا تھا۔ اتنا بڑا فیصلہ جس پہ اس کی آئندہ زندگی کا انحصار تھا۔ وہ اس رشتے کو نبھا پائے گا یا نہیں۔

ان ہی منتشر سی سوچوں میں رخصتی کا دن آپہنچا۔ حسنین شاہ بے شک دل سے راضی نہ تھا' لیکن اس نے شادی کی تیاریوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ عائشہ' فرقان کا جہیز تو دیکھنے والا تھا ہی لیکن بری کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ حسنین شاہ نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا تھا۔ اس کی ساری شاپنگ اس کے دوست علی کی بیوی اقرا بھابھی نے کی تھی۔ جس نے بھی عائشہ فرقان کی بری دیکھی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ سب اس کی قسمت پر رشک کررہے تھے اور اس کے لیے دعائیں کررہے تھے۔ آخر کار ان ہی دعاؤں کے سائے میں عائشہ فرقان' عائشہ حسنین بن کر بابل کی دہلیز پار کر گئی جبکہ حسنین شاہ کی کیفیت ہنوز تھی۔ وہ خود کو کمپوز کرتے کرتے تھک چکا تھا۔ وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کررہا تھا۔

گاؤں کی حویلی میں مقیم عورتیں جو حسنین کی لگتی تو کچھ نہ تھیں' لیکن پھر بھی حسنین شاہ ان کے لیے سب کچھ تھا۔ کوئی بیوہ تھی جو یتیم بچوں کے ساتھ فرد کی طرح ادھر ہی رہتی تھی۔ کوئی ویسے ہی حالات اور انسانوں کی ستائی ہوئی تھی' کوئی پندرہ بیس عورتیں ایسی تھیں جو اپنے حسنین بابا کے لیے ہر وقت دعا گو رہتی تھیں۔ جو دنیا میں اس کی وجہ سے عزت کی زندگی گزار رہی تھیں۔ ویسے تو وہ حویلی کے اس حصے میں نہیں آتی تھیں جس میں حسنین شاہ کی رہائش تھی۔ سوائے اماں رحمت کے' لیکن آج وہ اس کی خوشیوں میں شریک تھیں اور گاؤں کی تمام رسمیں جو گاؤں کی نئی نویلی دلہن کے ساتھ کی جاتی تھیں' وہ رسمیں عائشہ کے ساتھ کررہی تھیں۔ انہیں یہ نازک اندام سی بی بی جی بہت پسند آئی تھیں۔ جو حد سے زیادہ گوری رنگت اور بڑی بڑی کالی بھنورا سی آنکھوں کے ساتھ سب کے دل میں اتری جارہی تھی۔ عائشہ تو ان مخلص سی عورتوں میں گھری بہت انجوائے کررہی تھی۔ وہ سب کچھ اس کے لیے نیا تھا۔ لیکن حسنین شاہ کی کیفیات اس کے برعکس تھیں۔ اسے کسی پل چین نہ آیا تو وہ ایک دم نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بچپن سے ہی پنج گانہ نماز کا عادی تھا۔ آج سفر میں اس کی عصر اور مغرب کی نماز رہ گئی تھی۔ اس نے اپنی بے چینی کو اسی سے منسوب کیا۔ عشاء کی نماز کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے کتنی دیر دعا کرتا رہا۔ وہ اپنے اور عائشہ کے رشتے کے دائمی ہونے کی دعا مانگ رہا تھا۔ وہ اپنی اور عائشہ کی خوشیوں کی دعا مانگ رہا تھا۔ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ کتنی دیر سے اللہ تعالیٰ سے باتیں کیے جارہا تھا۔ اپنے مالک کے سامنے دل کا بوجھ بیان کرنے سے وہ ہلکا پھلکا ہوگیا۔ جب وہ جائے نماز اٹھا رہا تھا تو اس کے دل میں یہ بات ضرور تھی کہ اس کی بیوی بہت پاک باز اور با کردار ہے' کیونکہ اس کی ساری زندگی اس کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھی۔ بس تھوڑی سی ثانوی باتیں اس کا ذہن پراگندہ کررہی ہیں' جو وقت کے ساتھ ساتھ وہ دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ ان باتوں کو دور کرنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے تھا۔ لیکن اس نے دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ وہ مومو کو عائشہ حسنین بنا کے رہے گا اور پھر سچے من سے اس کے ساتھ زندگی بتائے گا۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ذہن میں مومو کا ہی تصور تھا۔ وہ ہی لڑکوں کی طرح حلیہ اور بال' بچوں کی طرح چیخنے چلانے والی' درختوں اور دیواروں پر چڑھنے والی' لاپروا اور تھوڑی سی بے وقوف بھی۔ لیکن اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ اس کے انتظار میں بیٹھی مومو نہیں بلکہ عائشہ حسنین ہے۔ جو سر سے پاؤں تک سجی سنوری اس کا انتظار کررہی تھی' لیکن اس نے دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

"عائشہ جو باتیں میں آپ سے کرنا چاہ رہا ہوں' اگر

میری امی ہوتیں تو یقیناً" مجھے نہ کرنا پڑتیں۔ لیکن آج جب کہ یہاں پر کوئی بھی بڑا نہیں تو مجھے خود ہی کرنا پڑیں گی۔" سلام کرنے کے بعد حسنین نے صوفے پر بیٹھ کر اپنی بات کا آغاز کیا اور عائشہ کو لگا تھا کہ اس کا روم روم حسنین شاہ کی بات سننے کے لیے کان بن گیا ہو۔

"اگر آپ میری باتوں کو دل سے مانیں گی تو یقین جانیے ہماری زندگی بہت سہل ہو جائے گی۔" اس نے ہماری پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"عائشہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں عزت اور رتبہ عطا فرماتا ہے نا تو ہمیں اس رتبے کے حقوق بھی پورے کرنے پڑتے ہیں' ورنہ یہ ہی رتبہ ہمارے لیے آزمائش بن جاتا ہے۔ میرے گاؤں کے لوگوں کی مجھ سے بہت سی امیدیں ہیں۔ یہ میرے رب کا میرے لیے انعام ہے کہ اس نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں ان لوگوں کے کام آسکوں اور ان کی امیدوں پر پورا اتروں۔ میری نسبت سے اب وہ ہی امیدیں آپ سے بھی وابستہ ہیں۔ عورتوں کے کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں کہ وہ ڈائریکٹ مجھے نہیں بتا سکتیں۔ لیکن اب وہ آپ سے بلا جھجک بیان کر لیا کریں گی اور مجھے امید ہے کہ آپ ان کے کام آئیں گی' کیونکہ آپ سر فرقان کی بیٹی ہیں اور ایجوکیٹڈ بھی ہیں۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ جب لوگ آپ کے پاس آئیں تو انہیں لگے کہ آپ ان میں سے ہی ہیں۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود کو تھوڑا چینج کریں۔ شہر کی اور گاؤں کی زندگی میں بہت ڈیفرنس ہوتا ہے۔ جب آپ نے گاؤں میں سروائیو کرنا ہے تو طور اطوار بھی یہیں کے اپنانے ہوں گے۔ اپنے باطن کے ساتھ ساتھ اپنا ظاہر بھی تبدیل کرنا ہوگا —— کیونکہ باطن چاہے کتنا اچھا کیوں نہ ہو' لیکن جب تک ظاہر متاثر کن نہ ہو آپ لوگوں کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکتے۔ کیونکہ دلوں کے حال تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ لوگوں نے تو ظاہر کو دیکھ کر اندازے لگانے ہیں۔ اس ضمن میں خصوصاً" ایک لڑکی کا لباس اس کی پوری شخصیت کی عکاسی کرتا ہے۔"

حسنین نے جو تمہید باندھی اسے لے کر اصل مقصد کی طرف آ ہی گیا' جبکہ عائشہ اب ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی جو صرف اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"عورت کا لباس اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کی تمام زینت چھپ جائے۔ عورت کا دوپٹہ کسی ماں کی طرح اوڑھنے والی کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ اور وہ زمانے کی گندی نظروں سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ آپ اپنے لباس میں اس بات کا خاص خیال رکھیے گا۔ اس لیے نہیں کہ آپ حسنین شاہ کی بیوی ہیں' بلکہ اس لیے کہ آپ ایک مسلمان لڑکی ہیں۔ عائشہ ہم یہ دعوا تو کبھی نہیں کر سکتے کہ ہم اچھے مسلمان ہیں' لیکن اچھا مسلمان بننے کی کوشش ضرور کر سکتے ہیں۔ اسی لیے میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ سب سے پہلے آپ اپنا لباس اس طرح رکھیں کہ پہلی ہی نظر میں آپ مسلمان لڑکی لگیں' سر کو دوپٹے سے ڈھانپ کر رکھیں۔ بالوں کو لڑکیوں کی طرح رکھیں' ہمارا مذہب ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لڑکے لڑکیوں کی طرح یا لڑکی لڑکوں کی طرح دکھائی دیں' اس لیے آپ لڑکیوں کی طرح بالوں کو بڑھانے کی کوشش کریں۔"

حسنین کو اندازہ ہی نہ تھا کہ اس کی باتوں سے عائشہ کو کتنی شرمندگی ہو رہی تھی۔ آج سے پہلے کبھی اسے اپنے طرز زندگی پر شرمندگی نہ تھی۔ لیکن آج حسنین کی باتیں سننے کے بعد اسے اپنا آپ کتنا غلط اور کتنا چھوٹا لگ رہا تھا یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔

"اگر آپ میری ان دو' تین چھوٹی سی باتوں کو من سے مانیں گی تو آپ کو اپنے اندر ایک مثبت تبدیلی محسوس ہوگی۔ انسان جب اپنے ظاہر کو مین ٹین رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کوشش میں اسے اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کا باطن بھی ہدایت کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کا باطن اور ظاہر ہمنوا بن جاتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ تجزیہ کر کے دیکھیے گا۔ باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔ ایک بات اور ذہن میں رکھیں کہ میری ملکیت میں جو چیز بھی ہے' مثلاً

حویلی' گاڑیاں' زمینیں' بینک بیلنس' آج سے یہ سب کچھ آپ کا بھی ہے۔ آپ جو چاہیں اپنی مرضی سے اپنے تصرف میں لا سکتی ہیں۔ آپ پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں' کہیں آنے جانے کو دل کرے' میں گھر پہ نہیں بھی ہوں' صرف موبائل پہ مجھے انفارم کر کے حویلی کی کسی معمر عورت کو ساتھ لے کر آپ جا سکتی ہیں۔ اپنے بابا جانی سے جب ملنے کو دل کرے مجھے بتائیں' میں خود آپ کو لے کر جاؤں گا۔ میں اپنی طرف سے مقدور بھر کوشش کروں گا کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو۔ میری کوتاہی پہ آپ مجھے سرزنش کر سکتی ہیں' میں اپنی اصلاح کر لوں گا۔ میرے خیال میں آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا لمبا سفر کیا ہے' آرام کریں' باقی باتیں صبح ہوں گی۔" اور اس کے بعد وہ کمرے میں رکا نہیں' اس نے اپنی بیوی کے لیے جو خاکہ بنایا ہوا تھا وہ بڑی میچورڈ' سنجیدہ اور بردبار سی لڑکی کا تھا' اب وہ عائشہ کو اسی خاکے میں ڈھالنے کا آغاز کر چکا تھا۔ اسے اپنے رب پہ بھروسہ تھا' وہ ضرور اس کو سرخرو کرے گا۔ ہاں وقت کا تعین اس کو بہرحال نہیں تھا۔ جبکہ عائشہ بے آواز روتے ہوئے اسی جگہ کو دیکھ رہی تھی جہاں سے حسنین اٹھ کر گیا تھا۔ آج اسے اپنے بابا جانی کا پیار اور ہمدردی بہت یاد آ رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ حسنین شاہ' بابا جانی کا عکس ہے تو وہ صحیح سوچتی تھی۔ کیونکہ جو باتیں آج حسنین نے اس سے کی تھیں یہ ہی باتیں وہ بابا جانی سے کتنی مرتبہ سن چکی تھی' لیکن وہ ان کے لاڈ پیار کا ناجائز فائدہ اٹھا کے ان کی نصیحت پر کان ہی نہ دھرتی تھی۔ آج اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کاش وہ اس وقت بابا جانی کی باتیں مان لیتی تو شاید آج اسے اتنا شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔ لیکن اب وہ بابا جانی کی اس نصیحت پر ضرور عمل کرے گی جو انہوں نے اسے رخصت کرتے وقت کی تھی کہ اپنے شوہر کی ہر جائز بات کو عبادت سمجھ کر ماننا' حسنین جتنی نرمی سے بات کر رہا تھا' اتنی نرمی سے اس نے کسی کو بات کرتے نہ سنا تھا' اس کی باتوں کا ہی نتیجہ تھا کہ آج وہ اپنی ذات کا احتساب کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی زندگی کتنی مکمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کتنا نوازا تھا' لیکن اس نے اپنے مالک کا شکر تک ادا نہیں کیا' صرف ہنسی' مذاق اور کھیل کود کی نذر کر دی اپنی زندگی' اس نے تو شاید ہی جمعے کی اور رمضان کی نمازوں کے علاوہ کوئی نماز ادا کی ہو' وہ بھی بابا جانی کی ناراضی کے ڈر سے ورنہ نہیں' وہ حیران ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کون سی ادا بھا گئی جو اس نے عائشہ فرقان جیسی لڑکی کو حسنین شاہ جیسے شریک سفر سے نوازا' اپنی کوتاہیوں پہ اس کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے' لیکن اس کے دل میں عجیب طرح کا سکون موجزن تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھ صبح کسی کی سرگوشی پہ کھلی' اس نے حیرانی سے اس سمت دیکھا جہاں سے آواز آ رہی تھی' تو وہاں دو بڑی معصوم سی لڑکیاں اس کے بیڈ کے قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھیں اور اب اس کے جاگنے پر مسکراتے ہوئے اسے سادگی سے دیکھ رہی تھیں۔

"تم لوگ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"

"وہ بی بی جی ہمیں شاہ بابا نے کہا کہ جب آپ جاگ جائیں تو آپ کو رسم کے لیے نیچے لائیں۔" انہوں نے جھٹ اس کی بات کا جواب دیا۔

"کون سی رسم؟" وہ حیرانی سے گویا ہوئی۔

"بی بی جی ولیمہ کے روز دلہن کی منہ دکھائی کی رسم ہوتی ہے' اس لیے بڑے ہال میں گاؤں کی ساری عورتیں آپ کو دیکھنے کے لیے بیٹھی ہیں۔" انہوں نے اسے رسم کی تفصیل بتائی تو وہ مسکرا دی۔

"تمہارے نام کیا ہیں؟"

"جی میرا نام رانی اور اس کا سوہنی ہے۔ ہمارا ابا فوت ہوا ہے' ہم اپنی نانی کے ساتھ یہیں رہتے ہیں' اماں پہلے فوت ہو چکی تھی۔" وہ دونوں اداس ہو گئیں تو اس نے بات بدل دی۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہارے شاہ بابا کہاں ہیں؟" وہ رات کو سب عورتوں سے سن چکی تھی کہ وہ سب حسنین کو

شاہ بابا کہتی ہیں' اسے تعظیم کے لیے یہ نام اچھا لگا تھا۔

"جی وہ مہمانوں کے پاس ہیں۔"

"بی بی جی آپ کے بابا سائیں آچکے ہیں' آکر ان سے مل لیں۔" اس سے پہلے کہ وہ ان سے اور باتیں کرتی ایک چھوٹی سی بچی نے آکر اسے اطلاع دی تو وہ ایک دم سے اٹھی اور ڈوپٹے اور جوتوں کے بغیر دروازے کی جانب دوڑ لگا دی۔ لیکن ہینڈل پہ ہاتھ رکھتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔ بلکہ حسنین شاہ کی حویلی میں ہے' وہ پیچھے مڑی تو رانی اور سوہنی بھی حیرت سے اسے تک رہی تھیں۔

"وہ تمہارے گاؤں میں ولیمہ پہ دلہن کیسے کپڑے پہنتی ہے۔" اس نے جھینپ کر اپنا دوپٹہ اٹھاتے ہوئے ان سے پوچھا' تاکہ تیار ہو کر ہی بابا جانی سے ملے۔

"ہمارے گاؤں میں تو دلہنیں سرخ لباس ہی پہنتی ہیں۔" انہوں نے سادگی سے اسے بتادیا۔

"اچھا تم دونوں جاؤ میں تیار ہو کے آتی ہوں۔" ان کو بھیجنے کے بعد اس نے اپنی وارڈروب دیکھی تاکہ ریڈ کلر کا کوئی ڈریس لے سکے۔ اس کے پہننے کے بعد وہ جس مشکل سے تیار ہوئی اور دوپٹہ سنبھالا یہ صرف وہ ہی جانتی تھی - تیار ہو کر وہ نیچے آئی بڑی مشکل سے اس نے خود کو آہستہ چلنے پر مجبور کیا۔ ورنہ سامنے ہی صوفے پر بابا جانی کو دیکھ کر اس کا دل کر رہا تھا وہ بھاگ کر ان کے سینے میں سما جائے۔ لیکن اب اسے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا تھا۔ وہ حویلی کی بی بی جی جو تھی۔

"السلام علیکم بابا جانی!" اور بابا جانی جو حسنین سے باتوں میں اتنے مصروف تھے کہ اسے دیکھ ہی نہ سکے تھے۔ اب جو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ حالانکہ تیار وہ کل بھی ہوئی تھی' لیکن اس وقت آنکھوں میں آنسوؤں کی چادر تنی تھی اور وہ اپنی بیٹی کے سونے روپ کو دیکھ ہی نہ سکے تھے۔ لیکن آج وہ خوشی سے مسکرا دیے اور کتنی دیر سے ساتھ لگائے دعائیں دیتے رہے۔ حسنین شاہ بھی بہت حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو شاکنگ ریڈ کلر کے گولڈن کام والے کرتے پاجامے میں نیچے ریڈ کھسہ پہنے پہچانی ہی نہیں جا رہی تھی۔ حسنین حیران اس لیے تھا کہ وہ تیار نہیں تھی' بلکہ بہت زیادہ تیار تھی۔ گولڈ کی جیولری کا استعمال بھی دل کھول کر کیا تھا۔ کانوں میں بڑے بڑے جھمکے' گلے میں بھاری نیکلس' نازک سی سفید مخروطی انگلیوں میں انگوٹھیاں' ایک ہاتھ میں گولڈ کی ہی چوڑیاں اور دوسرے میں نفیس سے دو کنگن پہنے وہ صحیح معنوں میں دلہن لگ رہی تھی۔ بالوں کا اسٹائل بھی اس نے درمیان میں سے مانگ نکال کر لڑکیوں کی طرح بنایا ہوا تھا۔ اس کی گوری رنگت اس ڈریس میں بہت نکھر کے آئی تھی۔ اگر حسنین اسے کل دیکھ لیتا تو شاید آج وہ اتنا حیران نہ ہوتا۔ اب صوفے پہ اپنے بابا جانی کے کندھے سے لگی رو رہی تھی۔ اور بابا جانی بس ہولے ہولے اسے تھپکے جا رہے تھے۔ اس کی کاجل سے بھری کالی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حسنین کو بے چینی سے ہوئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"سر اگر آپ برا نہ منائیں تو میں مہمانوں کو دیکھ لوں۔ آپ آرام سے باتیں کریں۔" اس نے باہر جانے کی اجازت چاہی۔ عائشہ جو بابا جانی سے ملتے ہوئے سب کچھ فراموش کر بیٹھی تھی۔ حسنین کی آواز پر اس نے پہلی دفعہ سر اٹھا کر اسے دیکھا جو ہمیشہ کی طرح کلف لگے وائٹ قمیص شلوار میں اپنے دراز قد کی وجہ سے بہت نمایاں لگ رہا تھا۔ گھنے سیاہ بالوں کو سلیقے سے بنائے۔ سیاہ آنکھوں میں اپنائیت سموئے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ ایک اور بات حسنین اب تم مجھے سر نہ کہا کرو۔ بلکہ موموکی طرح بابا جانی کہا کرو۔" انہوں نے پیار سے اپنا بازو حسنین کے کندھے پہ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کو اچھا لگتا ہے تو میں آپ کو بابا جانی ہی کہہ کر بلاؤں گا۔" وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"حسنین پتر ناشتا لے آؤں۔ اب تو عائشہ بی بی بھی آگئی ہیں۔" ان کی باتوں کے دوران ہی عائشہ نے ایک چھوٹے سے قد کی سفید بالوں والی شفیق سی عورت کو دیکھا جو اندر آکر حسنین سے ناشتے کے بابت پوچھ رہی تھی۔

"نہیں اماں اب دیر ہو گئی ہے۔ میرا مہمانوں میں ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ بی بی کو ناشتا کرائیں۔ عائشہ یہ اماں رحمت ہے۔ اگر آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو ان سے کہیے گا۔"

حسنین نے ان سے بات کرتے ہوئے ایک دم اسے مخاطب کیا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ اور پھر ان دونوں کے جانے کے بعد وہ دوپٹہ سنبھالتے ہوئے وہیں بیٹھ گئی۔

"بی بی آپ ناشتے میں کیا کھاتی ہیں۔ مجھے بتائیں۔" اماں رحمت اس سے بات کرتے ہوئے تھوڑا جھجک رہی تھیں۔

"اماں پہلے تو آپ مجھے بی بی نہیں عائشہ کہیں۔ کیا میں آپ کی بیٹی کی طرح نہیں ہوں۔"

"کیوں نہیں بی بی۔" انہوں نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کی صبیح پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"لیکن اپنے مالکوں کا ادب کرنا بھی فرض ہے۔ نا جی۔"

"لیکن آپ حسنین کو بھی تو پتر کہہ رہی تھیں۔ تو مجھے بھی دھی کہہ لیں۔" اس نے ان کے انداز میں کہا تو اماں کے ساتھ سوہنی اور رانی بھی مسکرا دیں۔ جو اپنی اچھی سی مالکن کو اپنی نانی سے باتیں کرتا دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ اماں رحمت اس کی اپنائیت اور خلوص پر مسکرا دیں۔ حویلی کا ہر ملازم دل میں خدشے پالے بیٹھا تھا کہ نجانے حسنین شاہ کی بیوی کیسی ہوں گی۔ ان کا مزاج کیسا ہو گا۔ لیکن اماں رحمت، جو اپنی یتیم نواسیوں کے ساتھ یہاں بہت عرصے سے مقیم تھیں اور تمام حویلی کی ذمہ دار بھی تھیں۔ اب عائشہ سے باتیں کر کے ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔ اگر حسنین شاہ اچھے تھے تو ان کے نصیب میں اللہ تعالیٰ نے اچھی ہی لڑکی لکھی تھی۔

☼ ☼ ☼

اوائل نومبر کے دن تھے۔ گاؤں کی ٹھنڈی اور پرسکون فضاؤں نے عائشہ کو آہستہ آہستہ اپنا عادی بنالیا۔

اس نے چند ہی دنوں میں خود کو ان باتوں کے مطابق ڈھال لیا جو حسنین شاہ نے کہی تھیں۔ لیکن حسنین کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے بری طرح پیش آتا۔ یا ناراض تھا۔ لیکن اس کا رویہ ایسا بھی نہیں تھا کہ جیسا بیوی سے ہونا چاہیے تھا۔ وہ اس سے ایسے بات کرتا جیسے کوئی بھی شخص اپنے معزز مہمان سے کرتا ہے۔ وہ حیران ہوتی۔ اسے نہیں لگتا تھا کہ یہ شادی حسنین کی پسند سے ہوئی ہے لیکن اسے تو بابا جانی نے یہی کہا تھا کہ حسنین نے خود اس کا رشتہ مانگا تھا۔ تو پھر ایسا رویہ کیوں۔ وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں ہی رشتوں کے معاملے میں غریب تھے۔ ایسا کوئی نہ تھا جس سے بات کر کے وہ دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی۔

لیکن اس دن وہ بہت حیران ہوئی۔ وہ اماں بی کے پاس بیٹھی ان سے حسنین کی باتیں سن رہی تھی کہ کیسے انہوں نے اپنی فہم و فراست سے گاؤں کے مسائل حل کیے۔ یہاں اسکول اور ہسپتال بنوائے۔ لوگوں کا پانی اور بجلی کا مسئلہ حل کیا۔ اور یہ بھی کہ ان کے فیصلوں کی وجہ سے کتنے گھروں میں آج سکون اور اطمینان ہے۔ وہ بہت دھیان سے ان سے باتیں سن رہی تھی جب حسنین ہال میں سلام کرتا ہوا داخل ہوا۔ حسنین کو اس وقت دیکھ کر عائشہ کو انجانی سی خوشی ہوئی کیونکہ وہ زیادہ تر صبح کا نکلا عشاء کی نماز کے بعد گھر آتا تھا۔

"بی اماں آپ ایسا کریں۔ باہر جائیں۔ اجر خان آیا ہے۔ پشاور سے کوئی خاص کپڑے بی بی کے لیے لایا ہے۔ اندر لے آئیں۔ اور خود بھی کپڑے وغیرہ لیں۔ اور کسی نے لینے ہیں تو دلا دیں۔" وہ بی اماں سے بولا تو وہ کچھ بتا نہ رہ سکیں۔

"ارے بیٹا ابھی شادی پر تو نے اتنے کپڑے دلائے ہیں۔ اب ضرورت نہیں' ہاں بی بی کے لیے میں لاتی ہوں۔" وہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

"اصل میں اجر خان کپڑے والا پٹھان ہے۔ شادی میں شرکت نہ کر سکا۔ پشاور کپڑا ہی لینے گیا ہوا تھا۔ اب آکر مجھ سے ملا ہے کہ صرف آپ کے لیے وہاں سے کوئی خاص کپڑے لایا ہے۔ تو میں نے کہا دیکھ لیتے ہیں۔" حسنین بڑے دوستانہ انداز میں عائشہ کو بتا رہا تھا۔ عائشہ صرف سرہلا کر رہ گئی۔ وہ حسنین کے آنے سے پہلے بی اماں کے پاس نیچے کشن پہ بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اب بھی وہیں بیٹھی تھی۔ جبکہ حسنین اس کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ عائشہ بے خیالی میں اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ جو بلیک قمیص شلوار کے اوپر براؤن چادر کندھوں پر پھیلائے سلیقے سے جمے بالوں کے ساتھ آنکھیں موندے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھا۔ اس کے چہرے پر بہت سکون تھا۔ لب ایسے بند تھے جیسے ابھی مسکرا دیں گے۔ عائشہ انجانے میں اسے دیکھے گئی۔ اس کی نظروں کے ارتکاز سے حسنین نے ایک دم آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ تو عائشہ خجل سی ہو کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔ جہاں سے بی اماں کپڑوں کی بڑی سی گٹھری اٹھائے اندر آرہی تھیں۔

"یہ لیں دھی پسند کریں۔ اجر خان کا کپڑا تو ہمیشہ ہی بڑھیا ہوتا ہے۔" بی اماں اس کے سامنے کپڑے رکھتے ہوئے بولیں۔ اور ——— کپڑے کھول کھول کر اس کے سامنے رکھنے لگیں۔ جبکہ عائشہ حیرانی سے ان کپڑوں کو دیکھنے لگی کہ اتنے اچھے کلر کمبینیشن اور میٹریل والا کپڑا تھا۔ اور ایسا لگ رہا تھا جیسے سارے کپڑے اس کی پسند کے ہوں۔ اسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ کون سا سلیکٹ کرے۔ وہ کپڑوں کی طرف متوجہ تھی اور اس سے کہیں زیادہ انہماک سے حسنین اس کو دیکھ رہا تھا۔ پلین میرون سوٹ میں ہم رنگ چادر لیے۔ بغیر میک اپ کے اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔ سیاہ بالوں کی لٹ بے فکری سے اس کے لبوں کو چھو رہی تھی۔ حسنین شاہ اس کی وائٹ نوزپن کو دیکھ رہا تھا۔ جو ایسے چمک کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی جیسے اس کے ستواں ناک پر سج کر فخر محسوس کر رہی ہو۔ اور حسنین سوچ رہا کہ کسی کو نوزپن اتنی سجتی ہو گی جتنی اس کو سج رہی ہے۔

"کیا بات ہے آپ کو کچھ پسند نہیں آرہا۔" حسنین شاہ نے اسے شش و پنج میں دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ وہ اصل میں کپڑے سارے ہی اتنے اچھے ہیں کہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کون سا لوں۔" وہ یہ کہتے ہوئے بھی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ جیسے سلیکشن نہ کرنا بھی اس کی نااہلی ہو۔ کیونکہ اسے اس طرح کی شاپنگ کا کوئی تجربہ جو نہ تھا۔

"یہ تو ایسی بات نہیں کہ آپ اتنی پریشان ہوں۔" وہ حیرت سے اس کے رویے کو دیکھ رہا تھا۔

"بی اماں آپ ایسا کریں۔ اجر خان سے کہیں بی بی کو سارے کپڑے پسند آگئے ہیں۔ ان کا بل بنا کر منشی چاچا سے رقم لے لے۔ اور ہاں اسے کھانا کھلا کے جانے دیجیے گا۔" بی اماں سرہلاتے ہوئے چلی گئیں۔ اور عائشہ حیرانی سے حسنین شاہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ شاید وہ اسے کچھ مشورہ دے گا۔ لیکن اس نے اتنے ڈھیر سارے کپڑے اسے دلا دیے۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا کہ آپ سارے ہی مجھے دلا دیں۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"مجھے پتا ہے آپ نے ایسا نہیں کہا۔ لیکن اب آپ آرام سے اپنی چوائس کے مطابق منتخب کرتی رہیے گا۔" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

"میں ان سب کا کیا کروں گی۔"

"اچھا یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا۔ آپ ایسا کیجیے خود بھی کپڑے بنوائیے۔ دوسروں کو گفٹ کریں۔ صدقہ کریں۔ بہت سے مصرف ہیں ان کے' خیر چھوڑیں ان باتوں کو اور کسی سے کہہ کر کھانا لگوا دیجیے۔ بہت بھوک لگی ہے۔" وہ بات ٹالتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی اٹھ کر کمرے کی طرف چل دیا۔ لیکن عائشہ ہمیشہ کی طرح اس جگہ کو دیکھ رہی تھی جہاں سے حسنین اٹھ کے گیا تھا۔ وہ اس کے رویے کو سمجھ نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

ان کی شادی کو تقریباً" ایک مہینہ ہونے والا تھا۔ اس دوران حسنین اس کو دو دفعہ بابا جانی سے ملوانے لے گیا تھا۔ بابا جان عائشہ کو پر سکون دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ اور خوش کیوں نہ ہوتے عائشہ تو پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔ گاؤں کی صاف فضا اور خالص کھانوں کی وجہ سے اس کی صحت پہلے سے زیادہ اچھی ہو گئی تھی۔ اس سے بڑی بات کہ سنجیدگی سے باتیں کرتی اور سج سج کر قدم اٹھاتی وہ صحیح معنوں میں سر فرقان کی بیٹی لگتی۔ وہ اپنے فیصلے پر بہت طمانیت محسوس کرتے تھے۔ وہ رب کا جتنا شکر کرتے وہ کم تھا۔ جنہیں حسنین جیسا فرمانبردار داماد ملا تھا۔ وہ خود بھی دو دن ان کے پاس گاؤں میں ٹھہرے تھے۔ ان کو خوش دیکھ کر حسنین کو بے پناہ سکون ملتا تھا۔ کیونکہ ان کی خوشی کا سبب اللہ تعالیٰ نے حسنین کو ہی تو بنایا تھا۔ عائشہ کو بھی گاؤں میں رہنا اچھا لگتا تھا۔ ہاں یہ اسے اندازہ نہ تھا کہ واقعی اسے گاؤں اچھا لگتا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ حسنین کا گاؤں ہے۔ اسے پہلی دفعہ گاؤں کی سردیاں انجوائے کرنے کا موقع ملا تھا۔ اسے تو ویسے بھی سردیاں اچھی لگتی تھیں لیکن حویلی کے اس باغ میں سردی جتنا دل کو لبھاتی تھی۔ شاید دنیا کے کسی کونے میں ایسی سردی نہ ہو۔

آج بھی وہ علی الصبح نماز سے فارغ ہو کر حویلی کی پچھلی جانب باغ سے ملحق وسیع برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے سیڑھیوں پہ بیٹھی جانے کب سے آسمان کی وسعتوں میں اڑتے آزاد پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔ اور امرود کے درختوں پہ بیٹھے امرود کھاتے رنگ برنگے طوطے اس نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ حسنین جو ابھی ابھی حویلی میں داخل ہوا تھا۔ اس کی نظر سب سے پہلے ہال میں موجود ٹیبل پہ پڑے بجتے موبائل پہ پڑی تھی۔ جو عائشہ کا تھا۔ وہ اسے کمرے میں دینے کی غرض سے آیا لیکن وہ وہاں موجود نہ تھی۔ پھر کمرے کی کھلی کھڑکی سے جو منظر اس نے دیکھا تھا وہ بہت خوبصورت تھا۔ ماربل کی سیڑھیوں پہ پلر سے ٹیک لگائے وہ نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ کیمیل کلر کے ویلوٹ کے سوٹ میں براؤن شال اوڑھے وہ اس سرد سی صبح کا حصہ لگ رہی تھی۔ موبائل تو کب کا بند ہو چکا تھا لیکن وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جو نجانے کیوں مسکرا رہی تھی۔ اس کا ارتکاز موبائل کے دوبارہ بجنے سے ٹوٹ گیا۔ تو اس نے خود ہی فون اٹینڈ کر لیا۔ کیونکہ وہ اس خوبصورت منظر کو اتنی جلدی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسری جانب فون پہ عائشہ کی دوست ماریہ تھی۔ وہ اس کو جانتا تھا۔ وہ شروع سے ہی سر فرقان کے گھر میں پائی جاتی تھی۔ اسے شاید وہ اس لیے بھی یاد تھی کہ وہ عائشہ کی واحد دوست تھی۔

"حسنین بھائی آپ کیسے ہیں۔ اور مومو کیسی ہے؟" وہ بھی اپنی دوست کی طرح شوخ اور چنچل سی تھی۔

"میں اور عائشہ بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ پاکستان کب آئیں؟"

"دو دن ہو گئے ہیں مجھے پاکستان آئے' اور میرا آپ دونوں سے ملنے کو بہت دل کر رہا ہے۔ فون بھی اس لیے کیا ہے کہ آپ سے پوچھ لوں کہ آپ کے گاؤں کیسے آنا ہے۔ مجھے تو راستوں کا علم بھی نہیں' اتنی صبح اس لیے فون کیا کہ میرے پاس آج کا ہی دن ہے۔ پھر مجھے گاؤں میں اپنی ساس کے پاس چلے جانا ہے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں آئی بھی اسی سلسلے میں ہوں۔" حسنین اس کے اتنا جلدی بولنے پر مسکرا دیا۔

"آپ ایسا کریں اپنا ایڈریس مجھے نوٹ کروائیں۔ میں ڈرائیور کو بھیجتا ہوں' آپ اس کے ساتھ آجائیے گا۔ اس طرح دیر تو تھوڑی ہو جائے گی لیکن آپ کو پریشانی نہیں ہو گی۔" اس نے اس کا مسئلہ منٹوں میں حل کر دیا۔

"تھینک یو حسنین بھائی۔ آپ نے تو میرا مسئلہ

ہی حل کردیا۔" وہ تشکر سے بولی۔

"لیکن ایک ریکویسٹ ہے آپ سے 'آپ عائشہ کو اپنے آنے کے بارے میں انفارم نہ کیجیے گا۔ میں اسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔" ایک دم نجانے اس کے من میں کیا سمائی کہ اس سنجیدہ سے شخص کو شرارت سوجھی۔

"بالکل حسنین بھائی میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بس آپ جلدی سے ڈرائیور کو بھیجیں میرا دل کررہا ہے میں اڑ کر اپنی دوست کے پاس پہنچ جاؤں۔" اس کے بے تابی سے بولنے پر حسنین مسکرادیا۔

"آپ فون رکھیں گی تو میں ڈرائیور کو بھیجوں گا نا۔" پھر ماریہ نے اپنا ایڈریس بتا کر فون رکھ دیا۔ تو وہ ڈرائیور کو بتانے کے لیے خود اس کے پاس آیا۔ تاکہ اسے ایڈریس سمجھا سکے۔ ڈرائیور کو خصوصی ہدایت دینے کے بعد جب وہ واپس آیا تو عائشہ ناشتا لگانے میں مصروف تھی۔ اس کے سلام کا مدھم آواز میں جواب دیتی وہ بہت گھریلو سی لگی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی ستواں ناک سردی سے سرخ ہورہی تھی۔ اور اس پہ سجی لونگ پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

"عائشہ آج لنچ پہ خصوصی اہتمام کروایئے گا۔ شہر سے میری ایک خاص مہمان آرہی ہیں۔ میرے دوست کی بیوی ہیں۔ انہیں آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ شادی میں کسی وجہ سے شرکت نہیں کر پائیں تو اب آپ سے ملنے آرہی ہیں۔ دوپہر تک پہنچ جائیں گی۔" وہ چائے پیتے ہوئے اسے تفصیل بتارہا تھا۔ عائشہ حیران ہوئی کیونکہ حسنین نے حویلی میں کبھی بھی اپنے مہمان کے لیے اہتمام کرنے کو نہیں کہا۔ بلکہ بی اماں نے اسے بتایا تھا کہ ان کے سارے دوست مہمان ڈیرے پہ آتے تھے۔ ڈیرہ حویلی سے ملحق ایک پورشن تھا۔ جس کا بہت وسیع احاطہ تھا۔ وہاں سفید چادروں والی بڑی بڑی چارپائیاں پڑی تھیں۔ اور اس کا ایک وسیع و عریض ڈرائنگ روم تھا۔ جو جدید سہولیات سے مزین تھا۔ یعنی انہوں نے ہر قسم کے مہمانوں کا خیال رکھا تھا۔ ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ شہر میں گزرا تھا۔ حلقۂ احباب میں شہر کے دوست بھی تھے۔ اس لیے گاؤں اور شہر کی زندگی کا امتزاج رکھا تھا۔ انہوں نے وہاں خصوصی شیف رکھا ہوا تھا تاکہ ہر مہمان کی اس کی پسند کے مطابق تواضع کی جاسکے۔ لیکن آج ان کی مہمان لڑکی ہے۔ تو پھر ظاہر ہے اسے حویلی میں ہی بلانا تھا۔

"ان کے آنے سے پہلے آپ خود اچھی طرح تیار ہوجایئے گا۔ جیسے ولیمہ والے دن تیار ہوئی تھیں۔" وہ بڑے دوستانہ لہجے میں اسے ہدایت دے رہا تھا۔

"تیار تو ہوجاؤں گی۔ لیکن ولیمہ والے دن تو میں دلہن تھیں نا۔ وہ بہت ہیوی میک اپ تھا۔ آج میں ہلکی پھلکی تیار ہوجاؤں گی۔ دن میں ہیوی میک اپ اچھا نہیں لگتا۔" وہ اسے ایسا بتارہی تھی جیسے کسی چھوٹے بچے کی غلط فرمائش پر اسے سمجھایا جاتا ہے۔

"ابھی ہماری شادی کو ایک ہی مہینہ ہوا ہے۔ اور ایک مہینے کی دلہن ہیوی میک اپ کرسکتی ہے۔ خیر آپ جیسے بھی تیار ہوں۔ اچھی لگیں گی۔ میں چلتا ہوں' دوپہر تک لوٹ آؤں گا۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا کھڑا ہوا' اور اللہ حافظ کہتے ہوئے چلا گیا۔ آج عائشہ معمول کے مطابق اس جگہ کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ جدھر سے وہ اٹھ کر گیا تھا۔ بلکہ آج وہ اس کے الفاظ کو دہرا رہی تھی جو وہ ابھی ابھی کہہ کے گیا تھا۔ "آپ جیسے بھی تیار ہوں۔ اچھی لگیں گی" اس کی بات یاد کرکے خود بخود اس کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ حسنین کی تعریف اسے بہت اچھی لگی تھی۔

اور پھر وہ ٹائم دیکھتے ہوئے جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کھانا وہ خود بہت اچھا بناتی تھی۔ کیونکہ وہ ہر وقت مختلف تجربات کرنے کے لیے بے چین رہتی تھی۔

ساتھ میں اس نے رانی اور سوہنی کو لگالیا۔ وہ حسنین کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اور اس کی مہمان کو بھی اچھا امپریشن دینا چاہتی تھی۔ پھر وہ صبح سات بجے کی لگی تقریباً" پونے ایک بجے کچن سے رائتہ' سلاد اور چٹنی تک سب کچھ تیار کرکے نکلی تھی۔ پھر اس نے بی اماں کے مشورے سے بہت اچھے تین سوٹ اور تین نہایت ہی دلکش رنگوں کی کڑھائی والی شالوں کو خوبصورت ریپر میں پیک کیا۔

بی اماں کو آرام کا کہہ کر وہ خود تیار ہونے چل دی۔ کیوں کہ اب مہمان کے آنے کا وقت قریب آگیا تھا۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر ڈریس سلیکٹ کیا۔ اور پھر تقریباً" پونے گھنٹے کی تیاری کے بعد جب اس نے خود کو آئینے میں تنقیدی نظر سے دیکھا تو اسے حسنین کی صبح والی بات یاد آگئی تو لبوں پر مسکان ٹھہر گئی۔ بلیک کرتے پاجامے جس کے اوپر بہت نفیس فیروزی کڑھائی کی گئی تھی۔ اور اوپر بڑا فیروزی دوپٹہ جس پر بلیک کڑھائی تھی۔ اوڑھے بہت گریس فل لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں کاجل اور ہلکی براؤن لپ اسٹک لگائے۔ ہلکی پھلکی جیولری پہن کر وہ مطمئن ہوگئی تھی۔ اور جب وہ تیار ہو کر باہر جانے لگی تو اپنے پاؤں کی طرف دیکھ کر اپنی لاپروائی پہ ہنس دی۔ کیونکہ وہ ننگے پاؤں تھی۔ وہ جتنی بھی احتیاط کرتی' لیکن پھر بھی کسی نہ کسی چیز میں اسے پہلے والی عائشہ کی جھلک نظر آہی جاتی۔ جلدی سے بلیک کھسہ نکال کر پہن رہی تھی۔ جب رانی نے آکر اسے بتایا کہ "شاہ بابا اور مہمان آگئی ہیں اور آپ کو بلارہے ہیں۔"

"اچھا تم جاؤ میں آتی ہوں۔" وہ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھتی باہر نکلی تھی جب سامنے بیٹھی ماریہ کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔ اور پھر اسے کچھ یاد نہ رہا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ وہ دونوں ہی ملتے ہوئے رو رہی تھیں۔ کیونکہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتی تھیں آج تقریباً" ڈھائی سال بعد مل رہی تھیں۔ حسنین طمانیت سے یہ جذباتی منظر دیکھ رہا تھا۔ شاید یہ ہی تو دیکھنا چاہتا تھا۔

"ماریہ تم پاکستان کب آئیں۔ آنے کی اطلاع کیوں نہ دی؟ اور یہاں کیسے پہنچی ہو۔" عائشہ نے ایک ہی سانس میں بہت سے سوال کرڈالے۔

"حسنین بھائی بتادوں۔" ماریہ مسکراتے ہوئے حسنین سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ جب عائشہ نے بھی رخ موڑ کر اسے دیکھا جو آنکھوں میں شرارت لیے مسکرارہا تھا۔ وہ ناسمجھی کے عالم میں دوبارہ ماریہ کی طرف دیکھنے لگی۔ تو ماریہ نے اسے حسنین کے سرپرائز اور اپنے فون کے متعلق بتایا تو اس کی آنکھیں پھر سے نم ہوگئیں۔

"حسنین آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ آپ نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر مجھے صبح سے یہ پتا ہوتا کہ وہ مہمان ماریہ ہے تو شاید میرے دل کی وہ حالت نہ ہوتی جو اب ہے۔" وہ آنسوؤں کے ساتھ مسکرائے جارہی تھی۔ اور اسے خود اندازہ ہی نہ تھا کہ آنکھوں میں پھیلتے کاجل اور چمکتے نوزپن کے ساتھ وہ کتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ حسنین نے دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہتے ہوئے نظریں ہٹالیں کہ کہیں اس کی اپنی نظر ہی نہ لگ جائے۔

"ویسے ایک بات ہے حسنین بھائی کہ موموآپ سے بہت پیار کرتی ہے۔" اس کی بات پر وہ دونوں اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔

"ایسا میں اس لیے کہہ رہی ہوں حسنین بھائی کہ میں اس موموکو دیکھ کر حیران ہورہی ہوں۔ جینز اور کرتے کی جگہ کرتا پاجامہ' بڑا سا دوپٹہ' جوگرز کی جگہ کھسے' جیولری' چوڑیاں یہ سب انداز یقیناً" اس نے اپنے آپ کو آپ کی پسند میں ڈھالنے کے لیے اختیار کیے ہوں گے تو ثابت ہوا نا کہ یہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔"

اس کی بات پر جہاں حسنین شاہ مسکرادیا وہیں عائشہ شرم سے سرخ پڑگئی۔

"تم ان باتوں کو چھوڑو' تمہاری وجہ سے میں صبح سے بھوکی پیاسی ہوں۔ تم جلدی سے فریش ہو کے آجاؤ۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔ رانی جاؤ' ماریہ بی بی کو واش روم دکھاؤ۔" اس نے فاصلے پہ کھڑی رانی سے کہا۔ اور ان کے جانے کے بعد اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بی اماں آپ شرفاں سے روٹی لے آئیں۔" شرفاں حویلی کے بیرونی احاطے میں تنور میں روٹیاں لگارہی تھی۔

"سوہنی تم جلدی سے ٹیبل پر برتن وغیرہ رکھو۔"

سب کو ہدایت دیتی۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے وہ کوئی اور ہی عائشہ لگ رہی تھی۔ حسنین کچن کے دروازے میں کھڑا اسے ہی دیکھے جارہا تھا۔ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ کب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر اسے بلا رہی تھی۔ پھر ماریہ تو ان کے ساتھ بہت اچھا دن گزار کر بہت سی دعاؤں اور تحائف کے ساتھ رخصت ہوگئی۔ لیکن اس کے آنے کے واقعہ سے ان دونوں کی زندگی پہ بہت اچھا اثر پڑا۔ ان دونوں میں موجود تکلف کی دیوار گرنے لگی تھی۔ وہ دونوں قریب آنے لگے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اپنے دلوں میں موجود پیار کو محسوس کرنے لگے تھے۔ جب ایک انکشاف نے پھر سے ان میں فاصلے بڑھا دیے۔ وہ سردیوں کی ایک عام سی دوپہر تھی۔ حسنین صبح سے ہی کسی مسئلے کے حل کے لیے دوسرے گاؤں گیا ہوا تھا۔ عائشہ بی اماں سے اپنے بالوں میں زیتون کے تیل سے مالش کروا رہی تھی۔ اب اسے بال بڑھانے کا شوق تھا اور اس کے بال بھی اس شیپ میں آگئے تھے کہ آگے سے مانگ نکال کے وہ دو تین بل ڈال کر اسے چٹیا کی شکل دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اور اب بھی وہ آنکھیں موندے خیالوں ہی خیالوں میں اپنے لمبے بالوں کو دیکھ رہی تھی جب بجتے ہوئے موبائل نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حسنین شاہ پنچایت میں بیٹھا تھا جب اس نے موبائل کی روشن ہوتی اسکرین پر عائشہ کا نمبر دیکھا تھا۔ وہ حیران ہوا کیونکہ انہیں آج تک ایک دوسرے کو فون کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یا شاید ایسا رشتہ ہی نہ بن سکا تھا کہ ضرورت پیش آئی۔ بہر حال وہ معذرت کرتا ذرا ہٹ کے فون سننے لگا۔ اور دوسری طرف عائشہ کی سسکیوں نے اس کو دہلا کر رکھ دیا۔

"حسنین بابا جانی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ہمارے پڑوسی انکل نواز کا فون آیا ہے۔ آپ جلدی سے مجھے بابا جانی کے پاس لے چلیں۔" روتے ہوئے وہ بمشکل اسے اپنی بات سمجھا سکی تھی۔

"اچھا سنیں اگر آپ میرے آنے تک انتظار کریں گی تو پھر دیر ہو جائے گی۔ جبکہ ہمارا وہاں پہ جلدی پہنچنا بہت ضروری ہے۔ آپ بی اماں اور منشی چاچا کو ساتھ لے کر نکلیں میں بھی ڈائریکٹ شہر پہنچتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں' جلدی سے تیار ہو جائیں میں فون کر کے گاڑی تیار کرواتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے جلدی سے منشی چاچا کو فون ملا کر ہدایات دیں وہ جانتا تھا کہ اس وقت عائشہ کو اس کے ساتھ کی بہت ضرورت ہے۔ لیکن وہ یہ معاملہ بھی نبٹائے بغیر جا نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ اگر فوری طور پر اس مسئلے کو حل نہ کیا جاتا تو بات قتل و خون تک پہنچ سکتی تھی۔ دو خاندانوں کے بیچ زمین کے ایک ٹکڑے پر جھگڑا اچل رہا تھا۔ اسے صلح صفائی سے حل کرنا تھا تاکہ فتنہ فساد سے گاؤں کو بچایا جا سکے۔ اس لیے یہ کام بھی ہر حال میں کرنا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ اس کے رتبے اور عادات و خصائل کی وجہ سے اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ اس لیے گاؤں کے نمبردار نے مسئلے کو نبٹانے کے لیے اسے خاص طور پر بلایا ہوا تھا۔ لیکن وہ اپنے گھر کے مسائل سے بھی غفلت نہیں برتنا چاہتا تھا۔ اس لیے اب وہ اپنے دوست علی کو فون ملا رہا تھا۔

"تو بے فکر ہو جا' میں سب سنبھال لیتا ہوں۔" علی کے تسلی دینے پر اسے کچھ اطمینان ہوا اور اس نے ہسپتال کا نام بتا کر فون رکھ دیا۔ حسنین شاہ یہ بات اچھی طرح جانتا کہ "جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔" یہی سوچتے ہوئے وہ مطمئن سا ان لوگوں کے درمیان آ بیٹھا۔

☼ ☼ ☼

حسنین کو ہسپتال پہنچنے پر تقریباً" رات کے آٹھ بج چکے تھے علی سے رابطے کی وجہ سے اسے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ بابا جانی کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔

اور جب یہاں آکر بھی وہ سب سے پہلے ڈاکٹرز سے ملا تھا اور ان کے بتانے پر کہ وہ صبح تک ہوش میں آجائیں گے۔ اسے مزید تسلی ہو گئی۔ جب وہ عائشہ کے پاس پہنچا تو وہ اکیلی نہ تھی' علی' اس کی بیوی اقرا' اس کی امی' منشی چاچا' بی اماں' حویلی کی اور دو تین عورتیں اس کے علاوہ عائشہ کے اپنے گھر کے ملازم بھی تھے۔ لیکن حسنین کو دیکھ کر اسے جو تحفظ کا احساس ہوا تھا وہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں نہیں ہوا تھا۔

اس نے اس کے گود میں دھرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ جیسے اپنے ہونے کا یقین دلا رہا ہو

"بابا جانی بالکل ٹھیک ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔" اس کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ وہ جو کب سے صبر کیے بیٹھی تھی۔ اب آنسو تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"اتنی دیر کیوں لگائی آپ نے' کہاں چلے گئے تھے۔ آپ جانتے ہیں نا کہ میرا بابا جانی اور آپ کے سوا کوئی بھی نہیں۔ تو پھر کیوں مجھے اکیلا آنے دیا۔" وہ روتے ہوئے ایک دم اس کے کندھے سے لگ گئی۔ تو حسنین کو لگا وہ اس کے نم لہجے میں بہہ جائے گا۔ ایک دم اس نے بھی اپنا بازو بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اس دفعہ معاف کر دیں۔" وہ اس کو ہولے ہولے تھپکتے ہوئے تسلی دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آج صبح سے ہی خوش تھی کیونکہ اس کے کہنے کی وجہ سے حسنین ایک دن کے لیے ٹھہر گیا تھا۔ اور بابا جانی کو چیک اپ کے لیے بھی لے گیا تھا۔ اب بھی ان کے کمرے میں بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ اور وہ خود لنچ کی تیاری میں مصروف تھی۔ لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ خوشی تھوڑی دیر کی ہی تھی۔ بعد میں وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کاش وہ حسنین کو روکنے کے لیے نہ کہتی تو شاید وہ تکلیف دہ انکشاف اس پہ نہ ہوتا۔ وہ سوپ لے کر بابا جانی کے کمرے تک پہنچی ہی تھی جب ادھ کھلے دروازے سے ایک فقرہ اس کے کانوں میں پڑا تھا۔ اور نا چاہتے ہوئے بھی اسے قدم روکنے پڑے۔

"حسنین بچے تم نے مجھ پر وہ احسان کیا ہے کہ میں چاہ کر بھی اس کا صلہ نہیں دے سکتا۔" اسی احسان والی بات پر اسے قدم روکنا پڑے تھے۔

"بابا جانی آپ کی دعائیں، آپ کا پیار اور اعتماد میرے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ آپ اس طرح کی باتیں کر کے کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔" حسنین کرسی بیڈ کے نزدیک کیے دروازے کی طرف بیک کیے بیٹھا تھا اور بابا جانی کے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔

"میں جانتا ہوں' بے شک مومو میری بیٹی بہت اچھی سہی' لیکن وہ تمہاری شخصیت اور رتبے سے مطابقت نہیں رکھتی۔ لیکن میرے کہنے پر تم نے اسے اپنا کر میری ساری پریشانیاں دور کر دیں۔" اور باہر کھڑی عائشہ جو پہلے تو نا سمجھی کے عالم میں کھڑی تھی لیکن بابا جانی کی اس بات پر وہ سوچ رہی تھی کہ کاش وہ صرف ایک منٹ کی تاخیر کر دیتی یہاں آنے میں' یا وہ ایک دم سے اندر چلی جاتی۔ اور وہ اسے دیکھ کر چپ ہو جاتے۔ کاش حسنین رکتا ہی نہیں تو بابا جانی اس کے احسانوں کا ذکر نہ کرتے' لیکن ایسا کوئی کاش بھی اب تعبیر نہیں پا سکتا تھا۔ جو انہونی ہونی تھی وہ ہو چکی تھی۔ جو ان سنا تھا وہ سنا جا چکا تھا۔ وہ جو صرف ایک منٹ پہلے بہت خوش تھی۔ خود کو بہت خوش قسمت سمجھ رہی تھی۔ اب اپنا آپ اسے ناقابل برداشت لگ رہا تھا۔ ادھر بابا جانی جو کمزوری کی وجہ سے حسنین سے باتیں کرتے کرتے سو گئے تھے۔ تو وہ لائٹ آف کرتا ہوا باہر آیا اور باہر عائشہ کو یوں بت بنے کھڑا دیکھا تو حیران رہ گیا۔

"کیا ہوا آپ یوں کیوں کھڑی ہیں؟" لیکن اس کی آواز اسے جیسے سنائی ہی نہ دی تھی۔ وہ بے یقینی اور دکھ سے حسنین کو دیکھ رہی تھی۔ ادھ کھلا دروازہ سوپ پر جمی ہلکی سی تہ جو اسے ٹھنڈا ظاہر کر رہی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر عائشہ کا ویران چہرہ' حسنین کو اصل

بات سمجھا گیا۔ لیکن اس وقت تک وہ واپس جا چکی تھی۔ وہ ایک دم اس کے پیچھے گیا تھا۔ لیکن اس کے کمرے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اور اسے پتا تھا کہ اب اس کے کہنے پہ بھی نہیں کھولے گی۔ جب اپنی ذات کا مان ختم ہوتا ہے تو جو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ کرب عائشہ کی آنکھوں میں دیکھ چکا تھا۔ وہ سر پکڑے وہیں لاؤنج میں پڑے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"ابھی تو میری دعاؤں کی قبولیت کا وقت آیا ہی تھا۔ ابھی تو ہمارے دل ایک دوسرے کی طرف مائل ہوئے تھے۔ ہمیں ایک دوسرے کا احساس ہوا تھا۔ تو پھر کیسے وہ اتنی جلدی مجھ سے بدگمان ہو سکتی ہے۔ بابا جانی کو بھی آج ہی یہ بات کہنی تھی۔ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ انہوں نے میری زندگی میں عائشہ کو شامل کر کے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ میری نامکمل سی زندگی کو مکمل کر دیا تھا۔ لیکن یہ باتیں اب میں عائشہ کو کیسے سمجھاؤں کہ ایسا کچھ بھی نہیں جیسا وہ سمجھ رہی ہے۔ ایسا کچھ بھی تو نہیں' یا اللہ تو اپنی رحمت سے اس کی بدگمانی دور کر دے۔ یا اللہ میری بات میں ایسی تاثیر دے کر میری بات اس کے دل پر اثر کر جائے۔" وہ کتنی دیر وہیں مضطرب سا بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

حسنین کا گاؤں جانا بہت ضروری تھا۔ لیکن وہ عائشہ کو منائے بغیر جا نہیں پا رہا تھا۔ وہ کتنی دفعہ اس سے بات کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ لیکن وہ سخت دل بن گئی تھی کہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی اجتناب کر رہی تھی۔ وہ جو اس کی بات پر فوراً" ایمان لانا اپنا فرض سمجھتی تھی اب جیسے اس کی حیثیت ہی بھلا بیٹھی تھی۔ یا تو بابا جانی کے پاس بیٹھی رہتی' یا پھر اپنے کمرے میں بند ہو کے رہ جاتی' وہ ایسا طریقہ بھی اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جس سے بابا جانی پریشان ہوں یا ملازم مشکوک ہو جاتے۔ اور پھر اسے بات کیے بغیر ہی گاؤں آنا پڑا۔ کیونکہ منشی چاچا کا فون بار بار آ رہا تھا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ رمضان المبارک کی آمد سے ایک ہفتہ پہلے وہ سب مستحق خاندانوں کو مہینے بھر کا راشن اپنے ہاتھ سے دیتا تھا اور ہر سال ان خاندانوں میں اضافہ ہی ہوتا تھا اور اسی طرح کا اضافہ اس کے رزق میں بھی ہوتا تھا وہ لوگ صرف اس کے اپنے گاؤں کے نہ ہوتے تھے بلکہ پوری تحصیل میں جتنے گاؤں شامل ہوتے وہ اس نیک دل انسان کے پاس اپنا حصہ لینے ضرور آتے اور جھولی بھر بھر دعائیں دیتے۔ اتنے ملازمین کے ہوتے ہوئے وہ یہ کام ان سے بھی کروا سکتا تھا لیکن اس عمل کے متعلق اس کا اپنا ہی نظریہ تھا کہ ہم اور کام بے شک اپنے ہاتھ سے نہ کریں لیکن اتنے سہل پسند تو نہ بنیں کہ اپنے حصے کی نیکی کرنے کا حکم بھی ملازمین کو دے دیں۔ وہ کہتا تھا کہ جس طرح ہماری نماز اور روزے کا ثواب اسی وقت ہمیں ملتا ہے' جب ہم خود نماز پڑھیں خود روزے رکھیں تو اسی طرح زکوۃ' فطرہ یا صدقے کا ثواب بھی اسی وقت بہترین طریقے سے ملتا ہے جب ہم اپنے ہاتھوں سے یہ فریضہ سرانجام دیں۔ بشرطیکہ ہم استطاعت رکھتے ہوں۔ اسی لیے منشی چاچا نے اسے فون پہ بتایا تھا کہ لوگ بار بار اس کا پوچھ رہے ہیں اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ نیکی بار بار اس کے دروازے پر دستک دے کر مایوس ہی لوٹ جائے اسی لیے وہ گاؤں جانے کے لیے فوری تیار ہو گیا' بابا جانی کو اور ناراض سی لڑکی کو اللہ حافظ کہتا وہ گاؤں چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح سے تیز خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا بارش ہو گی۔ اس وقت اس کے پاس اپنی ذات کی کم مائیگی کے سوا کچھ نہ تھا کیوں کہ آج آسمان کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔ اس لیے آج اسے بارش نظر نہیں آ رہی تھی۔ اور اس سارے قصے میں اسے کہیں بھی حسنین کی غلطی نظر نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے پیار اور فرمانبرداری میں بات مان لی۔ اسے بابا جانی کی بھی غلطی نظر نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ انہیں لگا کہ ان کے بعد ان کی بیٹی بے سہارا ہو جائے گی تو انہوں نے اسے سہارا دینے کا سوچا غلطی تو صرف اس کی اپنی تھی۔ کاش وہ پیدا ہی نہ ہوتی۔ تو اتنے اچھے لوگوں کی دل آزاری کا باعث تو نہ بنتی۔ وہ برآمدے میں بیٹھی برستی بارش کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ جب حسنین شاہ کی لینڈ کروزر اندر داخل ہوئی تھی۔ اور عائشہ کو اپنے دل پہ حیرانی ہوئی تھی۔ کیونکہ آج بھی وہ اس کی آمد پہ اتنی ہی خوش ہوئی تھی جتنی پہلے ہوا کرتی تھی۔ بے شک وہ اس کی زندگی میں مسلط کی گئی تھی لیکن وہ تو اس کی زندگی میں اپنے دل کی رضا پر شامل ہوا تھا۔ وہ بارش سے بچتے کے لیے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے برآمدے میں پہنچا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ بالوں سے بارش کے قطرے جھاڑتے ہوئے بولا تھا۔ دھیمی سی آواز میں جواب دیتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ باہر کیوں بیٹھی ہیں۔ خدانا خواستہ بیمار پڑ گئیں تو بابا جانی کی کیئر کون کرے گا۔" وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا فکر مندی سے بولا تھا۔ لیکن وہ خاموشی سے کچن میں داخل ہو گئی تو اس نے شکر ادا کیا کہ پہلے کی طرح اس سے گریزاں نہیں ہے۔

"مجھے صرف ایک کپ چائے چاہیے؟" اس کے کچھ کرنے سے پہلے ہی چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کھانے کے بعد چائے لیجیے گا۔" روٹھے انداز میں ہی سہی وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"اگر اب کھانا کھا لیا تو صبح سحری نہیں کر سکوں گا۔ اس لیے صرف چائے کافی ہے۔"

"سحری؟ کیا صبح روزہ ہے۔" وہ چونکتے ہوئے بولی۔

"ارے آپ کو نہیں پتا۔ میں اتنی دور سے اس لیے تو آیا ہوں کہ بابا جانی نے تو روزہ رکھنا نہیں ہو گا آپ کو اکیلے رکھتے ہوئے مزا نہیں آئے گا تو میں نے سوچا کہ کم از کم پہلا روزہ تو مل کر رکھ لیں۔" اس کی بات پر عائشہ شرمندہ ہو گئی کہ کیا وہ اپنی ذات میں اتنی ڈوب گئی تھی کہ اسے دین و دنیا کی خبر ہی نہ رہی۔

"میں چائے بناتی ہوں۔" وہ خفت زدہ سی رخ موڑ گئی۔ حسنین غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو نیوی بلیو کپڑوں پر کیمل کلر کی شال اوڑھے روئی روئی سی ساری دنیا سے ناراض لگ رہی تھی۔ آج تو اس کی لونگ بھی اداس لگ رہی تھی۔

"چائے۔" وہ اس کے آگے چائے رکھ کر جانے لگی تو اس نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"عائشہ آج میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔ آپ کو میری باتیں سننا ہوں گی۔ آپ پر اتنا حق تو ہے نا میرا۔" وہ ہاتھ پکڑے اسے بہت مان سے کہہ رہا تھا۔ عائشہ نے صرف ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر اسے بیٹھنا پڑا۔ اس کی شفاف آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ وہ بات ماننے پر مجبور ہو گئی۔ عائشہ نے آج پہلی دفعہ اس کے سلیقے سے بنے بالوں کو بکھرے دیکھا تھا۔ جو اس نے بارش کے قطرے جھاڑتے ہوئے خود بکھیرے تھے۔ عائشہ کو ایک دفعہ اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

پھر اس نے حسنین شاہ کو اٹھتے ہوئے دیکھا۔ جو کچن کا دروازہ اندر سے بند کر رہا تھا کیونکہ بارش کے قطرے اندر تک آ رہے تھے۔ اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں اب اطمینان سے وہ سارے گلے شکوے جو آپ کے دل میں ہیں وہ کہہ ڈالیں۔ کیونکہ گلے شکوؤں سے بھرے دلوں سے شاید ہم رمضان المبارک کی رحمتوں سے مستفید نہ ہو سکیں۔" اس نے بات ابھی شروع بھی نہ کی تھی کہ عائشہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"حسنین آپ نے کیوں میرے ساتھ ایسا کیا' جب میں آپ کو پسند نہیں تھی تو کیوں مجھ سے شادی کی۔ کیوں میری زندگی میں آئے۔ کیوں بابا جانی کی بات مانی۔" وہ رو رہی تھی اور حسنین شاہ دکھ سے اس کے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا۔

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ آپ مجھے پسند نہیں۔"

"پلیز حسنین مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش

مت کریں۔" وہ ایک دم اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"اب کسی ڈرامے یا دکھاوے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ کی اور بابا جانی کی ساری باتیں سنی ہیں اور میں خود بچی نہیں ہوں جو آپ کی پسند ناپسند کو سمجھ نہ سکوں۔ آپ بے شک شادی کرلیں، میں آپ سے گلہ نہیں کروں گی۔ اور میں بابا جانی کو بھی سمجھالوں گی۔ منالوں گی، وہ صحیح کہہ رہے تھے کہ میں آپ کے شخصیت اور آپ کے رتبے کے لائق نہیں اب میں سمجھ گئی ہوں کہ آپ کو مجھ سے میرے نام سے، میرے ہر انداز سے چڑ تھی۔ تبھی تو آپ نے سب کو بدلنا چاہا۔ میں واقعی آپ کے قابل نہیں ہوں۔ نہیں ہوں آپ کے قابل۔" وہ بدگمانی کی انتہاؤں پر تھی۔

"کس نے کہا آپ سے کہ مجھے آپ کا نام پسند نہیں۔" اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیسے اس کے گلے دور کرے۔

"آپ نے کبھی مجھے مومو نہیں کہا۔ کبھی بیوی سمجھ کر بے تکلفی سے تم تک نہیں کہا۔ آپ مجھے اجنبیوں کی طرح ابھی تک "آپ" کہتے ہیں نا۔" اب اس کے آنسو تو رک گئے تھے لیکن اس پلکیں بھیگی تھیں۔ جن کی نمی وہ دل میں محسوس کررہا تھا۔

"میں نے کبھی آپ کو مومو اس لیے نہیں کہا کہ مجھے آپ کا "عائشہ" نام بہت اچھا لگتا ہے۔ جب ایک بامعنی اور اسلامی نام اللہ تعالیٰ نے آپ کے نصیب میں لکھا ہے تو میں کیوں اس پر ایک بے معنی نام کو ترجیح دوں۔ اس لیے میں بہت عقیدت اور پیار سے آپ کو عائشہ کہہ کر پکارتا ہوں رہی بات "آپ" کہنے کی تو میں اپنی ایک اچھی عادت کو نہیں بدل سکتا۔ آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا کہ میں اپنے گھر کے ملازموں کو یا خود سے چھوٹوں کو بھی "تم" نہیں کہتا، کیوں کہ دوسروں کی عزت کرنا میری تربیت کا حصہ ہے جب میں سب کی عزت کرتا ہوں تو اپنی شریکِ حیات کو جس کو میں دل سے چاہتا ہوں اس کی عزت کیوں نہ کروں۔ اور جب آپ مجھے آپ کہہ کر بلاتی ہیں تو میں آپ کو کیوں نہ عزت سے پکاروں اور اگر بابا جانی نے یہ کہہ دیا کہ آپ میری شخصیت اور رتبے کے لائق نہیں تو یہ ان کا حد سے زیادہ پیار ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔

میں ایک بہت عام سا مرد ہوں اور ایک بہت عام سی لڑکی سے شادی کا خواہاں تھا۔ جو صحیح معنوں میں لڑکی کہلانے کی حق دار اور شرم و حیا کا پیکر ہو۔ آپ کہہ رہی ہیں کہ مجھے آپ سے نفرت یا چڑ ہے تو یہ غلط ہے مجھے آپ سے نہیں آپ کے رہن سہن اور اوڑھنے پہننے پر اعتراض تھا۔ اور میں نے صرف اس کو بدلنا چاہا تھا میں مانتا ہوں کہ میں نے اپنے فرائض سے پہلو تہی برتی ہے۔ میں اپنے رب سے بھی اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لوں گا اور آپ سے بھی، لیکن عائشہ اس معاملے میں میرا اپنا ہی نظریہ تھا کہ میں آپ کو دل کی رضا، خلوص اور چاہت سے اپنانا چاہتا تھا نہ کہ بابا جانی کے کہنے پر۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ اس کے لیے مجھے کچھ وقت چاہئے تھا۔ میں کبھی آپ پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں نے آپ کو اپنی رضا سے نہیں بلکہ بابا جانی کے کہنے پر اپنایا ہے۔ اب یہ میری بدقسمتی کہ آپ نے سب کچھ اس وقت جانا جب میرا دل بھی میرا نہیں رہا۔ جب میں ایک لمحے کے لیے بھی آپ کی ناراضی برداشت نہیں کرسکتا۔ جب میں اپنے دل کو آپ کی چاہت سے مخمور پاتا ہوں۔" وہ بہت جذب اور سکون سے بول رہا تھا جیسے کسی اور سے نہیں خود اپنے آپ سے مخاطب ہو۔

"صرف اتنی سی بات پر حسنین کہ میرا پہننا اوڑھنا آپ کو پسند نہیں، صرف اتنی سی بات پر آپ مجھ سے گریزاں تھے۔" اس کی آنکھیں ایک دفعہ پھر برسنے کو تیار تھیں۔

"یہ اتنی سی بات نہیں تھی عائشہ۔ میری ایک بات اپنے دماغ میں بٹھالیں اور اسے کبھی محو نہ ہونے دیجیے گا کہ اچھی لڑکی ہر چیز پر کمپرومائز کرسکتی ہے لیکن اپنی نسوانیت اور شرم و حیا پر کبھی نہیں۔" اس کے لہجے میں پہلی دفعہ شدت آئی تھی۔

"تو کیا آپ کے خیال میں مجھے شرم و حیا کا پاس نہیں تھا۔" دکھ سے اس سے بولا ہی نہ گیا۔

"عائشہ میں نے ایک دفعہ آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ پہلے اپنا ظاہر اچھا بنائیں کیونکہ لوگوں نے آپ کو ظاہری حلیے سے پرکھنا ہے نہ کہ دل کے حال سے، کیونکہ دلوں کے حال سے تو صرف اللہ تعالیٰ واقف ہے۔ مجھے اس بات پر فخر ہے اور میں ہر لمحہ اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ میری شریک سفر بہت باکردار اور پاکیزہ ہے۔ لیکن یہ بات میں افسوس سے کہتا ہوں اور آپ کو بھی یہ بات ماننا پڑے گی کہ شادی سے پہلے جب آپ کا لباس شرم و حیا سے عاری تھا تو آپ کے کردار پر کون یقین کرتا۔ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر کہیں عائشہ کہ کیا آپ اس حلیے میں مطمئن ہیں یا شادی سے پہلے والے حلیے پر میں یقین سے کہتا ہوں کہ آپ کو اپنے گزشتہ حلیے پر شرمندگی ضرور محسوس ہوتی ہوگی۔ آپ اب جو اتنی بڑی شال بڑے سلیقے سے اوڑھے بیٹھی ہیں اور بہت باوقار اور پاکیزہ لگ رہی ہیں۔ بتائیے شادی سے پہلے آپ کے لباس میں دوپٹہ ہوتا تھا؟ نہیں نا۔" وہ آج اس کے گلے شکوے دور کرنے کے چکر میں تھا جبکہ وہ بات کرکے پچھتا رہی تھی۔

"عائشہ یہ جو عورت کے لباس میں دوپٹہ ہوتا ہے۔ یہ خدانخواستہ ہم انسانوں کی اختراع نہیں۔ یہ میرے مولا کریم کا حکم ہے۔ اور اس کا ہر حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ میں آج برملا کہتا ہوں کہ مجھے ہر اس عورت سے چڑ ہے جو ننگے سر دوپٹے کے بغیر ہوتی ہے وہ بے شک باکردار ہو لیکن جب اس کا ظاہر اس کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتا تو پھر وہ باکردار کہاں کی ہوئی۔ مجھے بتائیں اگر دوپٹہ اتنا غیر ضروری ہوتا تو عورت کی نماز اس کے بغیر قبول کیوں نہیں ہوتی۔ جب تک عورت اچھی طرح دوپٹہ نہ اوڑھ لے وہ رب کے حضور سجدہ نہیں کرسکتی۔ تو پھر عورتیں کیوں اس کی اہمیت کو بھلائے بیٹھی ہیں۔ کیوں اپنی توہین کراتی ہیں۔ اور اگر بھولے سے کبھی لیں تو بھی صرف گلے کی رسی بنا وہ دوپٹہ بہت مضحکہ خیز لگتا ہے۔ کیوں وہ سب کچھ جانتے بوجھتے اللہ کے حکم کی نفی کرتی ہیں۔"

سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ غصے کے باوجود آواز دبائے بہت آہستہ آواز میں بول رہا تھا۔ اور عائشہ جیسے زمین میں گڑی جارہی تھی۔ اس کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

"کیوں کہ جب مخالف آپ کے منہ پر سچ کے طمانچے مارتا ہے تو آپ کو اپنے جھوٹ کو چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی۔ یہ تو دین کی بات تھی۔ آپ کہہ سکتی ہیں کہ میں اس معاملے میں بولنے والا کون ہوتا ہوں۔ یہ آپ کا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں بولنے کا کوئی حق نہیں، میں زبردستی کا بھی قائل نہیں ہوں۔ میرا مقصد ایک درست نقطہ نظر کو واضح کرنا تھا۔ باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔ لیکن عائشہ میں آپ کو دنیا کی بات بتاتا ہوں اور اس میں بولنے کا مجاز بھی ہوں۔ اور حق بھی رکھتا ہوں۔" اب اس کے خوبصورت لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف کرتا وہ بالکل پرسکون نہیں لگ رہا تھا۔

"فرض کریں عائشہ۔ صرف چند لمحوں کے لیے فرض کریں کہ جس طرح آپ کے بابا جانی بیمار تھے۔ اور انہوں نے آپ کو سہارا دینے کے لیے مجھے چنا اس طرح اگر میرے بابا جانی بیمار ہوجاتے اور وہ آپ کو مجھ سے شادی کے لیے کہتے جبکہ میں یعنی ان کا بیٹا جس کے سارے اطوار لڑکیوں والے ہوتے۔ میں قمیص شلوار کی جگہ لہنگا کرتی پہنتا۔ کلائی میں گھڑی کی جگہ چوڑیاں، سر پر عورتوں کی طرح دوپٹہ لیتا۔ بال مردانہ اسٹائل میں ہونے کی بجائے کمر کو چھو رہے ہوتے تو کیا آپ میرے بابا جانی کی بات مانتے ہوئے مجھ سے شادی کرتیں؟ نہیں نا۔" وہ خود ہی سوال کررہا تھا اور خود ہی جواب دے رہا تھا۔

"کیونکہ آپ ایک عورت نما مرد سے کبھی شادی نہ کرتیں۔ کبھی بھی نہیں، لیکن میں نے ایسا کیا۔" وہ بہت جذباتی ہورہا تھا۔ جبکہ عائشہ آنکھیں جھپکے بغیر

اس کے منہ سے نکلتے کڑوے الفاظ کو اپنے اوپر اثر انداز ہوتا دیکھ رہی تھی۔

"آپ یہ بات تو مانیں گی نا کہ آپ کے سارے انداز لڑکوں والے تھے۔ لیکن میں نے پھر بھی ایک شخص کا مان رکھنے کے لیے آپ سے شادی کی۔ لیکن میں دل سے خود کو آپ کی جانب مائل نہیں پاتا تھا۔ اور پھر میں نے آپ کو جب بدلتے دیکھا تو خود بخود میرے دل کی دنیا بھی بدل گئی۔ میں حیران ہوتا ہوں یہ سوچ کر کہ یقیناً" ہر لڑکی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شریک سفر صحیح معنوں میں مردانہ خوبیوں اور مردانہ وجاہت سے مزین ہو۔ لیکن کچھ لڑکیاں کبھی بھی ان خوبیوں کی حامل نہیں ہونا چاہتیں جو عورت میں ہونی چاہئیں۔ بلکہ وہ خود بھی مرد ہی دکھنا چاہتی ہیں۔ اب آپ خود بتائیں غلط وہ لڑکی ہوتی ہے۔ یا وہ مرد جو اسے بدلنا چاہتا ہے۔" یہ بات کرنے کے بعد وہ چپ ہو گیا تھا۔ جیسے اسے قائل کرنے کے لیے اور الفاظ تلاش کر رہا ہو۔۔۔ جبکہ اب وہ خشک چہرے اور آنکھوں کے ساتھ فرش کو گھورے جا رہی تھی پھر اس نے اس کو اٹھتا ہوا محسوس کیا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ اب چلا جائے گا۔ لیکن نہیں وہ پنجوں کے بل اس کے قدموں میں فرش پر بیٹھ چکا تھا۔ پھر اس نے عائشہ کے گود میں دھرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"عائشہ میں جہاں غلط ہوں مجھے معاف کر دیجیے گا۔ لیکن اس بات کو اپنے دل و دماغ سے کبھی محو نہ ہونے دیجیے گا کہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ آپ کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ آپ کے وجود سے میری بے رنگ زندگی بہت خوشنما ہو گئی ہے۔ ادھوری سی زندگی کو مکمل کر دیا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ کے دل میں بھی میرے لیے وہی فیلنگز ہیں۔ کیونکہ میں نے آپ کو خود کے لیے بدلتے دیکھا ہے۔ اور کوئی کسی کے لیے اس وقت بدلتا ہے جب وہ من سے اس کے رنگ میں رنگ جائے۔ آج یہ بات کی ہے کہ میں کسی اور سے شادی کر لوں آئندہ کبھی نہ کہیے گا۔ مجھے اس بات سے بہت دکھ ہوا ہے۔" اب وہ پہلے کی طرح سکون سے بول رہا تھا۔ اور عائشہ کے آنسو ایک دفعہ پھر اس کے گالوں کو بھگوئے جا رہے تھے۔ کیونکہ اب بولنے والے کے لہجے میں صرف سچ نہیں تھا بلکہ سچ کے ساتھ بہت زیادہ پیار تھا۔

"اب یہ آنسو صاف کر لیں۔ بہت رو لیں۔" آج پہلی دفعہ وہ اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کر رہا تھا۔

"اپنے کمرے میں ساری پچھلی باتیں بھلا کر سو جائیں۔ صبح سحری میں جلدی اٹھنا بھی تو ہے نا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا ہوا خود بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جبکہ عائشہ نے بھی ٹرانس کی سی کیفیت میں اس کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔

☆ ☆ ☆

وہ تین بجے کا الارم لگا کے سوئی تھی۔ کیوں کہ ایک دن باتوں ہی باتوں میں بی اماں نے اسے جتایا تھا کہ حسنین سحری بہت اہتمام سے کرتے ہیں۔ اسے تو پتا ہی نہیں تھا کہ صبح روزہ ہے اس لیے اس نے کوئی انتظام نہیں کیا اب اسی لیے جلدی اٹھ گئی۔ سوا پانچ تک سحری کا ٹائم تھا۔ وہ ملازمہ کے بغیر بہت شوق سے چیزیں بنا رہی تھی۔ جب وہ سب کچھ تیار کر کے ٹیبل لگا چکی تو گھڑی اس وقت ساڑھے چار بجا رہی تھی۔ یعنی اس نے ڈیڑھ گھنٹے میں اپنا کام کر لیا تھا۔ چائے کو دم پر رکھ کر جب وہ اسے جگانے کی نیت سے کچن سے نکل رہی تھی تو وہ بابا جانی کے ساتھ ادھر ہی آ رہا تھا۔

"مومو بیٹا تم نے مجھے رات کو کیوں نہ بتایا کہ حسنین آیا ہے۔" بابا جانی اس سے گلہ کر رہے تھے۔

"میں نے خود ہی عائشہ کو منع کیا تھا کہ سحری کے وقت مل لوں گا۔ اب دیکھیں خود آپ کو ڈسٹرب کرنے آپ کے کمرے میں آ گیا اور جگا بھی لیا۔" وہ بہت فریش لگ رہا تھا۔ وائٹ کلر کے ڈھیلے ڈھالے کرتے شلوار میں سلیقے سے بنے بالوں کے ساتھ وہ ہمیشہ کی طرح بہت پرسکون لگ رہا تھا۔

"میرے خیال میں سحری کا ٹائم نکلا جا رہا ہے۔ سحری

کر لینی چاہیے۔" وہ اسے کچن کے دروازے میں ہی ایستادہ دیکھ کر شرارت سے کہہ رہا تھا۔ وہ ایک دم خجالت سے مڑی اور چائے کو دیکھنے لگی۔

"ارے بابا جانی آپ کا سحری مینو میرے مینو سے بہت ملتا جلتا ہے۔" آج وہ صحیح معنوں میں شرارت کے موڈ میں تھا اور مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"نہیں تو میں اور مومو تو دہی کے ساتھ پراٹھا لیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ مومو نے صرف تمہارے لیے بنایا ہے۔" بابا جانی کے اتنا کہنے پر اس کی لبوں کی مسکراہٹ اور عائشہ کے چہرے پر شرم کی لالی اور گہری ہو گئی۔

"عائشہ باقی کام بعد میں کرلینا' آئیں سحری کرلیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا کیونکہ اس طرح وہ کچھ کھا تو سکتی نہ تھی۔ اس کے بعد وہ نماز پڑھنے مسجد چلا گیا۔ جبکہ اس نے بابا جانی کو کمرے میں لا کر لٹایا۔ کیوں کہ وہ زیادہ دیر تک بیٹھنے سے تھک جاتے تھے۔ پھر کچن سمیٹنے کے بعد اس نے نماز پڑھی۔ قرآن پاک کی تلاوت کی۔ آج زندگی میں پہلی بار اس نے رمضان میں بابا جانی کی ناراضی کے ڈر سے نہیں بلکہ اپنے دل کی رضا سے عبادت کی تھی۔ وہ حسب معمول برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ جب اس نے چوکیدار کو گاڑی کے ہارن پہ گیٹ کھولتے دیکھا تھا۔ پھر اس نے حسنین شاہ کی گاڑی کو اندر آتے دیکھا تب جا کر اسے سکون ملا۔ حسنین جب گاڑی سے اترا اس کے ہاتھ میں کچھ شاپر تھے۔ اس کے قریب آکر ہمیشہ کی طرح اس نے سلام کیا۔

"آپ بتائے بنا کہاں چلے گئے تھے' میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنی بے اختیاری میں شکوہ کیے بنا نہ رہ سکی۔ اس کی بات پر حسنین نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ بہت نکھری نکھری اور بہت اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔

"ہاں یہ میرا قصور ہے کہ میں بتائے بغیر چلا گیا اس کے لیے میں معافی مانگتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ وہیں بڑی کین کی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اور اسے بھی بیٹھنے کو کہا۔

"دراصل میں میں آج گاؤں جا رہا ہوں پھر تو ان شاء اللہ عید پہ ملاقات ہوگی تو میں نے سوچا آپ کو عید کی شاپنگ کرا دوں۔ لیکن پھر مجھے ارادہ بدلنا پڑا کیوں کہ اس طرح بابا جانی گھر میں اکیلے ہو جاتے۔ اس لیے میں خود ہی شاپنگ کرنے چلا گیا۔ اب میں جیسے بھی اندازے سے کر کے لایا ہوں آپ کو قبول کرنا پڑے گی۔ کیونکہ خواتین کی شاپنگ کرنے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ عید پہ یہی والا ڈریس پہنیے گا۔ آپ کو پتا ہے جب میں نے آپ کو ولیمہ کے روز ریڈ ڈریس میں دیکھا تھا تو مجھے لگا تھا کہ جتنا یہ کلر آپ کو سوٹ کرتا ہے اتنا کسی کو نہ کرتا ہوگا۔ اسی وجہ سے آج میں بوتیک میں گیا تو اسی کلر کا ڈریس سلیکٹ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ عید پہ یہی پہنیے گا۔ مجھے بہت خوشی ہوگی مجھے لگے گا آپ کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا ہے۔" وہ اس کے ہاتھوں میں چیزیں دیتے ہوئے بہت نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ نے ایسا کیوں کہا کہ اب ملاقات عید پہ ہوگی۔"

آج پہلی دفعہ وہ اس طرح سوال جواب کر رہی تھی۔

"ارے میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ میں ہر دفعہ رمضان میں نماز تراویح کے لیے امام صاحب کے پیچھے سامع کھڑا ہوتا ہوں۔ تو میرا وہاں ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ سارا دن قرات کے لیے تیاری کرنا ہوتی ہے۔ اس لیے کہہ رہا تھا کہ عید پہ ملاقات ہوگی۔ ویسے تو گاؤں میں اور حفاظ بھی ہیں لیکن امام صاحب کو میری عادت پڑ گئی ہے۔ رات کو بھی میں آپ کے لیے بہت مجبوری میں آیا ہوں کیونکہ مجھے لگا کہ جب میں اپنے سے وابستہ صرف ایک شخص کو اگر خوش نہیں رکھ سکتا تو اللہ تعالیٰ کو کیسے خوش کر سکتا ہوں' آپ کی بدگمانی دور کرنا بھی ضروری تھا۔ آپ سے معافی مانگنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے مجبوری میں آیا تھا۔ اور

آپ کو منانے کے چکر میں پہلی روزے کی تراویح بھی رہ گئی۔" وہ تفصیل بتا رہا تھا جبکہ عائشہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ حافظ قرآن پاک ہیں؟" حیرانی میں اس کے لبوں سے سوال پھسلا۔

"میں سحری میں کیا کھاتا ہوں یہ تک آپ کو معلوم ہے لیکن اس بارے میں آپ کو معلومات کیوں نہیں۔" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا جبکہ عائشہ شرمندہ ہو گئی۔ جیسے نہ جاننا اس کی کوتاہی ہو۔

"رمضان کے بعد اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ ابھی تو صرف دعا کر سکتا ہوں کہ آپ کے دل سے میری لیے موجود ساری کدورتیں صاف ہو جائیں۔ میں بابا جانی سے مل لوں۔ پھر چلوں گا' یہ نہ ہو مجھے دیر ہو جائے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا' وہ اندر جا رہا تھا۔ لیکن عائشہ وہیں بیٹھی اپنی شفاف ہتھیلی کو دیکھ رہی تھی۔ ایک آنسو ایک دم اس کی آنکھ سے گرا اور ہتھیلی میں ٹھہر گیا۔

"بابا جانی ٹھیک کہہ رہے تھے۔ میں۔۔ اتنے اچھے انسان کے قابل نہ تھی۔ اس کی شخصیت اور رتبہ بہت اونچا ہے۔ کم از کم اس سے تو بہت ہی اعلا اللہ تعالیٰ کو نہ جانے میری کون سی بات اچھی لگی جو حسنین شاہ کو میرے نصیب میں لکھ دیا۔" یہی سوچتے ہوئے اس کے آنسو بہتے ہی جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

عائشہ حسنین کی زندگی اب یکسر تبدیل ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہلے والی عائشہ کی پرچھائیں بھی اس کے پاس نہیں پھٹکی یہ اس کی زندگی کا پہلا رمضان تھا جب وہ رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے' اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے' اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنے کے لیے پورے خلوص دل سے عبادت کر رہی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے اب ہی وہ زندگی کو زندگی کر کے گزار رہی ہو۔ ورنہ پہلے کی زندگی تو لاپروائیوں اور کوتاہیوں کی نذر ہو گئی تھی۔ وہ اب بھی فارغ وقت میں برآمدے کے پلر سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے بیٹھی رہتی۔ حسنین شاہ کی باتیں اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں گونجنے لگتیں۔ اور وہ ان کی گونج اپنے دل میں محسوس کرتی تھی۔ اس کی باتوں پر وہ پہروں غور کرتی۔ اپنے دوپٹے کو کام کے دوران بھی سر کنے نہ دیتی تھی۔

اور پھر آہستہ آہستہ یہ مقدس مہینہ سب کی جھولی میں نعمتوں اور عبادتوں کی سوغاتیں ڈالتا رخصت ہو گیا۔ عید سے پہلے اس نے سارے گھر اور لان کی تفصیل سے صفائی کروائی۔ چاند رات کو وہ بہت خوش تھی۔ اس رات کو اس نے نجانے کتنی ہی قسم کے کھانے بنا ڈالے۔ اور اس رات کی صبح اسے جتنی روشن لگی تھی۔ اس سے پہلے کبھی نہ لگی تھی۔ کھلی کھلی سی اس گلابی صبح میں جیسے ہر چیز اسے عید مبارک کہہ رہی تھی۔ بابا جانی اب سارے کام خود کر لیتے تھے نہا دھو کر نئے کپڑے پہن کر وہ پڑوس کے انکل نواز کے ساتھ نماز پڑھنے گئے تھے جب وہ خود بھی تیار ہونے چل دی۔ بہت دل لگا کر اس نے تیاری کی تھی۔

پھر بابا جانی کے آنے پر جب وہ باہر نکلی تو بابا جانی نے عید مبارک کہتے ہوئے بازو وا کر دیے وہ بھی عید مبارک کہتے ہوئے ان کے سینے میں چھپ گئی۔

"آج تو میری بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے۔" انہوں نے اس کو کندھوں سے پکڑ۔۔ کر تھوڑا پیچھے کرتے ہوئے شفقت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔"

"بابا جانی آپ کی بیٹی جو ہوں' آپ کو تو اچھی لگوں گی۔ میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

پھر اس کے کانوں نے ہارن کی آواز سنی تھی۔ اور وہ وہم جان کر ان سنی کر گئی۔ لیکن ہارن کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ شاید چوکیدار بابا گیٹ پہ موجود نہ تھے۔ اور پھر اس کی آنکھوں نے بلیو لینڈ کروزر کو اندر آتے دیکھا' وہ حیرانی سے کچن کی کھڑکی سے حسنین شاہ کو اندر آتے دیکھ رہی تھی۔ "یہ اتنی جلدی کیسے یہاں پہنچ سکتے

ہیں۔ وہ سارے کام چھوڑ کر اسے روش سے اندر آتا دیکھ رہی تھی۔ گرے کلر کے قمیص شلوار کے اوپر بلیک شال کندھوں پہ لیے وہ ہمیشہ کی طرح سب سے جدا لگ رہا تھا۔ نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ کیونکہ پہلے تو اس نے ڈش میں اپنے لیے اور بابا جانی کے لیے چیزیں نکالنی تھیں۔ لیکن اب ٹرالی قریب کیے اس میں چیزیں رکھنے لگی۔

لاؤنج سے اس کے بولنے کی آواز مدھم مدھم یہاں بھی سنائی دے رہی تھی۔ اور پھر آواز مدھم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی اب قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ اور اسے لگ رہا تھا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔ اس نے خود کو سنبھالنے کے لیے کانپتے ہاتھوں سے گلاس میں پانی ڈالا اور پینے لگی جب وہ اندر داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم اور بہت بہت عید مبارک۔" وہ کچن کے دروازے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ جواب دیتے ہوئے عائشہ کے لب ہولے سے مسکرائے تھے۔ اور پھر جیسے وقت تھم گیا ہو' وہ مبہوت ہو کر اسے دیکھ رہا تھا جو ڈیپ ریڈ کلر کے کرتے پاجامے میں تھی۔ جس کے کرتے پر ہم رنگ موتیوں اور ستاروں سے نفیس کام کیا گیا تھا۔ سر پر جما بڑا سا ڈوپٹہ جس کے کناروں پہ ٹکے ستارے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ پاؤں میں کپڑوں کے ہم رنگ کھسہ' گوری سڈول بانہوں میں ریڈ چوڑیاں' شبیج پیشانی پہ سردی کے باوجود پسینے کے قطرے' کاجل سے بھری کالی آنکھیں' ستواں ناک میں چمکتی لونگ اور خوبصورت ہونٹوں پہ سجی شرمیلی مسکان کے ساتھ وہ آنکھوں کے راستے دل میں اتری جا رہی تھی۔ اور پھر وہ جیسے کسی ٹرانس کی کیفیت میں اس کے بہت قریب آ گیا۔ اس نے اس کا خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی پاکٹ سے نکال کر ڈائمنڈ رنگ اس کی مخروطی انگلی میں سجا دی۔ اور وہ اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آج ہماری شادی کے بعد پہلی عید ہے نا تو میں نے کہا کہ کچھ اسپیشل ہونا چاہیے۔ اس لیے اس دن باقی گفٹ دینے کے بعد یہ اپنے پاس عیدی کے لیے رکھ چھوڑی تھی۔ ویسے آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں اور اپنی اپنی بھی۔" ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھوں میں تھا۔

"آپ اتنی جلدی کیسے پہنچ گئے۔" وہ اس کی تعریف پر خجل سی ہوتی ہوئی بات بدل گئی۔

"عائشہ میں جانتا ہوں کہ عید کا دن بڑی برکتوں والا دن ہے۔ اس دن لوگ اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو معاف کر دیتے ہیں تو میں نے سوچا کہ کہیں میرے آنے جانے کے چکر میں یہ دن ڈھل نہ جائے۔ اس لیے میں صبح فجر کی نماز پڑھ کر فوراً" نکل آیا۔ کیونکہ عید کی نماز کے وقت سے پہلے مجھے یہاں پہنچنا تھا۔ تاکہ نماز ادا کر سکوں۔ اس طرح اللہ کا شکر ہے کہ میں بغیر کسی دقت کے یہاں پہنچ بھی گیا۔ اور نماز ادا کر کے آپ کے سامنے ہوں تاکہ اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ سکوں۔ میں نے صحیح کیا نا میں نے عید کا دن ڈھلنے نہیں دیا۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ بار بار مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہیں جبکہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ ورنہ میں آپ کے دیے ہوئے یہ کپڑے' جوتے' چوڑیاں ہرگز نہ پہنتی۔ الٹا معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہیے۔ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میری غلطیوں کے باوجود نا صرف مجھ سے شادی کی۔ بلکہ مجھے صحیح راہ دکھائی اور اپنے پیار کے قابل سمجھا۔ آئندہ مجھ سے ایسی بات نہ کیجیے گا۔ ورنہ میں سچ مچ ناراض ہو جاؤں گی۔" اس کی حسین آنکھوں میں خفگی تھی۔

"اوہو' میرا کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔ بس اپنے دل کی تسلی کے لیے آپ کے منہ سے کچھ اچھے الفاظ سننا چاہتا تھا صرف اپنے لیے' عائشہ پتا ہے جب میں نماز پڑھتا تھا نا تو میں جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا تو سب کے لیے دعا کرتا تھا۔ لیکن ان میں حقیقتاً" ایسا کوئی بھی نہ تھا جو میرا اپنا ہو۔ لیکن اب میں جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو میرے ہاتھوں کی اوک میں سب سے پہلے آپ کا چہرہ آتا ہے۔ آپ صرف میری ہیں' میری اپنی اب مجھے معلوم ہے میں اکیلا نہیں ہوں۔ اس بھری دنیا میں کوئی تو ایسا ہے جو میرے لیے ہے۔ عائشہ آپ کے آنے سے میری زندگی کی کتنی بڑی کمی دور ہوئی ہے یہ آپ محسوس ہی نہیں کر سکتیں۔ اس لیے میں آپ کو ناراض نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو کبھی ناراض نہیں ہونے دوں گا۔ کبھی نہیں۔" اس کی آنکھیں آج پہلے سے زیادہ شفاف لگ رہی تھیں۔ جن میں کوئی ریاکاری نہ تھی۔ اتنی لمبی ڈرائیونگ کے بعد بھی اس کے چہرے پہ تھکن نہ تھی۔ بلکہ نیکیوں کا نور بکھرا تھا۔

"حسنین آپ نے کہا کہ آپ مجھے ناراض نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن میں تو کبھی آپ سے ناراض ہوں گی ہی نہیں۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ بھی کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آپ کا میرے دل میں کیا مقام ہے آپ میرے لیے کیا ہیں۔ شاید میں لفظوں میں نہ بتا سکوں۔" اس نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔ آج اس کی مسکراہٹ بہت گہری تھی۔

"اوہو۔ باتوں باتوں میں مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ میں بابا جانی کے لیے شیر خرما لینے آئی تھی۔" اس نے ایک دم اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا اور جلدی جلدی چیزیں ٹرالی میں سیٹ کرنے لگی۔

"پھر ایسا کریں عائشہ کہ جلدی سے اپنا کام ختم کریں۔ کیونکہ ہم تینوں ابھی تھوڑی دیر میں گاؤں جانے والے ہیں بقیہ عید گاؤں میں کریں گے۔ وہاں سب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اور آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔" اس کو نظروں میں سموئے وہ بہت جذب سے کہہ رہا تھا۔

"اچھا آپ بابا کے پاس جا کر بیٹھیں میں ابھی آتی ہوں۔" اس کی نظروں سے گھبرا کر وہ جلدی سے رخ پھیر گئی۔ تو حسنین شاہ مسکراتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ اور پھر کام میں مگن عائشہ کے لب خود بخود مسکرانے لگے۔

☆ ☆

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں' مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے' وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل حور پہ رنگ چکی ہے' جس کے پیش نظر فائزہ بیگم' نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں' لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے' جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے' مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے' مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے' لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے' جو اسے کام کی آفر کرتا ہے' جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے' اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے' وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے' وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دل آور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے' وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے' اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا' اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

۱۵
پندرہویں قسط

اس کی رنگت یک لخت زرد پڑ گئی تھی' یوں جیسے کسی نے اچانک ہی کے ہزارویں حصے میں اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ ششدر سی کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے سے باہر دیکھ رہی تھی' اس کے ہاتھ پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے پڑ چکے تھے اور دل کی حالت ایسی تھی جیسے کسی نے سگریٹ کی طرح اپنے پیروں تلے مسل دیا ہو' جس کی اذیت اس کے پورے جسم و جاں میں سرایت کر گئی تھی اور ہونٹ محض کپکپا کے رہ گئے تھے۔

"اسد بھائی آپ؟" یہ مختصر سا تین لفظی جملہ زبان سے ادا کرنے میں بھی اسے دانتوں پسینہ آگیا تھا اور اس کی خوب صورت پیشانی حقیقتاً "عرق آلود ہو گئی تھی' وہ اپنے قدموں پہ بمشکل کھڑی تھی اسی لیے لرزتے ہاتھوں سے سہارے کے لیے نگارش کا بازو تھام لیا تھا۔ حالانکہ وہ بھی اپنے سامنے کھڑے اس کرخت شکل آدمی کو دیکھ کر کافی گھبرائی ہوئی تھی' لیکن زری جیسی حالت تو پھر بھی نہیں تھی' البتہ جب زری نے اس آدمی کو اسد بھائی کہا تھا تو نگارش بری طرح چونک گئی تھی' تب اسے پتا چلا کہ وہ آدمی کوئی اور نہیں عبداللہ اور زری کے بڑے بھائی اسد اللہ ہیں جن کو بارہا تصویروں میں دیکھا تھا' لیکن آج جب اچانک انہیں حقیقت میں اپنے سامنے دیکھا تھا تو وہ پہچان نہیں پائی تھی' بلکہ ان کی ہائٹ اور ان کا حلیہ دیکھ کر ڈر گئی تھی' تب ہی تو وہ یک دم چیخ کے پیچھے ہٹی تھی۔

ان کے کرخت چہرے کو ان کی بڑی بڑی مونچھیں اور بھی سفاک اور بے رحم بنا رہی تھیں' وہ اپنی موٹی موٹی سرخ خونخوار آنکھوں سے ان دونوں کا کافی گہرائی سے جائزہ لے رہے تھے' زری کے لیے ان کی خونخوار آنکھوں کے تیور نئے نہیں تھے۔ البتہ نگارش ضرور انجان تھی۔ اسی لیے اندر سے سہمی ہوئی تھی۔

"کیا اس عیاش ملک اور سفید چمڑی والے لوگوں میں رہ رہ کر اپنوں کی شکل بھی بھول گئی ہے تمہیں؟ اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ بولے تو ان کی بارعب اور دبنگ آواز پہ وہ دونوں ہی کانپ کے رہ گئی تھیں۔

"نن... نہیں بھائی... ایسی تو... کک کوئی... بات... نہیں ہے' بس... وہ... وہ... آپ کو اچانک... دیکھ... دیکھ کر... یقین نہیں آرہا تھا۔" زری نے بے ربط سے انداز میں تقریباً "ہکلاتے ہوئے کہا تھا اور دوپٹے کے پلو سے فوراً "پیشانی سے پسینہ پونچھا تھا۔

"السلام علیکم بھائی! آیئے آپ اندر آجایئے۔" نگارش نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے متانت سے انہیں سلام کیا اور اندر آنے کے لیے راستہ دیا تھا' کیونکہ وہ دونوں دروازے میں ہی کھڑی تھیں' لیکن ملک اسد اللہ نے نہ تو اس کے سلام کا جواب دیا تھا اور نہ ہی اپنے رسم و رواج اور روایات کے مطابق ان دونوں کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا' نگارش کو اندر سے خفت تو ہوئی تھی' لیکن یہ خفت اس نے ظاہر نہیں کی تھی' کیونکہ سچویشن ہی کچھ ایسی تھی کہ کچھ کہنا سننا ہی بے کار تھا۔

"راستہ دو۔" انہوں نے ہنوز سامنے کھڑی زری کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا' وہ فوراً "پیچھے ہٹ گئی تھی اور اس کے پیچھے ہٹتے ہی ملک اسد اللہ مضبوط قدم اٹھاتے اندر آگئے تھے۔ نگارش نے حیرت سے دروازے سے باہر دیکھا تھا' ان کے ساتھ کوئی سامان وغیرہ نہیں تھا۔ وہ خالی ہاتھ تھے اور اکیلے تھے' حیرت کی بات تھی' وہ پاکستان سے بغیر سامان کے آئے تھے؟

"بھابھی!" زری نے خوف کے مارے نگارش کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا' جسے کبھی نہ چھوڑنے کا ارادہ ہو۔

"ڈونٹ وری! کچھ نہیں ہوگا' تم ان کے پاس چلو' میں عبداللہ کو فون کر کے بتاتی ہوں۔" نگارش نے زری کو تھپکی دے کر تسلی دلائی تھی۔

"نہیں بھابھی... اب تو عبداللہ بھائی بھی کچھ نہیں کر سکتے' بلکہ اب تو کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔" زری کی آواز روہانسی ہو رہی تھی۔

"زری پلیز! اتنی جلدی حوصلہ مت ہارا کرو' یہ دنیا ہے اور دنیا میں کبھی بھی' کچھ بھی ہو سکتا ہے' یہاں ہر بات' ہر

کام' ہر سوچ ممکن ہے' یہ مت سوچو کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا' اسد بھائی بھی انسان ہیں' کوئی جن بھوت نہیں ہیں جو چند منٹوں میں ہی تمہیں اپنے پنجوں میں دبوچ کر پاکستان لے جائیں گے' تمہیں پاکستان لے کر جانا ان کے لیے اتنا آسان ثابت نہیں ہوگا' بہت سے مراحل سے گزرنا ہوگا اور سب سے بڑی بات کہ تمہارا پاسپورٹ عبداللہ کے پاس ہے اور بغیر پاسپورٹ کے لے کر جائیں گے تو خود ان پہ کیس بن جائے گا' اس لیے تم بے فکر رہو' تم محفوظ ہو' ان کے سامنے جاؤ اور ریلیکس طریقے سے بات کرو' بوکھلانے کی اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' یہ معاملہ تم نہیں عبداللہ ہینڈل کریں گے' اس لیے تمہیں اس مسئلے پہ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ڈرنے کی ضرورت ہے۔" نگارش نے اسے ذرا سا ڈانٹ کے سمجھایا تھا اور زری کو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات ماننا پڑی تھی' لیکن اسد بھائی کے سامنے جانے کا حوصلہ اور ہمت پھر بھی نہیں ہو رہا تھا۔

"ایم سوری بھابھی... میں ان کے سامنے نہیں جا سکتی' مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔" اس نے پھر بھی انکار کر ڈالا تھا۔

"اف! اگر اتنی ہی ہمت تھی تو محبت جیسی آگ دہکانے کی کیا ضرورت تھی؟" نگارش تلملا گئی۔

"بھابھی پلیز! آہستہ بولیے۔" زری اور بھی گھبرا گئی۔

"تو پھر جاؤ اندر' ان سے کھانا — اور چائے وغیرہ پوچھو۔" نگارش نے اسے اندر کی سمت دھکیلا۔

"مگر بھابھی وہ..."

"زری! پاگل ہو گئی ہو کیا؟ وہ اندر بیٹھے کیا سوچ رہے ہوں گے؟ اس طرح اکیلے بیٹھے بیٹھے تو انہیں اور بھی غصہ آئے گا' حالانکہ ہمیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" نگارش اسے ہر طرح سے سمجھا رہی تھی' لیکن وہ ابھی بھی ڈر رہی تھی۔

"تو پھر آپ میرے ساتھ آیئے۔" زری نے نگارش کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹا۔

"لیکن میں عبداللہ کو فون تو کرلوں؟"

"بعد میں کر لیجیے گا' پہلے اندر تو آیئے۔" زری اپنی جگہ سے ہلنے کو بھی تیار نہیں تھی' اس لیے نگارش کو اس کے ساتھ ہی آنا پڑا' لیکن اپنا اعتماد بحال کرنے کے بعد۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو ملک اسد اللہ انہیں فون پہ کسی سے محو گفتگو دکھائی دیے تھے' ان کو اک نظر دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ اپنی بات کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"وہ ابھی مصروف ہیں' تم یہیں ٹھہرو' میں عبداللہ کو فون کر کے ابھی آتی ہوں۔" نگارش نے کافی مدھم آواز میں سرگوشی کی اور زری کا ہاتھ چھوڑ کر پلٹ گئی۔

"ٹھہرو لڑکی۔" نگارش کے عقب سے ان کی گرج دار آواز ابھری تھی اور نگارش کے قدم دہلیز پہ ہی رک گئے تھے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گھبرا گئی تھی۔

"واپس آؤ۔" انہوں نے اسے واپس آنے کا حکم جاری کیا تھا۔

"جی کہیے؟" نگارش' عبداللہ کے بڑے بھائی ہونے کے ناتے ان کا احترام کرتی ہوئی مودب سی آکھڑی ہوئی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اسے فون کرنے کی' اسے خود آنے دو' آخر ہمیں بھی تو پتا چلے کہ اس کے آنے جانے کی روٹین کیا ہے؟ کتنی فکر رکھتا ہے وہ بہن اور بیوی کا۔" وہ غصے سے طنزیہ بول رہے تھے۔

"وہ شام سات بجے آئیں گے۔" نگارش نے اس کے آنے کا ٹائم پہلے سے بتا دیا۔

"او اچھا! تو شام سات بجے واپس آتا ہے' چاہے اس کے پیچھے اس کی بہن اور بیوی جو جی چاہے گل کھلاتی

رہیں؟" ملک اسد اللہ اپنے باپ کی طرح جب بولتے تھے تو اچھا برا کچھ بھی نہیں دیکھتے تھے، بلکہ بولتے ہوئے تو ان کی سوچ بھی مفلوج ہو کے رہ جاتی تھی کہ کیا بولنا ہے اور کیا نہیں بولنا؟

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" نگارش کو ان کی بات گولی کی طرح لگی تھی، وہ یک دم بلبلا اٹھی تھی۔

"مجھ سے دھیمی آواز میں بات کرو لڑکی، میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا، اس انجان ملک اور انجان شہر میں دو جوان لڑکیاں گھر پہ اکیلی ہوں تو کبھی بھی کوئی بھی گھر پہ آسکتا ہے، اگر میں آسکتا ہوں تو کوئی اور بھی آسکتا ہے۔ اور یہ بات ملک عبداللہ نے شاید کبھی سوچی ہی نہیں ہے؟" ان کی بد مزاجی کا تو نگارش کو پتا تھا، لیکن وہ شکی مزاج بھی ہیں، یہ ان کی باتوں سے اور طرز فکر سے ظاہر ہو رہا تھا۔

"نمبر ایک! میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں، ملک عبداللہ کی بیوی اور آپ کی بھاوج ہوں، میں اگر آپ سے دھیمی آواز میں بات کروں گی تو آپ کو بھی مجھ سے تمیز سے بات کرنا ہوگی، نمبر دو، آپ جب سے آئے ہیں غلط ہی تو کہہ رہے ہیں، یہ ملک اور یہ شہر آپ کے لیے انجان ہوگا، ہمارے لیے تو نہیں نا؟ ہم اس ملک اور شہر کے باسی ہیں، یہاں دو جوان لڑکیوں کی بجائے اگر ایک جوان لڑکی بھی گھر پہ ہوگی تو کبھی بھی کوئی بھی گھر پہ نہیں آسکتا، کیونکہ آنے والا بخوبی جانتا ہوگا کہ اس کا کیا حشر ہوگا؟ آپ کو بھی ہم نے خود آنے دیا ہے، ورنہ میری ایک فون کال ہی آپ کو اس گھر، اس شہر سے تو کیا اس ملک سے بھی نکلوا سکتی ہے، آپ پانچ منٹ کے اندر اندر اس ڈرائنگ روم کی بجائے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوں گے اور نمبر تین وہ ہی بہنیں اور بیویاں مرد کے گھر سے جانے کے بعد گل کھلاتی ہیں جن کو پابند کر کے اور قید کر کے رکھا جاتا ہے، جن پہ اعتماد نہیں کیا جاتا، جن کو دنیا سے کاٹ کے دیواروں سے لگا دیا جاتا ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ عبداللہ ایسے نہیں ہیں، انہیں بیوی پہ بھی اعتماد ہے اور بہن پہ بھی، لہٰذا آپ کو اس حوالے سے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن اس سب کے باوجود میرے لیے ایک بات بڑی اہم ہے کہ آپ عبداللہ کے بڑے بھائی ہیں، اس رشتے کے حوالے سے آپ میرے بھائی بھی ہیں اور جیٹھ بھی، آپ کا احترام سر آنکھوں پہ، جب تک عبداللہ نہیں آجاتے، آپ بیٹھیے، آرام کیجیے، اور حکم کیجیے کہ آپ نے کیا کھانا ہے؟ تب تک میں آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔" نگارش بولنے پہ آئی تو کمال کر دیا تھا۔ زری حیرت زدہ سی آنکھیں پھیلائے نگارش کو دیکھتی رہ گئی، نگارش اتنی اسٹرانگ تو کبھی بھی نہیں لگی تھی جتنی اس وقت لگ رہی تھی، تو گویا زری کے مقابلے میں وہ کسی کے بھی سامنے ڈٹ جانے کا حوصلہ رکھتی تھی؟ ملک اسد اللہ نے جواباً کچھ کہنا چاہا تھا، لیکن وہ اتنے میں اپنی بات مکمل کر کے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

"ہوں۔۔۔ تو اس تمیزدار بیوی سے شادی کی ہے ملک عبداللہ نے؟" وہ زیر لب طنزیہ سے لہجے میں بولے تھے۔

"نگارش بھابھی ایسی نہیں ہیں، بہت اچھی ہیں وہ۔" زری نے بھی اس کی طرف داری میں ذرا تاخیر نہیں کی تھی۔

"ہونہہ! جتنی اچھی ہے میں دیکھ رہا ہوں اور ہاں ہمارے خاندان میں اسی عورت کو بھاوج کہا جاتا ہے جو خاندانی ہو، اعلا حسب نسب کی ہو، اس کے آگے پیچھے بھرا پرا خاندان ہو، ہماری ہم پلہ اور ہماری ٹکر کی ہونی چاہیے ہماری بہو۔ کسی دو ٹکے کے خاندان کی دو ٹکے کی لڑکی ہماری بہو نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی ہم اسے بھاوج مانتے ہیں۔" وہ پھر بولے تھے اور بنا سوچے سمجھے ہی بولے تھے۔ زری نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا تھا۔

"بس بس۔۔۔ زیادہ طرف داری کرنے کی کوشش مت کرو، ہم بنا کہے ہی سب کچھ جانتے ہیں۔" ان کا لب و لہجہ حقارت لیے ہوئے تھا۔ جس پہ زری کو کافی تکلیف ہوئی تھی۔ لیکن دوبارہ بولنے کی جرات نہیں کر سکی تھی، اتنے میں نگارش بھی چائے لے کر وہاں آچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

مسلسل دو گھنٹے کی بھاگ دوڑ اور ڈاکٹرز کی ٹریٹ منٹ کے بعد صبح چھ بجے کے قریب اباجی کو ذرا سا ہوش آیا تو ان لوگوں کے دماغ ٹھکانے پہ آئے تھے آدھے گھنٹے بعد انہیں آئی سی یو سے ایمرجنسی وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا مریم تیزی سے آگے بڑھ کے ان کے سرہانے آکھڑی ہوئی تھی وہ ان کا ہاتھ تھام کے ہاتھ سہلانے لگی۔

"آپ لوگوں کی قسمت اچھی تھی کہ آپ انہیں بروقت ہسپتال لے آئے۔ ورنہ پندرہ منٹ یا آدھا گھنٹہ اور لیٹ ہو جاتے تو یہ اٹیک ان کی جان بھی لے سکتا تھا۔" ڈاکٹر رضوی ان کا بی پی چیک کرنے کے بعد عدیل کے پاس آکھڑے ہوئے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے، جس نے کسی کو فرشتہ بنا کر ہماری مدد کے لیے بھیج دیا ورنہ۔۔۔" عدیل ورنہ سے آگے کچھ کہہ ہی نہ سکا اس کا دھیان اچانک مدحیہ کی طرف چلا گیا تھا جو انہیں اس مشکل وقت میں یہاں تک چھوڑنے آئی تھی لیکن پارکنگ میں اترنے کے بعد عدیل کو اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا یہاں تک کہ اس کا شکریہ ادا کرنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی اور اب اس کا خیال آتے ہی عدیل کو اپنی سنگین ترین کوتاہی کا احساس ہوا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔! یہ کیا غلطی ہو گئی مجھ سے؟" عدیل سر پہ ہاتھ مارتا ہوا ڈاکٹر کو وہیں چھوڑ کے باہر کی سمت بھاگا، اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ ڈاکٹر رضوی کیا سوچیں گے۔۔۔؟ وہ اسپتال کے طویل ترین احاطے سے بھاگتا ہوا پارکنگ تک آیا اور ادھر ادھر متلاشی انداز میں نظروں دوڑانے لگا۔

وہ لوگ رات تقریباً ساڑھے تین بجے یہاں آئے تھے اور اس وقت خاصا گہرا اندھیرا تھا ہر طرف الیکٹرک پول اور لیمپ پوسٹ روشن تھے لیکن اس وقت صبح کے چھ بجے کا وقت تھا دہکتا سورج فی الحال اپنی نوخیز کرنوں میں نرمیاں سمیٹے ہوئے انگڑائیاں لیتا بے دار ہو رہا تھا۔ سورج کی ہلکی ہلکی کسمساہٹ ماحول پہ اک عجیب ساسحر طاری کیے ہوئے تھی، نئے دن کی شروعات ہو چکی تھی زندگی ایک بار پھر جاگ اٹھی تھی اور عدیل اس جاگے سوئے وقت میں نئے دن کی روشنیاں لے کر مدحیہ حیات کو تلاش کرتا پھر رہا تھا جیسے یقین ہو کہ وہ ابھی بھی وہیں ہوگی۔۔۔ لیکن ہر طرف نظر دوڑانے پہ بھی جب وہ کہیں نظر نہ آئی تو وہ مایوسی سے واپس مڑ گیا، دل میں پشیمانی ہلکورے لے رہی تھی وہ سر جھٹکتا ہوا پارکنگ باؤنڈری سے نکل رہا تھا جب اچانک دائیں طرف نگاہ اٹھی اور وہ بے یقینی سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

وہ اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی چپ چاپ ادھر ادھر آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور عدیل اسے دیکھ کر بے ساختہ مسکرا اٹھا تھا۔ اس کے قدم مدحیہ کی سمت اٹھنے لگے، وہ کافی دور کھڑی تھی۔ لیکن عدیل کو بے حد قریب لگ رہی تھی اتنی قریب کہ عدیل کی سانسیں معطر سی ہو گئی تھیں۔ آس پاس کا سارا ماحول ہی مہک اٹھا تھا کسی دلکش سے جذبے نے سب کچھ مہکا کے رکھ دیا تھا۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا۔۔۔ اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور نظریں اس کے چہرے پہ جما دی تھیں۔

"السلام علیکم۔" عدیل کا لہجہ تبھی کچھ اور ہی ہو رہا تھا۔ مدحیہ نے چونک کر اپنے سامنے دیکھا اور اسے دیکھ کر دوبارہ نظریں ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی جیسے اس نے اس کی آمد کا کوئی نوٹس نہ لیا ہو۔

"ایم سوری۔" وہ دوبارہ بولا مگر اب کی بار تو مدحیہ نے دیکھا بھی نہیں تھا کہ وہ سوری کسے کہہ رہا ہے۔

"دیکھیے میڈم۔۔۔! میں آپ سے مخاطب ہوں، اپنی غلطی پہ معافی مانگتا ہوں، آپ جو جی چاہے سزا دیں، بندہ حاضر ہے۔" اس نے ذرا سا سر خم کرتے ہوئے کہا تھا مدحیہ نے اس کے جھکے ہوئے سر کو گھور کے دیکھا۔

"کیسی معافی۔۔۔؟ اور کیسی سزا؟" اس کی طرح اس کا لہجہ بھی تیکھا تھا اور الفاظ بھی تیکھے تھے۔

"اپنی پریشانی میں آپ کو یہیں بھول گیا۔" عدیل کی نظریں اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کی گھنی مڑی ہوئی سیاہ پلکوں پہ ٹھہر گئیں اس کی شخصیت کا تیکھاپن اس کی پلکوں سے بھی عیاں ہو رہا تھا۔

"مسٹر! میں کوئی بے جان چیز نہیں ہوں جسے آپ جہاں چاہے بھول جائیں۔" وہ طنزیہ انداز میں چبا کر بولی

"اس وقت تو آپ مجھے بے جان چیز ہی لگ رہی ہیں، جسے جہاں چھوڑ کے گیا تھا، وہیں پہ ہے اگر جاندار ہوتی تو اپنی جان کا استعمال کرتے ہوئے یہاں سے وہاں ہو چکی ہوتی۔" عدیل کا لہجہ دلچسپ اور متبسم سا تھا مدحیہ نے یکدم سر اٹھا کے اسے دیکھا تھا وہ ڈائریکٹ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مدحیہ کو اس کی آنکھوں میں اک لو دیتا ہوا احساس اپنی سمت ہمکتا ہوا محسوس ہوا تھا تبھی وہ نظریں چرا کر اپنی جینز کی پاکٹ سے گاڑی کی چابی نکالنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہیں؟ اندر نہیں چلیں گی۔۔۔؟ میرے ابا جی کو ہوش آ چکا ہے۔ اور یہ سب آپ کی مہربانی سے ہی ہوا ہے۔"

"مہربانی جب بھی ہوتی ہے اوپر والے کی ہوتی ہے، کوئی بندہ کبھی بھی مہربان نہیں ہوتا جب تک کہ اوپر والا نہ چاہے۔"

"ماشاءاللہ! ایسی باتیں بھی کر لیتی ہیں آپ؟" عدیل کو مدحیہ سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی اسی لیے کہے بغیر رہ نہیں سکا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔؟" وہ غصے سے اس کی سمت پلٹی۔

"مطلب کہ ایک بار پھر مجھ سے گستاخی ہو گئی۔ معافی چاہتا ہوں۔" عدیل مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا کیونکہ اس کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔

"دیکھو مسٹر! میرے پاس معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے بہتر ہے کہ آپ اپنی بکواس اپنے تک ہی رکھیں۔"

"اوکے اوکے! اپنے تک ہی رکھوں گا، لیکن آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس مسٹر کا ایک نام بھی ہے جسے لوگ "عدیل عمر" کہتے ہیں۔ اب آپ کی مرضی کہ آپ مجھے عدیل کہتی ہیں یا عمر۔۔۔؟" عدیل نے مسکراتے ہوئے اسے اپنا نام بتایا تھا مدحیہ نے اسے استہزائیہ نظروں سے سرتاپا دیکھا تھا۔

"مجھے آپ کے نام سے کیا لینا دینا۔۔۔؟" وہ کندھے اچکا کے بولی۔

"لیکن مجھے تو آپ کے نام سے لینا دینا ہے نا، میڈم کہہ کہہ کے بوریت ہونے لگی ہے، پلیز یور گڈ نیم۔۔۔؟" عدیل نے انتہائی عاجزانہ انداز میں اس کا نام پوچھا تھا جس پہ مدحیہ نے کافی تیکھی اور تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"آپ کو میرے نام سے کیا لینا دینا۔۔۔؟"

"میڈم۔۔۔! ساری باتیں بتانے کے لیے نہیں ہوتیں، کچھ باتیں بس سمجھنے کے لیے ہوتی ہیں، آپ اپنا نام بتا دیں، میں کسی ایسی جگہ آپ کا نام لکھ دوں گا جو کورے کاغذ سے بھی زیادہ کوری ہوگی۔" نہ جانے عدیل کس موڈ میں تھا کہ بے ساختہ ہی کہہ گیا تھا اور مدحیہ کے تیور اور بھی بگڑ گئے تھے۔

"کس خوش فہمی میں ہیں آپ۔۔۔" وہ پھنکار کے بولی تھی جبکہ عدیل پھر بھی مسکرا دیا۔

"صرف اس خوش فہمی میں کہ جو انسان بے جان چیز بن کے میرے لیے اتنے گھنٹے ایک ہی جگہ پہ کھڑا رہ سکتا ہے تو اگر وہ جاندار بن جائے تو کیا ہو گا۔۔۔؟" عدیل نے برملا اظہار کیا تھا۔

"شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ! میں یہاں آپ کے لیے نہیں آپ کے فادر کے لیے کھڑی ہوں صرف اس لیے کہ شاید آپ کو دوبارہ کوئی کام پڑ جائے اور آپ کو دوبارہ ٹیکسی اور آٹو کے پیچھے نہ بھاگنا پڑے لیکن یہاں تو میرا

خیال ہے کہ کسی کی مدد کرنا بھی محال ہے لوگ اپنے مطلب کے لیے غلط مطلب نکال لیتے ہیں۔" مدحیہ نے اسے جھاڑ کے رکھ دیا تھا۔

"طریقہ غلط ہو تو غلط مطلب ہی نکلے گا نا میڈم...؟ آپ کو اگر میرے فادر کا اتنا ہی خیال تھا تو آپ کو اندر آ کر ان کی خیریت پوچھنی چاہیے تھی' آپ کو پتا تھا کہ ان کی اتنی سیریس کنڈیشن ہے پھر بھی آپ آرام سے پارکنگ میں کھڑی ہیں اندر جانے کی بجائے واپس جا رہی ہیں تو میں اس چیز کو کیا سمجھوں...؟ یہی نا کہ آپ میرے لیے میرے انتظار میں کھڑی تھیں...؟ میں آیا ہوں تو آپ جا رہی ہیں...؟ میرے فادر کی عیادت تو آپ نے پھر بھی نہیں کی؟" عدیل نے جیسے شکوہ کیا تھا اور مدحیہ اس کی باتوں پہ ایک بار پھر دھیمی پڑ گئی تھی۔

وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا اگر وہ یہاں اس کے فادر کے لیے کھڑی تھی تو اسے ان کے لیے اندر بھی جانا چاہیے تھا اگر وہ یہاں اتنا انتظار کرنے کے بعد بھی واپس پلٹ جاتی تو خود بخود ہی غلط مطلب نکل آتے' اس میں عدیل کی تو کوئی غلطی نہیں تھی۔ غلطی اس کی اپنی تھی جسے رفع کرنے کے لیے وہ سر جھکا کر ڈھیلے ڈھالے قدموں سے اس سمت چل پڑی جہاں سے عدیل اس کی طرف آیا تھا اور اسے ہسپتال کے اندرونی حصے کی سمت بڑھتے دیکھ کر عدیل بھی مسکراتے ہوئے اس کے ہمراہ ہو لیا تھا۔

پارکنگ سے ایمرجنسی وارڈ تک کا فاصلہ ان دونوں نے خاموشی سے طے کیا تھا دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تو مریم کی نظریں ان دونوں پہ ٹھہر سی گئی تھیں وہ لڑکی جو بھی تھی لیکن عدیل کے ساتھ چلتی ہوئی جچ رہی تھی۔

"ہیلو۔" مدحیہ نے قریب آ کے کافی آہستگی سے کہا تھا۔

"السلام علیکم۔" مریم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ مریم ہے میری چھوٹی بہن اور مریم یہ۔" عدیل اس کا تعارف کرواتے ہوئے رک گیا تھا۔

"مدحیہ حیات۔" مدحیہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا اور عدیل اس کے نام پہ مسکرا دیا۔

"مدحیہ..." وہ زیرِ لب دہرا کے بولا اور پھر اباجی کے قریب جا کھڑا ہوا تھا وہ بھی مدحیہ کو ہی دیکھ رہے تھے نظروں کا تاثر سوالیہ سا تھا۔

"اباجی! ان کا نام مدحیہ حیات ہے' عدیل بھائی کی دوست ہیں۔ رات ان کی گاڑی میں ہی آپ کو ہسپتال لے کر آئے تھے۔" مریم نے قریب جا کے انہیں تفصیل سے بتایا تھا فاروق نیازی کے چہرے اور آنکھوں سے شفقت کا احساس ابھرا تھا جبکہ مدحیہ اور عدیل لفظ "دوست" پہ ہی حیران اور جز بز ہو رہے تھے۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ...؟" مدحیہ سر جھٹک کر ان سے مخاطب ہوئی۔

"سوری مدحیہ جی! یہ بول نہیں سکتے۔" مریم نے آہستگی اور کافی دکھ سے کہا تھا جس پہ مدحیہ نے بری طرح چونک کر دیکھا تھا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ یہ بیمار ہیں' پیرالائز ہیں' اور ان کی یہ کنڈیشن پچھلے چار سال سے ایسی چلی آ رہی ہے۔" مریم کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔ اور مدحیہ جیسے دم بخود سی کھڑی رہ گئی اس نے کافی ششدر سے انداز میں مریم اور عدیل کے چہروں کی سمت دیکھا تھا۔

مریم چہرہ جھکائے اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ عدیل ایک دم چپ کھڑا تھا جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ ہو... مدحیہ تو رات سے یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کے اباجی کی ویسے ہی تھوڑی بہت طبیعت خراب ہوئی ہے تو ان شاء اللہ صبح تک ٹھیک ہو جائیں گے' لیکن وہ اذیت اور تکلیف کی کس اسٹیج پر ہیں...؟ یہ تو وہ اس وقت

جان ہی نہیں پائی تھی۔ یہ تکلیف تھی یا زندگی بھر کا عذاب تھا...؟ خود ان کے لیے بھی اور ان کے گھر والوں کے لیے بھی۔ چار سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ اور چار سال کسی کا ایسی تکلیف اور اذیت کو جھیلنا بھی کم نہیں تھا جس کو سوچ کر ہی مدحیہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور دل و دماغ میں دکھ اور افسوس کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"آپ کھڑی کیوں ہیں' بیٹھیے نا...؟" مریم اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی اور بیڈ کے قریب کھڑی مدحیہ کو بیٹھنے کا کہا تھا۔

"ایم سوری...! مجھے ان کی تکلیف کا اس حد تک اندازہ نہیں تھا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ معمولی سی طبیعت خراب ہے ان کے سینے میں تھوڑا بہت پین ہو رہا ہے تو یہ صبح تک ٹھیک ہو جائیں گے لیکن یہ سب تو..."

مدحیہ حیرت زدہ سی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے خاموش ہو گئی تھی۔

"اٹس اوکے! پہلی بار دیکھنے پہ کسی کو بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ خیر آپ پریشان نہ ہوں' اللہ رحم کرے گا' آپ بیٹھیے' آرام سے بات کیجیے۔ آپ بھی رات سے ہمارے ساتھ ہی جاگ رہی ہیں' ابھی تو ناشتا بھی کرنا ہو گا آپ نے...؟" مریم کافی نارمل بات کر رہی تھی یوں جیسے پہلے سے جان پہچان ہو جبکہ مدحیہ نے ناشتے کا سن کر بے ساختہ اپنے سیل فون سے ٹائم چیک کیا تھا پونے سات بجے کا وقت ہو رہا تھا گویا رات تمام ہو چکی تھی اور وقت کی رفتار گھوم پھر کے دوبارہ وہیں پہ آ گئی تھی جب کل صبح وہ اپنے گھر سے نکلی تھی کل صبح شاید نو دس بجے کا ٹائم تھا اور اب صبح کے سات بج رہے تھے...

"خیریت...؟ کیا ہوا ہے...؟ کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ...؟"

عدیل اس کے دیکھنے کا انداز سمجھ گیا تھا۔

"ہوں! آئی تھنک مجھے اب چلنا چاہیے۔ ٹائم بہت ہو چکا ہے۔" وہ مریم اور فاروق نیازی کو دیکھتے ہوئے عدیل سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ایز یو وش میڈم' آئیے میں آپ کو پارکنگ تک چھوڑ آؤں۔" عدیل اسے روک بھی تو نہیں سکتا تھا تبھی تو فوراً "سر" خم کر دیا تھا۔

"اوکے مریم جی! نائس ٹو میٹ یو۔ اللہ حافظ انکل۔" مدحیہ نارمل سے انداز میں کہتی ہوئی مریم سے ہاتھ ملا کر پلٹ گئی تھی۔

"آپ دوبارہ کب آئیں گی؟" مریم نے شاید اپنے بھائی کے دل پہ لکھا سوال پڑھ لیا تھا جسے سن کر مدحیہ کے قدم یکدم تھم گئے تھے اس نے پلٹ کر مریم کو دیکھا۔

"فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتی' آپ کی یاد میں اثر ہوا تو ضرور آؤں گی۔" مدحیہ اسے جواب دے کر ٹھہری نہیں تھی باہر نکل آئی اس کے پیچھے عدیل بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نکل آیا تھا۔

"ایک بات پوچھ سکتا ہوں آپ سے۔" عدیل نے اس کے برابر چلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا مدحیہ نے چلتے چلتے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"پوچھیے۔" اس نے اجازت دی۔

"رات کے دو بجے آپ تنہا سڑکوں پہ کیا کر رہی تھیں؟" عدیل کے ذہن میں رات سے دبا ہوا سوال اٹھ آیا تھا جس پہ مدحیہ کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے اور پیشانی پہ ناگوار بل پڑ گئے اور اس کا ازلی غصہ عود کے سامنے آیا تھا۔

"میرا اور آپ کا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ مجھ سے کوئی پرسنل سوال پوچھیں' میری ذرا سی نرمی سے شاید آپ اپنی حد بھول گئے ہیں' میں رات کے دو بجے تنہا سڑکوں پہ کیا کر رہی تھی۔ یہ میرا اور میرے گھر والوں کا مسئلہ

ہے۔ آپ کو اس فکر میں ہلکان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، سمجھے آپ...؟" اس نے پل میں عدیل کو کھری کھری سنا ڈالی تھیں اور عدیل اس کے اس قدر جلدی بدلتے روپ کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اس نے مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی عدیل اور کچھ کہتا بھی تو کیا کہتا...؟ سوائے معذرت کرنے کے...!

"ایم سوری میڈم! میں واقعی پرسنل ہو گیا تھا یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ میں آپ کی ذرا سی نرمی پہ اپنی اوقات، اپنی حد بھول گیا تھا۔ جس پہ میں بہت شرمندہ ہوں۔ ایم رئیلی سوری۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں معذرت کر رہا تھا اور مدحیہ اس پہ ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر تنتناتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ اور عدیل وہیں راستے میں کھڑا رہ گیا مدحیہ نے پلٹ کر اسے دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی اپنی جینز کی پاکٹ سے چابی نکال کے لاک کھولا اور گاڑی نکال لے گئی تھی حالانکہ اسے خود بھی پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔؟

☼ ☼ ☼

وہ دن بھر کی تھکن اور رات بھر کے رت جگے سے کافی بجھ سی گئی تھی لیکن اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی فائزہ بیگم کی بھی کال آئی تھی وہ اسے واپس آنے کے لیے واسطے دے رہی تھیں لیکن مدحیہ کی ایک ہی شرط تھی اور اس کی یہ شرط ماننا ان کے لیے مشکل تھا جبھی مدحیہ نے یکدم فون بند کر دیا تھا اور اپنے پیٹ کی بھوک کا بندوبست کرنے کے لیے "آواری" کا رخ کیا تھا۔

اس نے رات سے کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے اس نے کافی ہیوی ناشتا آرڈر کیا تھا۔ اس نے ناشتا پوری رغبت سے کیا تھا تبھی ناشتے کے بعد طبیعت فریش ہو گئی تھی لیکن ریسٹورنٹ سے نکل کر وہ اپنی گاڑی تک پہنچی ہی تھی کہ ساری فریشنس ہوا ہو گئی گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے اس کا سیل گنگنایا تھا اور جیسے ہی اس نے نمبر دیکھا اس کے ہونٹ بھینچ گئے تھے اور اعصاب میں تناؤ آ گیا... کیونکہ کال کرنے والا دل آور شاہ تھا۔

"ہیلو...!" مدحیہ کی اتنی جرات نہیں تھی کہ اس کی کال ڈس کنیکٹ کرتی...

"دل آور شاہ بات کر رہا ہوں۔" اس کے غصے کی لپک اس کی بات سے ہی ظاہر ہو گئی تھی۔

"جی! میں جانتی ہوں۔"

"صرف جانتی ہو نا، پہچانتی نہیں ہو۔"

"پہچانتی... بھی ہوں۔"

"تم اگر پہچانتی تو پوری رات اور پورا دن گھر سے باہر نہ گزارتیں، جس لاہور کی سڑکیں بھی دل آور شاہ کو سلام کرتی ہیں تم انہی سڑکوں پہ دل آور شاہ کا سر نیچا کرتی پھر رہی ہو۔" وہ غصے اور غضب سے بھرا ہوا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ آپ کا سر نیچا ہو۔"

"شٹ اپ مدحیہ، جسٹ شٹ اپ! اپنی زبان کو لگام دو، تم جو کچھ کر چکی ہو، میرا سر نیچا کرنے کے لیے وہی کافی ہے۔"

"بھائی آپ کو چوٹ لگی ہے تو آپ کس قدر بلبلا رہے ہیں، اسی طرح آپ میری چوٹ کا بھی تو اندازہ کیجیے۔" وہ دبے لہجے میں چبا کر بولی تھی دونوں بہن بھائی کے میٹر گھومے ہوئے تھے۔

"تمہیں جو چوٹ لگی ہے وہ ہمیں بتاتی کیوں نہیں ہو...؟"

"افسوس! میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں، جو میری چوٹ اور میری اذیت کو بیان کر سکیں، جس کے بعد یقیناً آپ بھی اور میرا معصوم اور سادہ لوح بھائی نبیل بھی منہ چھپانے پہ مجبور ہو جائیں گے، لیکن میں بیان کروں بھی تو کیسے؟ اسی لیے تو کہتی ہوں کہ اس شخص کے ہوتے ہوئے میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی، اگر میں وہاں رہی تو بہت

بڑا ہنگامہ ہو جائے گا۔"

وہ انتہائی نفرت اور حقارت سے بات کر رہی تھی۔

"دیکھو مدحیہ! میں نے اس وقت تم سے کوئی بحث کرنے کے لیے فون نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ اگر تمہیں میری عزت اور میری غیرت کا ذرا سا بھی احساس یا کوئی پروا ہے تو تم جہاں کہیں بھی ہو ابھی اور اسی وقت گھر واپس چلی جاؤ۔ میں اگر خود لاہور میں ہوتا تو تمہیں اپنے گھر لے جاتا، لیکن تمہارا اکیلے گھر میں جانا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس لیے تمہیں واپس اپنے گھر ہی جانا ہوگا۔ نبیل تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" دل آور نے فیصلہ مدحیہ پہ چھوڑ دیا۔

"لیکن دل آور بھائی میں وہاں..."

"میں نے تمہیں فورس کرنے کے لیے فون نہیں کیا بس یہ کہا ہے اگر تمہیں میری عزت اور میری غیرت کا ذرا سا بھی احساس ہے تو واپس گھر چلی جاؤ۔ نہیں تو آج کی رات بھی باہر سڑکوں پہ ہی گزار لینا، میں دوبارہ تمہیں کچھ نہیں کہوں گا، اوکے اللہ حافظ۔" دل آور نے دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور مدحیہ جوں کی توں کھڑی رہ گئی۔ دل آور شاہ ایک بھائی ہونے کے ناتے ہر بار اس کے آڑے آ جاتے تھے اور وہ ان کی وجہ سے ہر بار بے بس ہو جاتی تھی اس وقت بھی اسے خون کے گھونٹ پی کر ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

بڑی حویلی میں آج جیسے پرجوش سی ہلچل مچی ہوئی تھی ینگ جنریشن نے اک اودھم سا مچا رکھا تھا ساری تیاری افراتفری کے سے عالم میں ہو رہی تھی اور یہ افراتفری زیادہ تر لڑکیوں کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ کوئی دوپٹہ میچ کر رہی تھی تو کوئی اپنے جوتے، کسی کو سوٹ سے میچنگ بیگ چاہیے تھا، تو کسی کو میچنگ جیولری کی ضرورت تھی۔

انوشہ اور حرمت مبارک خان کو ساتھ لیے مارکیٹ گئی ہوئی تھیں انہوں نے اپنی کچھ ضروری شاپنگ کرنا تھی، کومل اور جویریہ کو بیوٹی پارلر جانے کی ضرورت تھی اس لیے وہ دونوں جودت کے پیچھے پڑ گئیں حالانکہ جودت ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ لیکن اسے اپنی کومل آپا سے بڑی انسیت تھی زیادہ دیر انکار نہ کر سکا اس لیے مانتے ہی بنی۔

"لیکن میرے پاس تو بائیک ہے۔ آپ بائیک پہ کیسے جائیں گی۔؟"

"تو کسی سے گاڑی لے لو نا۔"

"ایم سوری! میری ڈرائیونگ کے پیش نظر کوئی بھی مجھے اپنی گاڑی نہیں دیتا۔" جودت شرارت سے ہنسا۔

"تو پھر...؟" کومل اور جویریہ پریشان ہو گئیں۔

"پھر یہ کہ گاڑی آپ مانگیں تو مل سکتی ہے۔" جودت نے آنکھوں آنکھوں میں — آذر کی سمت اشارہ کیا تھا جو باہر لان میں بیٹھا چائے پیتے ہوئے میگزین دیکھ رہا تھا۔

"میں مانگوں...؟" کومل بدک گئی۔

"جانا بھی تو آپ نے ہے، بالوں کی کٹنگ، تھریڈنگ اور فیشل بھی تو آپ نے کروانے ہیں کون سا میں کروانے جا رہا ہوں۔" جودت نے لاپروائی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے اور کومل یکدم تلملا گئی تھی۔

"تم بہت خبیث ہو جودت۔"

"جی! میں جانتا ہوں۔" وہ اتنی سعادت مندی سے بولا کہ جویریہ سے مسکراہٹ دبانا مشکل ہو گیا۔ "جاؤ نا گاڑی مانگوا نے۔" کومل نے اشارہ کیا۔

"اُن سے...؟" جودت نے آنکھیں مٹکائیں۔
"ہاں! ان سے۔" وہ زچ ہو چکی تھی۔
"توبہ کومل آپا توبہ! میرے باپ' دادا کی بھی توبہ' میں اوکھلی میں سر نہیں دے سکتا' یہ کام کرنا ہے تو آپ نے خود ہی کرنا ہے' ورنہ میں گیا تو میری کلاس شروع ہو جائے گی' اس لیے پلیز...." اس نے کومل کو راستہ دیا۔
"مگر میں...."
"یار! چلی جاؤ' پہلے ہی اتنا ٹائم ویسٹ ہو چکا ہے۔" جویریہ ان کی بحث سے جھنجلا اٹھی تھی۔
"جائیے نا۔" جودت نے معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"کبھی نہ کبھی تمہیں بھی کوئی کام پڑ ہی جائے گا جودت' لیکن دیکھنا تم سے بدلہ نہ لوں تو میرا نام بھی کومل آفندی نہیں۔" وہ اسے وارن کرتی ہوئی اپنا دوپٹہ شانے پہ درست کرتے ہوئے لان میں نکل آئی تھی۔
"السلام علیکم۔" اس نے آذر کے قریب جا کے سلام کیا تھا۔
"والسلام۔" آذر نے میگزین سے نظریں ہٹا کر کومل کی سمت دیکھا تھا۔
"آپ فارغ ہیں؟" کومل کو پوچھتے ہوئے کافی جھجک محسوس ہوئی تھی۔
"جی! کیوں؟ خیریت؟"
"آپ نے کہیں جانا تو نہیں ہے۔" اس نے ہمت کر کے اگلا سوال پوچھا۔
"فی الحال تو کوئی کام نہیں ہے' اس لیے ابھی کہیں نہیں جانا' آپ کو کوئی کام ہے کیا؟" آذر حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"جی... وہ دراصل آپ کی گاڑی چاہیے تھی کچھ دیر کے لیے۔"
"وہ کس لیے؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔
"وہ ہم لڑکیوں نے بیوٹی پارلر جانا تھا۔"
"تو مبارک خان کہاں ہے اس کے ساتھ چلی جائیں۔"
"وہ حرمت اور انوشہ کو لے کر مارکیٹ گیا ہوا ہے' انہوں نے کچھ شاپنگ کرنی تھی۔"
"او اچھا۔" آذر کو چپ ہونا پڑا تھا۔
"ساتھ کون جا رہا ہے؟"
"جودت...."
"اوکے! آپ چابی لے جائیں' لیکن جودت سے کہیے گا کہ گاڑی ہوش و حواس میں رہ کر ڈرائیو کرے۔" آذر نے کہتے ہوئے سامنے ٹیبل پہ اپنے موبائل کے ساتھ رکھی کی چین اٹھا کر کومل کی طرف بڑھادی۔
"تھینک یو' تھینک یو سو مچ۔" کومل چابی لے کر اس کا تھینکس کہتی ہوئی — پلٹ گئی۔
"کومل...." آذر نے پیچھے سے آواز دی۔
"جی" کومل جی جان سے واپس مڑی تھی۔
"آپ کی طبیعت کیسی ہے اب۔" اس کے پوچھنے پر کومل یکدم سٹپٹا گئی۔
"ٹھیک ہوں۔"
"ماشاءاللہ بڑی جلدی ٹھیک ہو گئی ہیں۔" وہ متبسم سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"تھوڑی دیر پہلے ٹیبلٹ لی تھیں۔"
"اوکے! اچھی بات ہے' جا سکتی ہیں آپ۔" آذر نے نارمل سے انداز میں مسکراتے ہوئے اسے اجازت دی اور کومل سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی تھی' جودت اور جویریہ پودوں کی اوٹ میں کھڑے کومل کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"یہ لو ذلیل انسان۔" اس نے چابی اس کی ہتھیلی پہ پٹخ دی۔
"ذلیل انسان نے آپ کی ملاقات کروادی اور کیا چاہیے آپ کو؟" جودت اسے چھیڑتا ہوا گاڑی کی سمت بڑھا تھا اور پھر انہیں ساتھ لیے گاڑی نکال لے گیا تھا۔ حویلی میں اب مدحت' انیہ اور علیزے ہی رہ گئی تھیں۔
مدحت اور انیہ اپنے تمام ڈریسز ملازمہ سے پریس کروا کے بیگ میں رکھوا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ اپنے ماسک اور مساج بھی جاری تھے' جبکہ علیزے ان سب چیزوں سے بے نیاز تھی' اسے نہ تو کسی ماسک اور مساج کی ضرورت تھی اور نہ ہی بیوٹی پارلر کی' اور اس کے ڈریسز بھی پہلے سے ہی اتنے موجود تھے کہ وہ مہینہ بھر بھی کہیں رہنے کے لیے جاتی تو روز نیا ڈریس زیب تن کر سکتی تھی' اس لیے باقی سب کے مقابلے میں وہ کافی ریلیکس اور سکون میں تھی' البتہ اسے اپنے ملازموں کا کافی خیال تھا' اس نے رجو کو پیسے دے کر شاپنگ کے لیے بھیجا ہوا تھا' لیکن کوشش کے باوجود اسے منصور حسین کہیں بھی دکھائی نہیں دیا اور اسی کو ڈھونڈنے کے خیال سے وہ باہر نکل آئی تھی۔
"السلام علیکم آذر بھائی۔" علیزے آذر کو دیکھ کے وہیں چلی آئی تھی۔
"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔" آذر کے چہرے پہ خوشگواریت چھا گئی تھی۔
"آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں؟" علیزے اس کے مقابل والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔
"میں اکیلا کب ہوں؟" آذر نے دلچسپی سے مسکرا کے کہا۔
"کیا مطلب؟ کون ہے آپ کے ساتھ؟"
"تم...."
"میں...؟" علیزے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیران ہوئی' لیکن پھر اس کی بات سمجھ کر مسکرا اٹھی۔
"اوہ! تو آپ ابھی کی بات کر رہے ہیں؟"
"شاید...."
"ہوں! لگتا ہے کافی خوش گوار موڈ میں ہیں؟"
"ہنڈرڈ پرسینٹ۔" آذر نے اثبات میں سر ہلایا۔
"ریزن...؟" علیزے نے فوراً" پوچھا۔
"وِدآؤٹ ریزن۔"
"آئی کانٹ بلیو اٹ۔" وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔
"بلیو می۔" آذر نے مسکرا کے کہا۔
"اوکے! بٹ۔"
"اینی وے سویٹ ہارٹ' تم یہ سب چھوڑو' یہ بتاؤ کہ کس کام سے آئی ہو۔" آذر نے بات بدلی۔
"آپ سے ڈرائیور کا پوچھنے آئی تھی۔"
"کسی ڈرائیور کا؟"
"اپنے ڈرائیور کا۔"
"اوہ! منصور حسین کا؟"
"جی! اسی کا پوچھنے آئی ہوں' کہاں ہے وہ؟ صبح سے ڈھونڈ رہی ہوں؟"

"گاڑی سروس کروانے گیا ہوا ہے' تھوڑی دیر تک آجائے گا' کوئی کام ہے کیا؟"

"نہیں! کچھ خاص کام نہیں ہے' بس اسے مارکیٹ بھیجنا ہے۔" علیزے نے کندھے اچکائے۔

"تمہاری تیاری مکمل ہو گئی۔"

"نہیں پیکنگ ابھی کرنی ہے' رجو مارکیٹ سے آئے گی تو پیکنگ کردے گی۔"

"لو وہ منصور حسین بھی آگیا۔" آذر کی نظر گیٹ کی سمت اٹھی تھی اور چمکتی دمکتی لشکارے مارتی مرسیڈیز گیٹ سے اندر آرکی' منصور حسین گاڑی سے اترا ہی تھا کہ آذر نے اشارے سے قریب بلالیا تھا' وہ بھاری قدم اٹھاتا سبز گھاس بوٹوں تلے روندتا ہوا ان کے پاس آکھڑا ہوا۔

"السلام علیکم صاحب۔"

"وعلیکم السلام! کہاں تھے تم؟"

"جی گاڑی سروس کروانے گیا ہوا تھا۔"

"تو اتنی دیر کیوں لگادی' دوپہر سے نکلے ہوئے ہو تم؟"

"گاڑی ورکشاپ چھوڑ کر اپنے گھر والوں سے ملنے چلا گیا تھا' اتنے دن ہو گئے تھے گھر گئے ہوئے' کافی اداسی ہو رہی تھی' ماں جی اور بابا جی بھی اداس تھے' ان سے مل آیا ہوں تو خوش ہو گئے ہیں وہ' کہہ رہے تھے یہ نوکری چھوڑ دو' جس میں تم ہمیں بھی بھول گئے ہو۔" منصور حسین بتاتے ہوئے بھی اداس اور بوجھل بوجھل سا لگ رہا تھا۔ آذر چاہ کر بھی مزید کچھ نہ کہہ سکا' اتنے میں آذر کا سیل فون بج اٹھا تھا اور وہ کال اٹینڈ کرتا ہوا علیزے سے ایکسکیوز کر کے اٹھ کر لان کی دوسری سائیڈ پہ چلا گیا تھا۔

"کیا تمہارے پاس نئے کپڑے نہیں ہیں؟" علیزے نے پہلی بار منصور حسین کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا تھا' اس کے سستے سے بے رنگ کپڑے علیزے کی طبیعت کے خلاف تھے' وہ تو اپنے ملازموں کو بھی خوشبوؤں میں بسا ہوا دیکھنا چاہتی تھی' فریش اور تازہ دم' منصور حسین ویسے تو صاف ستھرا' دھلا دھلایا سا رہتا تھا' بس اس کے کپڑے پرانے اور بدرنگ سے تھے جن کو وہ ہر بار دھو کر پہنتا تھا' لیکن ان میں پھر بھی کوئی خاص چمک دمک نہیں آئی تھی۔

"نہیں بی بی جی! نئے کپڑوں کی کیا ضرورت ہے؟ تین جوڑے ہیں وہ ہی کافی ہیں' کل صاحب سے تنخواہ ملی تھی وہ آج اپنے گھر والوں کو دے آیا ہوں' ان شاءاللہ آئندہ تنخواہ ملی تو نیا جوڑا لینے کی کوشش کروں گا۔"

"یعنی نیا سوٹ لینے کے لیے مہینہ بھر انتظار کرو گے؟"

"جی! تو اور کیا کروں؟" منصور حسین کے چہرے پہ تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تم ایسا کرو کہ ابھی مارکیٹ جاؤ اور اپنے لیے کپڑے لے کر آؤ' پیسے میں تمہیں دیتی ہوں۔" علیزے کی بات پہ منصور حسین نے بری طرح چونک کر اپنی علیزے بی بی کی طرف دیکھا تھا کہ یہ عنایت بھلا کس لیے؟

"کپڑے؟" منصور حسین کو یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں کپڑے! رجو کو بھی بھیجا ہے' وہ بھی اپنے کپڑے لینے گئی ہوئی ہے' تم بھی جا کر لے آؤ۔" علیزے نہ جانے کیا کہہ رہی تھی منصور حسین کے کچھ پلے نہیں پڑا تھا۔

"لیکن بی بی جی کپڑے کس لیے لینے ہیں؟" وہ نا سمجھی سے پوچھ رہا تھا۔

"کیا کل صبح ٹرپ پہ نہیں جانا؟"

"جی ہاں! جانا ہے۔"

"تو اسی لیے تمہیں اور رجو کو کہہ رہی ہوں تاکہ تم دونوں بھی نئے کپڑے لے لو' سب نے نئے کپڑے لیے ہیں'

رجو بھی چلی گئی ہے' صرف تم رہ گئے ہو۔" علیزے کو اب اپنے ڈرائیور کی فکر تھی کہ وہ نئے کپڑوں میں نہیں ہو گا تو برا لگے گا۔

"اوہ اچھا! تو اس لیے کہہ رہی ہیں آپ؟" منصور حسین دھیما پڑ گیا تھا۔

"ہوں! آؤ میرے ساتھ۔" علیزے کہتی ہوئی کرسی سے اٹھ کر آگے بڑھ گئی اور منصور حسین نے بے دلی سے قدم اس کے پیچھے ہی بڑھا دیے تھے۔

وہ آگے آگے چلتی ہوئی چھوٹے سے پل سے گزر کر لان کراس کر کے مین ڈور کے سامنے والے حصے کی سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اندر کوریڈور میں داخل ہوئی تھی اور منصور حسین بھی اس کے پیچھے آرہا تھا۔ سیڑھیوں کے قریب جا کر علیزے ٹھہر گئی۔

"تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔" وہ کہہ کے سیڑھیاں چڑھ گئی اور منصور حسین وہیں کا وہیں اسٹیچو بن کے کھڑا ہو گیا تھا' لیکن ابھی چند سیکنڈ گزرے ہی تھے کہ وقار آفندی اور عائشہ آفندی دونوں بہن بھائی ڈرائنگ روم سے نکلتے ہوئے دکھائی دیے تھے۔

منصور حسین' وقار آفندی کے ساتھ چلتی سادہ اور نفیس سے لباس میں ملبوس اس خوب صورت اور گریس فل سی عورت کو دیکھ رہا تھا' جس سے بات کرتے ہوئے وقار آفندی کے چہرے پہ شفقت اور ملائمت بالکل اسی طرح پھیلی ہوئی تھی جیسے علیزے سے بات کرتے ہوئے ان کی پوری شخصیت پہ طاری ہو جاتی تھی' وہ عورت جو بھی تھی اس کی شخصیت بھی وقار آفندی سے کم نہیں تھی' ان کی تمکنت' ان کا وقار' ان کی چال ڈھال سے ہی جھلک رہا تھا۔

"یہ یقیناً" بڑے صاحب کی بہن ہوں گی؟" منصور حسین نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا۔

"سلام صاحب۔" اتنے میں وہ دونوں قریب آچکے تھے' اس لیے منصور حسین کو فوراً" سلام کرنا پڑا۔

"والسلام! تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟"

"وہ علیزے بی بی نے بلایا تھا۔"

"کیوں؟"

"شاید کہیں بھیجنا ہے۔"

"اوہ اچھا اچھا! اس نے تمہیں کپڑے لینے کے لیے بھیجنا ہو گا؟ صبح سے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔" وقار آفندی کو جیسے یاد آگیا تھا۔

"جی! شاید اسی لیے۔" منصور حسین نے سر ہلایا۔

"ہوں! ٹھیک ہے، لیکن گاڑی سروس کروائی تم نے؟"
"جی! کروالی ہے۔"
"سامان وغیرہ چیک کیا؟"
"نہیں صاحب! سامان رات کو چیک کروں گا اور رات کو ہی رکھ لوں گا۔"
"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔" وہ بھی اس کی بات سمجھ چکے تھے کہ ایسا کام سب کے سامنے کرنا ٹھیک نہیں، وہ رات کو ہی سب کچھ کرلیتا تو ہی ٹھیک ہوگا۔
"اور ان سے ملو، یہ علیزے کی اکلوتی پھوپھی اور ہماری اکلوتی ہمشیرہ ہیں، عائشہ آفندی، یہ بھی ٹرپ پہ ساتھ جائیں گی، ان کا بھی خیال رکھنا۔" منصور حسین نے چونک کر دیکھا تھا، اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا، وہ وقار آفندی کی بہن ہی تھیں۔
"سلام بیگم صاحبہ۔" اس نے مرعوب سے انداز میں سلام کیا، حالانکہ وہ مرعوب ہوتا نہیں تھا۔
"والسلام! کون ہے یہ؟" عائشہ آفندی نے وقار آفندی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"علیزے کا ڈرائیور ہے، منصور حسین۔" انہوں نے سرسری سا بتایا۔
"منصور حسین؟" عائشہ آفندی نے زیرلب دہراتے ہوئے اسے سرتاپا دیکھا تھا وہ واقعی کڑیل جوان مرد تھا، وہ کتنا بہادر اور کتنا مضبوط تھا، یہ اسے دیکھ کر ہی احساس ہو جاتا تھا، لیکن پھر بھی آنکھیں اور گردن جھکائے کھڑا تھا۔
"ڈرائیور! یہ لو پیسے۔" علیزے کی مداخلت پہ تینوں نے چونک کر دیکھا تھا۔
"پیسے...؟" منصور حسین کی تنخواہ کے علاوہ پیسے لینا ہمیشہ ہی عجیب لگا تھا، اس کا ضمیر ہی گوارا نہیں کرتا تھا کہ کوئی اس پہ ترس کھائے یا ہمدردی کرے۔ وہ بس محنت کرکے کھانے پہ خوش ہوتا تھا، اس کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ صاحب نے اسے نوکری دے دی ہے۔
"ہاں! جاؤ جاکر اپنے کپڑے لے آؤ۔" علیزے نے اسے پیسے تھماتے ہوئے کہا، منصور حسین نے وقار آفندی کو دیکھا۔
"ہاں! منصور حسین رکھ لو اور جاکر کپڑے خریدو، تمہارے کپڑے خاصے پرانے ہیں۔" انہوں نے بیٹی کی ہاں میں ہاں ملائی۔
"ٹھیک ہے صاحب اور بی بی جی مہربانی آپ کی۔" وہ سر ہلا کر کہتا ہوا ان تینوں کو اللہ حافظ کہہ کے کوریڈور کی طرف بڑھ گیا تھا اور علیزے مطمئن سی ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

"گڈ مارننگ ڈیڈ۔" وقار آفندی اس وقت ڈائننگ ہال میں عون اور عدید کے ساتھ اکیلے بیٹھے باتیں کر رہے تھے، جب آذر بھی وہیں چلا آیا تھا۔
"مارننگ مائی سن مارننگ! آؤ بیٹھو۔" انہوں نے اپنی بائیں سائیڈ والی کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا، کیونکہ دائیں سائیڈ پہ عون اور عدید بیٹھے ہوئے تھے۔
"باقی سب کہاں ہیں؟" آذر کو صبح صبح ڈائننگ ہال میں پھیلے سناٹے پہ حیرت ہوئی تھی۔
"سب اپنی اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دے رہے ہیں۔" عدید نے شرارت سے جواب دیا تھا، جس پہ وقار آفندی اور آذر بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔
"گڈ مارننگ ڈیڈ۔" کومل کی آواز پہ ان چاروں نے بیک وقت سر اٹھا کر ڈائننگ ہال کے داخلی دروازے کی سمت

دیکھا، وائٹ اور فیروزی بارڈر والی وائٹ لانگ شرٹ اس کے پاؤں کو چھو رہی تھی، لائٹ سے میک اپ اور جیولری کے ساتھ اس کی تیاری بھی کمال کی تھی، آذر نے سرسری سا ہی سہی لیکن اسے سرتاپا دیکھا تھا اور کومل کی کھڑے کھڑے ہی اپنی تیاری پہ کی گئی محنت وصول ہوگئی تھی۔
"ویسم ٹو بیٹا! بیٹھو نا، ناشتا کرو۔" انہوں نے آذر کے برابر والی کرسی کی سمت اشارہ کیا، لیکن وہ اس کے برابر بیٹھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی، اس لیے عون اور عدید کے برابر بیٹھ گئی۔
"گڈ مارننگ۔" جودت نے اندر داخل ہوتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔
"گڈ مارننگ ڈیڈ۔" احمد اور حماد بھی چلے آئے۔
"گڈ مارننگ ڈیڈ۔" حرمت، مدحت، جویریہ اور انیہ بھی ایک ساتھ اندر داخل ہوئی تھیں، رفتہ رفتہ پورا ہال فل ہوگیا۔ اسرار آفندی اور ثروت بیگم بھی آچکے تھے، البتہ ثمرہ بیگم اور اظہار آفندی گھر پہ نہیں تھے۔ وہ کراچی گئے ہوئے تھے۔
"گڈ مارننگ پاپا۔" اتنی بہت ساری آوازوں میں علیزے کی نرم سی آواز ابھری تو ساری آوازیں تھم گئی تھیں۔
"ارے پاپا کا بیٹا، پاپا کا جانو، آگیا۔" وقار آفندی نے بازو وا کردیے تھے، آج علیزے گھر سے باہر جارہی تھی، اس لیے ان کا انداز، ان کا لہجہ بے حد والہانہ سا تھا۔ علیزے ان کے سینے سے لگ گئی۔
"بس کریں پاپا! علیزے آپی اکیلی تو نہیں جارہیں؟ باقی سب بھی تو جارہے ہیں۔" عون نے انہیں ٹوکا۔
"باقی سب تو کہیں نہ کہیں جاتے ہی رہتے ہیں، لیکن میرا بچہ تو پہلی بار جارہا ہے۔" وقار آفندی نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔
"تو پھر آپ اپنے بچے کو یا تو گھر پہ رکھ لیں یا پھر خود ساتھ چلے جائیں۔" آسیہ آفندی نے بھی خفگی سے مداخلت کی تھی، جس پہ وہ سب ہنس پڑے تھے اور اسی ہنسی مذاق میں انہوں نے ناشتا کیا اور روانگی کے لیے اپنی گاڑیوں تک پہنچ گئے۔
جانے سے پہلے وقار آفندی نے رجو اور منصور حسین کو بلا کر ایک بار پھر ہدایات جاری کی تھیں اور تب ان سب کو رخصتی کا پروانہ دیا تھا وہ سب اپنا اپنا سامان پہلے ہی گاڑیوں میں رکھوا چکے تھے، اس لیے سب سے مل کر اپنی گاڑیوں میں آبیٹھے تھے۔ البتہ وقار آفندی، علیزے کو خود گاڑی تک چھوڑنے آئے تھے۔ وہ رخصت ہوئی تو وہ اندر گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

چار گاڑیوں پہ مشتمل یہ قافلہ انجان اور ان دیکھی منزل کی سمت گامزن تھا، سب سے آگے علیزے کی گاڑی تھی، جس میں منصور حسین، رجو اور علیزے تھے، اس کے پیچھے آذر کی گاڑی تھی، جس میں وہ چاروں بہن، بھائی تھے۔ آذر، جودت، حرمت اور مدحت... ان کے پیچھے احمد کی گاڑی تھی، جس میں وہ پانچوں بہن، بھائی موجود تھے۔ احمد، حماد، کومل، جویریہ اور انیہ، اور سب سے آخر میں دانیال کی گاڑی تھی، جس میں دانیال، زین، انوشہ اور ان کی والدہ محترمہ عائشہ آفندی تھیں۔
عائشہ آفندی اکثر بیمار رہتی تھیں، جس کی وجہ سے ڈاکٹرز اکثر ہی انہیں آب وہوا تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے تھے، لیکن وہ اپنے بھائیوں کے اصرار کے باوجود بھی کبھی شہر سے باہر نہیں گئی تھیں، لیکن اس بار جب سب بچوں نے ہالی ڈیز منانے کا پروگرام بنایا تو وقار آفندی نے باقاعدہ انہیں بلا کر ساتھ جانے کا مشورہ دیا تھا اور اس بار چاہتے

ہوئے بھی وہ انکار نہیں کرپائی تھیں کہ اب وہ اکیلی نہیں تھیں' سب بچے ساتھ تھے اور یہ ہی احساس ان کی طبیعت کو اور بھی تازگی بخش گیا تھا' وہ ساتھ چلنے کے لیے مان گئی تھیں اور اب انجوائے بھی کررہی تھیں اور انجوائے تو علیزے بھی کررہی تھی' جیسے ہی گاڑی لاہور کی ہنگامہ خیز سڑکوں سے نکل کر موٹروے پہ آئی تو ان سب کی طبیعت پہ خوش گوار سا اثر پڑا تھا۔

"علیزے بی بی۔" رجو نے بے ساختہ اسے مخاطب کیا تھا۔

"ہوں...؟" علیزے گاڑی سے باہر کے مناظر دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ پہلی بار مری جارہی ہیں؟" رجو کو چپ بیٹھنا عذاب لگ رہا تھا۔ جب ہی بولنے کے لیے راستے نکالا۔

"ہاں پہلی بار جارہی ہوں۔" علیزے نے اثبات میں جواب دیا ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا ڈرائیو کرتا منصور حسین ان دونوں کے سوال جواب با آسانی سن رہا تھا۔

"تو آپ پہلے کبھی کیوں نہیں گئیں؟ حالانکہ امیر لوگوں کے بچے تو ہمیشہ گرمیوں میں ہالی ڈیز منانے مری ضرور جاتے ہیں؟" رجو کو سب پتا بھی تھا' پھر بھی حیرت کا اظہار کررہی تھی۔

"وہ امیر لوگوں کے بچے ہوتے ہیں' بڑی حویلی کے نہیں۔" رجو' علیزے کے جواب پہ متاثر تو ہوئی' لیکن چپ نہیں ہوسکی۔

"بے شک بڑی حویلی کے بچوں پہ پابندی ہے' لیکن علیزے بی بی آپ پہ تو کوئی بھی پابندی نہیں ہے' آپ تو ہر جگہ جاسکتی ہیں۔"

"ارے! تمہیں کس نے کہا کہ مجھ پہ کوئی پابندی نہیں ہے؟ مجھ پہ جتنی پابندیاں ہیں کبھی میرے پاپا سے تو پوچھو' وہ ہی تمہیں بتائیں گے۔" علیزے کو رجو کی کم عقلی پہ حیرت ہورہی تھی۔

"لیکن علیزے بی بی! وہ پابندی تو نہ ہوئی نا؟ وہ تو احتیاط ہے' بڑے صاحب کو پتا جو ہے کہ آپ ذرا ذرا سی بات کا اثر لے لیتی ہیں' طبیعت خراب ہوجاتی ہے' آپ کی نازک مزاجی کے لیے ہی تو احتیاط کرتے ہیں وہ؟"

"مجھے نازک مزاج بھی تو انہوں نے ہی بنایا ہے نا۔" علیزے ہلکے سے مسکرائی تھی اور رجو کے ساتھ ساتھ منصور حسین نے بھی دل ہی دل میں اس کی بات کی تائید کی تھی' منصور حسین کو کچھ ہی عرصہ ہوا تھا اس حویلی میں آئے ہوئے' لیکن وہ اس کچھ ہی عرصے میں جان چکا تھا کہ اس پوری حویلی میں جو اہمیت علیزے بی بی کی ہے وہ کسی اور کی نہیں ہے' اس کا رہن سہن شہزادیوں سے کم نہیں تھا۔ وہ بڑی حویلی کی ریاست کی شہزادی تھی اور شہزادیوں کی سی زندگی گزار رہی تھی' منصور حسین کو کبھی کبھی بڑی حیرت ہوتی تھی کہ اس چھوٹی سی لڑکی میں آخر ایسا کیا تھا جو اسے باقی سب سے ممتاز اور منفرد بناتا تھا۔

شاید یہ کہ وہ وقار آفندی کی بیٹی تھی' لیکن وقار آفندی کے دو بیٹے بھی تو تھے' انہیں تو کبھی ایسا پروٹوکول نہیں ملا تھا جیسا علیزے کو ملتا تھا۔ یا پھر یہ کہ وہ سب کزنز سے چھوٹی تھی' لیکن نہیں' بات تو پھر وہیں پہ آجاتی تھی کہ چھوٹے تو عون اور عدید بھی تھے جو علیزے سے بھی چھوٹے تھے اور ایسے ناز نخرے تو کبھی ان کے بھی نہیں اٹھائے گئے' جیسے ہر روز علیزے کے اٹھائے جاتے تھے؟ یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ اس سارے پروٹوکول کی وجہ اس کی حد درجہ خوب صورتی تھی' ایسی خوب صورتی جو منصور حسین نے اپنی اٹھتیس سالہ زندگی میں آج تک نہیں دیکھی تھی' بلکہ جو دیکھی تھی وہ ساری خوب صورتی ایک طرف اور علیزے آفندی کی خوب صورتی ایک طرف تھی' بلکہ پھر بھی دیکھا جاتا تو علیزے کے حسن کا پلڑا بھاری ہی رہتا' کیونکہ وہ بلاشک وشبہ ایک حسین ترین لڑکی تھی۔ اس کی دودھیا رنگت سے لے کر زعفرانی ہونٹوں تک دلکشی کی بہاریں سجدہ ریز ہوتی نظر آتی تھیں' اس کے معصوم رخساروں پہ کئی دلوں کی دھڑکنیں بوسہ دیتی تھیں اور کئی دل اس کی نوک پلک پہ ٹھہر جاتے تھے' شیشے کی

شفاف آنکھوں میں کوئی اپنا عکس دیکھ لیتا تو اپنی دنیا ہار دیتا اور اسی دنیا کے خوف سے وقار آفندی اسے چھپا کے' سنبھال سنبھال کے رکھتے تھے اور اسے دیکھ کر یہ اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ واقعی وہ ایسی چیز تھی' جس کی حفاظت کرنا ضروری تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ اسے سینت سینت کے رکھا جاتا اور الگ پروٹوکول دیا جاتا' لیکن حیرت کی بات تھی کہ اس بار وقار آفندی نے اسے چھپا چھپا کے رکھنے کی بجائے سب کے ساتھ ٹرپ پہ بھیج دیا تھا۔

"تو پھر صاحب نے آپ کو ٹرپ پہ کیوں بھیج دیا؟" منصور حسین کے ذہن میں آئے سوال کو رجو نے زبان دے دی۔

"وہ تو اب بھی نہیں بھیج رہے تھے' بس میں نے تھوڑی ضد کی اور تھوڑا آذر بھائی نے ساتھ دیا تو مجبوراً انہیں ماننا پڑا۔" علیزے کی ایک اور بڑی خوبی تھی کہ وہ حد سے زیادہ معصوم اور سادہ تھی' نیک نیت اور صاف دل لڑکی تھی' رجو کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی اس کی معصومیت ہنوز تھی۔

"بڑے صاحب آپ سے پیار بھی تو بہت کرتے ہیں' ان کی تو جان ہے آپ میں۔" رجو نے مسکرا کے کہا تھا۔ جواباً علیزے بھی مسکرائی۔

"میری بھی جان ہے ان میں' ان جیسا باپ کوئی ہو ہی نہیں سکتا' وہ ہیں تو میں ہوں' میرے پاپا میرا فخر ہیں۔" علیزے کے چہرے پہ محبت کے سائے اتر آئے تھے اور وہ بے ساختہ اپنا سیل فون اٹھا کر انہیں میسج لکھنے لگی اور پھر "آئی مس یو اور آئی لو یو" کے کئی میسج ایک ساتھ وقار آفندی کے نمبر پہ سینڈ کرڈالے تھے' جن کے فوری بعد ان کی کال آگئی تھی۔

"ریئلی پاپا! میں پہلی بار شہر سے باہر جارہی ہوں' بہت عجیب بھی لگ رہا ہے اور بہت اچھا بھی' لیکن اس کے باوجود میں آپ کو بہت مس کررہی ہوں' ابھی رجو کے ساتھ بھی آپ کی ہی باتیں کررہی تھی۔" علیزے شاید پہلی بار اتنے جوش سے بول رہی تھی' دوسری طرف وقار آفندی ہنس رہے تھے کہ ان کی بیٹی کو باہر جاکر بولنا آگیا ہے۔

"آئی لو یو پاپا۔" علیزے نے بے ساختہ اظہار کیا تھا اور اس کے ایسے پرجوش سے انداز پہ منصور حسین نے بلا ارادہ ہی اسے بیک ویو مرر سے دیکھا تھا' وہ بے پناہ خوش تھی اور سچی خوشی کے رنگ اس کے پورے چہرے پہ بکھرے ہوئے تھے۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔" منصور حسین نے دل ہی دل میں کہتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ بڑھادی تھی' کیونکہ آذر پیچھے سے ہارن پہ ہارن دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نگارش... نگارش... کہاں ہو؟ یہ دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے؟" شام سات بجے عبداللہ گھر آیا تو گھر کا دروازہ خلاف معمول کھلا ہوا ملا تھا۔ جس پہ اسے اچھی خاصی تشویش ہوئی تھی۔

"نگارش..." وہ نگارش کو پکارتا ہوا آرہا تھا۔

"کہاں ہو تم؟ اور یہ دروازہ..." جیسے ہی عبداللہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا اس کی زبان کو بریک لگ گئے تھے۔ کیونکہ سامنے کا منظر ہی کچھ ایسا تھا' ناقابل یقین۔

ملک اسد اللہ اپنی نخوت اور جاہ جلال سمیت سامنے ہی صوفے پہ براجمان تھے اور ان کے مقابل والے صوفے پہ زری اور نگارش خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھیں' یوں جیسے انہوں نے باندی بنا کے بٹھا رکھا ہو۔ لیکن اس ساری سچویشن سے ہٹ کے عبداللہ مرد تھا' مضبوط اعصاب کا مالک' اس نے چند سیکنڈ میں ہی اپنے تمام تاثرات

کور کر لیے تھے' وہ کوئی بھی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ ظاہر کر کے انہیں خود پہ حاوی ہونے کا موقع فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس نے حیرت کے باوجود بھی اپنی حیرت ظاہر نہیں کی تھی' بلکہ ایک دم پر سکون اور مطمئن سا نظر آنے لگا تھا' تب ہی قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

"السلام علیکم۔" وہ اس سے بغل گیر ہونے کے لیے نہیں اٹھے تھے' بس ہاتھ ملا کر مصافحہ کرنے پہ اکتفا کیا تھا۔

"والسلام! کیسے ہو؟"

"اللہ کا احسان ہے' ٹھیک ٹھاک ہوں' آپ سنائیں آج ہمارے غریب کدے کو رونق کیسے بخش دی؟" عبداللہ بریف کیس ٹیبل پہ رکھ کے صوفے پہ بیٹھ چکا تھا۔

"بس پاکستان میں گرمی اور لوڈشیڈنگ ہو رہی تھی' اس لیے سوچا ہم بھی ذرا انگلینڈ کی فضاؤں سے لطف اٹھا لیں۔" وہ صوفے کے ہتھے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے تھے۔

"اور یقیناً" آپ نے ابھی تک انگلینڈ کی فضاؤں سے لطف نہیں اٹھایا ہوگا؟" عبداللہ خفیف سا مسکرایا تھا۔

"اٹھائیں گے' سارے لطف اٹھائیں گے' پہلے تم لوگوں سے مل ملا تو لیں۔" ان کا انداز مبہم سا تھا۔

"او کے! ملنا بھی ہوتا رہے گا' پہلے آپ یہ بتائیں کہ کھانا وغیرہ کھایا آپ نے؟" عبداللہ ساری باتیں چھوڑ کے مہمان نوازی پہ اتر آیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کھانے کی' کھانا ہم وہیں سے کھائیں گے جہاں سے پچھلے دو دن سے کھا رہے ہیں۔" انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

"یعنی آپ کو یہاں آئے ہوئے دو دن ہو گئے ہیں؟" عبداللہ نے پوائنٹ کی بات نوٹ کی تھی۔

"بالکل....."

"تو دو دن پہلے کیوں نہیں بتایا آپ نے؟"

"بس کوئی ضروری کام نبٹانا تھا۔"

"تو نبٹ گیا کام؟"

"ایک نبٹ گیا ہے اور ایک رہ گیا ہے۔" انہوں نے کہتے ہوئے نظریں زری پہ جما دی تھیں اور عبداللہ ان کی بات اور ان کی نظروں کا مفہوم با آسانی سمجھ گیا تھا۔

"جو رہ گیا ہے اسے رہنے ہی دیں۔"

"کیوں؟ آخر کیوں رہنے دیں؟"

"کیونکہ اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔" عبداللہ نے کھلم کھلا انہیں دھمکی دی تھی اور ان کا بیٹھے بیٹھے خون کھول اٹھا تھا' وہ یک دم دھاڑ اٹھے تھے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

☼ ☼

ماہ وش

بلاعنوان

پنجاب یونیورسٹی تو ویسے ہی بہت مشہور ہے مگر اس کے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کا۔ گلیمر نا صرف نیو کیمپس اور اولڈ کیمپس بلکہ سارے پنجاب میں مشہور ہے۔ اس ڈیپارٹمنٹ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ عموماً" ہر ناول یا افسانے کا ہیرو یا ہیروئن زندگی میں ایک بار اس سبجیکٹ میں ماسٹرز ضرور کرتے ہیں۔ اب چاہے ہیرو کو ہیروئن ملنے کا اتفاق اس ڈیپارٹمنٹ میں ہو یا نہ ہو اس سے کہانی کو کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ کسی بھی سبجیکٹ کی ڈگری سے کہانی کو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر

ہیرو یا ہیروئن کے ساتھ صرف ایم۔اے اکنامکس لگا دینے کے بعد رائٹر چاہے ان کے حسن کے قصیدوں کے علاوہ اور کچھ نہ لکھے مگر پڑھنے والوں۔کے ذہن میں خود ہی ان کی پرسنالٹی کے بارے میں ایک خاکہ سا بن جاتا ہے کہ وہ بہت جینئس ہے، بہت اسٹائلش اور حاضر جواب ہے جہاں جائے اپنی دلفریب شخصیت سے چھا جائے وغیرہ وغیرہ۔

میں نے بھی بی اے میں اکنامکس کا مضمون صرف اسی لیے لیا تاکہ میں بھی اس گلیمرس لائف کا ایک حصہ بن سکوں۔ چلو ایم۔اے میں نہ سہی بی۔اے میں ہی زندگی میں کبھی اکنامکس تو پڑھی ہو۔ بندہ کسی کو بتا تو سکے کہ ہاں جی میں نے بھی اکنامکس پڑھی ہے۔ ہاں اور اگر بتاتے بتاتے بی۔اے کو ایم۔اے کر دیا جائے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ آج کل کے سامنے میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ یونیورسٹی جا کر تصدیق کرے۔

جب کوئی مجھ سے پوچھتا کہ آپ کے بی۔اے میں کیا سبجیکٹ ہیں تو میں فخر سے بتاتی "اکنامکس" تب پوچھنے والا حیرانی سے مجھے دیکھتا اور کہتا۔

"اتنا ٹف اور خشک مضمون، دیکھ لو پڑھ لوگی۔" اور میں فوراً" تقریر کے لیے کھڑی ہو جاتی۔

"ہماری قوم کا اصل المیہ ہی یہ ہے کہ وہ محنت سے جی چراتی ہے اور ہم لوگوں کے ترقی نہ کرنے کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔ انسان کو اکنامکس کا مضمون زیادہ نہ سہی کم از کم یہ تو بتاتا ہے کہ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔"

اب میں اصل بات تو کسی کو نہیں بتا سکتی تھی۔ میری امی نے بھی مجھے ایک بار کہا کہ اتنا ٹف مضمون نہ لو تب میں نے ایسی دھواں دار تقریر کی اکنامکس کی حمایت میں کہ دوبارہ کسی نے مجھے کچھ نہیں کہا۔

مگر جب اکنامکس کو پڑھنے کا وقت آیا تب مجھے احساس ہوا کہ اکنامکس کو پڑھنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے اور اس وقت تک سبجیکٹ کو تبدیل کرنے کا وقت بھی نہیں رہا تھا۔ اب میں ان رائٹرز کو کوس رہی تھی جنہوں نے اس سبجیکٹ کا بے دریغ اور سوچے سمجھے بغیر استعمال کیا تھا اور شکار میں ہوئی تھی۔ مگر اب چونکہ گلے میں پڑا ڈھول بجانا تھا اس لیے زبردستی ذہن میں یہ بٹھانا پڑا کہ یہ میرا فیورٹ سبجیکٹ ہے اور اسی لیے میں اسے پڑھ رہی ہوں اور کوئی وجہ نہیں ہے۔

فرم کا نفع نقصان پڑھ کر ہر معاملے میں نفع نقصان نظر آنے لگا۔ منڈی کے حالات میں مکمل مقابلہ کے تحت خرید و فروخت پڑھ کر رونے کو دل چاہتا اشیاء و خدمات کی قیمت متعین کرنے کے ایسے ایسے طریقے لکھے ہوتے کہ بس، Consumer کی طلب اور رسد کے خطوط سے مجھے اپنی سہیلی کے خط یاد آجاتے مگر ان دونوں خطوط میں ایک فرق تھا۔ میری سہیلی کے خط دلچسپ ہوتے ہیں اور یہ والے خط نا سمجھ میں آنے والے۔

اکنامکس کے ایسے ایسے اصول ہوتے جو حقیقی زندگی میں کبھی بھی عمل میں نہیں آسکتے اس لحاظ سے ان کو پڑھنا بے کار تھا مگر سب سے زیادہ تفصیل بھی انہی قوانین کی ہوتی۔ کسی بھی اکانومی کے دو بڑے پرابلم ہیں Unemployment اور Inflation اور ان دونوں کی موجودگی میں Economy کام نہیں کر سکتی مگر پاکستان کی زندہ مثال اس قانون کی بھی نفی کرتی ہے بلکہ پاکستان کی مثال تو اکنامکس کے ہر اصول کی نفی کرتی ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان میں اکنامکس کو پڑھانا ہی بے کار ہے۔

ایسی باتیں پڑھ پڑھ کر میرا رونے کو دل چاہتا (پاکستان کے حالات پر نہیں، اکنامکس کے مضمون پر اور اس وقت اپنی قوم کا المیہ بھول جاتا۔)

اور سب سے پہلا کام جو میں نے بی اے کے امتحانوں کے بعد کیا وہ اکنامکس کی کتابوں کو اٹھا کر اسٹور کی سب سے اونچی شیلف پر رکھنے کا تھا۔ اس کے بعد چھٹیوں میں ڈھیر سارے رسالے پڑھے اس مرتبہ بھی اگرچہ کہانیاں ساری مختلف تھیں مگر اکثر میں جو یکسانیت تھی وہ اکنامکس میں ایم۔اے کی تھی مگر اس مرتبہ میں اس گلیمر کا شکار نہ ہوئی اور نہ ہی حسرت

زدہ ہو کر سوچا کہ یہ کیسا سبجیکٹ ہوگا۔ بلکہ مجھے ان کرداروں پر ترس آیا جو نا صرف اتنی مشکل کہانی کو چلا رہے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اس مضمون کو بھی برداشت کر رہے ہیں جو رائٹر نے ان پر مسلط کر دیا ہے۔

جب میرا بی۔اے کا رزلٹ آیا تو میں اپنا اتنا غیر یقینی رزلٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ باقی سبجیکٹ میں تو جتنے بھی نمبر تھے مگر میری حیرانی کی اصل وجہ میرے اکنامکس کے نمبر تھے جو کافی زیادہ تھے۔ میرے ابو کی تو خوشی کی انتہا نہیں تھی وہ میرے چھوٹے بہن بھائیوں کو کہتے کہ "اپنی باجی سے سبق سیکھو۔ وہ اپنی پڑھائی میں جتنی محنت کرتی ہے اس کے اتنے ہی اچھے نمبر آتے ہیں۔" گھر میں باقی سب بھی بہت خوش تھے مگر جس طرح ہر خوشی ہمیشہ کے لیے نہیں ہوتی اسی طرح میری خوشی کو بھی کسی کی نظر لگ گئی شاید میری اپنی۔

ایک دن میں اپنے لان میں بیٹھی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ لوڈو کھیل رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ "یہ دن کتنے خوبصورت اور پرسکون ہیں نہ کوئی فکر ہے اور نہ پریشانی اگر زندگی اسے کہتے ہیں تو زندگی ایک حسین ترین چیز ہے۔" ابھی میں سوچوں میں ہی غرق تھی کہ مجھے ابو کی آواز آئی وہ امی سے کہہ رہے تھے۔

"پنجاب یونیورسٹی کے ایڈمیشن ہو رہے ہیں کیا خیال ہے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ سے ایم۔اے اکنامکس کے فارم لے آؤں ہما کے اکنامکس میں کافی اچھے نمبر ہیں اگر اس کا اس ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ انسان کو کم از کم ایم۔اے کسی ڈھنگ کے مضمون میں کرنا چاہیے۔"

ابو ابھی اور بھی نہ جانے کیا کہہ رہے تھے وہ میں نے سنا ہی نہیں۔ اتنا ہی سن کر ایسا لگا تھا جیسے کسی نے میرا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔

اگلے ہی دن ابو فارم لے آئے۔ مجھے فارم آنے کا اتنا دکھ نہیں تھا جتنا ان لوگوں کے رویے سے ہوا تھا۔ مجھ سے پوچھا بھی نہ گیا کہ تم ایم اے کرنا چاہتی ہو یا نہیں اور اگر کرنا چاہتی ہو تو کس مضمون میں۔ اگر پوچھ لیتے تو میں کہہ دیتی کہ اب میرا ارادہ گھر بیٹھ کر امی کا ہاتھ بٹانے کا ہے۔ میں نے دل میں عہد کر لیا کہ میں فارم نہیں بھروں گی اور اگر بھرنا پڑ گیا تو غلط بھروں گی تاکہ داخلہ کے چانس ختم ہو جائیں مگر میرے سارے ارادے دھرے کے دھرے رہ گئے جب دوسرے دن ابو خود ہی فارم بھر کر جمع کروا آئے۔ مگر میں اب بھی ناامید نہیں تھی مجھے یقین تھا کہ میرا داخلہ اس ڈیپارٹمنٹ میں نہیں ہو سکتا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس ڈیپارٹمنٹ کا میرٹ ساری یونیورسٹی میں سب سے زیادہ ہے اور سارے پنجاب میں صرف میرے ہی نمبر اچھے نہیں ہیں۔

پہلی لسٹ فارم جمع کروانے کے دو ہفتے بعد لگنی تھی یہ پورا ہفتہ میں نے دعائیں کرنے میں گزارا۔ جس روز پہلی لسٹ لگنی تھی اس دن امی ابو صبح سے بے چین تھے۔ مگر میں پرسکون تھی مجھے کیا پریشانی ہونی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میرا نام نہیں آئے گا اور وہی ہوا پہلی لسٹ کا میرٹ اتنا زیادہ تھا کہ یہ بھی مشکل لگتا تھا کہ میرا نام چوتھی لسٹ میں آئے گا اور اس کے ساتھ ہی ایک ویٹنگ لسٹ بھی لگی تھی میرا نام اس لسٹ میں پچاسویں نمبر پر تھا۔ میرے ابو اب بھی پر یقین تھے کہ میرا داخلہ اس ڈیپارٹمنٹ میں ضرور ہوگا۔

آخر کار تیسری لسٹ میں میری امی کی دعائیں اور ابو کا یقین پورا ہو گیا اور میں اتنے گہرے صدمے کے زیر اثر تھی کہ مجھے پتا ہی نہ چلا کب میرا داخلہ ہو گیا۔

جس روز یونیورسٹی میں میرا پہلا دن تھا اس دن میں اتنا کنفیوز ہو رہی تھی کہ جس وقت بھائی نے مجھے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے اتارا۔ میری ٹانگیں بری طرح سے کانپ رہی تھیں۔ بھائی کے جانے کے بعد میں اس پوری یونیورسٹی میں تن تنہا (محاورتاً") رہ گئی۔ لڑکھڑاتی ہوئی اپنے ڈیپارٹمنٹ تک پہنچی تو وہاں مجھے دور دور تک اپنے کالج کی کوئی لڑکی نظر نہ آئی۔ میری سہیلیوں نے بھی اس سبجیکٹ کو مزید پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ کسی کو بھی اس خشک سبجیکٹ میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

آخر خدا خدا کر کے مجھے کلاس ملی تو میں وہاں جا کر

بیٹھ گئی۔ کلاس میں کافی زیادہ اسٹوڈنٹ تھے میں حیران تھی کہ یہ لوگ اپنے شوق سے آئے ہیں یا میری طرح زبردستی۔

اچانک ہی کلاس میں شور اٹھا۔ "سر آرہے ہیں، سر آرہے ہیں۔" سب اسٹوڈنٹ محتاط ہو کر بیٹھ گئے پھر ایک "عجیب سے سر" کلاس میں دو چار لڑکوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ سر نے ہاتھ میں ایک "عجیب سی کاپی" پکڑی ہوئی تھی۔ سر جب بلیک بورڈ کے سامنے جاکر کھڑے ہوئے تو ساری کلاس میں خاموشی چھا گئی۔ پھر سر نے اپنا تعارف کروایا۔ سر کو اگر ان کی ڈگریوں کے حوالے سے دیکھا جاتا تو ان کی عمر پچاس سال سے کم نہیں تھی مگر ظاہری طور پر وہ بائیس تیئس سال کے لگتے تھے۔

اپنے تعارف کے بعد سر نے کلاس سے اپنا تعارف کروانے کو کہا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اپنے بارے میں کچھ بتاتا باہر سے ایک لڑکا بھاگتا ہوا آیا۔

"سر آرہے ہیں بھاگو" بلیک بورڈ کے سامنے کھڑا "سر" ایک لمحے کو گڑبڑایا اور دوسرے لمحے وہ چھلانگیں لگاتا سب سے پہلے کلاس سے باہر تھا۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے دوسرے اسٹوڈنٹ گرتے پڑتے کلاس سے باہر بھاگنے لگے۔ اتنے میں ایک سر جو اپنی شکل سے واقعی سر لگتے تھے کلاس میں آچکے تھے اور حیرانی سے کلاس میں ہونے والی اس بھاگ دوڑ کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ان کے جانے کے بعد کلاس میں خاموشی چھا گئی۔ سر نے کہا۔

"اگر یہاں کوئی اور پارٹ ٹو کا بیٹھا ہے تو وہ ابھی نکل جائے۔" اس کے ساتھ ہی دو تین اسٹوڈنٹ مزید اٹھے اور باہر نکل گئے۔ اب سر نے ساری کلاس پر ایک نظر ڈالی اور اپنا تعارف کروایا۔ پھر ہمارا تعارف ہوا۔ اس کے بعد سر نے اس سبجیکٹ کا تعارف کروایا جو انہوں نے پڑھانا تھا۔ انہوں نے اکنامکس کی دنیا میں اپنے سبجیکٹ یعنی اسلامک اکنامکس کی اہمیت کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ بہت انٹرسٹنگ لیکچر تھا اگر باقی بھی اسی طرح کے ہوں تو ایم اے کچھ زیادہ مشکل

سمیرا حمید

پہیلی

نہیں تھا کیونکہ اصل مسئلہ تو انٹرسٹنگ کا ہی تھا۔

اس کے بعد ایک اور ڈیسنٹ سی میڈم کلاس میں آئیں انہوں نے ہمیں Statistics پڑھانا تھا۔ تعارف کے بعد انہوں نے Statistics کی اکنامکس کے مضمون میں اہمیت اور ضرورت کو بتایا اور سب کو تاکید کی کہ کل سب اپنے ساتھ کیلکولیٹر لے کر آئیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ سب ایک صفحہ پر اپنا نام اور رول نمبر لکھ کر دیں۔ سب نے نہایت ترتیب اور صفائی سے اپنے نام لکھے اور وہ صفحہ میڈم کو دے دیا اس کے بعد میڈم بھی چلی گئیں۔

ہم کلاس سے باہر نکلے تو وہ میڈم کئی دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ کھڑی تھیں۔ ان میں وہ "عجیب سا سر" بھی تھا۔ وہ سب ہمیں دیکھ کر مسکرانے لگے۔ اس وقت ہمیں پتا چلا کہ ہم دوبارہ پارٹ ٹو کے ہاتھوں فول بنے ہیں، پھر ہم سب گھر چلے گئے۔

اگلے دن کلاس میں جاتے ہوئے سب سے پہلے میری نظر جس چیز پر پڑی وہ نوٹس بورڈ پر لگی ایک لسٹ تھی۔ لسٹ پر بڑا بڑا لکھا تھا۔ "List of fools" اور نیچے ہم سب کے نام مع رول نمبر تھے جو کل ہم سب نے اپنے ہاتھوں سے لکھے تھے۔ وہ لسٹ دیکھ کر جتنی شرمندگی ہوئی اس کا کوئی حساب نہیں۔

آہستہ آہستہ دن گزرتے گئے ان گزرتے دنوں میں احساس ہوا کہ ایم اے اکنامکس کرنا اتنا زیادہ مشکل نہیں ہے اور نہ ہی یہ خشک مضمون ہے اور جہاں تک گلیمر کی بات ہے تو واقعی جتنا گلیمر اس ڈیپارٹمنٹ میں ہے اتنا کسی میں نہیں اور اگر رائٹرز اس سبجیکٹ میں اپنے کرداروں کو ایم اے کرواتی ہیں تو کچھ غلط نہیں کرتیں کیونکہ کسی کے پوچھنے پر جب میں بتاتی ہوں کہ میں اکنامکس میں ماسٹرز کر رہی ہوں تو دوسروں کی نظروں میں ستائش دیکھ کر ایک لمحے کو میری گردن بھی فخر سے تن جاتی ہے کیونکہ میری طرح وہ بھی افسانوں کے ذریعے اس سبجیکٹ کے گلیمر سے اچھے خاصے مانوس ہوتے ہیں۔

❊ ❊

مجھے ہمیشہ سے اولڈ کیوبک سٹی نے مسحور کیے رکھا اتنا کہ "حب" کے بعد سالوں دنیا کی خاک چھاننے اور سکون کی تلاش میں آوارہ پھرنے کے بعد بھی مجھے یہیں آکر سکون ملا۔ میں نے ڈھلان گلیوں اور پرانی عمارات کو ہمیشہ مس کیا۔ اولڈ کیوبک میں چلنے والی بگھی کو جو تاریخ کی یاد میں چلائی جاتی ہے۔ تنگ اور کشادہ گلیوں میں کھڑے ہوکر ایسا لگتا جیسے ان کے کناروں پر افق ہے ـــــ نرالا جہاں فضائیں لوک داستانیں سناتی ہیں۔ ... جہاں داستانیں ہی داستانیں ہیں۔

برفیلی سڑکوں کی خاموشی اور چھوٹے اوپن اسٹریٹ ریسٹورنٹ میں بجنے والا وائلن سحر تھا یہاں کا۔۔ اس سحر میں گرفتار تھا "پہیلی"۔

حب کو لگتا تھا اولڈ سٹی میں پریاں اترتی ہیں۔ وہ پریاں جو محبت کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتی ہیں اور محبت کے متلاشی لوگوں پر اپنا جادو اپنی چھڑی سے چلاتی ہیں۔ یہ پریاں سرد راتوں میں چپکے سے ہر گھر کی کھڑکی میں سے جھانکتی ہیں اور سنسان گلیوں میں سرگوشیاں کرتی ہیں۔ وہ برفیلی سڑکوں پر بھاگتی ہیں اور اپنی سریلی آواز میں امن کی نظمیں گنگناتی ہیں اور تنہا لوگوں کے ہاتھوں میں جگنو چھوڑ جاتی ہیں۔۔ محبت اور امن کے جگنو.....

انہی پریوں کی سرگوشیاں سننے اور جگنو پکڑنے کے لیے "حب" کو یہاں ہی ایک گھر چاہیے تھا۔۔ ایک لمبی کوشش کے بعد ہمیں یہاں گھر ملا۔

یہ میرا گھر ہے 'میرا اور حب کا' داستان گو... تاریخ گو... جیسے آنے والی تاریخ بیان کرنا چاہتا ہو' جو رات کو اتنا مسحور کر دیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو کہتا ہے صرف کچھ دیر اور... اور دن کو اتنا پروقار کہ ہاتھ باندھ کر تعظیم دینے کو دل چاہے... انہی گھروں میں گھرا ہوا جہاں آج بھی گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں... "یہی پہیلی ہے" اس نام کو حب نے قدیم مصری رسم الخط میں لکھوایا۔

"کوئی پوچھے تو مت بتانا ایان کہ یہ کیا لکھا ہے۔"

"کیوں؟"

"پھر کیا فائدہ ہوا... انہیں حل کرنے دو۔"

"تمہارے فرینڈز میرے فرینڈز... سب کو۔"

"تم بھی ایک پہیلی ہی ہو۔"

"تم بھی... تمہاری زندگی' میری زندگی' یہ گھر' یہ جگہ' اس گھر کی کہانی سب پہیلی ہی تو ہے۔"

"یہ گھر ماما نے لے کر دیا ہے۔ ماما کو ہی نہ رکھنے دیں نام۔"

اور وہ ہنسنے لگی۔

اور اس گھر کی زندگی کچھ دن پہلے بدل گئی ہے۔

کوئی اور آیا ہے اس کا حصہ بننے ... میری بیوی "عائزہ" سامنے ہی لاؤنج میں بیٹھی ہے بظاہر ٹی وی دیکھ رہی ہے۔ لیکن بظاہر... میں اسے بیڈ روم سے صاف دیکھ سکتا ہوں۔ جبکہ میں اسے مسلسل دیکھ رہا ہوں۔

میں اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ حالانکہ میں ایسی باتیں اس انداز سے سوچتا نہیں ہوں۔

اس نے مجھے متاثر تو بالکل نہیں کیا۔ لیکن حیران ضرور کیا ہے اور وہ ہر آنے والے دن کرتی ہے۔

میں نے کبھی حب کے علاوہ کسی کو جج نہیں کیا' کرنا ہی نہیں پڑا مگر عائزہ۔

جب سے ہماری شادی ہوئی ہے میں اسے جج کیے جا رہا ہوں۔ بہت سے سوال ہیں عائزہ کو لے کر میرے دماغ میں۔

میں عائزہ سے یا ماما سے پوچھنا نہیں چاہتا لیکن میں اپنے سوچنے کی عادت سے مجبور ہوں۔ شاید میں نے کبھی عائزہ جیسی لڑکیاں نہیں دیکھیں اس لیے یا وہ دوسری لڑکیوں جیسی نہیں... یا۔ یا شاید اور بھی بہت کچھ۔

بالغ ہے لیکن لگتا نہیں کہ یہ بالغ ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ کانونٹ اسکول کی بگڑی ہوئی وہ بچی ہے جو کسی خطرناک شرارت کا ارادہ رکھتی ہے۔ بے انتہا خاموش اور سنجیدہ۔

اپنے لمبے بالوں کو آگے اپنے کندھے پر رکھے بظاہر ٹی وی دیکھ رہی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ چھت دیکھ رہی ہے یا آس پاس کچھ اور لیکن ٹی وی نہیں' اور ساتھ ساتھ وہ اپنے لمبے بالوں سے کھیل رہی ہے' وہ بال جنہیں اس نے مضبوطی سے باندھ رکھا ہے۔ جیسے وہ کھلتے ہی گر جائیں گے۔ جیسے وہ دھاگے ہوں جن میں گرہ لگا دی گئی ہو کبھی نہ کھولنے کے لیے' جیسے ان میں کوئی پرابلم ہو... شاید ہو' اسی لیے باندھے رکھتی ہے۔ جیسے... جیسے بہت کچھ اور بھی۔

"کھانا لگا دوں۔" حسب عادت اس نے سرگوشی کی۔ اتنا ہی آہستہ بولتی ہے عائزہ۔

"کھانا۔" میں سوچنے لگا اور میں سوچ سکتا تھا کہ ٹیبل پر کیا ہو گا۔

ماما کے کہنے پر میں اس کا پکایا کھانا کھاتا رہا تھا... زبردستی ہی سہی لیکن میں نے کچھ دن کھایا تھا۔

"ماما کہہ رہی تھیں تم کھانا بہت اچھا بناتی ہو۔"

کھانا ٹیسٹ کرتے ہی مجھے اٹھنا پڑا کوکنگ کرنے کے لیے' وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی' جیسے میں نے کھانا چبا کر اگل دیا ہو۔

"میں اور نہیں کھا سکتا ایسے کھانے... میرے لیے نہ بنانا یہ سب... میں اپنی کوکنگ خود کو لوں گا۔ تم اپنے لیے بنا لیا کرنا۔ اور یہ تم نے اتنا سارا کھانا ہم دونوں کے لیے بنایا ہے۔"

پہلی بار میں نے ٹیبل پر کھانے کی مقدار نوٹ کی۔

حسب معمول اس نے صرف سر ہلایا۔۔ مجھے لگنے لگا ہے کہ اسے بولنے میں کوئی نہ کوئی پرابلم ہے۔

"ماما... آپ کچھ دن ہمارے ساتھ آکر رہ سکتی ہیں۔ یا آپ عائزہ کو اپنے ساتھ لے جائیں... اس نے اتنا سارا کھانا بنا لیا ہے۔"

میں ماما کو ہی کال کر سکتا تھا اور میں نے کر دی۔ اپنا باؤل لے کر جب میں اٹھا تو اچانک میری نظر اس پر پڑی اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کی شکل پر صاف لکھا تھا کہ وہ ابھی رو دے گی۔ وہ ضرورت سے زیادہ پلکیں جھپک رہی تھی۔

"اوہ میم' اب میں نے کیا غلط کیا... میں نے ماما سے تمہاری شکایت نہیں کی۔ یہ کھانا بچ جائے گا اور تم اسے فریج میں رکھو گی اور پھر کھاؤ گی... کھانا ہمیشہ فریش کھانا چاہیے' گڈ فار ہیلتھ اٹس اوکے اگر تمہیں یہ سب نہیں آتا تو ماما تمہیں گائیڈ کر دیں گی۔ اور میں بہت زیادہ پاکستانی فوڈ نہیں کھاتا۔ کھا ہی نہیں سکتا۔"

میرے اتنا ایکسپلین کرنے پر وہ ویسے ہی ناراض ناراض بیٹھی رہی۔ رو دینے والی۔

ہر بار وضاحت کرنے پر وہ ایسے ہی ہو جاتی ہے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ آخر بتا دینے میں کیا حرج ہے... اور وہ بات کو سمجھتی کیوں نہیں' میں نے سنا تھا پاکستانی لڑکیاں بہت fast ہوتی ہیں' اور عائزہ کو میں دوبار بتا چکا ہوں کہ ڈش واشنگ مشین کیسے استعمال کرنی ہے' سات سال کا بچہ بھی بتا سکتا ہے کہ اسے کیسے استعمال کرنا ہے... مجھے تو لگتا ہے عائزہ جان بوجھ کر ایسا کرتی ہے' شاید وہ یہ سب کرنا ہی نہیں چاہتی۔

کچن میں کافی دیر تک سوں سوں کرنے کے بعد وہ اب پھر ٹی وی دیکھنے لگی ہے' سمجھ نہیں آ رہی کہ کس بات پر اس کی آنکھیں سرخ ہیں۔ میں نے صرف وضاحت کی اور وہ بھی بے حد آرام سے' انسلٹ تو نہیں کی۔ مجھے تو یہ سب حیرت انگیز لگ رہا ہے یعنی مجھے اسے بتانا بھی نہیں چاہیے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اپنے ریسرچ ورک سے زیادہ مجھے عائزہ میں انٹرسٹ ہونے لگا ہے عائزہ پر ریسرچ بہت انٹرسٹنگ ہو گی کیونکہ میرے سمجھانے پر وہ "سوں' سوں" کرے گی اور کچھ الٹا ہونے پر وہ مجھے "سوں سوں" کرنے کا موقع دے گی انٹرسٹنگ ہوا نا سب۔

☼ ☼ ☼

"میاں چنوں سے مجھے یہاں بھیج دیا... کینیڈا... اس گھٹے ہوئے بند گھر میں... جیسے کسی ویران حویلی کو سامان سے بھر دیا گیا ہو... جس کے بیڈ روم میں سوتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے ابھی کوئی چیز اوپر گر جائے گی۔

اس سارے گھر میں روشنی کے لیے ایک ہی کھڑکی

ہے۔ جن پر موٹے موٹے پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ تھوڑی بہت روشنی بھی اندر نہ آسکے۔ باہر دھوپ نکلے یا بارش ہو' بادل چھائیں یا رات آئے۔ اس گھر میں کچھ پتا نہیں چلتا' اتنا دور بھیج دیا مجھے۔"

اس کی آنکھیں ابھی بھی گیلی تھیں۔ اس نے برہمی سے بیڈ روم میں کام کرتے ایان کو دیکھا۔

"ہر وقت لیپ ٹاپ یا لائبریری میں۔ مشینی انداز مشینی باتیں۔

سارا دن فارغ رہتی ہوں پھر بھی برتن مشین سے واش کروں' میں خود واش کرنا چاہتی ہوں' کھلے پانی میں ۔۔۔ ایک بار بتایا۔ پھر دوسری بار۔۔ پر میں نہیں سمجھنا چاہتی۔"

"آخر اسے سمجھ لینے میں مسئلہ ہی کیا ہے ۔۔۔ یہ دیکھو آسان تو ہے۔"

"میں اسے استعمال کرنا نہیں چاہتی' میں خود واش کرسکتی ہوں۔"

"اسے ڈیکوریشن کے لیے کچن میں فکس نہیں کیا۔ تم اپنی انرجی کہیں اور اپلائی کرو۔"

"میری ہر بات پر اعتراض ۔۔۔ مجھے اپنی انرجی کا اور کرنا ہی کیا ہے ۔۔۔ گھر کا کام ہی تو کرنا ہے۔"

اسے استعمال کرنا بھی ایک کام ہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کام مجھے خود ہی کرلینا چاہیے۔ وہ میری بات ہی نہیں سمجھتا۔ ہر بات میں اس کے پاس اپنا ہی نقطہ ہوتا ہے' مجھے اتنا برا لگا یہ سن کر وہ یہی سمجھتا ہے ناکہ میں یہ سب کرنا نہیں چاہتی۔

اور میرا کھانا۔۔۔ ماما نے مجھے کہا تھا کہ میں کوکنگ کیا کروں۔"

"ایان پاکستانی کھانے نہیں کھاتا تمہارے ساتھ وہ بھی کھانے لگے گا۔" ماما نے ہی ایسا کہا۔

"مجھے کوئی شوق تو نہیں پاکستانی کھانے کھلانے کا' اور میں وہ کرہشڈ ایگ اور چیز کا ملغوبہ نہیں بنا سکتی۔" صرف دو لوگوں کے لیے ہی کھانا بنایا تھا شاید اس نے کبھی سالن کو باؤل میں نہیں دیکھا ۔۔۔ شوربے والا سالن تھا دیکھنے میں ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے بہت زیادہ ہو۔

"ہر بات پر ماما کو فون کرنے لگتا ہے۔ ماما کیا سوچتی ہوں گی کہ میں ان کی باتیں یاد نہیں رکھتی جو وہ مجھے ویک اینڈ پر سمجھا کر جاتی ہیں۔ اتنی اچھی ہیں ماما' میں نہیں چاہتی کہ وہ یہ سوچیں کہ مجھے ان کے کہے کی پروا نہیں ہے۔"

قمر کہہ رہا تھا "مغرب کی فضا ہی بے حس اور خود غرض ہے۔ دیکھ لینا' ہر جگہ بے حسی نظر آئے گی۔"

اتنے دنوں میں ہی مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔ اس نیم تاریک گھر میں جہاں آسمان دیکھنے کے لیے گھر سے باہر جانا پڑتا ہے ایسا ہی شخص رہ سکتا ہے۔ بے حس اور خود غرض۔۔ اور عجیب۔۔ اس گھر کی نیم پلیٹ جیسا۔

☼ ☼ ☼

"یہ فارم فل کردو مجھے کل سبمنٹ کروانا ہے۔"

حسب عادت اس نے بولنے کی زحمت نہیں کی بس چہرے کے تاثرات پوچھ رہے تھے "یہ کیا ہے۔"

"ماما نے کہا تمہیں کوکنگ کورس کرلینا چاہیے انہی کے کہنے پر لایا ہوں۔" پتا نہیں اس فارم پر ایسا کیا تھا کہ وہ آدھا گھنٹہ اسے پکڑ کر دیکھتی رہی۔

"اینی پرابلم۔" مجھے پوچھنا ہی پڑا۔۔۔ "فل کرو۔" وہ پھر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس بار پھر وہ ضرورت سے زیادہ آنکھیں جھپک رہی تھی۔

"اف ۔۔۔ یہ اک فارم بھی فل نہیں کرسکتی۔" میں نے فارم اس کے ہاتھ سے لیا۔

"مارننگ کلاسز لینا چاہو گی یا ایوننگ؟"

"جو آپ کو ٹھیک لگے۔" وہی سرگوشیوں جیسی آواز' کبھی کبھی لرزتی ہوئی۔

"یہ کورس مجھے نہیں کرنا' تمہیں کرنا ہے ۔۔۔ تم بتاؤ تمہیں کیا سوٹ کرتا ہے۔" اس کے چہرے پر پھر وہی الجھن ۔۔۔ مجھے اپنی ریسرچ عائزہ پر ہی کرنی ہے معلوم تو ہو یہ سوچتی کیا ہے۔

"میرا خیال ہے تمہیں ایوننگ کلاسز سوٹ کریں گی۔ ریلیکس ہو کر چلی جایا کرنا۔"

"نہیں جاؤں گی۔" وہ بے انتہا حیرت سے بولی۔

"تمہیں ہی جانا ہے۔" میں نے آس پاس دیکھا ۔۔۔ کیا کوئی اور بھی ہے۔

"آئی تھنک تم یہ کورس کرنا نہیں چاہتیں۔ ماما نے کہا تو میں فارم لے آیا مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں تمہیں اپنے لیے یہ کورس کروانے کا۔"

"میرا مطلب میں جاؤں گی وہاں۔ اکیلی۔"

"تمہیں اکیلی کو ہی جانا ہے۔ اور تم کس کس کو ساتھ لے کر جانا چاہتی ہو۔ ماما تو پی ایچ ڈی کررہی ہیں وہ تو تمہارے ساتھ نہیں کریں گی یہ کورس۔ میٹرو سے جانا۔ بس سے بھی جاسکتی ہو۔ کل میرے ساتھ چلنا تمہیں سمجھادوں گا۔ پھر تم آسانی سے آجاسکو گی۔"

"آپ کے ساتھ ۔ جاؤں گی روز۔" پتا نہیں یہ سوال تھا یا فرمائش۔

"میں کیوں جاؤں گا تمہارے ساتھ' تمہارا روٹ اور ٹائمنگ میرے روٹ اور ٹائمنگ سے مختلف ہے۔" شاید وہ نہیں سمجھ رہی تھی یا میں۔

"میں اکیلی کیسے جاؤں گی؟" مجھے نظر آرہا تھا کہ وہ خوف سے صوفے میں دھنستی جارہی ہے۔

"تم اکیلی کیوں نہیں جاسکتیں میٹرو سے پندرہ منٹ لگیں گے اس سب میں کیا پرابلم ہے؟" مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ چاہتی کیا ہے۔ اس کی شکل اس ضدی' ہٹ دھرم بچے جیسی لگ رہی تھی۔ جو منہ سے تو نہیں کہتا مگر اس کے چہرے پر صاف لکھا ہوتا ہے نو نو نو۔

"یہ پاکستان نہیں ہے یہاں تم آسانی سے اکیلی آجاسکتی ہو کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔ ماما نے کہا تم گھر میں بور ہوتی ہوگی کورس بھی کرلو گی اور تمہارا دل بھی لگ جائے گا۔" اس کے چہرے پر ابھی بھی وہی تاثر تھا۔ نو نو نو۔

"چلو میں بس سے چلا جایا کروں گا تم ڈرائیو کرکے چلی جانا۔"

اس بار تو اس کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"اب میں نے کیا کہہ دیا۔"

"مجھے ڈرائیونگ نہیں آتی۔" وہی سوں سوں۔

"اوہ؟" میں نے لمبے لمبے سانس لیے۔ خود کو ریلیکس کرنے کے لیے یہ ایک بہترین یوگا ہے۔ پہلے مجھے لگتا تھا کہ وہ اس ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو رہی اسے ٹائم لگے گا۔ وہ کم گو ہے اور اداس رہتی ہے شاید اپنی فیملی کو مس کرتی ہے۔ لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ۔۔ یہ ہے کیا۔۔ یا' یہ سب ہو کیا رہا ہے۔

"ماما بتا رہی تھیں تم گریجویٹ ہو۔" میں جاننا چاہتا تھا کہ اسے کیا آتا ہے وہ کیا کرسکتی ہے اور وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔

"جی ۔۔۔ بی اے کیا ہے۔"

"تم کیسی گریجویٹ ہو۔ جو اپنا ایک فارم فل نہیں کرسکتیں۔ ایسا کیا ہے اس فارم میں جو تمہیں سمجھ نہیں آیا؟ بائی دا وے تم کالج کیسے جاتی تھیں۔ شاپنگ کرنے' یہاں وہاں' دوستوں کے ساتھ ۔۔ دوستوں کے گھر۔"

"ابو ڈراپ کرتے تھے۔" اس کی سوں سوں شروع ہونے ہی والی تھی۔

"اور اگر کبھی ابو نہ کرسکتے تو۔"

"امی کے ساتھ۔" جواب تیار تھا۔

"یعنی گھر سے کبھی اکیلی نہیں نکلیں۔ تم اپنے آپ کو چھوٹی سی بچی سمجھتی ہو؟ جو گم ہو جاؤ گی۔۔ جسے کوئی اٹھا کر لے جائے گا۔ تم پاکستان میں کیسی زندگی گزارتی رہی ہو۔ تم کیسی زندگی گزارنا چاہتی ہو؟ پاکستانی اسٹوڈنٹس اتنی فعال ہیں یہاں' اکیلی رہتی ہیں' جاب کرتی ہیں تمہارے ہی ملک سے ہیں۔ تم کہاں رہتی رہی ہو۔ تم یہ کورس نہ کرو۔ تمہارا جو دل کرتا ہے وہ کرو' لیکن خود کو پرو کرو۔ یہ کوئی نعمت نہیں ہے جو تم سمجھتی ہو تمہیں اپنائے رکھنی چاہیے۔ میں نے تمہیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے کہا تم نے انکار کردیا۔ میرا خیال تھا۔ کہ شاید تمہارا کوکنگ میں انٹرسٹ ہے لیکن تم کچھ بھی کرنا نہیں چاہتیں۔"

یہ میری بیوی ہے۔ جس کا ذہن اس کے بالوں کی

طرح مضبوطی سے بند ہے۔

☼ ☼ ☼

"میں کہیں بھی اکیلی کیسے جاسکتی ہوں' وہ بھی اس انجان جگہ' راستوں کی پہچان اور نہ لوگوں کی' میں تو کبھی وہاں گھر سے اکیلی نہیں نکلی' ابو' امی' قمر' اذان' اتنے سارے لوگ تھے گھر میں' مجھے کیا ضرورت تھی کہیں اکیلے جانے کی' اور جانے بھی کون دیتا تھا' ابو تو ساتھ والے گھر نہیں جانے دیتے تھے۔

اگر یہ اپنا کھانا خود پکا سکتا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے کورس کرنے کی۔ میرے پکائے ہوئے کھانے پھر بھی ٹیبل پر ہی رکھے رہیں گے اور یہ کرلیسڈ ڈاگ کھاتا رہے گا۔

ماما نے کہا تو کورس کرنا ہی پڑے گا' پر میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ میں اکیلی جا ہی نہیں سکتی اتنا ڈر لگتا ہے۔ ابو کہتے ہیں ہر شخص سے ڈرنا چاہیے۔ ہر شخص میں شیطان چھپا ہے پتا نہیں ایان کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی۔ میری ہر بات بری لگتی ہے۔ مجھے گاڑی چلانی کیوں نہیں آتی' میں اکیلی کیوں نہیں جاتی اور فارم... وہ فارم تھا انگلش میں' دو چار لائنوں کے بعد سب کچھ سر پر سے گزر گیا۔ ایسی گریجویٹ ہوں میں' تھرڈ ڈویژن میں بی اے پاس کیا ہے کیسی ہوگی انگلش' رو رو کر تو بی اے کیا تھا بی اے کرکے بھی کیا کرلیا' نہ بھی کرتی تو ٹھیک تھا' یونیورسٹی کیوں جاؤں' میں نے کیا کرنا ہے۔ وہاں جاکر' شادی کے بعد بھی پڑھو۔

ہر وقت سائنسی باتیں' یہ کیوں نہیں کیا۔ ایسے کرو' ویسے کرو' قمر صحیح کہتا ہے' مغرب کے لوگ مشینی ہوتے ہیں۔ فورا" کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے میری پاکستانی زندگی کی کیلکیولیٹ کردی۔ کھڑے کھڑے وہ آپ کو بتادیتے ہیں کہ آپ کا اسٹیٹس کیا ہے۔ میں نے پاکستان میں کیا کیا ہے۔ کرنا ہی کیا تھا۔ میں کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔

کچھ وقت گزر گیا۔ کچھ وقت گزار لیا۔"

☼ ☼ ☼

یہ عجیب و غریب لڑکی میری بیوی ہے' قدیم مصری تہذیب کی روح لگتی ہے' اگر میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روڈ پر چھوڑ کر گھر چلا آؤں تو مجھے یقین ہے کہ وہ وہاں کھڑے کھڑے ہی ساری زندگی گزار دے گی۔ کبھی کبھی مجھے یہ انٹرسٹنگ سا سوفٹ ویئر لگتی جسے میں نے اپنے گھر میں انسٹال کرلیا ہے۔ اوہ۔ نہیں۔ مجھے عائزہ کے بارے میں ایسے نہیں سوچنا چاہیے کیونکہ یہ کام تو اس کا ہے' ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے وہ گھنٹوں سوچتی رہتی ہے اتنا تو بقراط نے بھی نہیں سوچا ہوگا۔ اگر وہ اتنا سوچتی ہے تو اس کا کوئی رزلٹ کیوں نہیں نکلتا' کوئی ایجاد' کوئی بک۔

ہٹ دھرم۔ اتنے پیار سے کہا کہ لینگویج کورس ہی کرلو۔۔۔ ضدی اور نا سمجھ' نالائق بھی۔ دل چاہتا ہے کہ پوچھوں۔ تمہیں خبر بھی ہے کہ تمہارے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ لیکن اتنا پوچھتے ہی اس کی آنکھیں گیلی ہو جائیں گی۔

"مجھے کچھ بکس چاہئیں۔" وہی سرگوشی میں آواز۔

"گڈ۔" میں کہے بنا رہ نہیں سکا کوئی کام کی چیز بھی انہیں چاہیے۔

"میرے ساتھ چلوگی یا میں لادوں۔"

"نہیں۔ آپ لادیں۔ اس پر لکھ دیے ہیں میں نے نام۔"

"یہ تو اردو ہے۔ میرا مطلب اردو رسم الخط میں۔"

"اردو میں ہی بک ہے یہ۔ اردو شاعری کی۔"

"شاعری یا!! مجھے سمجھنے میں وقت لگا۔ "اردو شاعری" میں نے الفاظ چبائے۔

"جی۔۔؟"

میں اسے کہنا چاہتا تھا کہ کوئی کام کی بک بھی پڑھ لو۔ "بیڈ روم میں لیپ ٹاپ رکھا ہے سرچ کرو' اور اپنی مرضی کی بک پڑھو' ویک اینڈ پر ماما آئیں گی ان کے ساتھ جاکر ڈھونڈ لینا شاید کوئی مل جائے۔"

پہلی بار مجھے اس کے چہرے پر غصہ نظر آیا' مجھے لگا کہ میں نے کوئی گستاخی کردی ہے شاید۔ اس کی شاعری کی بکس کی انسلٹ۔

"ان فیکٹ مشکل ہے ان بکس کا ملنا یہاں سے' تم آن لائن پڑھ لو۔" اس بار بھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے خود ہی لیپ ٹاپ لاکر اسے دینا پڑا۔ اس نے لیپ ٹاپ ایسے سائیڈ پر رکھ دیا جیسے وہ کوئی میک اپ کٹ ہو۔

"تم بکس نہیں پڑھتیں آن لائن۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟" کیوں کا اس نے جواب نہیں دیا۔

اچانک میرے مائنڈ میں کچھ اور آیا۔

"تم کمپیوٹر تو یوز کرلیتی ہو نا؟" میری بات سنتے ہی اس کا رنگ بدل گیا۔

"نہیں۔"

"تم نے کبھی یوز نہیں کیا۔؟"

"نہیں۔"

"تمہارے گھر کمپیوٹر تھا۔"

"جی۔؟"

"پھر تم نے کبھی یوز کیوں نہیں کیا —— کوئی دلچسپی نہیں ہوئی اس بکس میں۔" "مجھے انٹرسٹ نہیں تھا۔" اس بار اس نے غصے سے جواب دیا۔

"تمہیں کسی کام کی چیز میں انٹرسٹ نہیں رہا۔؟ جن چیزوں کے بغیر یہ دنیا چل نہیں سکتی تمہیں ان میں انٹرسٹ ہی نہیں۔ حیرت ہے۔"

اس بار وہ حیرت سے میری شکل دیکھنے لگی۔

ایک لمبی واک میرے لیے ویسٹ تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں اس لائف اسٹائل پر تنقید کروں۔ ماما کہتی ہیں' عائزہ بہت حساس ہے۔ وہ ایک دن خود ہی سب ٹھیک ٹھیک کرنے لگے گی۔ یہ یعنی کہ عائزہ سب ٹھیک ٹھیک کرنے لگے گی۔

میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ لڑکیاں عائزہ جیسی بھی ہوتی ہیں۔ مجھے لگتا تھا ساری لڑکیاں حب جیسی ہوتی ہیں یا میری کالج' یونیورسٹی کی لڑکیوں جیسی' اکیلے ہی ہینڈل کرلینے والی۔ جو سوچتی ہیں' بولتی ہیں اور اپنے مقاصد کے لیے کبھی نہیں تھکتیں۔

ماما کہتی ہیں کہ میں اسے حب سے کمپئیر کرتا ہوں۔ اس لیے مجھے ایسا لگتا ہے میں ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ مجھے ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے۔ اور حب۔ پتا نہیں کیوں چلی گئی وہ۔

☼ ☼ ☼

"رات بھر روتی رہی ہو۔ کیوں بھاگ رہی تھیں اپنے روم سے۔"

"نفرت ہے مجھے اس روم سے' ان ٹیوبز سے' اتنا روئی میں پھر بھی انہوں نے مجھے جانے نہیں دیا۔"

"کتنا روگی حب ؟"

"بہت زیادہ' اتنا زیادہ کہ ساری دنیا اس میں ڈوب جائے میری طرح غم زدہ ہوجائے' سب کو پتا چلے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔"

"دنیا کا کیا قصور ہے اور میرا' تمہارے ایسا کرنے سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔"

"میرا بھی کیا قصور ہے ایان' یہ دنیا مجھے بھی اچھی لگتی ہے۔ میں بھی اس میں رہنا چاہتی ہوں۔ میرے لیے کیوں نہیں ہے یہ دنیا۔"

"تم اتنی بزدل تو نہیں تھیں' یاد ہے حب! ہم نے ایلس کے لیے فنڈز اکھٹے کیے تھے کتنا حوصلہ دیا تھا تم نے ایلس کو' کتنا خوش ہوتی تھی وہ تم سے مل کر۔"

"حوصلہ دیا جاسکتا ہے۔ اپنے اندر پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے کیا معلوم تھا جس بیماری کے لیے میں فنڈز اکھٹے کر رہی ہوں وہ مجھے ہی دبوچ لے گی۔ ایلس تو صرف آٹھ سال کی تھی' اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا کیسے زندگی کی چمک ختم ہوگئی تھی ان میں' میں تو اکیس سال کی ہوں۔ میرے اندر تو زندگی چھوڑنے کا خوف پھیل چکا ہے۔" اس نے بازو اپنے گرد لپیٹے۔

"تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے حب' اتنی مایوسی۔"

"اس بیڈ پر لیٹا ہوا شخص اور کیسے سوچ سکتا ہے۔

دیکھو میرے بال' خالی ہے میرا سران بالوں سے جو میرا اسٹائل تھے جن سے مجھے پیار تھا۔ نفرت ہے مجھے اس کفن سے جو مجھے وقت سے پہلے ہی پہنا دیا گیا ہے۔"
"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے نا... کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا ہے۔"
"کتنا کریز تھا نا ہیکنگ کا' کتنے وائرس بنا کر چھوڑے' کتنا ڈیٹا ضائع کیا دوسروں کا' کچھ بھی ٹھیک نہیں کیا۔"
"that was fun" ہم نے کتنے یوز فل سوفٹ ویئرز بنائے اور ان پر پرافٹ بھی نہیں لیا' ہمارے کالج کا کتنا نام ہوا دنیا میں۔
تمہیں پچھتاوا کیوں ہو رہا ہے حبہ تم۔ کمپیوٹر جینئس ہو۔"
"پچھتاوا نہیں۔ لیکن اس پر ضرور ہے کہ ہمیں زندگی کے بچاؤ کے لیے کام کرنا چاہیے تھا... جینئس ہوتی تو روز ایسے نہ مرتی۔"
"ہم دونوں کریں گے' ضرور کریں گے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ۔"
"ٹھیک... تم جانتے ہو میں کیسے ٹھیک ہو سکتی ہوں صرف معجزے سے اور میرے لیے کوئی معجزہ کیوں ہو گا۔" دھنسی ہوئی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس کا چہرہ کرب کی کہانی بیان کرنے لگا۔ ہم روز ایسی ہی باتیں کرتے۔
"تمہارے ایسے رویے سے میں مر جاؤں گا حبہ' موت صرف جسم کی ہی نہیں ہوتی روح بھی مر جاتی ہے۔"
"میں نے کچھ سوفٹ ویئرز بنائے ہیں۔ وائرس بھی ہیں۔ تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔
تم چیک کر لینا ایک بار... انہیں اچھی کمپنیز کو سیل کر دینا۔ اور پرافٹ کسی اچھے ریسرچ سینٹر کو دینا۔"
"حبہ... ایسی باتیں نہ کرو۔"
"چلو پھر سینٹ لارنس کی باتیں کریں یا اولڈ سٹی میں چلنے والی بگھی کی' جس پر بیٹھتے ہی مجھے خود بخود ہنسی آنے لگتی تھی۔ تمہیں champion کا fiddler old یاد ہے؟"
"مجھے کیا ضرورت ہے اسے یاد کرنے کی مجھے تو وہ گرل یاد ہے جو اتنا مسحور کن وائلن بجاتی ہے کہ دل چاہتا ہے۔ سنتے ہی جاؤ۔"
"اس کا وائلن اس کے بنا ادھورا تھا۔ میں جب بھی اسے سنتی تھی اداس ہو جاتی تھی... اور سکون بھی ملتا تھا... زندگی اور موت کا امتزاج تھے دونوں' دونوں کی دھنیں ایک دوسرے کی ضد اور ضروری۔
وہاں کی ڈھلان سڑکوں پر اب بھی پریاں اترتی ہیں نا... ایان۔"
"ہاں اور ہمیشہ اتریں گی' کیونکہ انہیں اترتے تم نے دیکھا ہے۔" وہ ہنسنے لگی۔
"تم انہیں نہیں دیکھنا۔" حبہ نے اپنا ہمیشہ کا کہا جملہ دہرایا۔
"میں کیوں نہیں' تم ہی نے تو کہا تھا وہ گھر کی کھڑکی میں سے جھانکتی ہیں۔ "پیلی" میں بھی ایک کھڑکی ہے ہو سکتا ہے کبھی وہ میری کھڑکی میں سے بھی جھانکیں۔"
"وہ محبت کے لیے اترتی ہیں' جنوں کے لیے نہیں۔" وہ ہنسنے لگی' یہ اس کا پسندیدہ ٹاپک تھا۔ پریاں بھی اسی نے دیکھی ہیں اور ان کی کہانی بھی وہ ہی جانتی تھی۔
"جن تو سینٹ لارنس میں اترتے ہیں۔ تمہاری پریاں ہی انہیں دھکا دیتی ہیں نا۔"
"نہیں... پریاں تو کنارے بیٹھ کر Fiddle بجاتی ہیں۔" یہ کہتے ہی وہ اداس ہو گئی' اس کی آنکھیں بھر گئیں۔
"میرے مرنے کے بعد بھی سینٹ لارنس تو بہتا ہی رہے گا نا ایان! ویسی ہی رونق لگا کرے گی جو ہر شام لگتی ہے۔ old man اپنا Fiddle بجاتا ہی رہے گا اور وہ لڑکی ایک دن بڑی موسیقی کار بن جائے گی' اسے یاد بھی نہیں ہو گا کہ کوئی

گھنٹوں اس کی دھنیں سنا کرتا تھا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ میرے غم میں سینٹ بہنا بھی نہیں چھوڑ سکتا۔" اس کے دل میں ایک دریا جاری ہو چکا تھا... لیکن وہ سینٹ لارنس جیسا نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اولڈ کیوبک کی سحر زدہ سنسان سڑکوں پر واک کے بعد جب میں گھر آیا تو وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے سوچوں میں گم تھی' وہ آئی کون ایک سوفٹ ویئر وہ ریموو کر چکی تھی اور لیپ ٹاپ بری طرح ہینگ (جام) تھا۔
"اگر تمہیں یہ سب کرنے میں انٹرسٹ نہیں تو تمہیں میرے کہنے پر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
وہ خاموشی سے میری طرف دیکھنے لگی۔
"کمپیوٹر مجھے کیا معلوم کہ یہ کیا چیز ہے' میرے لیے تو یہ ایک مشین ہے' جیسے واشنگ مشین' جوسر مشین' مائیکرو ویو' جنہیں ضرورت کے وقت استعمال کیا جاتا ہے اور مجھے کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"
"بک کو اور وہ بھی کمپیوٹر پر پڑھنے سے بہتر تھا کہ میں بک ہی نہ پڑھتی' خود ہر وقت اتنی بڑی بڑی بکس پڑھتے ہیں اور میرے بکس پڑھنے پر اعتراض ہے' میرے ہر کام پر اعتراض' ہر انداز پر' کھانے سے لے کر برتن دھونے تک۔
ایک ہادی تھا' کتنا اچھا تھا وہ' میرے لیے غزلیں گاتا تھا۔ اشعار سناتا تھا مجھے' ڈھونڈ ڈھونڈ کر کتابیں لا کر دیتا تھا' اپنی غزلیں میرے نام کرتا۔
اور اسے یہ ہی فکر لگی رہتی ہے کہ میں گاڑی کیوں نہیں چلاتی' اکیلی کیوں نہیں جا سکتی' اعتراض تو شاعری پڑھنے پر ہو گا چاہتے ہوں گے کہ ان کی جیسی بڑی بڑی بکس پڑھوں' یہ شاعری کیوں نہیں پڑھتا' اور یہ کیوں نہیں آلو گوشت کا سالن کھاتا۔
کتنا روئی تھی اماں اور کتنا پریشان رہتے تھے ابو میرے لیے' کیا تھا گھر کے ایک کونے میں پڑی ہوئی تھی' پڑی رہنے دیتے' زندگی ہی ہے نا' گزر رہی تھی کیا ضرورت ہے زندگی کے ہر فرض کو ادا کرنے کی۔
وہ بولی ہم تو جیسے اک مسلسل دکھ کے قیدی ہیں
میں بولا ٹھیک ہے یہ زندگی کا تسلسل ہے
"تمہارے بال بہت لمبے ہیں۔" میں کپڑے استری کر رہی تھی' جب شاید پہلی بار ایان نے میرے بال دیکھے۔
"جی..."
"تم نہیں برش بھی کرتی ہو۔"
حیرت سے کام کرتے میرے ہاتھ رک گئے' اتنا گنوار سمجھتے ہیں مجھے' اتنا پڑھا لکھا شخص ہی اماں' ابا کو پسند آنا تھا' جسے میرے ہر انداز پر اعتراض ہے اب میرے بال ہی سہی۔
"روز کرتی ہوں۔" مجھے غصہ آنے لگا۔
"اچھا... میں تو جب سے دیکھ رہا ہوں ایک ہی اسٹائل میں بند ہیں' اتنے ٹائٹ میں نے سوچا شاید تم نے Hair braiding کروائی ہے۔"
"Hair braiding" بات میرے سر پر سے گزر گئی۔ مجھے اب تک اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ سائنسی زبان بولتے ہیں۔
"میں نے آج تک کسی کے اتنے لمبے بال نہیں دیکھے' پہلے مجھے انہیں دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کسی کے اتنے لمبے بال بھی ہو سکتے ہیں۔ بٹ اب اچھا لگا ہے انہیں دیکھنا' انہیں دیکھ کر یقین آنے لگتا ہے کہ تم ایسٹ سے ہو پراسرار مشرق سے۔" اور وہ ہنسنے لگا۔
مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اس میں ہنسنے والی کیا بات تھی' پاکستان میں تو سب بہت تعریف کرتے تھے میرے بالوں کی یعنی میرے بال پراسرار ہیں' اس گھر سے تو کم ہی پراسرار ہوں گے۔
"میں نے انہیں کبھی کھلے ہوئے نہیں دیکھا۔ آئی ہوپ کہ انہیں کھولنے کی ٹائمنگ نہیں ہو گی۔" وہ پھر ہنسنے لگا' جب سے میں آئی ہوں میں نے ایان کو کم ہی ہنستے ہوئے دیکھا تھا' اب اچانک... وہ بھی مجھ پر' اتنا افسوس ہو رہا ہے' کوئی پاس بھی نہیں ہے کہ... پہلے اعتراض اور اب ہنسی' ماما کہہ رہی تھیں ان کا سب سے ہونہار بیٹا ہے ایان' بہت خیال رکھنے والا۔ زیادہ

ہی خیال رکھتے ہیں' میری ہر بات کا خیال ہے' ماما کو اب تک یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ میں نے لیپ ٹاپ خراب کر دیا ہے۔

☼ ☼ ☼

ویک اینڈ پر ماما آجاتی ہیں اور اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ ماما کے ساتھ عائزہ ایسے جاتی ہے جیسے اسکول کے چھوٹے بچے اپنی مام کے ساتھ جاتے ہیں کہ کب بیل ہو اور کب وہ جائیں' شاید یہ گھر اس کے لیے اسکول جیسا تھا' ایسی جگہ جہاں آپ کو زبردستی بھیجا جاتا ہے' یہ گھر اس کے لیے تھوڑا' نہیں شاید بہت عجیب بھی تھا۔

"میں ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں کے پردے اٹھا دوں؟" مجھے حیرت ہوئی بات سن کر۔

"ہاں کیوں نہیں' مگر کیوں؟"

"روشنی کے لیے؟"

"تو لائٹ آن کر لو۔" مجھے حیرت ہوئی کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

"لائٹ آن ہے.... لیکن وہ دھوپ.... روشنی۔"

"دھوپ...." مجھے بات سمجھنے میں وقت لگا' اور میں ہنسنے لگا۔

"تمہیں یہ گھر اچھا نہیں لگتا نا۔"

"اچھا ہے۔"

"اچھا ہے پر تمہیں نہیں لگتا.... ہے نا... تمہیں یہ ہوا بند... روشنی بند بارش بند... لگتا ہے... اندھیرا اندھیرا' تمہیں کچن کی dwm بھی نہیں پسند' ڈرائنگ روم کی وکٹورین سیٹنگ بھی نہیں پسند' کھڑکیوں کے موٹے موٹے پردے تمہیں زہر لگتے ہوں گے اور یہ بیڈ روم تمہیں عجیب و غریب مخلوق کی رہائش گاہ لگتا ہے... اور وہ لیونگ روم کی ایکو سے تمہیں ڈر لگتا ہو گا۔"

مجھے ہنسی آرہی تھی اور اس کی شکل... "سوں سوں۔"

میں جانتا تھا یہ گھر اسے کچھ خاص نہیں پسند' اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ اکثر چیزوں کو دیکھ کر اسے کتنی کوفت اور الجھن ہوتی ہے۔

"اس گھر میں ایک ہی کھڑکی بن سکتی تھی جسے "آرکیٹیکٹ" نے ڈرائنگ روم میں بنا دیا' روشنی' دھوپ' بارش سب کے لیے۔ زیادہ روشنی چاہیے تو گھر کے باہر جایا جا سکتا ہے۔"

وہ وہاں سے جا چکی تھی.... اسے میری بات بری لگی وہ فون نیوز سننے لگی جس کا شاید ہی کوئی لفظ اسے سمجھ آرہا ہو گا۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا' اور پردے سائیڈ پر کر دیے بہت اچھا روشن دن نکلا تھا باہر... باہر سے آتی روشنی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"اتنی سی بات تھی... دیکھو روشنی... دھوپ۔" اسے دیکھ کر مجھے ہنسی آنے لگی۔

☼ ☼ ☼

یہ بات میں بہت پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ عائزہ کا آئی کیو زیرو ہے وہ یہ بھی نہیں جانتی کہ پاکستان دنیا کے کس حصے میں واقع ہے۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اتنی پاگل ہے۔

"ماما آپ عائزہ کو کچھ دن اپنے پاس رکھ لیں۔" ڈاکٹرز کے کلیئر کرتے ہی میں نے ماما سے ریکویسٹ کی۔

"پلیز... جب تک میرا ریسرچ ورک کمپلیٹ نہیں ہو جاتا۔"

"تمہیں اس پر غصہ ہے۔"

"نہیں... میں سکون سے کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"جھوٹ مت بولو ایان؟"

"آپ جانتی ہیں کہ میں نے کس طرح اپنے اعصاب کو کنٹرول کیا ہے۔ ایسے حالات میں' میں کام نہیں کر سکتا۔"

"عائزہ نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔"

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اس نے کیا کیا ہے... اس کی سائیڈ مت لیں۔"

"اس کی غلطی ہے میں مانتی ہوں' اس نے کہا کہ وہ سمجھی کہ یہ وہی سیم میڈیسن ہے جو وہ پاکستان میں سر درد کے لیے کھاتی تھی۔"

"کوئی ریپر دیکھ کر بھی میڈیسن کھاتا ہے ماما... اتنی بڑی فول ہے عائزہ' ڈاکٹرز انکوائری کر رہے تھے مجھ سے کہ کس ڈاکٹر کے پرسکرپشن پر اس نے یہ میڈیسن کھائی ہے' میں انہیں کیا بتاتا کہ یہ پاکستانی گریجویٹ ہے جو پڑھ کر نہیں دیکھ کر میڈیسن کھاتے ہیں۔"

"ایان تم نے کبھی ایسے غصہ نہیں کیا اور تم اپنی بیوی پر ایسے غصہ کر رہے ہو۔"

"میں غصہ نہیں کر رہا ماما' آپ جانتی ہیں کہ یہ غصہ نہیں ہے... کوئی شخص اتنا پاگل کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ زندہ ہے لیکن اس دنیا میں نہیں ہے۔ آپ نے شادی کے لیے ضد کی میں نے سب اختیارات آپ کو دے دیے لیکن میرا خیال ہے میں نے غلط کیا مجھے آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ مجھے عائزہ جیسی پاگل نہیں چاہیے۔"

"پاگل تو تم بھی ہو ایان.... فرق تو صرف یہ ہے کہ تم جینئس پاگل ہو' تم بکس پڑھتے ہو' سوفٹ ویئر بناتے ہو۔ آرٹیکلز لکھتے ہو' ریسرچ کرتے ہو... فرق صرف اتنا ہے کہ تم نے اپنے پاگل پن کو ایک مثبت سمت دی ہے۔ اور وہ نہیں دے سکی' ماما کو اس کی بات بہت بری لگی۔

"آئی ایم سوری' مجھے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وہ محبت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میں جانتی ہوں میں نے جہاں کہا تم نے وہاں شادی کی اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ حب کے بعد تمہاری زندگی بہت بدل گئی ہے... اس بدلی ہوئی زندگی کے لیے ہی مجھے صرف عائزہ اچھی لگی۔

ہاں میں نے اس کا آئی کیو نہیں دیکھا... لیکن اس سے مل کر مجھے یہی لگا کہ وہ بہت اچھی ہے۔"

"میرا وہ مطلب نہیں تھا ماما۔"

"آئی نو مجھے لگتا تھا کہ دوسری لڑکیاں تمہاری لائف ٹف بنا دیں گی۔ وہ اتنی ڈیمانڈنگ ہوتیں کہ کبھی بھی تمہیں سمجھ نہ سکتیں' ان کا آئی کیو شاید بہت اچھا ہوتا لیکن بہرحال وہ تمہارے لیے باعث سکون نہ بن سکتیں۔ تمہاری زندگی اور مشکل ہو جاتی۔

تمہیں عائزہ کا خیال رکھنا چاہیے۔ جیسے تم حبہ کا رکھتے تھے۔ اگر محبت تمہارے اختیار میں نہیں تو تم دوستی کر سکتے ہو' ایک دوست کے ساتھ بہترین زندگی گزاری جا سکتی ہے۔

تین' چار سال اس کا علاج ہوتا رہا ہے۔ ایسے شخص سے جس کے نیم پاگل پن کا علاج ہوتا رہا ہو تم کیا توقع کرو گے کہ وہ کس طرح زندہ رہے... وہ کیسے ہنسے کیسے ری ایکٹ کرے دکھ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں ان کی شدت مختلف ہوتی ہے ایان تم یونان اسپین کی گلیوں میں بھٹکتے رہے اور وہ خود میں... تم نے شاید کبھی نوٹ نہیں کیا اسے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آج دن کون سا ہے... وہ پاگل نہیں ہے لیکن وہ ویسے نہیں رہ پا رہی جیسے کہ ہم سب چاہتے ہیں کہ اسے رہنا چاہیے۔"

"ماما میں نے کبھی عائزہ سے کوئی ڈیمانڈ نہیں کی۔ آپ جانتی ہیں کہ مجھے ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا کہ اس کا ذہنی علاج ہوتا رہا ہے یا اس کا کوئی منگیتر تھا۔"

"آئی نو کہ تم اس سے کوئی ڈیمانڈ نہیں کرتے نہ ہی وہ کرتی ہے کچھ باتیں... ڈیمانڈلی نہیں ہوتیں.... انہیں بس سمجھا ہی جا سکتا ہے۔"

"وہ میری بیوی ہے اور میں اس کا خیال رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہوں ماما۔"

"تمہیں اس کا خیال رکھنا بھی چاہیے۔"

"عائزہ میرے ساتھ ہی رہے گی جب تک وہ مکمل ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ تم بھی اپنا کام آرام سے کر لینا؟"

☼ ☼ ☼

"آئی ایم سوری میں نے بے خیالی میں وہ ٹیبلٹس کھا لیں۔"

"اٹس او کے بیٹا ٹیک اٹ ایزی۔"

"ایان مجھے گھر لے جانا نہیں چاہتے۔ انہیں بہت غصہ آیا تھا نا..."

"ایسی بات نہیں ہے عائزہ' وہ بہت بزی ہے دو' تین بار اسے شہر سے باہر جانا پڑا ہے اور وہ دوبارہ بھی جائے گا اسی لیے میرے پاس چھوڑا ہے۔ یہ بھی ایان کا ہی گھر ہے۔

تم نے بے خیالی میں وہ ٹیبلٹس کیوں کھائیں۔ کیا سوچتی رہتی ہو۔" وہ خاموش رہی۔

"تم اتنا عرصہ اتنا سیریس بیمار رہی ہو۔ تم اور کتنا بیمار رہنا چاہتی ہو۔"

"میں ٹھیک ہوں ماما' میں کوشش کرتی ہوں کہ سب ٹھیک کروں لیکن۔"

"تم سب ٹھیک کرنے کی کوشش کرتی ہو نا لیکن تم خود ٹھیک نہیں ہوتیں میں جانتی ہوں کہ تم جیسی حساس لڑکی کے لیے ہادی کی بلاسٹ میں شہادت ایک بہت بڑا صدمہ تھا لیکن اس سب میں تمہارا' تمہاری زندگی کا کیا قصور ہے۔ کسی کے ساتھ اپنی محبت کا حق زندگی برباد کرکے نہیں دیا جاتا' دیا جانا بھی نہیں چاہیے۔"

"میں نے ہادی کی موت کو قبول کرلیا تھا۔ ایان میرے شوہر ہیں۔ میں خوش ہوں۔"

"میں جانتی ہوں کہ تم ہادی کی موت کو قبول کرچکی ہو۔ ورنہ تم کبھی شادی نہ کرتیں ایک ہفتے سے تم میرے پاس ہو لیکن ہر وقت تم اپنے اس بیڈ سے سامنے والی دیوار کو گھورتی رہتی ہو۔ یہ تمہاری خوشی ہے۔ اس زندگی کے بارے میں سوچو جو تم گزار رہی ہو' میں اور ایان صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تم ایک بھرپور زندگی گزارو۔

شاید تمہارے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ تم ایک کمپیوٹر جینئس کی بیوی ہو۔ اس کی یونیورسٹی کو آج بھی اس پر فخر ہے۔ اس نے اپنی تعلیم اسکالرشپ سے حاصل کی ہے۔ ہم سب کو اس پر فخر ہے۔ ایک ایسے شخص کی بیوی کو تھوڑا بہت تو اس کے جیسا ہونا چاہیے نا۔ حبہ اس کی دوست تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنا فیوچر پلان کیا تھا۔ لیکن وہ گریجویشن سے پہلے ہی ہم سب کو چھوڑ گئی۔ ایان نے بھی اپنا کالج چھوڑ دیا۔ پتا نہیں کہاں کہاں۔ دنیا کے کس کس کونے میں بھٹکتا رہا ہے۔ سالوں۔

لیکن اس کی ایک بہت اچھی بات یہ ہے کہ اس نے خود کو اکھٹا کیا۔ اپنی ڈگری کمپلیٹ کی۔ دن میں جاب اور رات کو ریسرچ۔ تم جانتی ہو کہ وہ کتنا کام کرتا ہے۔ زیادہ سونا اور ٹائم ویسٹ کرنا اس نے خود پر حرام کرلیا ہے۔ دنیا کے اخبارات میں۔ اس کے آرٹیکلز چھپتے ہیں۔ کمپیوٹر اس کی فیلڈ ہے لیکن وہ کینسر پر ریسرچ کررہا ہے۔ ایان کا اتنا حق تو بنتا ہے نا کہ اس کی بیوی اس کے آرٹیکلز پڑھے۔ ایک اچھی بامقصد زندگی گزارے۔

عائزہ میری ان سب باتوں سے یہ مت سمجھنا کہ میں ایان کو تم سے بہتر ثابت کررہی ہوں۔ اسے رائٹ اور تمہیں رونگ کہہ رہی ہوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ مجھے تم سے یہ سب باتیں کرنی چاہئیں۔

عائزہ مجھے ایان نے بتایا کہ زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔ اس نے میری پی ایچ ڈی کے لیے مجھے فورس کیا ورنہ میں سمجھتی تھی کہ بی ایس سی کافی بڑی ڈگری ہے اور مجھے کرنا ہی کیا ہے پڑھ کر۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ میں اس دنیا کے لیے اپنی پی ایچ ڈی کروں۔ اگر میں اس عمر میں پی ایچ ڈی کرسکتی ہوں تو سوچو وہ کتنا چاہتا ہوگا کہ تم بھی کچھ نہ کچھ کرو۔ تم اپنی لائف کیوں ویسٹ کررہی ہو۔ ایان ڈیمانڈنگ نہیں ہے لیکن وہ اتنا ضرور چاہتا ہے کہ تم اپنی زندگی کا حق ادا کرو۔ اسے تم سے شکایات نہیں ہے لیکن شاید وہ الجھ جاتا ہے تمہارے طرز زندگی سے۔

حبہ کے بعد ہم سب کو بہت شدت سے احساس ہوا کہ زندگی ضائع کرنے کے لیے نہیں' میں جانتی ہوں کہ پاکستان میں بہت سی لڑکیاں اسی طرز زندگی کی عادی ہیں جہاں زندگی صرف چند لگی بندھی چیزوں کے گرد گھومتی ہے۔ لیکن اب تم ان لوگوں میں ہو جو چاہتے ہیں کہ ہر انسان اپنی زندگی کا حق ادا کرے۔ take your time تم کچھ بھی کرو' تم ہم سب کے لیے بہت خاص ہو۔"

☼ ☼ ☼

وہ جب سے ماما کے گھر سے آئی تھی اس کے معمولات وہی تھے۔ صبح میرے ساتھ اٹھنا۔ ناشتا بنانا۔ گھر اور پھر شاید وہ سارا دن ٹی وی آن کیے چھت دیکھتی رہتی ہوگی۔ یا کئی بار کی اپنی پڑھی ہوئی بکس پڑھتی رہتی ہوگی۔

ماما کی پک اینڈ ڈراپ سروس میں وہ لنگویج کلاسز لے رہی ہے اور یہ اتنا بڑا انقلاب ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ آچکا ہے۔

ماما بتارہی تھیں کہ نیو سیزن سے وہ کالج بھی جوائن کرنا چاہتی ہے۔ یعنی کہ وہ گریجویشن دوبارہ کرنا چاہتی ہے یہ اتنی بڑی خبر تھی کہ ماما پاپا نے سب کو ڈنر پر انوائٹ کیا یہ ویسا ہی بیسٹ آف لک ڈنر تھا جو مجھے کالج جانے سے پہلے دیا گیا تھا۔

اسامہ اور رمشا نے اسے گفٹس بھی دیے اور اپنے لیے پراسرار بال آگے رکھے وہ مسکراتی رہی۔

لیکن وہ آج بھی وہ اتنی ہی کم گو ہے' جتنی پہلے دن تھی۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہوتا تھا اور اس کے پاس لفظ' وہ آج بھی ٹی وی لاؤنج میں گھنٹوں ایسے ہی بیٹھی رہتی جیسے پہلے دن سے بیٹھنا شروع ہوئی تھی۔ اکثر مجھے لگتا کہ وہ پلکیں بھی نہیں جھپک رہی ہوگی۔ میں گھنٹوں بعد اسٹڈی سے نکلتا اور اسے ایک ہی انداز میں بیٹھے دیکھتا۔

دو لفظ آج بھی اس کے فیورٹ تھے "جی" "نہیں" اور کبھی کبھی "ہاں" بھی وہ بولتی ہے۔ بولنا چاہتی نہیں یا مجھ سے بولنا نہیں چاہتی۔

مجھے اس کا ایک کام بہت پسند تھا اور وہ تھا میری وارڈ روب کا۔ کوئی شرٹ بھی نکالتا بہت اچھی طرح استری شدہ ملتی وہ گھنٹوں کپڑے آئرن کرتی رہتی' کرتی رہتی جیسے یہ اس کی ہابی ہو۔

دو تین بار میں نے اسے گنگناتے سنا لیکن مجھے سمجھ نہیں آئی کہ وہ گنگنا کیا رہی ہے۔ بہت غور کرنے پر مجھے کچھ لفظ سمجھ میں آئے۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی قدیم نظم گنگنا رہی ہو' کوئی لوک داستان یا شاید الف لیلیٰ۔

کچھ بھی تھا مجھے یہ بہت اچھا لگا۔ مجھے انہیں دہرانا اچھا لگا' جب حبہ تھی تو ہم ہر اک' ٹوک ٹوک سب سنتے تھے ایک لمبی لسٹ تھی سونگ کی اور دھنوں کی۔ حبہ کے بعد یاد بھی نہیں کہ کبھی کوئی دھن اچھی لگی ہو۔

لیکن عائزہ جو گنگناتی تھی وہ اچھا لگتا تھا۔ اس کی دھیمی آواز کہ کوئی سن نہ لے جیسے پیار سے سرگوشی کی جائے مجھے بہت اچھی لگی اس کی آواز۔

میں چاہتا تھا کہ مجھے معلوم ہو کہ وہ کیا ہے جسے وہ اتنے پیار سے گنگناتی ہے۔

میرے سرچ کرتے ہی پوری غزل کا ترجمہ میرے سامنے تھا۔

واقعی مشرق پراسرار ہے اس کا ہر لفظ پراسرار ہے۔ کتنا اسرار چھپا ہے اس ساری شاعری میں۔ اتنی خوبصورت بات۔ اتنی خوبصورت بات میں نے پہلے صرف محسوس ہی کی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی اسے اتنی خوبصورتی سے بیان بھی کرسکتا ہے۔

"حیرت ہے۔۔۔ ہر زمانے میں ہر شخص ایک سی ہی

باتیں محسوس کرتا ہے۔ جیسے امیر خسرو نے کیں۔

مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ ان اشعار نے مجھ پر سحر کردیا اور میں دیر تک انہیں دہراتا رہا۔ میں نے رات ہی رات میں امیر خسرو کی کئی نظمیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھیں اور میں دیر تک ان کی گہرائی پر حیرت زدہ رہا۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم

بہ ہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

میں نے عائزہ کی سب بکس دیکھیں.... میری بدقسمتی کہ وہ سب اردو میں تھیں اور میں اردو رسم الخط نہیں پڑھ سکتا تھا۔ عائزہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگی اسے ڈر تھا کہ شاید میں انہیں اٹھا کر باہر نہ پھینک دوں اسے نہیں معلوم تھا کہ مجھے اس کا گنگنایا ہوا امیر خسرو کتنا اچھا لگا تھا۔

"تم نے یہ کتاب پڑھی ہے۔"

"جی۔"

"یہ سناؤ۔ یہ کیا لکھا ہے؟" میں نے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک تحریر پر ہاتھ رکھا۔

وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔

"یہ بھی شاعری ہے۔"

"مجھے معلوم ہے... ایٹم بم کا فارمولا تو لکھا نہیں ہوگا۔ نا۔ سناؤ۔

میں پڑھ نہیں سکتا لیکن تم سے سن تو سکتا ہوں نا۔ اگر تم سنا دو۔"

وہ پیج کی طرف دیکھنے لگی اور کافی دیر تک اسے دیکھتی ہی رہی... اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے جیسے ہنسی کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ پھر وہی مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں نظر آنے لگی۔

میں اٹھنا چاہتا تھا مجھے لگا وہ سنانا نہیں چاہتی۔

کہیں سے تیرا ساتھ لے آؤں
وصل کی چاند رات لے آؤں
بیٹھ جاؤں کسی دوراہے پر
مانگ کر تیرا ہاتھ لے آؤں

اس بار وہ مسکرائی اور اس کی نظریں اور جھک گئیں۔ اس کی آنکھیں تحریر پر تو ہرگز نہیں تھیں۔ ہاں' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ صاف شفاف آئینہ ہو گئی تھیں۔

کتنی صدیوں کے بعد بولوں میں
لب پہ اک تیری ہی بات لے آؤں
اپنی آنکھوں کی بند گلیوں سے
آنسوؤں کی بارات لے آؤں
اتنی پوجا کروں کہ میں اک دن
اپنی ذات میں تیری ذات لے آؤں
اپنی ذات میں تیری ذات لے آؤں

اس آخری جملے کی سمجھ نے مجھے مسحور کردیا۔ خوش کن سا۔

شاید یہ نظم یا غزل اسے زبانی یاد تھی... وہ نظریں پرے کیے پڑھ رہی تھی۔

لیکن وہ مسکرا کیوں رہی ہے۔ اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ تھا... اس کا سوں سوں کرنے والا انداز اور خلاؤں میں سوچتی اس کی آنکھوں سے زیادہ یہ انداز سب سے مختلف تھا۔ "پراسرار" مجھے بہت اچھا لگا اس کی طرف دیکھنا... اس کا مسکرانا... اپنی مسکراہٹ کو دباتا... اور اس کی آنکھیں۔ جگنو کی طرح چمک رہی تھیں۔

"پر یہ ہنس کیوں رہی ہے۔ جب یہ خود بکس پڑھتی ہے تو کیا ایسے ہی ہنستی ہے۔"

"تم ہنس رہی ہو؟"

"نہیں۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"نہیں۔ تم ہنس رہی ہو۔ ہنس رہی ہو تو مان لو۔ اور یہ دوبارہ سناؤ۔"

"کیوں؟"

"میں تمہیں دیکھ رہا تھا... میں نے سنا ہی نہیں۔"

اس نے کتاب بند کی اور میرے ہاتھ میں دی۔

"آپ بھی اردو سیکھ لو۔" کہا اور مسکرانے لگی۔

مجھے اس انداز میں وہ بہت اچھی لگی۔

اس کی سوچتی آنکھیں مجھے سحر زدہ لگتی ہیں۔

جب وہ ڈرائنگ روم کے پردے ہٹائے' روشن دنوں میں دھوپ میں بیٹھ کر اپنی کتابیں پڑھتی ان میں گم ہو جاتی ہے تو وہ مجھے ایک پہیلی لگتی ہے۔

ایسے لگتا ہے جیسے میں ان آنکھوں کا راز کبھی نہیں پا سکتا' اور ایسا بھی لگتا ہے جیسے میں تو ہمیشہ سے انہیں جانتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا ہے؟" میں نے اس کی پلیٹ میں سے ایک چمچہ لیتے ہوئے کہا۔

"کھچڑی۔"

"کیا؟"

"کھچڑی"... اس بار وہ اونچا بولی۔

"کھچڑی... اوکے' مجھے بھی دو' اچھا ٹیسٹ ہے۔"

"میرا پیٹ خراب تھا اسی لیے کھا رہی ہوں۔"

"میرا پیٹ ٹھیک ہے۔ کیا میں نہیں کھا سکتا۔ بائی دے وے تمہارا پیٹ کیوں خراب ہے اور یہ پھر تم ڈاکٹر بن گئیں۔"

"نہیں... وہ... یہ تو کھا لیتے ہیں۔ ٹھیک ہو جاتا ہے۔" وہ اتنا گھبرا گئی کہ مجھے ہنسی آگئی....

"دیکھ لو... اس بار میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس نہیں کورٹ لے کر جاؤں گا۔ سو کروں گا تم پر۔"

اپنی ہنسی ضبط کرتے کرتے بھی وہ ہنسنے لگی۔

عائزہ ایسے ہی اکثر تب بھی ہنسنے لگتی ہے جب اکثر لوگ اس کے لمبے بال دیکھتے ہیں اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اپنے لمبے بالوں کو اپنے آگے رکھتے ہوئے وہ میرے ساتھ ان اسٹریٹ پر واک کیا کرتی ہے جو اولڈ طرز تعمیرات کے شاہکاروں سے بھری ہوئی ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں کے دوسرے کنارے پر تھے افق کا گمان ہوتا ہے۔

اردگرد پھیلی برف اور کھڑکیوں کے پردوں سے چھن کر آتی مدھم روشنی میں اس کی قدموں کی چاپ مجھے دور سے آتی وائلن کا ساز لگتی۔

"مجھے تو سارے گھر ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔" عائزہ نے بے بسی سے کہا۔

"تمہیں سارے پاکستانی اور انگریز بھی ایک جیسے لگتے ہیں۔"

"نہیں۔ انہیں میں پہچان لیتی ہوں۔" وہ مسکرانے لگی۔

"جس طرح تم انہیں پہچان لیتی ہو انہیں بھی پہچان لوگی... یہ اسٹریٹ برٹش ہاؤسز اور فرنچ ہاؤسز کا شاہکار ہے۔ یہ اس۔ تاریخ کو بیان کرتی ہے جب دو قوموں کے لوگ ایک ہی اسٹریٹ میں رہتے تھے۔ دیکھو تم تاریخ میں سفر کر رہی ہو۔"

"مجھے لگا میں چاندنی رات میں واک کر رہی ہوں۔" عائزہ شرارت سے ہنسنے لگی۔ اور وہی وائلن کی دور سے آتی آواز۔

☼ ☼ ☼

میں نے تین بار ایان کا لکھا آرٹیکل پڑھا تھا۔ اور پھر چوتھی بار پڑھ رہی تھی۔ ماما نے آج واپسی پر یہ میگزین دیا تھا۔

"تم یہ میرا آرٹیکل پڑھ رہی ہو نا۔" وہ میرے سر پر ہی کھڑا تھا۔

"جی۔"

"کچھ سمجھ آئی۔"

"نہیں۔" اور وہ اتنی زور سے ہنسا اور دیر تک ہنستا رہا۔

"پھر پڑھ کیوں رہی ہو؟"

"ماما کہہ رہی تھیں بار بار پڑھنے سے سمجھ آجائے گی۔"

"بار بار... ؟ کتنی بار پڑھ چکی ہو۔"

"تین بار۔" اس بار وہ پہلے سے بھی زیادہ ہنسا....

ناولٹ

آتشِ درون

سفینہ یاسمین
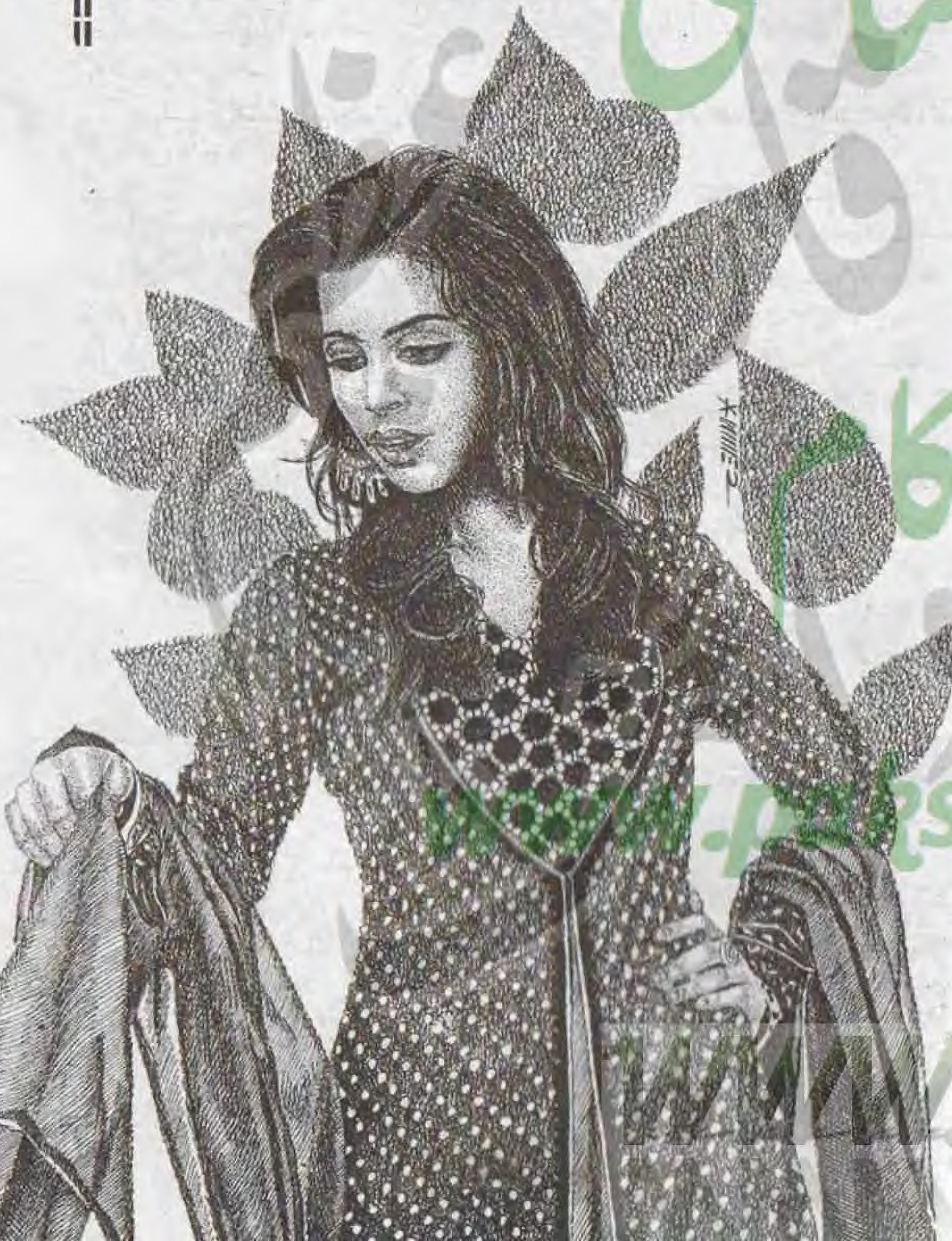
"تم اسے تین بار پڑھ چکی ہو۔
تین بار۔ یہ تو سیم ہو گیا۔ میں نے رات ابن انشاء کی ایک غزل پانچ بار پڑھی پھر بھی وہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

اس بار ہنسنے کی باری میری تھی۔

جب ایان ہنستا تو مجھے بہت اچھا لگتا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ میرے لیے کبھی ہنسے گا بھی۔

اس کا ہر وقت اعتراض کرنے والا انداز اور صرف اعتراضات۔

سینٹ لارنس پر وہ مجھے پریوں کی کہانیاں سناتا۔

اس کنارے پر پریاں آکر بیٹھتی ہیں اور خاموشی سے اپنا ساز بجاتی ہیں۔

اور مجھے اتنی ہنسی آئی کہ میں ہنستی ہی رہی ہنستی ہی رہی۔

"تم ہنس کیوں رہی ہو۔ یہاں آتی ہیں پریاں۔"

"آپ نے دیکھی ہیں۔"

"ہاں دیکھی ہیں۔ تخیل کی آنکھ سے اور خواب میں۔ ہاں لیکن ان کے ساز ضرور سنے ہیں۔ سنو تم بھی۔"

وہ ہر بار مجھے ایک نئی کہانی سناتا اور یہ کہانیاں اتنی پرلطف ہوتیں کہ زندگی کے تلخ صدمے ماند پڑنے لگتے۔

اپنے فارغ وقت میں 'میں شاعری ہی پڑھتی ہوں اور اس سے بھی زیادہ فارغ وقت میں انہیں اسٹور زپر جاکر ڈھونڈتی ہوں۔ ایان اکثر مجھ سے مختلف اشعار کے مطلب پوچھتے ہیں۔

شام سے گھبرائے جیارا
اک پل چین نہ آئے جیارا

"یہ جیارا کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تمہیں معلوم ہے۔ دیکھو تم ہنس رہی ہو۔"

اور میں اور ہنسنے لگتی ہوں۔

☼ ☼ ☼

ایان کہتا ہے اس پریماں کی وا اک سحر طاری کر دیتی ہے۔

اور مجھے اس سحر کی باتیں سمجھ میں آنے لگی ہیں۔

ویک اینڈ پر ہم گھنٹوں Quartier petite champion پر بیٹھے رہتے ہیں۔

جہاں سر شام ہی ہاتھوں میں ہاتھ دیئے لوگ گھنٹوں بیٹھنے کے لیے آتے ہیں۔ جہاں پرانی یادوں کو لوک داستانوں کی طرح دہرایا جاتا ہے جہاں محبت کرنے والوں کو محبت سے دیکھا جاتا ہے۔

ایان ٹکٹکی باندھے۔ اس اولڈ مین کو دیکھتا رہتا ہے جو اپنے تجربات کی دھن بجاتا ہے۔ مجھے اس کے ساتھ بیٹھی سنہرے بالوں والی وہ لڑکی پسند ہے جس کی دھنیں خواب دکھاتی ہیں۔

"اگر تم اس لڑکی کی جگہ ہوتیں تو میں تمہیں کہتا کہ امیر خسرو سناؤ۔"

"مجھ سے ہی کیوں؟"

"تم گنگناتی اتنا اچھا ہو۔ بجاؤ گی بھی اچھا ہی۔"

شام کے سائے ڈھلتے ہی پریاں اترنے لگتی ہیں۔

ایان کہتا ہے وہ تنہا دلوں کو جگنو دیتی ہیں۔

ان اسٹریٹ ریسٹورنٹس میں بیٹھے ہوئے مجھے اپنے آس پاس بہت سے جگنو نظر آنے لگتے ہیں۔ ایان صحیح کہتا ہے ایک دن مجھے بھی پریاں نظر آجائیں گی۔

☼ ☼ ☼

لمبی لمبی اسٹریٹس اور آوارہ گردی کے بعد ہماری واپسی اس بگھی پر ہوتی ہے جس پر بیٹھتے ہی عائزہ خود بخود ہنسنے لگتی ہے۔

سنسان سڑکوں پر گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اور عائزہ کی ہنسی مجھے اس کی آنکھوں میں جگنو نظر آنے لگتے ہیں۔ وہ جگنو جو فضا میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ شام کے سائے ڈھلتے ہی۔

جو ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں اور ساتھ رہتے ہیں۔

☼

شائستہ کی بات سن کر وہ سوچ میں ڈوب گیا' اُسے شائستہ بالکل بے قصور نظر آرہی تھی' لیکن پھر بھی وہ سزا بھگت رہی تھی' جرم بے گناہی کی سزا' صرف اور صرف اس کی وجہ سے! فرہاد نے محسوس کیا کہ اس کے تمام دکھوں اور پریشانیوں کا علاج سوائے اس کی ہاں کے اور کچھ نہیں ہے۔ چاروناچار وہ فیصلہ کن انداز میں شائستہ سے مخاطب ہوا۔

"ٹھیک ہے شائستہ! میں اپنے والدین کو تمہارے گھر بھیجوں گا' وہ آکر تمہاری امی سے بات کریں گے۔"

"ہرگز نہیں! نہیں پہلے ہی اس بات کا رنج ہے کہ تم نے مجھے ٹھکرا کر کسی دوسری جگہ شادی کرلی' امی اور بھیا اس رشتے پر کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ اور پھر کوئی ضروری نہیں کہ تمہارے امی' ابو بھی اس رشتے پر راضی ہو ہی جائیں۔" شائستہ نے پرزور انداز میں اس کے اس خیال کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر بتاؤ' میں کیا کروں؟" فرہاد نے بے چارگی سے پوچھا تو شائستہ دوبارہ گویا ہوئی۔

"اس بات کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے! اور وہ یہ.... کہ تم مجھے اس جہنم سے نکال کرلے جاؤ' ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔"

"لیکن...." فرہاد نے کچھ کہنا چاہا' مگر شائستہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں' کچھ عرصے کی ناراضی کے بعد آخر امی اور بھیا کو بھی راضی ہونا ہی پڑے گا اور پھر تمام معاملات درست ہوجائیں گے۔"

"سوچ لو شائستہ! جو کچھ ہم سوچ رہے ہیں' ضروری نہیں کہ ویسا ہی ہو' معاملہ الٹ بھی سکتا ہے۔" فرہاد نے پریشان ہوکر کہا۔

"کمال ہے.... میں لڑکی ہوکر حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں' تم تو مرد ہو.... تم مرد ہوکر اپنے اندر ہمت نہیں پاتے؟" شائستہ نے تیز لہجے میں کہا تو فرہاد نے بادل ناخواستہ سر ہلا دیا۔ پھر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا اور شائستہ خاموشی سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔

اس کا چہرہ' اس کی آنکھیں اس وقت سراپا سوال تھیں' وہ فرہاد کے فیصلے کی منتظر تھی اور امید و بیم کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھے جارہی تھی' پھر شاید وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا' کیونکہ جب وہ بولا تو اس کے پختہ لہجے میں چھپے آہنی ارادوں کی جھلک بخوبی محسوس کی جاسکتی تھی۔

"ٹھیک ہے شائستہ! میں آج رات گیارہ بجے کسی نہ کسی سواری کا انتظام کرکے تمہارے دروازے تک پہنچ جاؤں گا.... تم تیار رہنا! یہاں سے ہم لوگ لاہور پہنچیں گے اور وہاں جاکر کورٹ میرج کرلیں گے۔"

اور شائستہ نہال ہوگئی' خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی' اس کے چہرے پر قوس و قزح کی طرح بکھرتے ان گنت رنگ اس وقت کوئی بھی باآسانی محسوس کرسکتا تھا۔

تمام معاملات طے پاگئے تھے' فرہاد جب وہاں سے رخصت ہوا تو شائستہ کے بدن کی مسحور کن خوشبو اس کے ساتھ تھی' شہر پہنچ کر فرہاد نے اپنے ایک دوست سے مشورہ کیا تو ساری بات سننے کے بعد اس نے اسے ہر طرح کی مدد کا یقین دلاتے ہوئے رات آٹھ بجے اپنے ڈیرے پر پہنچ جانے کی ہدایت کی۔ اور پھر ٹھیک آٹھ بجے جب فرہاد وہاں پہنچا تو اس کا دوست خالد اسے تیار ملا اور ایک دو نالی بندوق اس کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔

"جا تو رہے ہیں' لیکن خالی ہاتھ جانا کچھ اچھی بات نہیں' کیونکہ معاملہ ذرا دوسری قسم کا ہے' اور ہاں ایک بات اور گاڑی موجود نہیں ہے' لیکن چونکہ وعدہ کرچکا تھا' اس لیے گاڑی کا انتظام تو میں نے کرلیا ہے' لیکن ایک اور دوست کو رازدار بنانا پڑا۔ اب وہ بھی ساتھ جائے گا' لیکن تمہیں گھبرانے کی بالکل ضرورت نہیں

ہے' عبداللہ بہت اچھا اور بے خوف قسم کا لڑکا ہے' اسے ساتھ لے جاکر ہم فائدے میں ہی رہیں گے' کیا خبر آگے کیسے حالات پیش آئیں؟ ہمیں ہر بات سوچ سمجھ کر جانا چاہیے۔" اور فرہاد اس کی طویل بات سننے کے بعد محض سر ہلا کر رہ گیا۔

کچھ دیر کی گپ شپ کے بعد فرہاد اور خالد دونوں اٹھ کر عبداللہ کی جانب چل دیے جو گاڑی لیے سڑک پر ان کا منتظر تھا اور پھر ٹھیک دس بجے وہ گاڑی میں بیٹھے گاؤں کی جانب رواں دواں تھے۔ گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر سناٹے کی حکمرانی تھی' ہر طرف ہو کا عالم تھا اور ان کی گاڑی تاریکی کا سینہ چیرتے ہوئے اڑی چلی جارہی تھی۔ گاڑی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور کیسٹ پلیئر پر عابدہ پروین کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اے مولا علیؓ ———— اے شیرِ خدا
مری کشتی پار لگا دینا' مری کشتی پار لگا دینا

اور پھر گاؤں کی حدود شروع ہوگئیں' اونچے اونچے درخت رات کے تاریکی میں سر جھکائے کھڑے دلوں پر ہیبت طاری کررہے تھے' لیکن وہ جذبہ ہی ایسا تھا جو انسان کو ہر قسم کے ڈر اور خوف سے بے نیاز کردیتا ہے' جس جذبے کے زیر اثر فرہاد یہاں تک پہنچا تھا وہ جذبہ پہاڑوں سے ٹکرانے کی ہمت اور جرات پیدا کردیتا تھا' سو وہ بے خوف تھا۔

گاڑی گاؤں سے باہر ہی روک کر کچی سڑک کے کنارے کھڑی کردی گئی۔ پھر خالد بولا۔

"اچھا فرہاد اب ایسا کرو کہ تم جاؤ' ہم گاڑی میں بیٹھ کر ہی تمہارا انتظار کرتے ہیں' ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھ ہم لوگوں کو دیکھ کر وہ لڑکی گھبرا جائے' بے فکر ہوکر جاؤ' اگر کوئی خطرناک مسئلہ ہوا تو تم ہمیں خود سے دور نہیں پاؤ گے۔" اور فرہاد وہ تو پہلے ہی تمام فکروں سے آزاد ہوکر اس رستے پر چلا تھا' اس نے بندوق اٹھائی اور شائستہ کے گھر کی طرف چل دیا۔

پھر ٹھیک گیارہ بجے وہ شائستہ کے گھر کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ جب گیارہ بج کر بیس منٹ ہوگئے اور شائستہ نہیں آئی تب وہ پریشان ہوگیا' وہ سوچ رہا تھا کہ ایسا کون سا طریقہ ہو جس سے شائستہ کو اس کی آمد کا پتا چل جائے' پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اگلے ہی لمحے اس نے اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیا۔ وہ باآواز بلند پکارا تھا۔

"اختر...." چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ چاند کی مدھم روشنی میں اسے ایک اور چاند نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ شائستہ آرہی تھی۔ اس کی ترکیب کارگر رہی تھی اور یقیناً شائستہ نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔ شائستہ قریب پہنچی تو گھبرائی ہوئی' لیکن مدھم آواز میں بولی۔

"آپ سے کس نے کہا تھا کہ آواز لگائیں؟ بھیا جاگ رہے ہیں اور انہوں نے آپ کی آواز سن لی ہوگی۔" اتنا کہنے کے بعد پھرتی سے پلٹی اور گھر کے سامنے کھڑے چھکڑے کی آڑ میں ہوگئی' کیونکہ ایک ہلکے سے کھٹکے اور پھر قدموں کی چاپ رات کے اس گہرے سکوت میں فرہاد نے بھی بخوبی سن لی تھی۔

ٹھیک اسی لمحے اندھیرے کی چادر میں سے شیر افگن نمودار ہوا' شائستہ کا بھائی شیر افگن' فرہاد کا ہاتھ بے اختیار کندھے سے لٹکی بندوق کے دستے پر آگیا اور وہ وہیں منجمد ہوکر رہ گیا' اس کا دل دھک دھک کررہا تھا اور وہ شیر افگن کے قریب آنے کا انتظار کررہا تھا۔

شیر افگن قدم بہ قدم چلتے ہوئے لحظہ بہ لحظہ اس کے قریب ہوتا جارہا تھا۔ فرہاد کے اعصاب تن گئے تھے اور سانس لینے کی رفتار تیز ہوچکی تھی' اب وہ ہر طرح کے حالات سے نبٹنے کے لیے تیار ہوچکا تھا۔ شیر افگن عین اس کے سامنے پہنچ کر رک گیا اور بولا۔

"فرہاد تم.... یہاں.... اس وقت' خیریت تو ہے؟" اور فرہاد کے تنے ہوئے اعصاب یک دم ڈھیلے پڑ گئے۔ پھر اس نے جواب دیا۔

"ہاں! خیریت ہے' میں کسی کام سے آیا تھا' الماس کے پاس' بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرائی تو ٹہلنے کے لیے باہر نکل آیا۔"

"اچھا.... تو تم الماس سے ملنے آئے تھے۔ بہرحال.... فرہاد گاؤں کے حالات ٹھیک نہیں ہیں'

رات کے اس وقت اور وہ بھی بندوق کے ساتھ؟ تمہارا یہاں گھومنا ٹھیک نہیں ہے' جاؤ جاکر آرام کرو۔" شیر افگن کی بات ختم ہوئی تو فرہاد نے اسے اللہ حافظ کہا اور واپس چل دیا۔ گاڑی کے پاس پہنچ کر سارا ماجرا اس نے خالد اور عبداللہ کو کہہ سنایا۔ فرہاد کی بات سن کر خالد بولا۔

"شیر افگن نے تمہیں مشکوک حالات میں پھرتے ہوئے دیکھ لیا ہے' اور وہ بھی رات کو اس وقت' بہتر یہ ہی ہے کہ واپس چلتے ہیں۔"

"ہاں ہاں! یہ معاملہ پھر کسی وقت پہ اٹھا رکھو۔" عبداللہ نے بھی خالد کی تائید کرتے ہوئے کہا' لیکن فرہاد نے ان کی بات نہیں مانی اور دوبارہ شائستہ کے گھر کی طرف چلا گیا۔ جب دو گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی' وہ نہیں آئی تو فرہاد واپس گاڑی کے پاس جا پہنچا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ یہ معاملہ آج حل نہیں ہوگا' اس لیے واپس ہی چلتے ہیں۔" خالد نے زور دے کر کہا اور پھر فرہاد کو ان کی بات ماننا ہی پڑی۔ واپسی کے دوران وہ سوچ رہا تھا کہ۔

آخر ایسی کون سی مجبوری ہو گئی' ایسی کیا وجہ تھی؟ کہ دو گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد بھی شائستہ نہیں آئی اور اسے مایوس و نامراد واپس لوٹنا پڑ رہا تھا۔ ادھر کیسٹ پلیئر پھر اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔

وے توں آونا سی

مینوں تیری یاد ستاوندی

نیندر نئیں آوندی

کچے راستے پر ان کا سفر جاری رہا اور گاڑی اچھلتی کودتی شہر کی طرف بھاگی چلی جارہی تھی' لیکن جوں ہی گاڑی کے ٹائروں نے پختہ سڑک کو چھوا ان کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ بیک ویو مرر میں تیزی سے گردش کرتی ہوئی نیلے رنگ کی وہ روشنی صاف نظر آرہی تھی۔۔۔ پولیس کی ایک جیپ تیزی سے ان کے قریب بلکہ قریب تر ہوتی چلی جارہی تھی' عبداللہ بار بار عقبی شیشے کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتا چلا جارہا تھا۔ ادھر خالد بھی بار بار کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھ رہا تھا۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔ لیکن پولیس جیپ نزدیک سے نزدیک تر ہوتی چلی جارہی تھی۔

"برے پھنسے یار!" خالد پریشان انداز میں بڑبڑایا۔

"یار پولیس جیپ ہی ہے' تم لوگ اتنا پریشان کیوں ہو؟ خدانخواستہ ہم لوگ کون سا کوئی قتل کرکے بھاگے ہیں؟" فرہاد نے ان کی پریشانی بھانپتے ہوئے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اتنا پریشان کیوں ہو؟" خالد نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

"بھئی پولیس والے یہ ضرور پوچھیں گے کہ اتنی رات گئے ہم اس کچے راستے سے کیوں برآمد ہوئے ہیں؟"

"جنگل راج ہے کیا؟ انسان بستے ہیں یہاں' لوگ کسی بھی وقت کہیں بھی جاسکتے ہیں' پولیس کو اس سے کیا؟ پھر وہ میرا گاؤں ہے' میرے دوست احباب' جاننے والے بہت لوگ ہیں وہاں' رات کے وقت گاؤں جانا جرم ہوتا ہے کیا؟" فرہاد نے اپنی نقل اتارنے کی وجہ سے خالد پر بیخ پا ہوتے ہوئے تلخی سے کہا۔ تو عبداللہ ان کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے بولا۔

"یار مسئلہ یہ نہیں کہ ہم ادھر گئے کیوں تھے؟ یا ادھر سے آئے کیوں ہیں؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس بندوق ہے' بندوق ہے تو لائسنس یافتہ لیکن اس کا لائسنس ہم تینوں میں سے تو کسی کے نام نہیں نا؟ اس کا ہمارے پاس ہونا بھی مصیبت ہے۔۔۔ بہت بڑی مصیبت۔" جس حقیقت کی طرف عبداللہ نے اشارہ کیا تھا اسے جان کر فرہاد بھی پریشان ہوگیا۔

آبادی کے آثار شروع ہوتے ہی عبداللہ نے گاڑی تیزی کے ساتھ ایک سائیڈ روڈ کی طرف موڑلی۔ تمام سڑکیں سنسان پڑی تھیں' لیکن پولیس جیپ کسی بھوت کی طرح یہاں بھی ان کے پیچھے تھی۔۔۔ اچانک خالد نے عبداللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"عبداللہ اسپیڈ مزید بڑھاؤ اور گاڑی کسی سائیڈ روڈ پر موڑتے ہی صرف ایک لمحے کے لیے روکو' میں بندوق لے کر نکلتا ہوں' باقی تم سنبھال لینا۔" یہ کہتے ہی خالد نے جھپٹ کر بندوق اٹھالی۔ ٹھیک اسی لمحے گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی تیزی سے ایک سائیڈ روڈ پر گھوم گئی' اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے پوری قوت سے بریک پیڈل دبا دیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی اور گاڑی کے رکتے ہی خالد نے دروازہ کھولتے ہوئے باہر چھلانگ لگادی۔

"چلو۔" فرہاد چیخا تو گاڑی پھر جیسے زقند بھرتے ہوئے آگے بڑھی اس دوران وہ یہ دیکھ چکے تھے کہ خالد بھاگتے ہوئے ایک زیر تعمیر عمارت کی دیوار پھلانگ کر غائب ہوچکا تھا۔ گاڑی نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ پولیس جیپ کسی عفریت کی طرح ان کے عقب میں دوبارہ نمودار ہوگئی۔ عبداللہ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ کم کردی اور سڑک کے کنارے کی طرف چلنے لگا جیسے پولیس جیپ کو راستہ دینا چاہتا ہو' آن کی آن میں پولیس جیپ ان کے سر پر آ پہنچی اور پھر آندھی اور طوفان کی طرح ان کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ پھر کچھ ہی آگے جاکر یک دم گھومی اور سڑک پر ترچھی ہوکر یوں رک گئی کہ سڑک مکمل طور پر بلاک ہوگئی۔ عبداللہ نے بریک پیڈل پر دباؤ ڈالا' لیکن گاڑی رکتے رکتے بھی پولیس جیپ کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

جوں ہی گاڑی رکی جیپ نے پولیس کے مسلح باوردی جوان اگلنا شروع کردیے جو بہت تیزی کے ساتھ ان کی گاڑی کے اردگرد پھیلتے چلے گئے' اب وہ پوری طرح ان کے نرغے میں تھے اور ان کے ہاتھوں میں دبی رائفلوں کا رخ ان دونوں کی طرف تھا۔ پھر ایک فرض شناس جوان تیزی سے آگے بڑھا' اس نے رائفل کندھے سے لٹکائی اور ایک ہاتھ سے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے دوسرا ہاتھ فرہاد کے گریبان پر ڈال دیا' اگلے ہی لمحے فرہاد گھسٹتا ہوا گاڑی سے باہر کھڑا تھا دوسری طرف عبداللہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا تھا اور اب وہ بھی گاڑی کے باہر کھڑا آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت پولیس جیپ کا ڈرائیور کی مخالف سمت کا فرنٹ ڈور کھلا اور اس میں سے بھاری بھرکم وجود کا مالک گھنی مونچھوں سے مزین چہرہ لیے وہ پولیس آفیسر نمودار ہوا جو کم و بیش چالیس یا بیالیس کی عمر کا مالک تو ضرور رہا ہوگا۔ وہ بڑے فلمی انداز میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے عین فرہاد کے سامنے آرکا۔ پھر اس کے ہونٹوں نے جنبش کی اور فرہاد کو اس کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"کیوں بھئی شہزادے کیتھوں واردات کرکے آئے او؟" (کیوں بھئی شہزادے! کہاں سے واردات کرکے آئے ہو؟)

"مال کتھے رکھیا اے؟" (مال کہاں رکھا ہوا ہے؟)

"اوئے ظفری! گڈی دی تلاشی ولاشی لے ذرا۔" (اوئے ظفری گاڑی کی تلاشی لو ذرا۔) اور فرہاد سٹپٹا کر رہ گیا' پھر وہ گھبراہٹ آمیز انداز میں بولا۔

"کیسی واردات جناب؟ ہم تو گاؤں سے آرہے ہیں' میں تو اپنے دوست سے ملنے گیا تھا۔"

"اوئے چپ کر باندرا! اسیں تینوں پاگل دسنے آں؟" (اے چپ کر بندر! ہم تجھے پاگل نظر آتے ہیں۔)

"جے واردات نئیں کیتی تے تسی بھجے کیوں سی؟" (اگر واردات نہیں کی تو تم بھاگے کیوں تھے؟) پولیس آفیسر دھاڑتے ہوا بولا اور فرہاد کی سٹی گم ہوگئی' اس بات کا وہ کیا جواب دیتا بھلا؟ یہ تو اچھا ہوا کہ خالد کو بروقت آئیڈیا سوجھا اور وہ بندوق لے کر غائب ہوگیا۔ ورنہ تو بچت کا کوئی راستہ ہی نہ رہتا ان کے پاس۔

فرہاد کی خاموشی کو محسوس کرکے پولیس آفیسر کو تاؤ آگیا اور وہ یکلخت دھاڑا اور ساتھ ہی اس کا رخ عبداللہ کی طرف ہوگیا۔

"اوئے توں دس اوئے کی گیم پا کے آئے او۔" (اوئے تم بتاؤ کیا کھیل کھیل کر آئے ہو۔) تو وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"اوہ جی سر جی قسم سے ہم نے کچھ نہیں کیا' ہم تو سیدھے اپنے گھر جارہے تھے' بس آپ کو دیکھ کر خوف

زدہ ہوگئے۔" اس دوران ظفری اینڈ کمپنی نے ان کی گاڑی کا پوری طرح پوسٹ مارٹم کرلیا تھا' ڈگی اور بونٹ کھول کر دیکھنے کے بعد انہوں نے سیٹیں تک چیک کر ڈالی تھیں۔ ڈیش بورڈ کھنگال کر دیکھ لیا تھا۔ لیکن پوری طرح ٹھوک بجا کر دیکھنے کے باوجود وہ کچھ بھی برآمد کرنے میں ناکام رہے تھے۔ گاڑی میں کچھ ہوتا تو ملتا؟ پھر ظفری نام کا وہ کانسٹیبل ہی آگے بڑھا اور مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"سر جی! کچھ نئیں ملیا۔" (سر جی کچھ نہیں ملا۔) اور پولیس آفیسر پلٹ کر پھاڑ کھانے والے انداز میں فرہاد کو گھورنے لگا۔ جیسے گاڑی میں سے کچھ برآمد نہ ہونا ہی اس کا اصل قصور ہو۔

"میںوں اے گل ہضم نئیں ہورہی' دال وچ کچھ کالا ضرور اے۔" (مجھے یہ بات ہضم نہیں ہورہی' دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔) اور فرہاد گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر پولیس آفیسر کی غراہٹ ابھری۔

"اوئے ظفری ایس چوچے نوں چک کے گڈی وچ سٹھ' تے اکرم توں اوس باگڑ بلے نال اوہدی گڈی وچ بہہ۔" (ظفری! اس چوزے کو گاڑی میں ڈالو اور اکرم تم دوسری گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھو۔)

"انہاں نوں تھانے لے چلو ایہہ آپے دسن گے۔" (ان دونوں کو تھانے لے چلو خود ہی بتائیں گے۔) اور فرہاد دھک سے رہ گیا تھا۔ ظفری اینڈ کمپنی تیزی سے حرکت میں آئی' لیکن ان کے کچھ کرنے سے پہلے ہی فرہاد اچک کر پولیس جیپ میں سوار ہوگیا۔ ادھر عبداللہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور اکرم نامی مسلح کانسٹیبل پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد دونوں گاڑیاں اسٹارٹ ہوکر آگے پیچھے چلتی ہوئی مقامی تھانے کی طرف روانہ ہوگئیں۔ فرہاد سوچ رہا تھا کہ یہ تو آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والی بات ہوگئی۔ پہلے وہ شیر افگن کی نظروں میں آنے سے بال بال بچا تھا' پھر پولیس اور اب یہ' افتاد پر افتاد پڑ رہی تھی۔

گاڑیاں گھوم کر تھانے کے احاطے میں داخل ہوئیں تو فرہاد کی پریشانی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی' وہ نا صرف ایک شریف اور عزت دار گھرانے کا فرد تھا بلکہ سید گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والد اردگرد کے علاقوں میں ایک پیر' ایک روحانی پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔ عمر رسیدہ بزرگ تھے اور ساری زندگی انہوں نے عزت کے علاوہ اور کمایا بھی کیا تھا؟ ٹھیک اسی طرح شائستہ کے ابو منظور شاہ مرحوم بھی ایک پیر اور روحانی پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے' لیکن اب وفات پاچکے تھے' جب وہ لوگ گاؤں میں رہا کرتے تھے تو گاؤں میں دو سالانہ عرس ہوا کرتے جن میں سے ایک فرہاد کے تایا ابو مروان شاہ کے مزار پر منعقد ہوتا تھا اور دوسرا منظور شاہ کے والد شیر شاہ کے مزار پر' گاؤں میں اس سالانہ عرس کو میلہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا' جہاں ہر سال انواع واقسام کی دکانیں سجتیں' بچوں کے جھولے لگائے جاتے' ڈھول بجتے' دھمالیں ڈالی جاتیں' محفل سماع منعقد ہوتی' غرض خوب رونق اور ہلا گلا ہوتا اور اس عرس یا میلہ پر ہونے والا تمام خرچ منظور شاہ کے مریدین یا پھر فرہاد کے ابو ازلان شاہ کے مرید خود اپنی جیب سے کیا کرتے تھے' دونوں گھرانے معاشی طور پر کمزور لیکن عزت اور وقار میں ہم پلہ تھے۔

ایسے ہی باوقار گھرانے سے تعلق رکھنے والا فرہاد اس وقت تھانے میں سر جھکائے کھڑا تھا' تھانے کے مسلح سپاہیوں نے اسے نرغے میں لے رکھا تھا اور گھنی مونچھوں والا بھاری بھرکم ایس آئی جس کا نام اسے راؤ امداد معلوم ہوا تھا' اس کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اور فرعون کی طرح گردن اکڑائے کرسی پر

وہ سوچوں میں گم پریشان کن خیالات سے جنگ کررہا تھا کہ اچانک راؤ امداد کی آواز بلند ہوئی۔

"ہاں بھئی کاکا بلی! ہن دسو کی رولا اے تہاڈا۔" (ہاں بھئی بچے! اب بتاؤ کیا معاملہ ہے تمہارا۔)

"وہ جی! آپ کو بتایا تو ہے کہ میں اپنے دوست......"

"بکواس بند کراوئے' سیدھی گل کر۔" راؤ امداد نے اس کا جملہ کاٹ کر دھاڑتے ہوئے کہا اور فرہاد بوکھلا کر رہ گیا۔ اسے اپنی گلو خلاصی بہت مشکل نظر آرہی تھی' احساس توہین سے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا' لیکن جانتا تھا کہ یہ تھانہ ہے اور یہاں اس سے بھی بڑھ کر توقع کی جاسکتی ہے سو وہ چاہتے ہوئے بھی راؤ امداد کے الفاظ اور لہجے پر کوئی تلخ بات نہیں کہہ سکا' کیونکہ اس وقت موقع کی نزاکت ہی یہ تھی کہ وہ صبر' برداشت' حوصلے اور نرمی سے کام لے' کیونکہ تلخی اس کے اپنے ہی حق میں نقصان دہ ثابت ہوتی۔

"وہ جی میں سچ کہہ رہا ہوں آپ یقین کریں' میں بھلا جھوٹ کیوں بولوں گا؟" فرہاد نے ملتجیانہ انداز میں بات کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے راؤ امداد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' لیکن راؤ امداد کی تسلی نہ ہوئی۔

"اوئے ظفری ذرا دوجے ککڑ نوں علیحدہ لے جا' ویکھو اوہ کی کہندا اے؟" (ظفری ذرا دوسرے مرغے کو علیحدہ لے جاؤ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟) راؤ امداد نے ظفری کو نیا حکم نامہ سناتے ہوئے کہا اور وہ یس سر! کہتے ہوئے عبداللہ کی طرف بڑھ گیا اور پھر ایک طرف بنے کمروں کی طرف عبداللہ اب اس کے ہمراہ تھا۔

"کم کی کردا ایں؟" راؤ صاحب کی منحوس آواز ابھری۔

"وہ جی دکان ہے' دکانداری کرتا ہوں۔" فرہاد نے مسکین کی صورت بناتے ہوئے کہا۔

"کناں کما لیندا ایں؟" (کتنا کما لیتے ہو؟)

"اللہ کا شکر ہے جی! گزارا ہوجاتا ہے۔" فرہاد انکساری سے بولا۔

"ویاہ ہویا ای؟" (شادی ہوئی ہے۔) اور فرہاد کے جی میں آیا وہ اس سے پوچھ ہی لے کہ۔

"یہ تھانہ ہے یا شادی دفتر؟ اور آپ تفتیش کررہے ہیں یا بچی کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں؟" لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہ کہہ پایا' کیونکہ وہ اس کے بے تکے سوالوں کے جواب دینے پر مجبور تھا۔ سو اس نے جواب دینے میں ہی عافیت جانی۔

"جی!" اس نے بمشکل کہا تھا۔

"ہوں......" سب انسپکٹر نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے یوں کہا جیسے تفتیش مکمل ہوگئی اور وہ ساری بات سمجھنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو۔ ٹھیک اسی وقت ظفری اور عبداللہ نمودار ہوئے تو سب انسپکٹر چونکتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں بھئی ظفری! کی فلم اے؟ کچھ دسیا ایہہ نے۔" (ہاں بھئی ظفری کچھ بتایا اس نے؟)

"آہو جی ایہہ تے کہانی ہی کچھ ہور اے۔" (ہاں جی یہ تو کہانی ہی کچھ اور بتا رہا ہے۔) ظفری نے جواب دیا۔

"اچھا......" سب انسپکٹر کی طویل اچھا بڑی معنی خیز تھی۔

"کی کہندا اے۔" (کیا کہتا ہے۔) اس نے سوال کیا تو ظفری گویا ہوا۔

"جی ایہہ کہندا اے کہ میںوں کوئی پتا نئیں' ایہہ جوان گڈی کرائے تے لے کے گیا سی' گڈی پنڈوں باہر کھڑی کرکے آپ پنڈ نوں ٹر گیا سی' کنھوں ملیا؟ کی کیتا؟ میںوں کچھ پتا نئیں' راؤ صاحب دال وچ کچھ کالا اے۔" (یہ کہتا ہے کہ مجھے کچھ پتا نہیں' یہ جوان گاڑی کرائے پر لے گیا تھا اور گاڑی گاؤں سے باہر ہی کھڑی کروا گیا تھا۔ کس سے ملا؟ کیا کیا؟ مجھے کچھ پتا نہیں۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔)

"اوئے میںوں تے پوری دال ای کالی نظر آندی اے' پاؤ انہاں نوں لمیاں انہاں نے انج کجھ نئیں دسنا۔" (مجھے تو پوری دال ہی کالی نظر آرہی ہے' لٹاؤ ان کو لمبا ایسے یہ کچھ نہیں بتائیں گے۔) سب انسپکٹر کی دھاڑ بلند ہوئی تو پولیس کے فرض شناس جوان مستعدی سے حرکت میں آگئے۔

"اوہ ظفری! چھتر کڈھ کے لیا' اوہ ہی جہدے اتے لکھیا ہویا اے۔ آجا مورے بالماں تیرا انتظار اے۔" (ظفری چھتر لاؤ جس پر لکھا ہے آجا مورے بالما تیرا انتظار ہے۔) سب انسپکٹر نے مزید کہا۔ لیکن یک دم واویلا کرنے کی آواز پر سب انسپکٹر اور فرہاد کی نظریں ایک ساتھ بلند ہوئیں' پیش قدمی کرتے ہوئے پولیس کے جوان بھی ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ یہ منظر فرہاد کے ساتھ ساتھ ان کے لیے بھی یقیناً" اتنا ہی حیرت انگیز

تھا' اتنا ہی مضحکہ خیز تھا جتنا کہ فرہاد کے لیے۔ عبداللہ یک دم بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا تھا۔ پھر روتی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

"جناب! میرا کوئی قصور نہیں' میں تو غریب آدمی ہوں' میرا تو کام ہی یہ ہی ہے' سواری اٹھانا اور سواری چھوڑنا' میں تو اسے جانتا بھی نہیں' اگر یہ بندہ کسی جرم میں ملوث ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟" اور اس کی یہ بات سن کر اور اس کا یہ انداز دیکھ کر فرہاد بھونچکا رہ گیا' تو یہ تھا خالد کا وہ جی دار آدمی؟ یہ فائدہ ہوا تھا اسے ساتھ رکھنے کا کہ اس نے اسے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا تھا' لیکن شاید موقع کی نزاکت کے مطابق اس کا فیصلہ ٹھیک ہی تھا' اس نے آزردگی سے سوچا۔

دوسری طرف سب انسپکٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک باریک لکیر نمودار ہو کر یک لخت ہی معدوم ہو گئی تھی۔ اس نے بڑی خوش اسلوبی سے اس پر قابو پا لیا تھا۔ عبداللہ اب باقاعدہ بین کرنے کے انداز میں با آواز بلند بھوں۔۔۔ بھوں کر کے رو رہا تھا۔ اور فرض شناس جوانوں کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔ وہ اس سچویشن کو پوری طرح انجوائے کر رہے تھے۔

"اوئے چپ کروائے کھوتیا۔" اچانک سب انسپکٹر کا پیمانہ صبر شاید لبریز ہو گیا۔ اس نے بلند آواز سے عبداللہ کو ڈانٹا تو عبداللہ کی آہ و بکا بالکل یوں رک گئی جیسے چلتے ٹیپ ریکارڈ کا اچانک سوئچ نکال دیا جائے۔

"ایہہ چک چابی تے دور ہو جا میریاں نظراں توں۔۔۔ تھانے وچ مرداں دا کم اے کھسریاں دا نئیں۔"
(اٹھاؤ چابی اور نکل جاؤ یہاں سے' تھانے میں مردوں کا کام ہے' ہیجڑوں کا نہیں۔) سب انسپکٹر نے عبداللہ کی گاڑی کی چابی اس کے قدموں میں پھینکتے ہوئے غصیلے انداز میں کہا تو عبداللہ سر پر پاؤں رکھ کر یوں بھاگا جیسے اس کے پیچھے کوئی خطرناک بھوت یا جنگلی درندے لگے ہوئے ہوں۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد اس کی گاڑی اسٹارٹ ہو کر تھانے کے احاطے سے باہر نکل گئی۔ سب انسپکٹر راؤ امداد کی پوری توجہ اب فرہاد کی طرف تھی۔

"وہ جی مجھے بھی چھوڑ دیجیے جناب! میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" فرہاد نے منمناتے ہوئے کہا تو سب انسپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔

"تینوں کیویں چھڈ دواں' توں تے مینوں پکا مجرم لگدا ایں' کیوں اوئے ظفری تیرا کی خیال اے؟"
(تمہیں کیسے چھوڑ دوں؟ تم تو مجھے پکے مجرم لگتے ہو' کیوں ظفری تمہارا کیا خیال ہے۔) سب انسپکٹر سخت لہجے میں بات کرتے ہوئے یک دم ظفری سے مخاطب ہوا تو وہ فدویانہ انداز میں بولا۔

"حق آکھیا جے راؤ صاحب! ایہہ بندہ ڈنگا لگدا اے۔" (سچ کہا راؤ صاحب' یہ بندہ ٹیڑھا لگتا ہے۔)
ٹھیک اسی لمحے ہیڈ کانسٹیبل اکرم نے گفتگو میں حصہ لیا اور عالمانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے سب انسپکٹر راؤ امداد کو مخاطب کیا۔

"اوہ جی مینوں ساری سمجھ آ گئی اے کہ رولا کیہہ اے؟ اصل وچ ایس منڈے دی دکان اے' تے پنڈ دی کوئی کڑی اوتھوں سودا لین آوندی سی' ایدھی گوٹی فٹ ہو گئی تے اج ایہہ ملاقات کرن گیا سی' ایس عمر دے ایہو جئے منڈیاں دا ہور کوئی رولا نئیں ہندا!" (میں سب سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے' اصل میں لڑکے کی دکان ہے اور گاؤں کی کوئی لڑکی سامان لینے آتی تھی' سو چکر چلا اور آج یہ ملاقات کے لیے گیا تھا' اس عمر کے لڑکوں کا اور کوئی چکر نہیں ہوتا۔)

"نہیں جناب ایسا کچھ نہیں ہے' میں سید گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں اور شادی شدہ ہوں' میں صرف اپنے دوست سے ملنے گیا تھا۔" فرہاد نے فوراً" صفائی دیتے ہوئے کہا۔

"چکر تے کوئی انج دا ای لگ دا اے پر ایہہ کجھ ہور کہندا اے' کیہدا پتر ایں؟"
(چکر تو ایسا ہی لگتا ہے پر یہ کچھ اور کہتا ہے' کس کے بیٹے ہو؟) سب انسپکٹر نے مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"جھوٹ کہندا اے جی' رولا ایہو ای اے!"

(جھوٹ کہتا ہے جناب معاملہ یہ ہی ہے۔) اکرم نے پوری شدومد سے اپنی قیافہ شناسی کی تائید کرتے ہوئے کہا تو فرہاد نے گھگیائے ہوئے انداز میں مزاحمت کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب! میں سچ کہہ رہا ہوں' میں ازلان شاہ کا بیٹا ہوں' جو کچھ آپ لوگ کہہ رہے ہیں ایسا کچھ نہیں ہے' پلیز آپ لوگ مجھے جانے دیں۔" وہ دل ہی دل میں ہیڈ کانسٹیبل کی خطرناک حد تک پہنچی ہوئی ذہانت کا قائل ہو گیا تھا' جو کافی حد تک حقیقت کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیوں اوئے ظفری! تیرا کی خیال اے؟ ایہہ تے پیر بادشاہ نکل آئے نیں' چھڈ دیے؟" (کیوں ظفری کیا خیال ہے؟ یہ سید ہے' چھوڑ دیں؟) اور فرہاد کو امید کی کرن نظر آنے لگی' سب انسپکٹر نے استفہامیہ انداز میں ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"نئیں جی نئیں۔۔۔ میرا اندازہ غلط نئیں ہو سکدا۔" اکرم بے اختیار بولا تھا۔

"اوئے چپ کر اوئے' وڈا جیمز بانڈ۔۔۔ ایڈا ای نجومی سیں تے پلس وچ کی کرن آیا ایں؟ اک طوطا لے تے سڑک دے کنڈھے تے بہہ کے فالاں کڈھ' تینوں پتا نئیں اوہ پیراں دا منڈا اے؟" (اوئے چپ کر اوئے بڑے آئے جیمز بونڈ۔۔۔ اتنے ہی بڑے نجومی ہو تو پولیس میں کیا کرنے آ گئے؟ ایک طوطا لو اور سڑک کنارے بیٹھ کر فال نکالو' تمہیں پتا نہیں وہ پیر کا لڑکا ہے؟) سب انسپکٹر نے بگڑے ہوئے انداز میں اکرم کو بری طرح ڈانٹتے ہوئے کہا اور بے چارہ اکرم ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ جبکہ فرہاد سعادت مندی سے گردن جھکائے محکمہ پولیس کی بہترین کارکردگی' پھرتیوں اور اعلا صلاحیتوں کے عملی مظاہرے کا نظارہ کرتے ہوئے اپنی تقدیر کے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر جیسے سب انسپکٹر کسی نتیجے پر پہنچ گیا اور تنبیہی لہجے میں فرہاد سے مخاطب ہوا۔

"دیکھ کاکا ہن تے میں تینوں چھڈ رہیاں پر دعا کر کہ توں فیر ساڈے قابو نہ آویں کیوں کہ جے ہن توں ساڈے دھکے وچ آ گیا تے فیر تینوں کیسے وی نئیں بچانا' اگوں توں یاراں نوں ملن رات نوں نہ جاویں سمجھا ایں؟ چل نس جا ہن۔" (دیکھو اب تو میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں پر اگر دوبارہ کبھی قابو آ گئے تو نہیں چھوڑوں گا' آئندہ دوستوں سے ملنے رات کو نہیں جانا' ورنہ تمہیں ہم سے کوئی نہیں بچا پائے گا چلو اب دوڑ جاؤ۔) سب انسپکٹر کا جملہ ختم ہوتے ہی فرہاد کے منہ سے ایک اطمینان بھری طویل سانس خارج ہوئی اور وہ جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق تیزی سے باہر کی جانب لپکا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ تھانے سے نکل کر سیدھا اپنے گھر کی سمت اڑا چلا جا رہا تھا۔

ابھی وہ اپنی گلی میں داخل ہی ہوا تھا کہ اسے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔

"رات کے اس پہر بھلا کون گلیوں میں ریس لگاتا پھر رہا ہے؟" اس نے حیرت سے سوچا' پھر ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ واقعی اس نے کوئی آواز سنی ہے یا پھر یہ اس کا وہم ہے؟ دوڑتے قدموں کی آواز اب مزید واضح ہو چکی تھی اور یہ اس کا وہم ہرگز نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دوڑتے قدموں کی وہ آواز بلند ہوتی چلی جا رہی ہو' اسے یہ اندازہ لگانے میں بالکل بھی دیر نہیں لگی کہ بھاگنے والا دور ہونے کی بجائے اس کے قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے۔

ٹھیک اسی لمحے ساتھ والی گلی میں سے آگے پیچھے دوڑتے وہ تین افراد برآمد ہوئے۔ کھلی کھلی شلواروں اور قمیصوں میں ملبوس ان تینوں افراد نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ان تینوں افراد کو شناخت کرنے یا ان کے بارے میں کوئی اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ لہٰذا وہ ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔ ان تینوں نے بھی شاید اسے دیکھ لیا تھا' کیونکہ وہ دوڑتے ہوئے سیدھے اسی کی سمت آئے تھے۔ جوں ہی وہ اس کے قریب پہنچے فرہاد کے پورے وجود میں سنسناہٹ سی پھیلتی چلی گئی۔ وہ ان تینوں کے ہاتھوں میں دبے خوف ناک ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی سے

پوری طرح واقف تھا۔ ان میں سے ایک ہاتھ میں ٹرپل ٹو را ئفل اور دو کے ہاتھوں میں مشین پسٹل تھے اور ان تینوں ہتھیاروں کے خوف ناک اور تاریک دہانے فرہاد کی جانب اٹھے ہوئے تھے۔ فرہاد لرز کر رہ گیا' اس کی حالت اس وقت بالکل یوں تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ملے بالکل آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا والی سچویشن تھی۔ ابھی ابھی بمشکل پولیس والوں سے گلو خلاصی حاصل کی تھی اور اب یہ نئی افتاد آن پڑی تھی۔

"شاید آج ستارہ ہی گردش میں ہے۔" اس نے حیرت سے سوچا۔

"جو کچھ بھی ہے نکال دو؟" ایک عجیب کھرکھراتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ شاید بولنے والا لہجہ تبدیل کر کے بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن رات کے اس پہر تن تنہا فرہاد کے لیے وہ آواز بھی بہر حال خوف ناک بھی تھی "ہینڈ گرینڈ ہے نکالوں۔" فرہاد نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے زندہ دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے دماغ میں ستارے سے ناچ اٹھے۔ اس کی گردن کے عقبی حصے پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ ٹرپل ٹو والا اس کے بالکل قریب ہی کھڑا تھا جو اس کی بذلہ سنجی کو ہضم نہیں کر پایا تھا اور سیخ پا ہو گیا تھا۔ اس نے یک لخت طیش میں آکر گن کو نال کی سمت سے پکڑا تھا اور پھر ٹرپل ٹو کے بٹ کے ساتھ اس کی گردن سہلا دی تھی۔

گن والا خاصا غصہ ور آدمی محسوس ہوتا تھا۔ ایک تو اس نے یہ حرکت بہت تیز رفتاری اور پھرتی سے کی تھی' دوسرے فرہاد شاید اس کے لیے تیار بھی نہ تھا۔ لہٰذا اس کی گردن بندوق کے بٹ کا یہ اچانک اور محبت سے معمور بوسہ برداشت نہ کر سکی۔ نتیجتاً" وہ دماغ میں ناچتی نیلی پیلی روشنیاں لیے لڑکھڑاتا ہوا دو قدم آگے بڑھتا چلا گیا۔ لیکن سینے پر لگنے والی اس اچانک ضرب نے جہاں اس کی پیش قدمی کو روکا تھا وہیں اس کو سنبھلنے میں مدد بھی فراہم کی تھی۔ اسے لڑکھڑا کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر کھرکھراتی آواز والے نے سینے پر ہاتھ مار کر اسے روکا تھا اور اب پستول کی نال فرہاد کی پیشانی کو چھو رہی تھی۔ پھر وہ اپنی اسی مخصوص کھرکھراتی آواز میں بولا۔

"مذاق کرتے ہو؟ اگر ہم نے مذاق کر دیا نا بیٹا... تو کل یہیں لوگوں کے لیے مذاق بنے پڑے ہوئے ہو گے' ایک ڈھیر کی صورت... سمجھ گئے نا؟ کیونکہ ہمارا مذاق بھی گولیوں کی زبان میں ہوتا ہے... پرس نکالو اپنا؟" اس نے پستول کی نال سے فرہاد کی پیشانی پر ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ ناچار فرہاد نے پرس نکالا اور اس کے حوالے کر دیا۔

"اور کیا ہے؟ وہ بھی نکالو؟" کھرکھراتی ہوئی آواز والے کی غراہٹ بلند ہوئی۔

ٹھیک اسی لمحے بولٹ ہٹائے جانے کی آواز بلند ہوئی اور کھرکھراتی آواز والے کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ فرہاد نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تو حیران رہ گیا۔ اس کی نظریں فرہاد کے کندھے کے اوپر سے ہوتی ہوئی پچھلی سمت متوجہ تھیں۔ فرہاد نے پھرتی سے پلٹ کر دیکھا تو غصہ ور شخص بولٹ ہٹانے کے بعد گن فرہاد کی جانب سیدھی کیے کھڑا تھا اور اس کی آنکھیں... آنکھوں میں تو جیسے خون اترا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لیے فرہاد کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ آنکھیں اس نے پہلے بھی کہیں دیکھی ہیں۔ لیکن یہ وقت ایسی سوچ بچار کا نہیں تھا۔ کیونکہ غصہ ور شخص کی انگلی کا دباؤ گن کے ٹرائیگر پر خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا اور اب کسی بھی لمحے گولی بس چلنے ہی والی تھی۔

"ظفری! اسے روکو' ایسا نہیں کرنا۔" اسے قریب ہی سے کھرکھراتی ہوئی آواز والے کی چیخ نما آواز سنائی دی' لیکن اب یہ آواز کھرکھراتی ہوئی نہیں تھی ٹھیک اسی لمحے ٹرپل ٹو والے کے قریب ہی موجود دوسرے ڈھاٹا پوش نے لپک کر گن کی نال پر ہاتھ ڈالا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے اس کی نال آسمان کی طرف اٹھا دی تھی۔

"ڈھائیں۔" ایک خوفناک آواز نے رات کی تاریکی اور سناٹے کا سینہ چھلنی کر دیا۔ گولی چلی تھی اور پھر ایک سرخ لکیر سی بناتی ہوئی آسمان کی بلندیوں میں کہیں گم ہو گئی تھی۔ گن اب دوسرے ڈھاٹا پوش کے ہاتھ میں تھی۔ اچانک چلنے والی گولی نے جہاں فرہاد کے اعصاب کو بری طرح مجروح کر دیا تھا وہیں وہ تینوں بھی بوکھلا گئے تھے۔ اور پھر اگلے ہی لمحے آگے پیچھے دوڑتے ہوئے وہ تینوں ایک گلی میں گھس کر غائب ہو چکے تھے اور فرہاد ششدر کھڑا تھا۔ موت اس کے بالکل قریب سے ہو کر گزر گئی تھی۔ اگر ظفری نامی ڈھاٹا پوش سے ایک لمحے کی بھی تاخیر ہو گئی ہوتی وہ واقعی ایک ڈھیر کی شکل اختیار کر گیا ہوتا۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر تھکے تھکے قدموں سے اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ زندگی باقی تھی سو بچ گیا۔ یا شاید آج کوئی نیکی اس کے کام آگئی تھی۔ رات اپنی آخری ہچکیاں لے رہی تھی اور پورا محلہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ لوگ اتنی گہری نیند سو رہے تھے کہ گولی چلنے کی آواز بھی کسی کی بے داری کا باعث نہیں بن سکی تھی۔ اسی پر سکوت ماحول میں گھر کی طرف چلتا ہوا فرہاد تخیل کے پردے پر ٹکی ان دو روشن آنکھوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن میں خون ہی خون اترا ہوا نظر آرہا تھا۔ نفرت کے زہر میں ڈوبی ہوئی وہ آنکھیں اس کے دماغ پر کسی کنکھجورے کی مانند چپک کر رہ گئی تھیں۔ کون تھا وہ... کس کی تھیں وہ آنکھیں؟ کہاں دیکھی تھیں اس نے وہ آنکھیں؟ لیکن اس کا دماغ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

"ظفری! اسے روکو' ایسا نہیں کرنا۔" کھرکھراتی ہوئے آواز والے کی کھرکھراہٹ کے بغیر صاف اور واضح آواز بلند ہوئی۔ شاید گھبراہٹ کی انتہا پر پہنچ جانے کے سبب وہ لہجہ تبدیل کرنا بھول گیا تھا اور اپنی اصل آواز میں بول پڑا تھا۔

"ظفری! اسے روکو' ایسا نہیں کرنا۔" آواز دوبارہ گونجی تھی اور اس کے ذہن میں چھناکا سا ہوا' وہ اسے پہچان چکا تھا۔ وہ اکرم تھا' ہیڈ کانسٹیبل اکرم... دوسرا ڈھاٹا پوش یقیناً" کانسٹیبل ظفر ہی تھا جسے گھبراہٹ کے عالم میں ہیڈ کانسٹیبل اکرم اس کے اصل نام سے پکار بیٹھا تھا۔ وہ ان دونوں کو شناخت کر چکا تھا۔ لیکن وہ آنکھیں' وہ آنکھیں' کس کی تھیں؟ کون تھا وہ؟ اکرم اور ظفر کو تو وہ پہچان چکا تھا' لیکن وہ تیسرا ڈھاٹا پوش آدمی کون تھا؟ پولیس ملازمین میں سے تو ہرگز نہیں تھا' تو پھر کون تھا وہ... کون تھا وہ؟ اس نے جیسے خود سے سوال کیا' لیکن جواب ندارد... اس کا ذہن اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا تھا۔

اس کی سوچیں آپس ہی میں گتھم گتھا ہوتی رہ گئیں۔ اللہ اللہ کر کے وہ خیریت سے اپنے دروازے پر پہنچا' ٹھیک اسی لمحے مؤذن کی بلند ہونے والی آواز نے اللہ کی بڑائی اور وحدانیت کا اعلان کیا' فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں' جس کا مطلب تھا کہ پوری رات ان ہی مسائل کی نذر ہو چکی ہے۔ گیٹ کے قریب کھڑے ہو کر اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ جب کسی ذی روح کی موجودگی کا احساس نہ ہوا تو اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ اگلے ہی لمحے اچک کر اس نے دونوں ہاتھ گیٹ کے اوپری حصے پر مضبوطی سے جما دیے' پھر ایک ہلکی سی دھپ کی آواز کے ساتھ وہ گیٹ کے اندرونی سمت کود گیا۔

وہ گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ تحفظ کا ایک بے پایاں احساس اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگا تھا' اب وہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو چکا تھا۔ اب وہ ایک مضبوط چار دیواری کے اندر تھا' اپنے گھر میں تھا۔ چند لمحے پنجوں کے بل وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے اپنی سانس درست کی' پھر اٹھ کر آہستہ قدمی سے چلتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ اب اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا' دروازہ کھول کر جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوا ششدر رہ گیا۔

سلمیٰ کی دروازے پر جمی آنکھیں اس کی منتظر تھیں۔ وہ جاگ رہی تھی۔ فرہاد کو شدید حیرت ہوئی کہ سلمیٰ نے پوری رات اس کے انتظار میں جاگ کر گزار دی تھی۔

"خیریت ہے سلمیٰ؟ تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟

سوئی نہیں؟" فرہاد نے حیرانی سے سوال کیا تو وہ کہنیوں کے بل اٹھتی ہوئی بولی۔

"آپ بھی تو جاگ رہے ہیں؟ آپ ابھی تک کیوں نہیں سوئے؟ کہاں تھے آپ؟" سوالات کی اس یلغار پر فرہاد گڑبڑا کر رہ گیا' لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا۔ پھر جب وہ بولا تو اس کا لہجہ کافی حد تک سنبھلا ہوا تھا۔

"اوہو جان! تم بھی خوامخواہ پریشان ہو جاتی ہو' میں گاؤں گیا تھا' وہ میرا دوست الماس ہے نا؟ کافی دنوں سے بیمار ہے وہ' اس کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے گیا تھا' وہیں سے آرہا ہوں۔" فرہاد نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے سلمٰی کے چہرے پر نظریں دوڑائیں تو وہاں اسے شکوک و شبہات کے گہرے بادل پھیلے نظر آئے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی کا تاثر جیسے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ ہزاروں وسوسے' اندیشے اور خدشات اس کی شفاف آنکھوں میں جیسے لہریں لے رہے تھے اور پھر یہ اندیشے' یہ وسوسے' یہ خدشات اس کی زبان تک بھی آ پہنچے۔

"بیمار تو آپ کا دوست ہے' آپ تو ٹھیک ہیں نا؟ اگر آپ گئے ہی تھے تو پھر ایسی کون سی مجبوری تھی؟ جو آپ کو رات کے اس پہر واپس آنا پڑا! آپ آرام سے دن نکلنے کے بعد بھی تو آسکتے تھے؟" سلمٰی کے بے یقین لہجے میں اندیشوں کے سیکڑوں ناگ کلبلا رہے تھے۔

"ہاں! آتو سکتا تھا۔ مگر ایک ڈرائیور دوست گاڑی لے کر شہر آرہا تھا' اسے منڈی سے مال اٹھانا ہوتا ہے' سو میں بھی اس کے ساتھ واپس آگیا' اگر میرا آنا ناگوار گزرا ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" فرہاد جو اس دوران آرام سے بستر پر بیٹھ چکا تھا یک دم کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ اس کے تیور بھانپتے ہوئے سلمٰی گڑبڑا سی گئی۔

"نن.... نہیں' میرا یہ مطلب تو نہیں تھا' اچھا کیا آپ نے کہ آپ واپس آگئے' بتا کر بھی تو نہیں گئے تھے نا؟ امی جان نے بھی پوچھا' وہ بھی پریشان ہو رہی تھیں' لیکن ظاہر ہے' مجھے پتا ہی نہیں تھا تو جواب کیا دیتی؟ آپ بتائے بغیر گھر سے باہر نہیں رہا کریں پلیز۔" سارے ابہام' سارے خدشات کہیں دور جا سوئے تھے' سارے اندیشے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ اب اس کے لہجے میں محبت ہی محبت بھری ہوئی تھی' ایک تڑپ اور ایک فکرمندی سی چھپی ہوئی تھی۔ فرہاد ایک اطمینان بھری طویل سانس لیتے ہوئے دوبارہ بستر پر ڈھیر ہو گیا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ بستر پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تھکاوٹ اور بے آرامی سے بھرپور اس رات کو گزرے کم و بیش تین دن گزر چکے تھے۔ یہ تین دن یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈوبتے ابھرتے ہوئے فرہاد نے سخت بے چینی کے عالم میں گزارے تھے۔ تحیر اور اسرار سے بھرپور اس ایڈونچر زرات نے اسے انوکھے اور ناقابل یقین واقعات سے دوچار کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی عقل چکرا کر رہ گئی تھی۔ ڈرامائی انداز میں اسلحہ اٹھائے اس کا شائستہ کو لینے پہنچنا' پھر شیر افگن سے اس کا سامنا ہونا' شائستہ کا وہ گھبرایا ہوا انداز' پھر اس کا اس کے ساتھ نہ آنا' واپسی پر پولیس کا تعاقب' خالد کا بندوق لے کر فرار ہونا' تھانے میں اس کی پیشی' عبداللہ کا سمجھ میں نہ آنے والا رویہ' رہزنی کی واردات' اور پھر ان وارداتوں کی شناخت' اس کے لیے کس اچنبھے سے کم نہ تھی۔

یہ سب کچھ اس کے لیے ایک الف لیلوی داستان کی مانند تھا۔ جو بار بار اس کے پردہ ذہن پر کسی فلم کی طرح چلنے لگتی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے دماغ کی چرخیاں گھمانے کے لیے کافی تھا' لیکن اس کے باوجود وہ شائستہ کے لیے سخت پریشان تھا' پتا نہیں اس کے ساتھ کیا بیتی ہوگی؟ اور پھر دوبارہ اس سے کوئی رابطہ بھی تو نہیں ہوا تھا۔ پھر اچانک اس کے دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں کہیں دور دو چراغ سے روشن ہو گئے جو رفتہ رفتہ اپنا حجم بڑھاتے چلے گئے۔ لال انگارہ' نفرت

کے تاثرات سے لبریز' دو آنکھیں' کون تھا وہ ڈھاٹا پوش' آخر کہاں دیکھی تھیں اس نے وہ آنکھیں؟ اس نے الجھ کر سوچا۔ آخر اسے ایسا کیوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ ان آنکھوں کے مالک چہرے سے بخوبی واقف ہے! کون ہو سکتا ہے؟ اس نے جیسے خود سے سوال کیا اور پھر وہ ہیڈ کانسٹیبل اکرم؟ وہ کانسٹیبل ظفری؟ یہ ہے ہمارے ملک کی پولیس؟ کیا یہ ہے ہمارا پاکستان؟ قانون کے محافظ ہی لٹیرے؟ کیا ہے یہ سب؟ کیوں ہے یہ سب؟ اس نے دکھ سے سوچا۔

پھر اس کے بعد اماوس اسے پکارا گیا
اندھیری رات پہ اترا مرے نصیب کا دکھ

☼ ☼ ☼

تین دن گزر چکے تھے' لیکن وہ اس گتھی کو سلجھا نہیں سکا تھا۔ آج بھی دکان پر بیٹھا وہ اسی الجھی ہوئی ڈور کا کوئی سرا تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن بے سود' کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"فرہاد آپ کا نام ہے؟" اچانک سنائی دینے والی آواز پر اس نے بری طرح چونکتے ہوئے نظریں اٹھائیں۔ سیاہ برقعے میں ملبوس کرخت آواز والی اس عورت کی سوالیہ نظریں فرہاد کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ناک کے اوپر سے نقاب کیا ہوا تھا اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں جیسے فرہاد کے چہرے پر اپنے سوال کا جواب پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"جی! میں ہی فرہاد ہوں' فرمائیں؟" اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ شائستہ کو جانتے ہیں؟" برقعہ پوش خاتون کا انداز استفہامیہ تھا۔ فرہاد کے پورے وجود میں جیسے بے چینی سی دوڑ گئی اور دل زور' زور سے دھڑکنے لگا۔

"جی! جانتا ہوں' آپ اس کا کوئی پیغام لائی ہیں کیا؟" فرہاد نے اضطراری انداز میں پوچھا تو جواباً برقعہ پوش عورت نے اپنا ہاتھ فرہاد کی جانب بڑھا دیا اور اس کی مٹھی میں دبا ہوا وہ تہ شدہ کاغذ فرہاد کی ہتھیلی پر منتقل ہو گیا۔

"میں آگے بازار جا رہی ہوں' ایک گھنٹے تک واپس آتی ہوں' جواب تیار رکھیے گا۔" برقعہ پوش عورت نے جاتے جاتے مڑ کر فرہاد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا اور پھر آہستہ قدمی سے چلتی ہوئی کچھ ہی دیر میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ فرہاد نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ بے صبری سے تہ شدہ کاغذ کھولا اور پھر اس کی نظریں تیزی سے اس پر پھسلتی چلی گئیں' لکھا تھا۔

جانِ شائستہ!

آداب!

امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے' اس دن آپ کے جانے کے بعد وہ رات مجھ پر بہت بھاری گزری' بھائی جاگ رہے تھے اور میں گھر سے باہر نکل

آئی تھی، بھائی کے قدموں کی چاپ سن کر میں بیل گاڑی کے پیچھے چھپ گئی تھی اور پھر پوری رات مجھے وہیں گزارنی پڑی، آپ سے غلطی یہ ہوئی کہ آپ نے اختر کا نام لے کر آواز دی تھی۔ اختر اس وقت مہمان خانے میں بھائی کے ساتھ بیٹھا تھا! اس پر ستم یہ کہ آپ نے بھائی سے یہ کہہ دیا کہ آپ الماس کے ہاں آئے ہوئے ہیں، مسئلہ یہ ہوا کہ الماس بھی اختر اور بھائی کے ساتھ وہیں موجود تھا۔ نتیجہ یہ کہ بھائی مشکوک ہوگئے، تمام رات وہ مجھے تلاش کرتے پھرے اور میرے پاس اس وقت گھر سے باہر نکلنے کا کوئی بھی معقول جواز نہ تھا۔ لہٰذا ساری رات میں بیل گاڑی کے نیچے وہیں دبکی رہی، فجر کی اذانوں کے وقت میں تایا جان کے گھر پہنچ گئی اور ان سے کہا کہ مجھے اپنے گھر میں نہیں رہنا، جیسے تیسے بات سنبھالنے کی کوشش تو کی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکی۔ امی اور بھائی جان مجھے واپس گھر لائے تو مجھے بہت مارا پیٹا گیا۔ وہ بار بار مجھ سے ایک ہی سوال کر رہے تھے کہ تم رات باہر کیوں نکلیں؟ اور فرہاد کیا کرنے آیا تھا۔ لیکن میں نے کچھ بھی تسلیم نہیں کیا۔

فرہاد میں بہت پریشان ہوں، اس عورت کو میں نے بڑی مشکلوں سے آپ تک پہنچایا ہے، دوبارہ آپ تک رسائی حاصل کرنے کا کوئی موقع ملے یا نہ ملے نہیں جانتی، مگر یہ اذیت میں اور زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی، اس سے پہلے کہ ان حالات سے تنگ آکر میں اپنی جان لے لوں، آپ کو کچھ کرنا ہوگا۔ آپ کوئی تیز نشہ آور چیز یعنی کوئی دوا وغیرہ خط کے جواب کے ساتھ اس عورت کو دے دیں اور کل رات بارہ بجے گاؤں پہنچ جائیں، میں وہ دوا سب گھر والوں کو کھلا دوں گی اور آپ کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ دن نکلنے تک ہم دونوں یہاں سے بہت دور جا چکے ہوں گے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے.... ایک بار پھر تاکید کرتی ہوں کہ دوا ضرور بھجوائیے گا۔

فقط آپ کی اور صرف آپ کی
شائستہ

خط پڑھنے کے بعد فرہاد نے اس کا مختصر جواب تحریر کیا اور پھر قریبی میڈیکل اسٹور پر پہنچ گیا اور شاپ کیپر سے مخاطب ہوا۔

"برکت صاحب! نیند کی جو گولیاں میں لیتا ہوں وہ تو اثر نہیں کرتیں کوئی اس سے بھی زیادہ تیز اور زود اثر میڈیسن ہو تو بتایئے؟" برکت صاحب نے ایک نظر اسے گھورا، پھر بولے۔

"یہ کیپسول لے جائیں، یہ ایک کیپسول ایک بھینس کو سلانے کے لیے بھی کافی ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ان کا ایک پتا دے دیجیے۔" اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد خط کا جواب اور خواب آور کیپسول وہ برقعہ پوش عورت کے حوالے کر چکا تھا۔ عورت کے جانے کے بعد اس نے جلدی جلدی دکان بند کی اور اپنے دوست خالد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

گاؤں سے واپس آنے اور پولیس سے مڈبھیڑ کے بعد خالد اس سے دو مرتبہ مل کر حال احوال دریافت کر چکا تھا۔ اور اب تازہ ترین صورت حال سے اسے آگاہ کرنا فرہاد کے نزدیک بہت ضروری تھا۔ سو وہ بھاگا بھاگا خالد کے ڈیرے پر پہنچا اور تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔ لیکن خالد کا جواب اس کے لیے حوصلہ شکن ثابت ہوا تھا۔ خالد نے اس مرتبہ اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور عبداللہ کی طرف سے بھی معذرت چاہی تھی۔

(آخری حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

غزالہ جلیل راؤ

عید دل کے اندر

"رویت ہلال کمیٹی نے اعلان کیا ہے کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آگیا ہے۔ لہٰذا کل روزہ ہوگا۔" نیچے شاید تیز آواز میں ٹیلی ویژن لگا ہوا تھا۔ وہاں سے رمضان المبارک کے چاند کا اعلان ہو رہا تھا۔

اس نے آسمان پر نگاہ دوڑائی۔ اور اسے سنہری رنگ کا باریک نصف دائرہ نظر آگیا۔ ساتھ ہی اس کے کانوں میں ایک آواز ابھری۔

"رمضان کا چاند دیکھ کر سچے دل سے جو دعا مانگو' اللہ تعالیٰ ضرور پوری کرتا ہے۔" یہ خالہ فردوس کی آواز تھی۔

"مگر شرط یہ ہے کہ دل سے دعا مانگو۔" ناشیہ نے حسرت بھری نظروں سے آسمان پر چاند کو دیکھا۔ اور بے اختیار اس کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔

"میرے دل میں بھی عید اتار دے میرے مالک' مجھے میرے شوہر کا پیار حاصل ہو جائے۔" تبھی نیچے سے کرخت اور طنز میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"نیچے تشریف لائیں گی آپ' یا آسمان میں لٹکی رہیں گی۔" یہ سجاد علی کی آواز تھی۔ وہی طنزیہ لہجہ' وہی بے زاری کا انداز' وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

سات سال ہوگئے تھے شادی کو لیکن ان سات سالوں میں اسے ایک بار بھی سجاد علی کی پیار بھری آواز سنائی نہیں دی تھی۔ بس دونوں کے درمیان ایک عجیب سی خلش تھی۔ جس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ شادی والدین نے کی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو قبول کیا تھا۔ ناشیہ کے اپنے دل میں تو کبھی سجاد کے لیے کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ سجاد کو اسی طرح چاہتی تھی جس طرح بیویاں' شوہروں کو چاہتی ہیں۔ لیکن سجاد ذرا مختلف مزاج کا انسان تھا سخت کرخت' بے حس سا' بد مزاج' خالص کاروباری' ناشیہ بہت خوبصورت نہ سہی' لیکن خوش شکل اور اسمارٹ تھی۔ اس کی شخصیت صاف ستھری اور نفیس تھی۔ اور اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ ایک سلیقہ شعار اور شوہر سے محبت کرنے والی عورت ہوگی۔

لیکن سجاد ذرا مختلف انسان تھا۔ وہ ایک وجیہہ اور خوش لباس آدمی تھا۔ اور اسے دیکھتے ہی احساس ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے جذبات کے بے ساختہ اظہار اور کسی سے زیادہ بے تکلف ہونے کا قائل نہیں ہے۔ پتا نہیں ایسا کیوں تھا۔ ممکن ہے۔ اس کے لاشعور میں کوئی خوف بیٹھا ہوا ہو کہ اگر وہ لوگوں سے یہاں تک کہ اپنی بیوی سے بھی زیادہ بے تکلف ہوا تو اس کے مقام اور مرتبے میں کوئی فرق آجائے گا۔ اپنے آپ کو لیے دیئے رہنا۔ اپنی ذات کے خول میں بند رہنا اس کے نزدیک شاید عافیت کا راستہ بھی تھا اور اپنی اہمیت برقرار رکھنے کا ایک طریقہ بھی۔

اس کے رویے میں اکثر سرد مہری ہوتی تھی۔ اور وہ کبھی کبھی دل دکھانے والی باتوں سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ تاہم کاروباری میل ملاپ بڑھانے کے لیے جب وہ اپنے گھر میں اپنے کاروباری مہمانوں کو بلاتا تو ان کے سامنے وہ انتہائی خوش اخلاق' گرم جوش اور خوش مزاج دکھائی دیتا۔

وہ کیونکہ ایک فرم کا سیلز آفیسر تھا۔ اور اپنے عہدے کے تقاضے بخوبی پورے کرتا تھا۔ مہمانوں کی' مہمان نوازی کا سارا انتظام ناشیہ بڑے دل سے کرتی تھی۔ اور اپنی طرف سے یہ بہترین کوشش کرتی تھی کہ آنے والے خوش ہو کر جائیں۔ اور آنے والے خوش ہو کر ہی جاتے تھے۔ لیکن بعد میں جب وہ رخصت ہو جاتے۔ اور ناشیہ سجاد سے آج کی اس پارٹی کے بارے میں پوچھتی' تو اس کی سرد مہری اور تناؤ بڑھ جاتا۔ اور اس کا چہرہ پتھرایا ہوا سا دکھائی دینے لگتا۔ وہ خشک لہجے میں کہتا۔

"ہاں! مفت خورے اس طرح مفت کی چیزیں کھا کر اس طرح خوش ہو کر نہ جائیں تو اور کیا کریں۔" اور ناشیہ زچ ہو کر رہ جاتی۔ اسے یوں لگتا جیسے کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا ہو۔ گھریلو فضا میں وہی پہلے کی سی سرد مہری لوٹ آتی قریب رہتے ہوئے بھی دوری سی محسوس ہونے لگتی۔ دونوں اپنی اپنی ذات کی تنہائی میں سمٹ جاتے۔

رمضان کا مہینہ اختتام پذیر تھا اس دوران کئی بار سجاد نے اپنے دوستوں کو افطار پارٹی دی۔ اور ناشیہ نے بڑی لگن اور بڑی محنت سے سب کچھ تیار کیا۔ بے اولاد تھے۔ لیکن ناشیہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ سجاد کی سرد مہری اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ بلکہ وہ یہ ہی کہتا تھا۔

"اولاد زندگی کی تمام خوشیاں چھین لیتی ہے انسان تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ بے اولاد رہے۔"

یہ الفاظ بڑے عجیب تھے۔ لیکن ناشیہ ابتدا میں تو حیران ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے ان الفاظ کو بھی سجاد کی فطرت سے منسوب کر دیا تھا۔ آج بھی گھر میں افطار پارٹی ہوئی تھی اور ناشیہ نے طبیعت خراب ہونے کے باوجود بہترین انتظامات کیے تھے۔ پہلے روزہ افطار کیا گیا۔ اس کے بعد کھانا کھایا۔ جب مہمان رخصت ہو گئے۔ تو ناشیہ آہستہ سے بولی۔

"کتنی بار میں نے آپ سے کہا ہے۔ کہ گھر میں ایک ملازمہ کا بندوبست کر دیجیے۔ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے ہمارے پاس ایک ملازمہ گھر میں آجائے گی تو کیا ہو جائے گا۔"

"اور کتنی ہی بار میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں گھر میں کسی اجنبی مرد یا عورت کو رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔ آپ اخبارات میں بے شمار واقعات پڑھتی ہوں گی یہ گھر کے ملازم چوری اور ڈکیتیاں بھی کرتے ہیں۔ اور قتل و غارت گری بھی کر دیا کرتے ہیں۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔" ناشیہ کو اس بات کی توقع بھی رہتی کہ وہ اس سے کہے کہ۔

"ناشیہ جیسے اب تم نے گھر کو سنبھال کر رکھا ہے۔ اس طرح باہر کا کوئی شخص رکھ بھی تو نہیں سکتا۔" لیکن ناشیہ کے کان ان الفاظ سے ہمیشہ محروم رہے۔ اور آج وہ بکھر گئی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ آپ ایک ملازمہ رکھ لیجیے آپ کی یہ بے حسی اب ضرورت سے زیادہ ہو گئی ہے۔" سجاد نے اسے کڑی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میں آپ سے کتنی ہی بار منع کر چکا ہوں کہ میں ملازمہ رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس مٹی سے بنی ہوئی ہیں۔ آپ کو شرم آنی چاہیے بار بار ایک ہی بات دہراتے ہوئے۔"

"اور میں جو تھک جاتی ہوں۔"

"کیوں تھک جاتی ہیں گھر کے کام ہی کتنے ہوتے ہیں۔ ذرا مجھے گنوایئے تو سہی۔"

"آپ کو خود کبھی احساس نہیں ہوتا کہ گھر کے کام کتنے ہوتے ہیں۔ اتنے لوگوں کا کھانا پکانا اور گھر کی صفائی ستھرائی کیا۔ آسان کام ہے۔"

"یار میں عاجز آگیا ہوں۔ آپ کی ان فضول باتوں سے۔"

"عاجز آگئے ہیں آپ؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔ دیکھتی ہوں' سوچتی ہوں کہ آپ کی اس بے زاری کو کیسے دور کیا جائے۔" اور پھر عید بالکل قریب آگئی۔ اس گھر میں کوئی ایسی خوشی نہیں آئی تھی جو عید کا احساس دلاتی' البتہ ناشیہ نے کہا۔

"امی کتنی بار کہہ چکی ہیں کہ کبھی ہم عید ان کے ساتھ منائیں' کتنا عرصہ ہو گیا' ان کے ساتھ عید منائے ہوئے۔"

"میری امی بھی ایسا ہی کہتی ہیں' لیکن میں نے ان کی بات آج تک نہیں مانی' سمجھ رہی ہیں نا آپ؟ میں۔۔۔ میں۔" وہ خاموش ہو گیا۔

"لیکن میں اس بار اپنی امی کے ساتھ عید مناؤں گی' سمجھے آپ۔" وہ سخت لہجے میں بولی اور سجاد اسے گھورنے لگا' پھر آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کو وہاں پہنچا دوں گا' لیکن اگر آپ یہ سمجھیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ اس حماقت میں شریک ہوں گا تو اس تصور کو دل سے نکال دیجیے۔"

"آپ تنہا عید منائیں گے؟"

"ہاں۔۔۔ ایک بہترین عید' جس طرح میں شادی سے پہلے عید منایا کرتا تھا' اپنے کمرے میں بند ہو کر۔

صبح بستر پر ناشتا کرتے ہوئے، بستر میں ہی اخبار پڑھتے ہوئے اور ٹی وی پر بے شمار کمپنیوں، دکان داروں اور بے شمار لوگوں کے عید کے مبارک باد کے پیغامات سنوں گا۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ۔" ناشیہ خاموش ہو گئی۔

"آہ۔۔۔ کتنا بڑا تضاد ہے میرے اور سجاد کے مزاج میں۔" اس نے غم زدہ انداز میں سوچا۔ شادی سے پہلے کی عیدیں یاد آگئیں۔ سحری میں سب جاگتے تھے۔ افطار میں سب ایک ساتھ ہوا کرتے تھے اور پھر چاند رات۔۔۔ چاند رات کتنی خوب صورت ہوا کرتی تھی۔ ہنگاموں سے بھرپور، مہندی لگ رہی ہے، گھر کی صفائی ہو رہی ہے۔ پردے نئے سرے سے لٹکائے جا رہے ہیں۔ قالین پر ویکیوم پھیرا جا رہا ہے، جیسے شادی ہو۔

اور سچ بات ہے عید سے بڑی شادمانی اور کیا ہو سکتی ہے۔ عید تو دل کے اندر ہوتی ہے، ورنہ دن تو سب یکساں ہی ہوتے ہیں۔ ماں یاد آگئی اور اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس بار میں اپنی امی کے ساتھ عید مناؤں گی سمجھے آپ؟"

"سمجھ گیا بابا، کیوں میرا دماغ کھا رہی ہو۔" سجاد نے معمول کے مطابق کہا اور پھر اس نے اپنے وعدے کی تکمیل بھی کی۔ وہ عید سے دو دن پہلے ناشیہ کو لے کر چل پڑا اور ناشیہ ٹرین کے کمپارٹمنٹ میں بیٹھی باہر نظر دوڑاتی ہوئی اپنے ماضی کے بارے میں سوچتی رہی۔

ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی چوڑائی زیادہ نہیں تھی۔ کھیتوں کے قریب سے سڑک گزر رہی تھی اور اس سڑک کے کنارے کنارے کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے گاؤں نظر آجایا کرتے تھے۔ ایک عجیب سی زندگی وہ اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے ماضی کو دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ہی ایک ویران سے علاقے میں ٹرین کی رفتار سست ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی رک گئی۔

ناشیہ نے سامنے نگاہ دوڑائی، تو اس کی نگاہ ایک کچے بڑے سے مکان پر پڑی۔ جس پر "بابو کی سرائے" لکھا ہوا تھا۔ وہ بے اختیار بول پڑی۔

"اگر کسی ایسے ویران علاقے میں بابو کی سرائے جیسے گھر میں عید گزاری جائے تو زندگی میں ایک نیا تجربہ ہو گا۔"

سجاد نے چونک کر اسے دیکھا۔ کئی گھنٹے کے سفر کے دوران ناشیہ پہلی مرتبہ کچھ بولی تھی۔ دونوں میاں، بیوی کے دل میں تلخی تھی اور کئی دنوں سے دونوں کے درمیان بات چیت بند تھی۔ میاں، بیوی کے درمیان جب ایک خلیج سی آجاتی ہے تو جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ بہرطور سجاد نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کشیدگی برقرار رکھی۔

ناشیہ کا گھر اب زیادہ دور نہیں تھا۔ بس ایک گھنٹے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ قصہ کیا ہے۔ سجاد نے اس کے ان الفاظ کا کوئی خاص جواب نہیں دیا تھا۔

اچانک ہی اس کے دل میں سجاد کے لیے عجیب سا رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ آج اس نے ذرا مختلف انداز میں سوچا۔ سجاد کے ذہن میں کہیں کوئی گرہ موجود ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اکثر کرخت اور بے مہر سا نظر آتا ہے۔ اس کی خوش مزاجی اور خوش کلامی مصنوعی ہوتی ہے۔ وہ ایک عام انسان کی طرح زندگی کے تمام رنگا رنگ جذبوں کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرنے اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے لطف اندوز ہونے میں کوئی رکاوٹ محسوس کرتا ہے۔

اگر اس کے ذہن میں موجود نامعلوم گرہ کھل جائے تو شاید وہ زیادہ آسانی سے زندگی گزارنے اور اپنے رویے میں ایسی لچک لانے میں کامیاب ہو جائے جو اسے دوسرے انسانوں سے زیادہ قریب کر دیتی، ناشیہ نے کہا۔

"سجاد، عید بالکل قریب آگئی ہے کیا، تمہیں عید کے بہانے ہماری زندگی میں آنے والی سچائیوں پر بھی اعتبار نہیں۔" اس کا لہجہ بے حد نرم اور مصالحت آمیز تھا۔ لیکن سجاد خاموش رہا تو وہ پھر بولی۔

"تم اگر میرے گھر عید نہیں گزارو گے تو کیا تم اپنی والدہ کے پاس بھی نہیں جاؤ گے۔ کتنے عرصے سے تم ان سے دور ہو اور شاید تم نے بھی بہت عرصے سے اپنی والدہ کے ساتھ عید نہیں منائی۔"

"نہیں۔۔۔ وہ بھی تمہاری طرح بہت بد مزاج ہو چکی ہیں۔ دوسروں سے اتنی توقعات رکھتی ہیں جنہیں پورا کرنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ انہوں نے بچپن ہی سے مجھے کسی پر اعتبار اور بھروسہ نہ کرنے کا سبق دیا ہے۔ انہوں نے اپنے شوہر پر اعتبار کیا تھا اور وہ انہیں چھوڑ کر اپنی من پسند عورت کے ساتھ چلے گئے تھے۔ پھر وہ واپس نہیں آئے، میں اس وقت صرف چار سال کا تھا، صرف چار سال کا۔"

"اوہ۔۔۔ اس کے بعد تمہارے گھر میں کبھی عید نہیں منائی گئی؟"

"ہم دو ماں، بیٹے تھے اور کوئی نہیں تھا ہمارے درمیان بس ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ میری ماں کا مزاج بالکل بدل گیا تھا۔

پھر اس وقت جب میں دس سال کا تھا۔ ہمارے پڑوس میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ نوید تھا اس کا نام، بہت محبت کرتا تھا مجھ سے، وہ معمولی سا لڑکا تھا، جبکہ ہم خوش حال تھے۔ میرے باپ کی بہت سی چیزیں میری ماں کے پاس تھیں اور ہم اچھی خاصی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہمارا گھر بہت اچھی طرح سجا ہوا تھا۔ کچھ زمینیں تھیں، جن کا کرایہ آتا تھا اور ہم ٹھاٹھ سے رہا کرتے تھے۔

جبکہ نوید ہم سے بہت پست مالی حالت کا شکار تھا۔ وہ لوگ بہت برے حالات میں زندگی گزار رہے تھے۔ ان کے پاس کرائے کا گھر تھا اور دیگر اخراجات کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان کے گھر کا سامان بھی بہت مختصر اور غریبانہ تھا۔ مگر وہ ہمیشہ بہت خوش نظر آتے تھے اور ان کے رویے میں ہمیشہ گرم جوشی ہوا کرتی تھی۔

دس سال کی عمر میں انسان کو طبقاتی فرق کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ میں اکثر ان کے ہاں چلا جاتا تھا اور مجھے وہاں بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ لوگ چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے لطف اندوز ہونا جانتے تھے۔ ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ لیکن وہ آرام سے زندگی گزار رہے تھے۔ پھر ایک دن جب عید قریب تھی تو نوید نے مجھے عید کا ایک تحفہ دیا۔ وہ ایک کتاب تھی، کہانی کی کتاب نئی نہیں تھی، پرانی کتاب تھی۔

نوید کے پاس چند ہی کتابیں تھیں اور یہ کتاب اس کی پسندیدہ کتاب تھی۔ اس کتاب میں ایک خرگوش کی کہانی تھی، جو کچھ اس طرح شروع ہوتی تھی، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک جنگل میں ایک خرگوش رہتا تھا۔ جس کا نام سونا تھا۔ میں نے یہ کتاب اس سے آگے نہیں پڑھی۔ کیونکہ اسے میری ماں نے میرے ہاتھ میں دیکھ لیا۔ انہوں نے کتاب مجھ سے چھینی اور غصے کے عالم میں اسے چولہے میں جھونک دیا، پھر نکال کر باہر پھینک دی۔

ان کا کہنا تھا کہ دوسروں کی پرانی کتابیں نہیں لینی چاہئیں۔ ان میں جراثیم ہوتے ہیں۔" آج سجاد کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ اس نے اس سلسلے کو وہیں سے جوڑا۔

"میں دکھی تھا، لیکن میں نے بات نظر انداز کر دی، البتہ جب میں تھوڑی دیر کے بعد نیچے پہنچا تو میں نے نوید کو دیکھا۔ وہ ساکت کھڑا ہوا جلی ہوئی کتاب کو دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر غم کے آثار تھے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ جلی ہوئی کتاب کا ٹائٹل اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ مجھے دیکھتے ہوئے وہ باقاعدہ تو نہیں رویا۔ لیکن آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ میں نے اس سے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن وہ کچھ بولے بغیر جلدی سے وہاں سے چلا گیا۔

اس وقت اس کے چہرے پر جو تاثر تھا اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ کبھی نہیں بھول سکتا۔" سجاد کی آواز میں ایک لرزش سی پیدا ہو گئی۔ ناشیہ کو پہلی بار اس کے اندر ایک لچک سی نظر آئی تھی۔ دنیا کے کسی بھی موضوع پر بات کرتے ہوئے اس کی آواز میں کبھی

لرزش اور بھراہٹ پیدا نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر جو تاثر تھا ناشیہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ بدلا ہوا سا ہے یہ شخص۔

وہ کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ دھندلی، سرد فضا میں مکئی کے کھیت لہرا رہے تھے۔ سجاد کی نگاہیں بھی کھڑکی سے باہر کی جانب اٹھ گئیں، پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا اور وہ چونکنے کے سے انداز میں بولا۔

"ٹرین نہ جانے کیوں رکی ہوئی ہے۔ اگر یہ اس طرح ادھر رکی رہی تو ہمیں تو کافی دیر ہو جائے گی۔ تم نے اپنی امی سے تو کہہ دیا ہو گا کہ ہم لوگ یہاں آ رہے ہیں۔ آؤ ایسا کرتے ہیں نیچے چل کر دیکھتے ہیں معاملہ کیا ہے۔ ویسے بھی باہر کا ماحول کافی خوش گوار معلوم ہو رہا ہے۔" ناشیہ اس وقت اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن شاید — چند برسوں کے دوران وہ اس کا حکم ماننے کی عادی سی ہو گئی تھی۔

چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹرین سے اتر کر انہیں احساس ہوا کہ ہوا سرد — ہڈیوں میں اتر جانے والی تھی۔ چند قدم آگے جا کر انہیں پتا چلا کہ انجن فیل ہو گیا ہے اور بھی بہت سے لوگ نیچے اترے ہوئے تھے۔ لیکن وہ جن کے جسموں پر سردی سے بچاؤ کا انتظام تھا۔ انجنوں کا شاید انتظار کیا جا رہا تھا، جو کسی آگے والے اسٹیشن سے آ رہا تھا۔ معلومات کرنے پر پتا چلا کہ تقریباً" ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔ سجاد نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"تمہارا گھر زیادہ دور تو نہیں ہے۔ آؤ ہم کسی گاڑی سے لفٹ لے لیتے ہیں۔"

"کیا تمہیں مجھ سے چھٹکارہ پانے کی اتنی ہی جلدی ہے۔" ناشیہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سجاد کا لہجہ معمول کے مطابق سپاٹ تھا۔ ناشیہ جانتی تھی کہ اس سے کسی جذباتی —— جواب کی توقع کرنا فضول ہے۔

بہرحال وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ مکئی کا کھیت عبور کر کے سڑک تک آئے اور بیگ سڑک کے کنارے رکھ دیا۔ جس میں ان کا قیمتی سامان تھا۔ ظاہر ہے وہ بیگ کو تو اس طرح نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ کافی دور تک وہ چلتے رہے اور پھر ایک ٹرک آتا نظر آیا۔ سجاد نے آگے بڑھ کر ٹرک کے سامنے جا کر ہاتھ ہلائے تو وہ رک گیا۔ سجاد نے اسے مختصر صورت حال بتائی تو ٹرک ڈرائیور بولا۔

"نہیں صاحب جی! میں وہاں نہیں جا رہا، جہاں آپ جانا چاہتے ہیں۔" یہ کہہ کر ٹرک آگے بڑھ گیا۔

"اُف... ٹرین پر واپس چلتے ہیں، کب تک گھومتے رہیں گے۔" انہوں نے دور سے یہ نہیں دیکھا کہ ایک انجن آیا ہے اور ٹرین سے لگ گیا ہے۔ ابھی وہ مکئی کے کھیت ہی میں تھے کہ ٹرین کی وسل گونجی اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی نظر آئی۔

"اے... اے۔" سجاد چیخا۔ مگر ظاہر ہے اس کی آواز انجن تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد ٹرین کا آخری ڈبا بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

"اب کیا کریں... اب کیا کریں؟" سجاد بے بسی سے بولا۔ اور پھر اس کی نگاہ اس سامنے والے گھر کی جانب اٹھ گئی۔ جس کے بارے میں ناشیہ تھوڑی دیر پہلے کہہ چکی تھی کہ اگر ایسے کسی گھر میں عید منانے کا موقع ملے تو کیا، کیا جائے۔ بعض اوقات زبان سے نکلے الفاظ ایسی ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے اس گھر تک پہنچ گئے۔

گھر کے اندر جہاں بابو کی سرائے لکھا ہوا تھا۔ اس کا سامنا ایک عورت سے ہوا۔ غالباً" سرائے میں اس وقت کوئی آدمی نہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ عورت نے انہیں گاہک سمجھ کر خوش آمدید کہا۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی گندی سی بچی تھی۔ جس کی عمر آٹھ یا نو سال تھی۔ بچی مسکراتی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ہماری ٹرین! نکل گئی ہے، آگے جانے کے لیے ہمیں رات گزارنے کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

"ہاں جی کیوں نہیں، آئیے، میرے سرائے کے کمرے بہت صاف ستھرے ہیں۔" عورت انہیں ایک کمرے میں لے گئی۔ کمرہ واقعی صاف ستھرا تھا۔ خاص طور پر اس لیے کہ یہاں گاہک آتے ہی نہیں تھے۔ غرض یہ کہ سجاد نے اس عورت کو اچھے خاصے پیسے دیے۔ بچی انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ان سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ سجاد تو کچھ نہ بولا، لیکن ناشیہ نے اسے اپنے قریب بلایا۔

"کیا نام ہے تمہارا بیٹی؟"

"حمیدہ۔"

"اچھا اچھا، کیا کرتی ہو؟"

"برتن دھوتی ہوں، جھاڑو لگاتی ہوں۔"

"ارے اتنی چھوٹی سی عمر میں۔" ناشیہ نے سوال کیا، لیکن بچی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ناشیہ نے اس سے پوچھا۔

"اور کیا کرتی ہو تم؟"

"کھیلتی ہوں جی۔"

"کیا؟ گڑیوں سے؟"

"نہیں، میرے پاس کوئی گڑیا نہیں ہے۔" بچی کے لہجے میں مایوسی نمایاں ہو گئی اور ناشیہ کو کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا۔

بہرحال باہر کی یخ بستہ فضا سے اندر آنے کے بعد ناشیہ کو یہ پناہ گاہ بہت غنیمت لگ رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ ٹرین میں اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا تھا۔ یہ رات... یا... عید یہاں بسر کی جائے تو کیسی لگے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ سجاد کو ابھی وہ بات یاد نہیں آئی تھی اور اس نے اسے طعنہ نہیں دیا تھا کہ اس کی یہ تمنا پوری ہو گئی۔ یا شاید پھر اس نے اس لیے ذکر نہیں چھیڑا کہ ٹرین سے اترنے کی تجویز اس کی تھی۔

سرائے کی مالک عورت نے کھانا تیار کر کے ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس وقت دونوں کو بھوک لگ رہی تھی۔ یہ کھانا انہیں انتہائی اچھا لگا۔ کھانے کے بعد سجاد نیچی مگر غرور بھری آواز میں بولا۔

"تم نے ابھی تک اس بات پر مجھ سے جھگڑا شروع نہیں کیا کہ یہ ساری خواری میری وجہ سے اٹھانی پڑ رہی ہے۔" ناشیہ بھی جیسے بھری بیٹھی تھی۔ وہ بھی پیچی مگر تلخ آواز میں بولی۔

"جھگڑا میں نہیں شروع کرتی، اکثر آپ ہی کرتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے سجاد کہ اپنی ماں کی طبیعت اپنے خاندانی پس منظر، اپنی اچھی ملازمت اور اچھے رہن سہن کی وجہ سے آپ ایک "تکلیف دہ" قسم کے احساس برتری میں مبتلا ہو چکے ہیں اور یہ احساس برتری دراصل احساس کمتری ہی کی ایک شکل ہے۔ آپ لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ لوگوں کو مرعوب کرنے کے بجائے ان کا دل جیتنا لاکھ درجے بہتر ہے۔ لیکن آپ کو دل جیتنا نہیں آتا۔" سجاد کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا۔ اس کے ہونٹ بھینچے

ہوئے تھے۔ اب ناشیہ کو دل کا غبار نکالنے کا موقع ملا تھا۔ اس نے کہا۔

"تمہاری نفسیات میں جو گرہ پڑ گئی ہے' اس میں شاید اس واقعہ نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ جو بچپن میں تمہارے اور تمہارے دوست نوید کے ساتھ پیش آیا۔ لاشعوری طور پر شاید تمہارا ضمیر آج بھی شرمندہ ہے۔ لیکن تم اس شرمندگی کو اپنے مصنوعی احساس برتری میں چھپانے کی کوشش کرتے ہو۔ تم اپنی ایک الگ ہی دنیا کے قیدی ہو گئے ہو سجاد اور تم نے لوگوں سے گھلنا ملنا چھوڑ دیا ہے۔ اپنے سوا تم کسی اور کے بارے میں نہیں سوچتے۔" ناشیہ آج کھل کر بول رہی تھی۔ اس کے دل میں جو کچھ بھی تھا اس نے کہہ ڈالا تھا۔ خلاف توقع سجاد نے غصے اور کھسیاہٹ سے پھٹ پڑنے کے بجائے خاموشی اختیار کی تھی۔ کچھ دیر تک بالکل خاموشی رہی' پھر اس نے کہا۔

"اچھا تم یہ بتاؤ۔۔۔ تم کس بارے میں سوچ رہی ہو؟"

"اس بچی کے بارے میں جس کے پاس کھیلنے کے لیے گڑیا نہیں ہے۔" ناشیہ نے کہا اور سجاد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وقت گزرتا چلا گیا اور پھر گہری رات ہو گئی۔ اب جو کچھ بھی ہونا تھا وہ تو صبح ہی کو ہونا تھا۔ ناشیہ اس گندے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ جو اس سرائے میں موجود تھا۔ لوگ یہاں آتے تو ضرور ہوں گے' لیکن انہیں بحالت مجبوری یہ ہی بستر استعمال کرنا پڑتے ہوں گے۔

سجاد ایک کرسی پر بیٹھ کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے اور ناشیہ گہری نیند سو رہی تھی کہ سجاد نے اسے جھنجوڑ کر جگایا۔

"اٹھو' ناشیہ اٹھو۔" یہ بالکل اجنبی بات تھی۔ اس سے پہلے سجاد نے کبھی اسے اتنی نرمی سے نہیں جگایا تھا۔ بلکہ اسے جگانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ناشیہ کو آواز دی اور ناشیہ نے آنکھیں کھول دیں۔

"خیریت کیا ہوا؟" ——— ناشیہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ گئی۔

"آؤ۔۔۔ میں نے ایک گاڑی والے سے لفٹ مانگی ہے۔ وہ باہر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا ہے۔" کوئی سامان تو ساتھ نہیں تھا۔ سوائے اس بیگ کے انہوں نے کچھ رقم نکالی اور کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی عورت کے حوالے کر دی۔ ناشیہ نے اپنے پرس سے کچھ نوٹ نکالے اور اس سے بولی۔

"دیکھو۔۔۔ اپنے بچوں کے ساتھ ہمیشہ ایمان داری کا سلوک کرو' جو کچھ میں تم سے کہہ رہی ہوں تم نے وہ ہی کرنا ہے۔" عورت حیران نگاہوں سے ناشیہ کو دیکھتی رہ گئی' پھر بولی۔

"میں سمجھی نہیں بیگم صاحب۔"

"یہ پیسے میں تمہیں الگ سے دے رہی ہوں۔ خدا کے لیے بچی کے لیے خوب صورت سی گڑیا منگوا دینا۔" یہ کہہ کر ناشیہ باہر نکل آئی۔ ایک ٹرک والا ہی تھا جسے سجاد نے شاید کچھ دے کر روکا تھا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ ٹرک کا رخ اسی طرف تھا۔ جدھر سے وہ یہاں آئے تھے اور جب ٹرک اسٹارٹ ہو کر اسی طرف چل دیا تو ناشیہ نے حیرت سے کہا۔

"سجاد۔۔۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"اپنے گھر۔۔۔ ہم اپنے گھر جا رہے ہیں۔ ناشیہ ہم اپنے گھر میں عید منائیں گے۔ وہ ہمارا اپنا گھر ہے' تمہارا اور میرا۔" سجاد کا لہجہ اتنا اجنبی تھا کہ ناشیہ کچھ دیر تو اسے حیرت سے دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اسی وقت اس کے کانوں میں ایک آواز ابھری۔

"رمضان کا چاند دیکھ کر دل سے جو دعا مانگی جاتی ہے پروردگار اسے ضرور پوری کرتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ پروردگار اسے ضرور پوری کرتا ہے۔" ناشیہ کے منہ سے نکلا۔

☼ ☼

نازیہ یوسف راجہ

عشق سا

اس وقت ہم دونوں یعنی میں (مجتبیٰ کمال حسینی) اور میری بیوی یمنیٰ کمال ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ میری بیوی یمنیٰ کمال بڑی دلچسپی اور انہماک سے فلم دیکھ رہی تھی اور میں محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ فلموں اور ڈراموں وغیرہ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اکثر اوقات ٹی وی پر نیوز چینل ہی دیکھتا تھا اور اس وقت تو میں ٹی وی کے بجائے بیوی کو دیکھ رہا تھا۔

اس وقت میں اس کا سراپا جائزہ لیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ میری بیوی میں کتنی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ اس کے چہرے پر نرمی' شائستگی اور نزاکت پیدا ہو گئی ہے۔ کندھوں تک آئے ہوئے تراشیدہ بال جو اس نے براؤن ڈائی کروائے ہوئے ہیں اس کے چہرے کو چھو رہے ہیں۔ اس کی مخروطی انگلیوں پر تراشے ہوئے ناخن اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ یعنی وہ چلتی پھرتی قیامت تھی جو کسی بھی ذی شعور بندے کے ہوش اڑا سکتی تھی۔

ہماری شادی کو چار سال ہو چکے ہیں اور یمنیٰ میری چوتھی بیوی ہے۔ حالانکہ ہماری اس بے جوڑ شادی کو لے کر لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کی تھیں' لیکن ہم دونوں نے لوگوں کی باتوں کی پروا نہیں کی اور ویسے بھی لوگ کسے خوش دیکھ سکتے ہیں۔

میں اپنا بھی تعارف کرواتا چلوں' میرا نام مجتبیٰ کمال حسینی ہے۔ میں مجتبیٰ انڈسٹریز کا مالک ہوں۔ بزنس کی دنیا میں میرا ایک نام اور مقام ہے۔ معاشرے کا بہت ہی معزز شخص ہوں۔ میری مالی حیثیت نہایت ہی خوش گوار ہے۔ لیکن عمر کے لحاظ سے میں اپنی بیوی سے کافی بڑا ہوں۔ میری عمر چون سال جبکہ میری بیوی کی عمر ستائیس سال ہے۔ آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ پھر بھی شادی ہو گئی ہے۔

یمنیٰ سے میری پہلی ملاقات لاہور میں ایک پارٹی میں ہوئی تھی۔ وہ وہاں ایک کمپنی میں کام کرتی تھی اور بہت ہی کم تنخواہ پاتی تھی۔ مجھے اس کے حالات پر بہت افسوس ہوا اور دلی ہمدردی ہوئی کیونکہ وہ لاہور کے انتہائی پسماندہ علاقے میں رہتی تھی اور انتہائی غریب تھی۔ ہاں حسن کی دولت سے اللہ نے اسے مالا مال کر رکھا تھا۔ میں نے اسے شادی کی آفر کی اور اس نے قبول کرلی۔ یوں ہم شادی کے بندھن میں بندھ گئے اور وہ لاہور میں میرے ڈیفنس والے بنگلے میں منتقل ہوگئی۔ اگر آج میری روح میرے جسم کا ساتھ چھوڑ دے تو میری بیوی یقیناً یہاں کی رنگینیوں میں رنگ جائے گی۔ میں نے اس کی خوب صورتی اور جوانی کو دیکھتے ہوئے سوچا' یہ یقیناً کسی جوان اور خوب صورت لڑکے سے شادی کرلے گی اور میری دولت پر خوب عیش کرے گی۔ اس سوچ کا میرے ذہن میں آنا تھا کہ مجھے پتنگے لگ گئے۔ "مجھے اس کی جاسوسی کروانی چاہیے۔" یہ سوچ کر میں مطمئن ہوگیا اور بہت جلد اس کا بندوبست بھی کرلیا۔

☼ ☼ ☼

اس رات کافی پیتے ہوئے میں نے مزاح کے رنگ میں کہا۔

"کہیں تم میرے مرنے کا انتظار تو نہیں کررہی ہو کہ میں مرجاؤں اور تم کسی جوان اور خوب صورت مرد سے شادی کرسکو۔" میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا کر گزر گیا یا تو وہ میرے مذاق کو نہیں سمجھی تھی یا میں اپنی بات میں مزاح پیدا کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ شاید احساس جرم کی وجہ سے میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یقیناً وہ مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔

اس لمحے وہ مجھے زہر سے بھی بری لگ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ مجھ سے جان چھڑانے کی فکر میں ہے تو مجھے بھی اب ہوش میں آجانا چاہیے' اس رات بستر پر لیٹے میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے کچھ عجیب نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ جلد مجھے راستے سے ہٹا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔ لیکن میں اب ہوشیار ہوچکا تھا۔ مجھے اس کی کیفیت میں کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی۔ میں بہت جلد معلوم کرلینا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس کے لیے میں نے ایک لڑکے بالی کو ہائر کیا جو اس کام میں ماہر تھا۔ دوسروں کی جاسوسی وہ اس انداز سے کرتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اس سے اپنا معاملہ ڈسکس کیا تو اس نے مجھے تسلی دی کہ بہت جلد وہ مجھے ساری رپورٹ لاکر دے گا۔

میں نے اگلی رات کھانے کی میز پر محسوس کیا کہ کھجور کا حلوہ جوں کا توں پڑا ہوا ہے' لیکن میری ذاتی رائے کے مطابق کھجور کے حلوے کی طرف آنکھ اٹھاکر بھی نہ دیکھنا بڑی بدذوقی کی بات تھی۔ کھجور کا حلوہ مجھے بہت مرغوب تھا اور میں روزانہ رات کے کھانے کے بعد کھجور کا حلوہ شوق سے کھاتا تھا۔ میں نے بھی دل پر پتھر رکھ کر حلوے کو نظرانداز کردیا۔ کھانے کے دوران میں نے کن انکھیوں سے یمنیٰ کو دیکھا جو کبھی میری طرف اور کبھی حلوے کی طرف دیکھ لیتی۔ مجھے اس کی حرکتیں مزید شکوک دلارہی تھیں۔ میں بہت جلد یمنیٰ کے خیالات جان لینا چاہتا تھا۔

دو روز میں شش و پنج میں رہا۔ پھر میں نے ایک ہفتہ تک کراچی جانے کا ارادہ کیا۔ میرے کراچی جانے کے بعد بالی نے تمام ثبوت اکٹھا کرنے تھے۔ یمنیٰ مجھ جیسے وفادار اور خوش اخلاق شوہر سے کیوں نجات پانا چاہتی تھی؟ کیا وہ واقعی مجھ سے نفرت کرنے لگی ہے؟ لیکن میں تو آج بھی اس سے اتنی ہی شدید محبت کرتا ہوں جتنی کہ شادی کے ابتدائی دنوں میں' میرا دل دکھ سے بھر گیا۔

میں نے دوسرے ہی دن کراچی جانے کا ارادہ کیا۔ رستم میرا بہت اچھا اور قریبی دوست تھا جو کہ کراچی میں مقیم تھا۔ میں نے کچھ وقت اس کے ساتھ بتانے کا ارادہ کیا۔ یقیناً اس کی کمپنی میں' میں اپنی تکلیف اور پریشانی بھول جاتا۔ اور ہوا بھی ایسا میں کچھ دنوں تک ہر بات بھول چکا تھا۔

میں نے سوچا کہ اگر میرا شک صحیح نکلا تو میں یمنیٰ کو طلاق دے دوں گا۔

"میں کراچی جارہا ہوں۔ ایک ہفتے تک لوٹ آؤں گا۔" ناشتے کی میز پر میں نے یمنیٰ کو مطلع کیا۔

"کراچی... اچانک' خیریت تو ہے؟" یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں... کاروبار کے سلسلے میں ایک پارٹی سے ملنا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

یہ سن کر وہ کچھ اداس... بلکہ مجھے یوں لگا کہ کچھ پریشان ہوگئی تھی اور اس حالت میں وہ اپنی عمر سے بڑی لگنے لگی۔ بغیر میک اپ کے چہرہ عجیب ویرانی لیے ہوئے تھا۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو میرے گلے سے لگ گئی۔ اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔ مجھے بجائے غصے کے اس پر پیار آنے لگا۔ میں کافی دیر تک اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے رہا۔

"اب آپ پہلے جیسے نہیں رہے' گزشتہ دنوں سے میں محسوس کررہی ہوں کہ آپ کے لہجے میں سرد مہری آتی جارہی ہے۔ میں اسے زیادہ کام کا اثر سمجھتی رہی۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہاں! ایسی ہی بات ہے' ورنہ میرے دل میں تمہارے لیے پہلے سی محبت موجود ہے۔" میں نے جواب دیا۔

☼ ☼ ☼

کراچی جاکر میں نے کافی وقت گھومنے پھرنے میں گزارا۔ رستم کی کمپنی مجھے کافی خوش گوار لگی۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے' باتیں کرتے ہوئے پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وقت کیسے گزر گیا۔ اللہ اللہ کرکے ایک ہفتہ گزرنے کو تھا اور مجھے اس دن کا شدت سے انتظار تھا جب یمنیٰ کے خلاف مجھے تمام ثبوت مل جانے تھے۔ اور میں نے یقیناً اسے طلاق دے دینی تھی۔ لیکن میں اسے طلاق کیسے دوں گا؟ میں تو اس سے اتنی شدید محبت کرتا ہوں کہ اس کے بغیر رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر میرے شکوک و شبہات سچ ثابت ہوگئے تو میں کیا کروں گا۔ مسئلے کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور میں سوچ سوچ کر پاگل ہوگیا تھا۔

"میں اسے طلاق نہیں دوں گا میں اسے کبھی طلاق نہیں دوں گا۔" میں نے شدت سے سوچا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے یہ تو رپورٹ سامنے آنے پر ہی پتا چلے گا' یہ سوچ کر میں مطمئن ہوگیا۔

☼ ☼ ☼

دو دن بعد میں نے رپورٹ لینی تھی اور میں نے کراچی سے لاہور واپس جانے کا قصد کیا جب میں لاہور واپس گیا اور بالی کے کمرے میں داخل ہوا تو میرا دل زور' زور سے دھڑک رہا تھا۔

"انتہائی حیرت انگیز رپورٹ ہے جناب۔" بالی نے دراز سے فائل نکال کر میز پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"آپ کے تمام شکوک و شبہات سراسر غلط اور بے بنیاد ہیں' جیسا آپ سوچتے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کی بیوی آپ سے بے پناہ پیار کرتی ہے' وہ آپ کو اپنی زندگی تصور کرتی ہے۔ وہ اس بات پر پریشان رہتی ہے کہ اگر کبھی آپ کو کچھ ہوگیا تو وہ کیا کرے گی۔ اتنی دولت جائیداد اس کے کس کام کی اگر آپ ہی نہ ہوں تو آپ تو خوامخواہ ان سیکیور فیل کررہے تھے۔ ویسے لگتا ہے کہ آپ کو اپنی بیوی پر اعتماد نہیں ہے۔"

بالی کی بات سن کر مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور میں بہت شرمندہ تھا اور خوش بھی کہ میری بیوی مجھ سے بہت پیار کرتی ہے' میں خوشی خوشی گھر کی طرف چل پڑا۔

عمر رسیدہ لوگ جوان لڑکیوں سے شادی تو کرلیتے ہیں' لیکن انہیں ہمیشہ یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں وہ انہیں چھوڑ کر نہ چلی جائیں۔ وہ وہم و خدشات میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان وہم خدشات سے نکلنے کے لیے انہیں مختلف اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ قارئین! آپ کی کیا رائے ہے ضرور آگاہ کیجیے گا۔

☼ ☼

سرمد خان

شاہین رشید

الیف ایم کے آر جے صرف آر جے ہی نہیں ہوتے کہ آئے پروگرام کیا، گپ شپ کی کچھ کام کی باتیں کیں، گانے سنوائے اور چلے گئے۔ بلکہ ان کی ایک دوسری دنیا بھی ہوتی ہے۔ اس دوسری دنیا میں وہ جاب بھی کرتے ہیں اور کچھ دوسری صلاحیتوں کے مالک بھی ہوتے ہیں اور کریٹو ورک بھی کرتے ہیں۔

"سرمد خان" ایک اچھے آر جے کے علاوہ گورنمنٹ جاب بھی کرتے ہیں اور شاعری بھی...... "آواز کی دنیا" کی اس آواز سے کچھ باتیں ہوئیں، جو نذر قارئین ہیں آپ کو ان کی باتیں کیسی لگیں ضرور مطلع کیجیے گا۔

✳ "جی سرمد صاحب کیسے ہیں اور کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

★ "اللہ کا شکر ہے...... ہمارا تعلق کمالیہ سے ہے اور ہم پنجابی ہیں۔ میں اکیس مارچ 1976ء میں پیدا ہوا میرا استارہ Aries ہے اور تعلیمی قابلیت بی فارمیسی اور ایم فل مائیکرو بیالوجی ہے اور میرا اصلی نام اختر عباس خان ہے اور چونکہ میں شاعری بھی کرتا ہوں تو "سرمد" میرا تخلص ہے اور شاعری کے حوالے سے 2004ء میں "ابھی کچھ دن ٹھہر جاؤ" کے عنوان سے میری کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔

ہم ماشاء اللہ آٹھ بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر ساتواں ہے میری چار بہنیں اور چار بھائی ہیں میرے ایک بھائی کا انتقال ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود میں یہی کہتا ہوں کہ ہم چار بھائی ہیں۔

میں گورنمنٹ آفیسر ہوں اور زیادہ تر پبلک ڈیلنگ کا کام ہے تو لوگ مجھے دونوں ناموں سے جانتے ہیں۔ ہاں سننے والوں کے لیے یہ ایک نئی بات ہو گی کہ میرا اصلی نام اختر عباس خان ہے۔"

✳ "نام تبدیل کیوں کیا؟ میرا مطلب ہے کہ آپ اپنے اصلی نام سے کیوں نہیں پروگرام کرتے؟"

★ "میں نے کالج کے دنوں میں اپنا نام تبدیل کیا تھا اور میں اسے مستقل طور پر تبدیل کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ میں گریجویشن کر رہا تھا تو تمام دستاویزات کو تبدیل کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے شاعری کے لیے سرمد نام ہی استعمال کیا اور اس سے جانا پہچانا جانے لگا...... تو بس پھر ضرورت ہی نہیں ہوئی اصل نام استعمال کرنے کی۔ لیکن آج بھی دستاویزات پہ اختر عباس خان ہی ہے میرا نام۔"

✳ "ایف ایم میں آمد کیسے ہوئی؟"

★ "میں ریڈیو پاکستان سے پروگرام بھی کرتا تھا اور اردو نیوز بھی پڑھتا تھا بلکہ ابھی بھی پڑھتا ہوں۔ پہلے میں ریڈیو پاکستان لاہور سے خبریں پڑھتا تھا اور جب جاب کے سلسلے میں ٹرانسفر ہو کر اسلام آباد آیا تو پھر یہاں سے بھی خبریں پڑھنا شروع کر دیں۔ مگر چونکہ جاب کے بعد میرے پاس کافی ٹائم بچ جاتا تھا اس لیے سوچا کہ کیوں نہ ایف ایم جوائن کر لوں۔ اور جب میں نے ایف ایم 100 والوں سے رابطہ کیا تو انہوں نے مجھے فوراً بلا لیا اور یوں ایف ایم 100 سے وابستہ ہو گیا۔ اب جاب کے ساتھ ساتھ ایف ایم 100 پر بھی

ہوں۔"

✳ "ایف ایم کا مزاج کچھ اور ہے اور نیوز کا کچھ اور ...... پھر کوئی مشکل ہوئی؟"

★ "میری اپنی دلچسپی تو کرنٹ افیرز اور نیوز میں تھی اور چونکہ میں شاعر ہوں تو ایف ایم کو بھی میں نے شاعری کی وجہ سے جوائن کیا تھا۔ غزل ٹائم کے لیے تو ایف ایم سے میں نے شاعری کے پروگرام بھی کیے اور دیگر بھی۔"

✳ "دیگر کون سے؟"

★ "دیگر سے مراد یہ ہے کہ ہمارا ایک پروگرام "نائٹ لائن" کے عنوان سے ہوتا ہے اور اس میں لوگ ہم سے اپنی پرسنل باتیں شیئر کرتے ہیں اور مختلف ایشوز پہ بھی بات ہوتی ہے اور یہ ہمارا ایک بہت ہی اچھا پروگرام ہے۔"

✳ "زیادہ دلچسپی کس میں رہی آپ کی اور ان پروگراموں کی ٹائمنگ کیا کیا ہے؟"

★ "دلچسپی تو مجھے دونوں میں ہی رہی اور ہے کیونکہ میری یہ سوچ ہے کہ اسی کام کو کرنے میں مزا آتا ہے جس میں آپ کو دلچسپی ہو۔ "نائٹ لائن" میں نے سب سے زیادہ کیا تقریباً" آٹھ سال اور یہ پروگرام جمعرات کو رات بارہ بجے سے تین بجے تک ہوتا ہے اور جس رات کے میں یہ پروگرام کرتا ہوں اس کی صبح کو آفس جانے میں تھوڑی دشواری ہوتی ہے اور ایک پروگرام شام کے وقت پرانے گانوں پر مبنی کرتا ہوں کیونکہ مجھے پرانے گانوں سے بہت لگاؤ ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی پسند بہت اچھی ہے تو یہ پروگرام تین مہینے میں ایک دن کرتا ہوں۔"

✳ "آپ کی جاب کیا ہے؟"

★ "میں منسٹر آف ہیلتھ میں بحیثیت گورنمنٹ آفیسر کے جاب کرتا ہوں اور اٹھارہ گریڈ کا آفیسر ہوں اور یہ بھی اعزاز مجھے حاصل ہے کہ میں اس جاب میں ایک کم عمر آفیسر ہوں اور جب میں "پبلک سروس کمیشن" کا امتحان دیا تھا تو میں نے ٹاپ کیا تھا۔"

✳ "پریکٹیکل لائف میں آئے تو کیا کمایا تھا پہلی بار؟"

★ "میں نے نیوز سے آغاز کیا اور میری پہچان اس وقت بہت زیادہ ہوئی جب میں نے ایف ایم جوائن کیا ...... اور اگر آپ مجھ سے میری پہلی کمائی کا پوچھیں گی تو مجھے بہت پیچھے جانا پڑے گا۔ اس زمانے میں جب میں نے فیصل آباد بورڈ میں اردو کے مقابلے میں پوزیشن حاصل کی تھی تو انعام کی جو رقم مجھے ملی تھی اس کی میں نے کتابیں خریدی تھیں اور اس کے علاوہ اسٹوڈنٹس لائف میں میں نے ایک اکیڈمی میں پڑھایا تھا تو مجھے ہزار روپے ملے تھے جس کے میں نے کپڑے خرید لیے تھے۔"

✳ "جاب بھی کرتے ہیں۔ نیوز بھی پڑھتے ہیں۔ ایف ایم بھی کرتے ہیں۔ تو صبح جلد اٹھتے ہیں یا ٹائم پر اٹھے تیار ہوئے اور چلے گئے؟"

★ "میں صبح دیر سے ہی اٹھتا ہوں، جبکہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں جلدی اٹھوں، نماز پڑھوں اور سیر کے لیے جاؤں لیکن میری آنکھیں دیر سے کھلتی ہے اور پھر میں جلدی جلدی تیار ہو کے آفس پہنچتا ہوں۔"

✳ "گہری نیند سوتے ہیں؟ اور گہری نیند سے کوئی اٹھا دے تو؟"

★ "اتنی زیادہ گہری نیند نہیں ہوتی...... لیکن اگر گہری نیند سو جاؤں اور کوئی اٹھا دے تو اگر کوئی چھوٹا ہو تو دل چاہتا ہے کہ اسے تھپڑ مار دوں اور اگر کوئی بڑا ہو تو

بڑے ادب سے کہوں گا کہ آپ نے مجھے کیوں اٹھایا ہے۔"

٭ "آپ کے خیال میں آپ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزار رہے ہیں یا کوئی پابندی ہے؟"

★ "انسان کہاں اپنی مرضی سے زندگی گزار رہا ہوتا ہے اور انسان کو اگر اختیار دیا جاتا اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا تو ہم یقیناً "مادر پدر آزاد ہوتے۔ لیکن ہم زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے پابند ہیں اس لیے جتنی ہمت ہے اور جس انداز میں اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنی لکھ دی ہے اس انداز میں گزار رہے ہیں۔"

٭ "تو پھر کبھی بے بسی محسوس ہوتی ہے؟"

★ "ہاں کیوں نہیں جب میں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اپنے کسی کام میں کامیابی حاصل نہ کرپاؤں اور میرے تمام رسورس بھی استعمال ہو جائیں اور کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر مجھے خیال آتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت اللہ کی ہے۔"

٭ "غصہ آتا ہے تو کیا کرتے ہیں؟"

★ "غصہ آتا ہے تو کھانا پینا چھوڑ دیتا ہوں اور پھر اس انتظار میں بیٹھا رہتا ہوں کہ کوئی مجھے منانے آئے اور کھانا کھانے کے لیے کہے کیونکہ سچی بات یہ ہے کہ مجھے غصے میں زیادہ بھوک لگتی ہے۔ اور پھر میں بہانے بہانے سے کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہوں کہ شاید کوئی مجھے کھانے کے لیے کہہ دے۔"

٭ "آج سے چند سال بعد اپنے آپ کو کہاں دیکھتے ہیں؟"

★ "میرا خیال ہے کہ آج کل میں جہاں ہوں اس سے کہیں زیادہ میں آگے ہوں گا اور بہت بہتر زندگی گزار رہا ہوں گا۔ ان شاء اللہ۔"

٭ "ابھی کھانے کی بات ہو رہی تھی تو کس کے ہاتھ کا پکا ہوا پسند ہے اور کیا پسند ہے؟"

★ "کھانا مجھے امی کے ہاتھ کا پکا ہوا پسند ہے اور ناشتے میں میں عموماً "پراٹھا" آملیٹ اور اگر سرسوں کا ساگ ہو تو بہت مزا آتا ہے اور کھانے میں مجھے چاول خواہ وہ کسی بھی شکل میں پکے ہوئے ہوں بہت پسند ہیں۔"

٭ "اپنی شخصیت میں کیا تبدیلی لانا چاہتے ہیں؟"

★ "میرا غصہ کافی تیز ہے اور میں اپنا غصہ کم کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر قابو پانا چاہتا ہوں اور زندگی میں اگر میں نے کچھ نہیں پایا تو وہ اپنے غصے کی وجہ سے نہیں پایا۔ ورنہ میرے پاس سب کچھ ہوتا۔"

٭ "آپ کی فیلڈ میں کوئی برائی ہے؟"

★ "ہماری فیلڈ میں ایک ہی برائی ہے اور مجھے لگتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے حسد بہت کرتے ہیں باقی سب کچھ ٹھیک ہے۔ پروفیشن کولیگز آپس میں ایک دوسرے سے بہت جیلس ہوتے ہیں۔"

٭ "چھٹی کا دن کیسے گزارتے ہیں؟"

★ "اپنے کمرے کی صفائی کرکے..... اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی صفائی کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ میں اپنے کمرے میں کسی اور کو صفائی کرنے اور چیزوں کو چھیڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ میرے کاغذات' میرے ڈاکومینٹس بہت قیمتی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ادھر سے ادھر ہوں اور دیگر چیزوں کی ترتیب بھی نہ بگڑے۔"

٭ "کبھی وقت کو ضائع کیا؟"

★ "ایسے کیا ہو یا نہ کیا ہو' لیکن میرا خیال ہے کہ موبائل فون کی وجہ سے میں نے اپنا بہت سا قیمتی وقت ضائع کیا ہے۔"

٭ "نیوز اور آواز کے حوالے سے آپ کافی شہرت رکھتے ہیں..... کبھی آواز کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو پہچانا..... نیوز کے حوالے سے تو پہچانتے ہی ہوں گے؟"

★ "نیوز کے حوالے سے بھی پہچانتے ہیں۔ پھر "فیس بک" میں میرا پروفائل ہے تو اس لحاظ سے اکثر لوگ مجھے جانتے ہیں..... اور ایک واقعہ بھی ہوا میری زندگی میں اور وہ یہ کہ میں مری گیا اپنے دوست کے ساتھ۔ تو ایک جگہ یہ ایک لڑکی اور لڑکا بیٹھے ہوئے تھے تو میں چائے لینے گیا اور جب واپس آیا تو مجھے میرے

دوست نے کہا کہ اس لڑکی نے تمہیں پہچان لیا ہے جب تم چائے لینے گئے تو یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہی تھی کہ یہ سرمد ہے جو ایف ایم 100 کا پریزینٹر ہے جس پر اس لڑکے نے غصے سے کہا کہ پھر میں کیا کروں تو میں نے اپنے دوست سے کہا کہ چلو یہاں سے چلتے ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے گھونسا ہی مار دے۔"

٭ "اگر کوئی لڑکی مسلسل آپ کو ہی دیکھ رہی ہو تو کیا ردعمل ہوتا ہے؟"

★ "ایسا کبھی ہوا تو نہیں کہ کسی نے مجھے مسلسل گھورا ہو یا دیکھا ہو اگر ایسا ہو تو میں بہت خوش ہوں گا اور اس بات کا منتظر رہوں گا کہ کب وہ مجھے کہے کہ آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔"

٭ "موڈ کب خراب ہوتا ہے اور کن چیزوں پر بہت خرچ کرتے ہیں؟"

★ "موڈ اس وقت بہت خراب ہوتا ہے۔ جب میں کچھ خریدنے لگوں اور مجھے کہہ دیا جائے کہ نہیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے اور انہی چیزوں پہ بہت خرچ کرتا ہوں جس پر دل آجائے' جو دل کو بھی لگیں اور جن کی ضرورت بھی ہو۔"

٭ "اپنے اردگرد کے لوگوں کو محنت مزدوری کرتے ہوئے دیکھ کر کیا سوچتے ہیں؟"

★ "ہاں لوگوں کو محنت مزدوری کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا یہ اتنا کما لیتے ہوں گے کہ ان کا گزارہ ہو جائے۔"

٭ "غربت افلاس' یہ سب کچھ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ اپنے ملک کو ان مسائل سے کیسے نکالا جا سکتا ہے؟"

★ "جب تک ہمارے رہنما ہمارے جیسے نہیں ہو جاتے' اگر لیڈر ہمارے جیسے ہو جائیں تو پاکستان میں تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جب تک لیڈر خاص رہیں گے اور ہم عوام رہیں گے۔ تب تک مسائل ایسے ہی رہیں گے۔ دیگر ممالک کی ترقی دیکھ کر بہت رشک آتا ہے۔ کاش کہ ہمارا ملک بھی ترقی کرتا۔"

٭ "ابھی آپ ایک سوال کے جواب میں کہہ رہے تھے کہ جو دل میں آتا ہے خرچ کر دیتا ہوں۔ تو کیا بچت کی عادت نہیں ہے آپ کو؟"

★ "بچت کی بہت زیادہ..... میرا طریقہ کار یہ ہے کہ میں آج میں جیتا ہوں' ایسا نہیں کہ میں بالکل بچت نہیں کرتا لیکن میرا خیال ہے کہ پیسہ جمع کرنا ایک بہت بڑا ٹینشن ہے۔"

٭ "گھر والے تو کہتے ہوں گے کہ بچت کیا کرو۔ کوئی عادت تو ہو گی کہ جو آپ کے گھر والوں کو پسند نہیں ہو گی؟"

★ "نہیں گھر والے نہیں کہتے کہ بچت کیا کرو..... اور جہاں تک عادت کی بات ہے تو گھر والے میری ہر بات پہ نکتہ چینی ضرور کرتے ہیں ہر بات میں انوالو ہوتے ہیں۔"

٭ "کوئی خواہش جو الہ دین کے چراغ سے کرنا چاہیں گے؟"

★ "یہی کہ جو چیزیں جو ترقی' جو کامیابی مجھے دس سال بعد ملنی ہے وہ مجھے ابھی مل جائیں تاکہ میں انجوائے کر سکوں۔"

٭ "لوگ ملتے ہیں تو کیا کہتے ہیں اور کوئی جملہ جس نے آپ کو ہرٹ کیا ہو؟"

★ "لوگ ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ بہت سافٹ اسپوکن ہیں' بہت نرم مزاج ہیں اور جس جملے نے مجھے ہرٹ کیا وہ یہ کہ جیسا میں نے آپ کو سوچا تھا آپ ویسے نہیں نکلے۔"

٭ "شہرت نے شخصیت کو بگاڑا یا سنوارا؟"

★ "سنوارا ہی ہو گا' بگڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ویسے بھی مجھے مشہور ہونے کا کچھ زیادہ شوق نہیں ہے۔"

☆ ☆

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

جب برائی زیادہ ہو جائے

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نیند سے جاگے اور فرمایا۔

"لا الہ الا اللہ' خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے' آج یاجوج اور ماجوج کی آڑ اتنی کھل گئی۔" (یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا) میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیا ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہاں' جب برائی زیادہ ہو گی۔" (یعنی فسق و فجور یا زنا یا اولاد زنا یا معاصی)

(صحیح بخاری)

ریحانہ علی احمد..... کراچی

رضائے الٰہی

امیر المومنین حضرت سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میں کس حال میں صبح کروں گا' آیا اس حال پر جس کو میری طبیعت ناپسند کرتی ہے یا اس حال پر کہ جس کو میری طبیعت پسند کرتی ہے' کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میری بھلائی اور بہتری کس میں ہے۔"

یہ بات اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر رضامندی' اس کی پسندیدگی اور اختیار اور اس کی قضاء پر اطمینان و سکون ہونے کے سبب فرمائی۔

(فتوح الغیب..... صفحہ 117)

انیقہ انا..... چکوال

یادیں

بس یہی مشکل ہے کہ بھول جانا انسان کے بس میں نہیں..... جو حادثہ ایک دفعہ گزر جائے' وہ یاد بن کے بار بار گزرتا ہے۔ بھولنے کی کوشش ہی اسے زندہ رکھتی ہے۔ انسان ظالم کو معاف کر سکتا ہے' لیکن اس کے ظلم کو بھول نہیں سکتا۔ بھول جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔

موسم گزر جاتے ہیں لیکن یاد نہیں گزرتی۔ مرحوم زمانوں کی یاد مرحوم نہیں ہوتی۔ پرانے چہرے نئے چہروں میں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پرانے غم نئے غم میں شامل نظر آتے ہیں۔

پرانی یاد نئی زندگی کے ساتھ چلتی ہے۔ درحقیقت یاد انسان کے اندر ہمیشہ محفوظ رہتی ہے۔ یاد سے نجات کی کوشش دلدل سے نجات کی کوشش کی طرح رائیگاں ہو جاتی ہے۔

(واصف علی واصف کی کتاب "دل دریا سمندر" سے اقتباس۔)

فرزانہ مسعود..... خوشاب

خشک چشمے

☆ لوگوں پر جو بھی بلا نازل ہوتی ہے وہ آنکھ کے سبب سے ہوتی ہے' نعمت و مصیبت دونوں آنکھ میں رکھ دی گئی ہیں۔

☆ جو نیک بخت ہیں وہ ماں کے شکم ہی سے نیک بخت پیدا ہوتے ہیں اور جو بد بخت ہیں وہ بھی اس کے شکم ہی سے بد بخت نکلتے ہیں۔

☆ شریف' پارسا ہو جاتا ہے تو تواضع اختیار کرتا ہے۔ کمینہ' پارسا ہو جاتا ہے تو تکبر اختیار کرتا ہے۔

☆ دل آنکھ کی تابع ہے' آنکھ کے بگڑنے کے بعد دل کی حفاظت مشکل ہے' اور دل کے بگڑنے کے بعد شرم گاہ کی حفاظت مشکل تر ہے۔

☆ اگر کسی نے تیرے ایذا کے لیے راہ میں کانٹے بکھیر دیے ہیں تو' تو اس کے راستے میں انتقاماً" کانٹے نہ رکھ' ورنہ دنیا میں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔

☆ اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو مقدم رکھنا ہی حقیقی کرم ہے۔

تانی چوہدری..... آکسفورڈ یوکے

روشن حرف وہ سارے

☆ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پرکھنا اور لوگوں پر اعتبار کرنا محض اس لیے نہ چھوڑ دیں کہ ان میں سے کچھ نے آپ کو مایوس کیا ہے' کوئی نہ کوئی شخص اور کوئی نہ کوئی پہلو آپ کا ضرور ہے۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں' تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی۔ گھڑا چاہے کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔

☆ ادب' بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

☆ احساس کمتری اور احساس برتری میں مبتلا انسان کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔

☆ ذرا نا موافق حالات کی سوئی چبھی' شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

ام رومان..... عبد الحکیم

طرز تخاطب

ایک تاجر نے بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔

"یا شیخ میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو۔"

بہلول نے جواب دیا۔

"روئی اور لوہا خرید لو۔"

تاجر نے ایسا ہی کیا' کچھ عرصے میں اس کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی اور تاجر کو بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ کافی عرصہ گزر جانے کے بعد تاجر نے ایک بار پھر بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔

"اے پاگل بہلول' اس سال میں کون سا مال خریدوں' جو مجھے فائدہ ہو۔"

"اس سال پیاز اور تربوز خرید لو۔" تاجر نے اس بار بھی بہلول کے کہنے پر عمل کیا اور پیاز و تربوز کا اسٹاک کر لیا۔ لیکن کچھ ہی دن میں پیاز اور تربوز دونوں سڑ گئے اور اس مرتبہ تاجر کو بہت زیادہ نقصان ہوا۔ تاجر نے بہلول کے پاس جا کر اس غلط مشورے کی وجہ دریافت کی' بہلول کہنے لگا۔

"اے تاجر تم نے پہلی بار مجھے یا شیخ کہہ کر پکارا تھا۔ اس لیے میں نے عقل و منطق کے ساتھ تمہیں مشورہ دیا۔ لیکن تم نے دوسری بار مجھے پاگل کہہ کر مخاطب کیا۔ اس لیے میں نے تمہیں اپنے پاگل پن میں مشورہ دیا۔ پس تم اپنے نقصان کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ڈال سکتے' کیونکہ کوزے میں سے وہ ہی نکالا جاتا ہے' جو اس میں ڈالا گیا ہو۔"

فوزیہ ثمر بٹ' رہانیہ عمران..... گجرات

منافقت

اگرچہ اہل وفا ہیں خلوص کے بھوکے
مگر خلوص نہیں شرط دوستی کے لیے
یہ نکتہ ہم کو سکھایا ہے عہد حاضر نے
منافقت بھی ضروری ہے آدمی کے لیے

مہوش اعوان..... اٹک

یاد

سکوت شام جب خاموش کر جائے زمانے کو
ستارے آئیں جس دم نور کی چادر بچھانے کو

نسیم صبح جب چلتی ہو دنیا کے سلانے کو
یہ الفاظ دگر جب نیند آجائے زمانے کو
تو تم یہ جان لینا کہ کوئی تم کو یاد کرتا ہے
حنیفہ اعوان۔۔۔ اٹک

غیر ملکی کہاوتیں

☆ عمدہ دوا اکثر کڑوی ہوتی ہے۔
(جاپانی کہاوت)
☆ جہاں صدق و خلوص نظر آئے وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ ورنہ تنہائی ہی تمہاری بہترین رفیق ہے۔
(ایرانی کہاوت)
☆ کپڑے کو کاٹنے سے پہلے سات بار ناپ لو کیونکہ اسے کاٹنے کا ایک ہی موقع ملتا ہے۔
(چینی کہاوت)
☆ بغیر دیکھے کوئی چیز منہ میں نہ ڈالو اور بغیر پڑھے کسی کاغذ پر دستخط نہ کرو۔
(اسپینی کہاوت)
☆ گھر میں حقیقی معنوں میں صرف ایک نوکر کام کرتا ہے وہ ہے گھر کا مالک۔
(جرمنی کہاوت)
☆ جو بات عقل چھپاتی ہے نشہ اسے ظاہر کر دیتا ہے۔
(لاطینی کہاوت)
☆ زبان عمر کو چھوٹا کرتی ہے جبکہ زبان سر کی نگہبان بھی ہے۔
(ایرانی کہاوت)
☆ بزدل مریض کو کوئی ڈاکٹر اچھا نہیں کر سکتا۔
(افغانی کہاوت)
☆ دولت جب بولتی ہے تو سچائی بھی بعض دفعہ خاموش ہو جاتی ہے۔
(مصری کہاوت)
☆ نیند آدھی غذا کا کام کرتی ہے۔
(سوڈانی کہاوت)
☆ پیٹ کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے کیونکہ اس کے کان نہیں ہوتے۔
(اردنی کہاوت)
قمر ناز دہلوی۔۔۔ کراچی

گوہر آبدار

☆ کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا ———— کچھ بھی سچ نہیں ہوتا۔
☆ سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے یہ ہی تو وہ سفر ہے جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہوتا چاہے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔
☆ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔
☆ محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہے دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگوتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔
☆ کبھی کبھی خلوص خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔
نوشین اقبال۔۔۔ گاؤں بدر مرجان

خوب صورت لفظوں کی مالا

☆ جب سائل کو کچھ دو تو اس سے دعا کے لیے کہو۔
(حضرت علیؓ)
☆ سچائی کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔
(مولانا رومی)
☆ اگر تم لوگوں سے دولت میں نہیں بڑھ سکتے تو حسن اخلاق میں ہی بڑھ جاؤ۔ (حضرت معروف کرخی)
☆ انسان گناہ اس وقت کرتا ہے جب وہ موت کو بھول جاتا ہے۔ (حضرت امام حسینؓ)
☆ محبت اور شک ایک دل میں نہیں رہ سکتے۔
(خلیل جبران)
سدرہ وزیر۔۔۔ خوشاب

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

سیدہ طوبیٰ جلالی، کی ڈائری میں تحریر
ن۔م راشد کی نظم

زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو
زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو
آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے
آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہنگ سے آدمی ہے وابستہ
آدمی کے دامن سے آدمی ہے وابستہ
ان سے تم نہیں ڈرتے
ان کہی سے ڈرتے ہو
جو ابھی نہیں آئی
اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو
تم مگر یہ کیا جانو
لب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
روح کی زباں بن کر
راہ کا نشاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو
روشنی تو ہم بھی ہیں
شہر کی فصیلوں پر دیو کا جو سایہ تھا
پاک ہو گیا آخر خاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی چاک ہو گیا آخر
اژدہام انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہ شوق سے جیسے راہ رو کا خوں لپکے
اک نیا جنوں لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو
شہر بھی بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو
ہاں ابھی تو تم بھی ہو
ہاں ابھی تو ہم بھی ہیں
تم ابھی سے ڈرتے ہو

رابعہ، کی ڈائری میں تحریر
امجد بخاری کی غزل

ہمارا یہ تم کو سلام آخری ہے
سنو! آج تم سے کلام آخری ہے

اگر ہو سکے تو بھلا دینا ہم کو
یہی ایک چھوٹا سا کام آخری ہے

ابھی آرزوؤں کے صحرا ہیں پیاسے
مگر آنسوؤں کا یہ جام آخری ہے

مریض محبت کی اے چارہ سازو
تمہارے نگر میں یہ شام آخری ہے

ذرا دیر ٹھہرو قضا کے فرشتو!
لبوں پہ ہمارے پیام آخری ہے

کوئی مل سکے گا نہ امجد کے جیسا
ترے حسن کا یہ غلام آخری ہے

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر
احمد فراز کی نظم

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر
اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا

کچھ راکھ لیے جھولی میں
اور سر پہ ساہوکار کھڑا
جب دھرتی صحرا صحرا تھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سُر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ الفاظ جنہیں معانی نہ ملے
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ نیر پاگل پرواتوں کے

انیقہ انا، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی غزل

پھر وہی میں ہوں، وہی درد کا صحرا یارو
تم سے بچھڑا ہوں تو دکھ پائے ہیں کیا کیا یارو

پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیاباں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا یارو

یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رتیں
کس بیاباں میں ہو، میرے تنہا یارو

تم تو نزدیک رگِ جاں سے تھے تمہیں کیا کہتا
میں نے دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھا یارو

آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے
کچھ بتاؤ کہ میرا شہر ہے پیاسا یارو

کیا کہوں کہ وہ گل ہے کہ شبنم، غزل ہے کہ غزال
تم نے دیکھا ہی نہیں اس کا سراپا یارو

اس کے ہونٹوں کے تبسم میں تھی خوشبو غم کی
ہم نے محسن کو بہت دیر میں سمجھا یارو

سدرہ وزیر، کی ڈائری میں تحریر
پیرزادہ قاسم کی نظم

دُعا

تم مجھے بہت عزیز ہو
سوچتا ہوں خدا سے
تمہارے لیے کیا مانگوں
دولت و شہرت علم و اقبال مندی
خوشی و کامرانی
شادمانی محبت یا شادی عشق
سکون جاں یا بے تابی روح
کون سی دعا مانگوں، اچھا سنو!
میں تمہارے لیے
سب سے اچھی دعا مانگتا ہوں
کہ عجب نہیں میرا خدا تمہیں بھی
قلب مطمئن عطا کر دے

نمرہ، اقراء ـــــ کراچی
یہ ضد ہے ہماری کہ اسے چھین لیں سب سے
ہم اور زمانے سے تقاضا نہیں کرتے
گوشۂ تنہائی میں رو لیتے ہیں اکثر
ہم شہر کی گلیوں میں تماشا نہیں کرتے

امبر آصف ـــــ کراچی
ہم نے اپنی اداسی کا اس طرح بھرم رکھا
رابطے کم کر دیے مغرور کہلانے لگے

رباب آفاق ـــــ کراچی
محورِ سوچ دونوں کا ایک ہی ہے
مجھے اس سے اور اسے خود سے فرصت نہیں ملتی

امبرین ـــــ ملتان
ڈھلنے لگی تھی رات کہ تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بہت دیر تک رہی

افشاں ـــــ کوئٹہ
بہت امید رکھنا اور پھر بے آس ہونا بھی
بشر کو مار دیتا ہے بہت حساس ہونا بھی

نبیلہ عزیز ـــــ گجرات
عشق ہے اپنے اصولوں پہ ازل سے قائم
امتحاں جس کا بھی لیتا ہے رعایت نہیں کرتا

سدرہ وزیر ـــــ خوشاب
محبت کے سفر میں دل جلا کر چین ملتا ہے
تمہارے درد کی محفل سجا کر چین ملتا ہے
کبھی احساس ہوتا ہے بہاروں کے اجڑنے کا
کبھی سوکھے ہوئے پتے اٹھا کر چین ملتا ہے

سونیا ربانی ـــــ قاضیاں محلہ بالا
تیر کھائے ہیں ہم نے اپنوں سے
یہ کرم خیر خواہ کرتے رہے
اپنا سمجھا تھا ہم نے جن کو قدیر
وہ ستم بے پناہ کرتے رہے

یاسمین کنول ـــــ پسرور
تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ

عائشہ ـــــ گوجرہ
یوں ذہن میں جمالِ رسالت سما گیا
میرا جہاں فکر و نظر سما گیا
اس کے قدم سے پھوٹ پڑا چشمۂ بہار
وہ دشتِ زندگی کو گلستاں بنا گیا

شمیم صدرالدین ـــــ کراچی
میں کرب کے تپتے ہوئے صحرا میں کھڑا ہوں
آقا تیری رحمت کو دیکھ رہا ہوں
گو مجھ کو عقیدت کا سلیقہ تو نہیں ہے
اتنا ہی کافی ہے تیرے در پہ کھڑا ہوں

تحریم ـــــ فیصل آباد
یہ آسمان محبت یہ کیسی رونق ہے
چمکتا عشقِ محمد میں ہر ستارا ہے

مدیحہ ـــــ کراچی
کون اجڑا ہو گا بھری دنیا میں ہماری طرح محسن
وہ بھی نہ ملا ہم کو، اور ہم خود کو بھی گنوا بیٹھے

مان جٹ ـــــ عبدالحکیم
تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بدحواسیاں نہ گئیں

سدرہ چوہدری ـــــ عبدالحکیم
ہیں دفن مجھ میں میری کتنی رونقیں مت پوچھ
اجڑ اجڑ کر جو بستا رہا وہ شہر ہوں میں

حمنہ سویٹی ـــــ عبدالحکیم
مغرور ہی سہی مجھے وہ اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
روٹھا ہوا تھا ہنس تو پڑا مجھے دیکھ کر
مجھ کو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

صابرہ یار محمد ——— اسلام آباد

باقی ہیں تیری یاد کے کچھ نقش ابھی تک
دل بے سروساماں سہی ویران تو نہیں

فرزانہ ——— کراچی

نہ وہ آنکھ ہی تیری آنکھ تھی نہ وہ خواب ہی ترا خواب تھا
دل منتظر تو پھر کس لیے تیرا جاگنا، اسے بھول جا
وہ بساطِ جاں ہی الٹ گیا وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے پکارنے سے حصول کیا اسے مت بلا اسے بھول جا

ارم مجید ——— محراب پور

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی
نہ تن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نمازِ شوق تو واجب ہے بے وضو ہی سہی

فوزیہ کاشف ——— فیصل آباد

سوچا کیے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
غالد وہ بات تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کو خوں کر گئے جس کے ملال میں

عظمیٰ غلام نبی ——— کراچی

عمر بھر کی ہیں مسافتیں یہ دوریاں یہ فاصلے
تم چاہو تو کچھ عجب نہیں یہ پل میں سر ہو جائیں
میں کاٹ سکوں گا تنہا نہ تم کاٹ سکو گے
یہ زیست کے کٹھن راستے ہمسفر ہو جائیں

طوبیٰ، نادیہ ——— گجرات

جاگا نہیں گیا، کبھی سویا نہیں گیا
ہم سے حسابِ ہجر بھی نہیں رکھا گیا
اک عمر جن پہ جاں کو نچھاور کیے رہے
ان سے ہمارا حال بھی پوچھا نہیں گیا

رافعہ عزیز ——— ڈنگہ گجرات

تمہاری یادیں کسی مفلس کی پونجی جیسی
جسے ہم سنبھال رکھتے ہیں جسے ہم روز گنتے ہیں

اُم عبداللہ ——— گجرات

تمنا دید کی موسیٰ کرے اور طور جل جائے
عجب دستورِ الفت ہے کرے کوئی بھرے کوئی

سائرہ پروا علی ——— راجن پور

سوچتا ہوں کبھی تیرے دل میں اُتر کر دیکھ لوں
کون بسا ہے تیرے دل میں جو مجھے بسنے نہیں دیتا

ثمرین شناد ——— شور کوٹ

دین دھرم سب پاپ ہوئے عزت تقویٰ چھین گئی
رات گئے کل شہر سے باہر، رہبر رستہ بیچ رہا تھا
تعلیم کا زیور پہن کر بھی بہنیں میری کنواری ہیں
یہ کہہ کر کل اک مفلس بچہ، اپنا بستہ بیچ رہا تھا

سعدیہ سلیم ——— کراچی

سدا رہے جکڑے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اُڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

گڑیا شاہ ——— کہروڑ پکا

وہ محبتوں کے سودے بھی عجیب کرتا ہے فراز
بس مسکراتا ہے اور دل خرید لیتا ہے

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

تمہارا ساتھ تسلسل سے چاہیے مجھ کو
تھکن زمانوں کی لمحوں میں کب اُترتی ہے

نسبت سنبعہ ——— کہروڑ پکا

ہمیں آکر منا لینا
کسی بھی شام سے پہلے
اُداسی ٹھہر جاتی ہے
تمہارے نام سے پہلے

کرن، بینش ——— کراچی

کاش ایسا۔ ہو اب کے بے وفائی میں کر دوں
تو پھرے قریہ بقریہ کوبہ کو میرے لیے
میں لامحدود ہو جاؤں سمندر کی طرح
تو بہے دریا بہ دریا جو بہ جو میرے لیے

جاسمہ مریم نوید ——— کراچی

روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کر ہی تم کو خفا رکھا ہے

ریحانہ امجد بخاری

مسکراتی کرنیں

ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں نثار صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی' میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔"

"کیا ثبوت ہے اس بات کا؟" مجسٹریٹ نے دریافت کیا؟

"جناب والا! ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا۔"

صفیہ اعوان۔۔۔ اٹک

غلط فہمی

ایک حسین و جمیل عورت اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی۔ اس کی ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور سر پر بھی بڑا سا گومڑا تھا۔ ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے دوران چوٹوں کا سبب معلوم کیا تو خاتون نے جواب دیا۔

"یہ میرے شوہر کی عنایت ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے شوہر تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں؟"

خاتون نے آہ بھر کر جواب دیا۔ "جی! میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی۔"

طاہرہ۔۔۔۔۔۔ کراچی

مسٹر کافی

اک یار سے میں نے کہا دو لفظ ہی لکھ دو
چلتی ہے سفارش یہاں اور تم ہو صحافی
کہنے لگے کافی کی پیالی کو اٹھا کر
بس نام بتا دینا مرا نام ہے کافی

(کلام: امیر الاسلام ہاشمی)

راشدہ۔۔۔ نارتھ کراچی

جوتے

اس بات پر ہم کو تو تعجب نہیں مطلق
کھائے ہیں جو بغداد میں مردود نے جوتے

تاریخ کے صفحات یہ دیتے ہی گواہی
کھائے ہیں ہر اک دور میں نمرود نے جوتے

(کلام: پروفیسر عنایت علی خان)

انتخاب: زہرا۔۔۔ لطیف آباد

دیکھ بھال

بھنوا کے پہلے کھائیں کلیجی کی بوٹیاں
معشوق نے ڈکار لی پھر دیکھ بھال کے

اس میں قصور عاشق مرحوم کا بھی تھا
کاغذ پہ رکھ دیا تھا کلیجہ نکال کے

(کلام: مرزا حیدر عباس)

ناصرہ۔۔۔ کراچی

اعتراف گناہ

تین خواتین گپ شپ کر رہی تھیں کہ سنجیدہ موضوعات بھی زیر بحث آ گئے۔ ایک خاتون بولیں۔

"آج کل زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔۔۔ موت بالکل

اچانک بھی آسکتی ہے۔ ہمیں کم از کم ایک دوسرے کے سامنے اپنی سب سے بڑی برائی یا گناہ کا اعتراف کرلینا چاہیے۔ ابتدا میں ہی کرتی ہوں۔ میرا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ میں نے جو رفاہی تنظیم بنائی ہے' اس کے تمام فنڈز خورد برد کرچکی ہوں۔"

دوسری خاتون نے جھجکتے ہوئے اعتراف کیا۔

"میرا گناہ یہ ہے کہ میں پچھلے چھ سال سے اپنے شوہر سے بے وفائی کررہی ہوں۔" تیسری خاتون بولیں۔

"مجھ میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ مجھے جس کا بھی راز معلوم ہوجاتا ہے' وہ میں ادھر ادھر ضرور بتاتی پھرتی ہوں۔ اچھا۔ اب میں چلتی ہوں۔"

رابعہ نورین۔ شورکوٹ

خصوصی پرواز

بیس گھنٹے کے سفر پر روانہ ہونے والی مسافر پرواز کی ایئر ہوسٹس نے بھرپور انداز میں سب مسافروں کو خوش آمدید کہا اور شیریں لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں اپنے ادارے کی طرف سے تمام مسافروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے پرسکون اور محفوظ سفر کے لیے ہماری کمپنی کا انتخاب کیا۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ ایک چھوٹی اور غیر معمولی خبر یہ ہے کہ ٹی بیگز اور ملک پاؤڈر ختم ہونے کی وجہ سے چائے یا کافی دستیاب نہیں ہوگی۔" یہ سنتے ہی مسافر سرد آہیں بھرنے لگے۔

ایئر ہوسٹس دوبارہ قاتل مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ایک اور خبر یہ ہے کہ لنچ اور ڈنر کا انتظام نہ کرنے کے سلسلے میں ہماری معذرت قبول فرمائیں۔ اگر ہم مطلوبہ سامان خریدنے جاتے تو ممکن تھا کہ ہماری پرواز لیٹ ہوجاتی۔ لہٰذا ہم نے آپ کے قیمتی وقت کو اہمیت دی' انسان گھر میں بھی جاکر کھاپی سکتا ہے۔" یہ سنتے ہی وہ مسافر جن کا بھوک سے برا حال تھا' انتہائی غصے میں بولے۔

"ارے اس جہاز میں کیا پینے کا پانی بھی نہیں ہے؟"

ایئر ہوسٹس ایک کافر ادا کے ساتھ مسکرا کر بولی۔

"اس بارے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' ہمارے پاس ایک ڈیڑھ لیٹر منرل واٹر موجود ہے۔"

یہ سنتے ہی مسافروں نے غصے کے عالم میں کہا۔

"اسے گلاس میں ڈالو اور شرم سے ڈوب مرو۔" یہ سن کر ایئر ہوسٹس کا چہرہ چمک اٹھا' اس نے گردن جھکائی اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ کتنے اچھے ہیں' آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ اگر آپ پینے کے لیے پانی مانگ لیتے تو ہمیں کتنی پرابلم ہوتی۔"

مہوش اعوان۔۔۔ اٹک

انتباہ

ایک شخص کی سائیکل چوری ہوگئی' وہ چوک میں آکر اعلان کرنے لگا۔

"اگر میری سائیکل نہ ملی۔ تو میں وہ ہی کروں گے۔ جو میرے باپ نے کیا تھا۔" چور بوکھلا گیا اور سائیکل چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ سائیکل ملنے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے پوچھا۔

"تمہارے باپ نے کیا کیا تھا۔" وہ شخص بولا۔

"میرے باپ نے نئی سائیکل خریدلی تھی۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

پھکی اور بٹ صاحب

بٹ صاحب شادی پہ گئے' کھانا زیادہ کھالیا' حالت بری ہوگئی' باہر سڑک پہ لیٹ گئے' یار دوستوں نے کہا۔

"آئیں صاحب آپ کو گھر چھوڑ آئیں۔" بٹ صاحب کراہتے ہوئے۔

"مجھ سے چلا نہیں جاتا۔" یار اصرار کرنے لگا۔

"نہیں بٹ صاحب چلیے آپ کو پھکی کھلاتے ہیں' آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی۔" بٹ صاحب کراہتے ہوئے۔

"اگر پھکی کی گنجائش ہوتی تو دو بوٹیاں اور نہ کھا لیتا۔"

زینب احسن۔۔۔ فیصل آباد

تجربہ کار

تعلیم بالغاں کے دوران استاد نے سوال کیا۔

"پرسکون اور آرام دہ زندگی گزارنے کے لیے شوہر کے پاس کس چیز کا ہونا ضروری ہے۔"

"بہرا پن۔" ایک پچاس سالہ شخص نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

غم

سردار شراب پیتے ہوئے بیوی سے۔

"تم کون ہو؟"

بیوی۔

"پاگل ہوگئے ہو کیا' اپنی بیوی کو نہیں پہچانتے۔"

سردار۔ "نشہ ہر غم بھلادیتا ہے باجی۔"

شافعہ اعوان۔۔۔ کراچی

ہر جگہ

مکینک کے انٹرویو ہورہے تھے۔ ایک سردار جی جب آئے تو ان سے پوچھا گیا۔

"پہلے یہ بتائیں کہ بجلی کی موٹر کیسے چلتی ہے۔" سردار جی نے مسکرا کر کہا۔

"بہت آسان سوال ہے' بجلی کی موٹر تو ہر جگہ ایسے ہی چلتی ہے۔ گڑ۔۔۔ گڑ۔۔۔ گڑ۔"

رابعہ اعجاز۔۔۔ کراچی

شوہر کہیں جسے

☆ شوہر' ہوا اور وقت۔۔۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتی چیزیں ہیں۔

☆ شوہر اور رکشا دونوں کا سائیلنسر نکلا ہوا ہوتا ہے۔ دونوں ہی چلتے وقت خوب شور مچا کر دھواں چھوڑتے رہتے ہیں۔

☆ خر اور شوہر میں ایک چیز کی مشابہت پائی جاتی ہے کہ دونوں ہی لات مارنے سے باز نہیں آتے۔

☆ شوہر اور پھٹیچر موٹر سائیکل میں کوئی فرق نہیں ہوتا' دونوں ہی لگاتار ککس کے بعد اسٹارٹ ہوتے ہیں۔

☆ عمر کے ساتھ ساتھ شوہر کی پیشانی بڑی اور عقل چھوٹی ہوتی چلی جاتی ہے۔

☆ شوہر کے دماغ میں تین چیزیں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔۔۔ فتور' خود غرضی اور لالچ۔

☆ شوہر کی بک بک اکثر بیویوں کو دماغی مریضہ بنادیتی ہے۔

☆ شوہر ایک چیونگم کی مانند ہوتا ہے' جسے پھیکا ہونے پر بھی نہیں پھینکا جاسکتا۔

☆ شوہر' بیوی کے سوا ہر عورت پر جان چھڑکنے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

☆ شوہر مرجائے تو "دیوتا" اور اگر زندہ رہے تو "دیو" ہوتا ہے۔

☆ شوہر کی تعریف سن کر بیوی کا سر فخر سے اٹھتا ہے جبکہ بیوی کی تعریف سن کر شوہر کا ہاتھ ہی اٹھتا ہے۔

☆ جو باہر قہقہے لگائے اور گھر میں قہر برسائے' شوہر کہلاتا ہے۔

☆ دیا اور شوہر دونوں جل کر روشنی تو دیتے ہیں مگر اپنے دھوئیں سے ماحول کو بھی خراب کرتے رہتے ہیں۔

☆ شوہر صرف ایک صورت میں بیوی سے محبت کرتا ہے اگر بیوی کے نام کروڑوں کی جائیداد ہو۔

☆ اچھی بیوی دولت کے بغیر مل سکتی ہے مگر اچھا شوہر اچھے جہیز کے بغیر نہیں مل سکتا۔

☆ سگریٹ نوشی پر تین ہزار روپے خرچ کرنے والے شوہر کی' بیوی کو ایک ہزار روپے دیتے ہوئے بھی جان جاتی ہے۔

☆ شاعر اور شوہر میں کوئی فرق نہیں ہوتا' دونوں ہی دنیا سے بے زار دکھائی دیتے ہیں۔

☆ اگر آج کل کے شوہر میں انا باقی ہوتی تو عورت

یوں دفتروں میں دھکے نہ کھاتی۔

☆ اگر جہیز ملے تو بیوی شوہر کی جان اور اگر کم ملے تو پاؤں کی جوتی۔

☆ اور یہ شوہر ہی ہیں، جو بیویوں کی آمدنی کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ گھر میں ہانڈی چولہا کرنے پر بھی آمادہ نظر آتے ہیں۔

اریشن بہزاد.... احمد پور شرقیہ

خوبی

ایک بڑے مجمع میں ایک کار کی نیلامی ہو رہی تھی .... بیس لاکھ، پچیس لاکھ، تیس لاکھ.... مجمع میں ایک شخص کھڑا بڑی حیرت سے کار کی حالت زار پر غور کر رہا تھا.... مگر اسے کار میں کوئی بھی شے بہتر نظر نہ آئی.... اس سے رہا نہ گیا تو قریب کھڑے بولی لگانے والے شخص کا ہاتھ دباتے ہوئے پوچھا۔ "ارے بھائی اس کھٹارا کار میں ایسی کون سی خوبی ہے، جس کی بنا پر تم اس کے اتنے دام لگا رہے ہو....؟"

ایک شخص نے پلٹ کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"جناب اس کار کے اب تک آٹھ حادثے ہو چکے ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ ہر حادثہ میں صرف اور صرف خاتون خانہ کا ہی انتقال ہوا ہے۔"

فہمیدہ جاوید اختر ہاشمی.... جھنگ صدر

بہادری

کالج کی ٹیم بین الصوبائی تقریری مقابلے میں حصہ لینے جا رہی تھی۔ ٹیم میں شامل ایک مقرر نے جانے سے پہلے جوش کے عالم میں باتیں کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہ تقریری مقابلہ محض تقریری مقابلہ نہیں ہے، یوں سمجھو یہ صوبے بھر کے نوجوانوں کے درمیان ذہانت کی جنگ ہے۔"

"بے شک۔" ایک کلاس فیلو نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور تمہاری بہادری دیکھو کہ ہتھیار کے بغیر ہی یہ جنگ لڑنے جا رہے ہو۔"

شہلا رفیق.... نواب شاہ

خاطر مدارات

بیگم صاحبہ نے ملازمت کی امیدوار عورت سے پوچھا۔ "اگر گھر میں مہمان آ جائیں تو کیا تم انہیں سنبھال سکتی ہو.... اور اچھی طرح ان کی خاطر مدارات کر سکتی ہو؟"

"جی ہاں، بیگم صاحبہ.... دونوں طرح۔" عورت نے جواب دیا۔

"دونوں طرح.... کیا مطلب....؟" بیگم صاحبہ نے چونک کر پوچھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ چاہیں گی تو میں اس طرح ان کی خاطر مدارات کروں گی کہ وہ آئندہ بھی آتے رہیں گے اور اگر آپ چاہیں گی تو اس طرح "خاطر داری" کروں گی کہ وہ آئندہ اس گھر کا رخ نہیں کریں گے۔" عورت نے وضاحت کی۔

شاہدہ ظفر.... گلشن حدید، کراچی

مشورہ

تعلیم سے فارغ ہونے والے ایک نوجوان نے ایک کامیاب بزنس مین سے کہا۔

"میں بھی کاروبار کرنا چاہتا ہوں اور کاروباری دنیا میں اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے کوئی مشورہ دیجیے کہ مجھے سب سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟"

"بیٹا! سب سے پہلے تو اپنی کلائی پر بندھی ہوئی یہ گھڑی بیچ دو.... اور ان پیسوں سے الارم والا کوئی اچھا سا کلاک خرید لو۔" کامیاب بزنس مین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

فاطمہ.... حیدر آباد

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

ہرے بھرے کباب

اجزا :

پودینہ	چار گٹھی
بیسن	ایک کپ
ہری مرچ	دس عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
ثابت دھنیا (بھنا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
ٹماٹر	دو عدد (بڑے سائز کے)
تیل	ڈیپ فرائی کے لیے

ترکیب :

پودینے اور ہرا دھنیا کو صاف کر کے پتے الگ کر لیں اور انہیں دھو کر باریک کاٹ لیں۔ پیاز، ٹماٹر اور ہری مرچ کو باریک کاٹ کر اس آمیزے میں نمک، ثابت دھنیا اور بیسن ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں۔ جب یہ سخت آٹے کے پیڑے کے مانند ہو جائے تو اس کو ایک بڑے رول کی شکل دے دیں۔ اب ایک دیگچی میں پانی گرم کریں اور اس کے اوپر چھلنی رکھ کر اس پر یہ رول رکھ دیں۔ کچھ دیر اسے بھاپ میں سخت ہونے دیں۔ اس کے بعد اس کے سلائس کاٹ لیں۔ کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں اس میں سلائس ڈال کر گولڈن براؤن کر لیں۔ مزے دار ہرے بھرے کباب تیار ہیں املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

یوگرٹ مٹن

اجزا :

بکرے کا گوشت (دھو لیں)	ایک کلو
دہی	ایک پاؤ

پیاز (باریک کاٹ لیں) دو عدد
ادرک، لہسن پیسٹ دو کھانے کے چمچے
ہری مرچ (درمیانی سائز کی) آدھا کپ
نمک حسبِ ذائقہ
گرم مسالا پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
تیل آدھا کپ

ترکیب :

دیگچی میں تیل گرم کریں۔ اس میں پیاز ڈال کر گولڈن ہونے تک تلیں۔ گوشت، نمک اور ادرک لہسن پیسٹ ڈال دیں۔ دو منٹ تک بھون کر تقریباً چار گلاس پانی گوشت میں ڈال کر گلنے کے لیے چھوڑ دیں۔ (اگر پانی خشک ہو جائے اور گوشت نہ گلے تو تھوڑا پانی اور ڈال دیں) آدھی ہری مرچیں گرائنڈر میں پیس لیں۔ جب گوشت گل جائے تو دہی پھینٹ کر اس میں ملا دیں اور ساتھ ہی پسی ہوئی ہری مرچ بھی ملا دیں۔ جب دہی کا پانی بھی خشک ہو جائے تو باقی کی ثابت ہری مرچوں کو درمیان میں کٹ لگا کر گوشت میں ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ پکائیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو اوپر سے پسا ہوا گرم مسالا ڈال دیں۔ مزے دار یوگرٹ مٹن تیار ہے۔ روغنی نان اور سلاد کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

جہانگیری سیخ کباب

اجزا :

قیمہ ایک کلو
ادرک لہسن پیسٹ ایک کھانے کا چمچہ
کچری پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
سونٹھ (پسی ہوئی) ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی) دو کھانے کے چمچے (تھوڑے سے تیل میں براؤن کر کے چورا کر لیں)
ثابت دھنیا (کوٹ لیں) ایک کھانے کا چمچہ
نمک حسبِ ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کاجو (باریک چوپ کر لیں) تین کھانے کے چمچے
خشخاش (پیس لیں) ایک چائے کا چمچہ
دیسی گھی حسبِ ضرورت
ناریل پاؤڈر دو کھانے کے چمچے
بیسن دو کھانے کے چمچے
(توے پر ہلکا سا بھون لیں)
دہکتا ہوا کوئلہ ایک عدد

ترکیب :

ایک پیالے میں قیمہ، ادرک، لہسن پیسٹ، کچری پاؤڈر، سونٹھ، گرم مسالا پاؤڈر، پیاز، ثابت دھنیا، نمک، لال مرچ پاؤڈر، کاجو، خشخاش، ناریل پاؤڈر اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ جس طرح آٹا گوندھتے ہیں اس طرح گوندھ لیں۔ اس کو بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ پھر درمیان ڈبل روٹی یا پیاز کا چھلکا رکھ کر کوئلہ رکھیں۔ دو تین قطرے دیسی گھی ٹپکا کر ڈھک دیں۔
اب اس قیمے کو سیخوں پر سیخ کباب کی طرح چڑھا کر دہکتے کوئلوں پر سینک لیں۔ دیسی گھی کا بگھار لگا کر سرونگ ڈش میں نکال لیں۔ پراٹھوں یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

منگولین گوشت

اجزا :

گوشت آدھا کلو
سویا سوس ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ دو کھانے کے چمچے
چینی آدھا چائے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر چوتھائی چائے کا چمچہ

سوس بنانے کے لیے :

مرغی کی یخنی چوتھائی کپ
سویا سوس ایک کھانے کا چمچہ
تیل حسبِ ضرورت
سرکہ ایک کھانے کا چمچہ
چلی سوس آدھا چائے کا چمچہ

چینی آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور ڈیڑھ چائے کا چمچہ
(تمام اشیا مکس کر لیں)
ہری مرچ آٹھ عدد
(لمبائی کے رخ کاٹ لیں)
لہسن کے جوے چار عدد
(باریک لمبائی کے رخ کاٹ لیں)
ثابت لال مرچ آٹھ سے دس عدد
ثابت سیاہ مرچ چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک ایک انچ کا ٹکڑا
(لمبائی کے رخ کاٹ لیں)

ترکیب :

مرغی کی یخنی میں سویا سوس، سرکہ، چلی سوس، چینی اور کارن فلور ڈال کر مکس کر کے سوس تیار کر لیں۔
کڑاہی میں دو چمچے تیل گرم کریں۔ اس میں لال مرچ ڈال کر کڑکڑائیں اور گوشت، گرم مسالا پاؤڈر، سویا سوس اور سرکہ ڈال کر تقریباً پانچ منٹ کے لیے فرائی کریں، دوسری کڑاہی میں تھوڑا سا تیل ڈالیں، اس میں ہری پیاز، سیاہ مرچ اور چینی ڈال کر پکائیں۔ جب سارا مسالا بھون جائے تو گوشت ڈالیں اور ساتھ ہی سوس بھی ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کر لیں سادہ ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

کابلی چنے کے کباب

اجزا :

کابلی چنے (ابلے ہوئے) آدھا کلو
آٹا آدھا کپ
نمک حسبِ ذائقہ
کٹی لال مرچ ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی) ایک چائے کا چمچہ
سفید تل تین کھانے کے چمچے
تیل فرائی کرنے کے لیے

ترکیب :

چنے اچھی طرح ابال کر میش کر لیں۔ اس میں آٹا، نمک، لال مرچ، سیاہ مرچ پاؤڈر، ہری مرچ، زیرہ اور تل ڈال کر مکس کر لیں۔ ہاتھ سے گول کباب بنائیں۔ تیل گرم کر کے کبابوں کو ہلکا فرائی کر کے دونوں طرف سے گولڈن کر لیں کیچپ اور کھٹی میٹھی املی سوس کے ساتھ سرو کریں۔

ہنٹر بیف

اشیا :

بیف ڈیڑھ کلو
دار چینی چار اسٹکس
ثابت سیاہ مرچیں تین چائے کے چمچے
لونگیں ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ (کٹا ہوا) ایک کھانے کا چمچہ
لیموں (رس نکال لیں) چار عدد
نمک حسبِ ذائقہ
قلمی شورہ (کالا نمک) دو کھانے کے چمچے
دیسی گڑ تین کھانے کے چمچے

ترکیب :

بیف کو کانٹے سے اچھی طرح گود لیں۔ دار چینی، ثابت سیاہ مرچیں، لونگ، سفید زیرہ، نمک، قلمی شورہ اور دیسی گڑ ملا کر مسالا کو اچھی طرح پیس لیں۔ اس کے بعد لیموں کا رس اور پسا ہوا مسالا گوشت پر لگا کر چار سے پانچ دن کے لیے فریج میں رکھیں اور روزانہ گوشت کو گود لیں۔ چار، پانچ منٹ کے بعد تین کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ تیار ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے سلائس کاٹ لیں۔ ٹماٹو کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

☼ ☼

حسن و صحت

ادارہ

کیل و مہاسوں سے جان چھڑائیے

یہ ایک عام تصور ہے کہ چہرے پر کیل' مہاسے اور جھائیوں کے نکلنے کا تعلق بلوغت سے ہے۔ نوجوان لڑکیوں کے لیے تو خاص طور پر اس تصور کو یقین کا درجہ حاصل ہے لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ برس پندرہ کہ سولہ کے سن سے بہت بڑی عمر کی بھی تقریباً" ساٹھ فیصد آبادی ان کیل و مہاسوں کے مسئلے سے دوچار ہے۔ طبی اصطلاح میں اس مرض کو بلکہ زیادہ صحیح اس مسئلے کو (کہ یہ مرض کم اور مسئلہ زیادہ ہے) ایکنی (ACNE) کہا جاتا ہے۔ اگر آپ بھی اس مسئلے سے دوچار ہیں تو خوش ہو جائیے کہ آپ چند اندرونی اور بیرونی قابل بھروسہ علاجوں سے ان کیل و مہاسوں کے پھوٹ پڑنے پر قابو پا سکتی ہیں۔ اس طرح کہ آپ کے چہرے پر ان کے ناپسندیدہ نشانات بھی باقی نہ رہ جائیں اور ان کی وجہ سے چہرے پر چکناہٹ اور روغنیت کا تاثر بھی ختم ہو جائے۔

کیل و مہاسے ایک دیرینہ التہابی (Chronic inflammatory) مرض ہیں' جس میں بال و چکنائی کے غدود متاثر ہوتے ہیں۔ ان میں ورم پیدا ہونے کے بعد ایک نقطہ نما سیاہ رنگ کا نشان بن جاتا ہے جس کو "کیل" کہتے ہیں۔ اس کو دبانے سے ایک سفید کیل باہر نکل آتی ہے۔ یہ دراصل چکنائی ہے جس کا بیرونی حصہ کیمیائی عمل کی وجہ سے سیاہ پڑ جاتا ہے اور سیاہ سر یا نقطہ کہلاتا ہے۔ اگر اس وقت ان پر جراثیم کا حملہ ہو جائے تو ان غدود میں پیپ (Pus) پڑ جاتی ہے جو پیپ والے چھالوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ گٹھلی یا رسولی (Cyst) کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ گٹھلیاں یا رسولیاں چہرے پر بنتی ہیں لیکن یہ گردن' سینے اور شانوں پر بھی بن سکتی ہیں۔ عموماً" یہ بلوغت میں شروع ہونے والا مرض ہے اور کئی سال تک برقرار رہ سکتا ہے۔ بیس سال کی عمر تک پہنچنے پر اس مرض کی شدت میں کمی واقع ہونا شروع ہوتی ہے لیکن اس کے اثرات مدتوں برقرار رہتے ہیں۔ کچھ خواتین میں یہ مرض کم عمری (15-14 سال) میں ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے اور یہ مرض عموماً" 25 سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ختم ہو جاتا ہے لیکن اس سے بڑی عمر میں بھی یہ مرض اب عام مشاہدے میں آنے لگا ہے۔

کیل و مہاسوں یا ایکنی کی خاص نشانی یعنی سیاہ نقطہ نما نشانات ان غدود کے غیر معتدل رویے اور فعل کی وجہ سے بنتے ہیں اور غدود کے مخرج پر نقص شدہ کیراٹن کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان ہی کو کیل یا مہاسے یا چربی دانے یا کومیڈون کہتے ہیں۔

ان کیلوں یا مسوں کی وجہ سے غدود کا مخرج بند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے غدود میں ورم آ جاتا ہے۔ اگر اس مرحلے پر مزید انفیکشن ہو جائے تو اس کیل کے چاروں طرف عفونت سے بھرپور آبلے یا چھالے پڑ جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے جلد کی گہری تہیں متاثر ہوتی ہیں جس سے چہرے پر ناپسندیدہ بدنما داغ نمایاں ہوتے ہیں۔

معمولی نوعیت کی بیماری میں صرف کیلیں بنتی ہیں یا پھر چھوٹے چھوٹے دانے بنتے ہیں۔ اگر جلد بہت حساس ہو اور زیادہ متاثر ہو جائے تو پھر متاثرہ جلد کی شکست و ریخت ہوتی ہے اور اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی جلد یا تو اکھڑنے لگتی ہے یا اس کا اپنا فعل

متاثر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے چہرے پر چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ یہ گڑھے چاہ زنخداں یا ڈمپل سے علیحدہ چیز ہیں۔ بعض اوقات ان غدود میں گٹھلیاں (Papules) بن جاتی ہیں جو دبانے میں سخت محسوس ہوتی ہیں۔

ان کیل' مہاسوں یا ایکنی کی وجوہات میں ہارمونی' بکٹیریائی اور التہابی تبدیلیاں اور اثرات شامل ہیں۔ خواتین میں ان وجوہات میں ہارمونی اثرات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ شاید یہ کہنا بجا ہو کہ خواتین میں خاص طور سے ان کیل و مہاسوں و مسوں اور جھائیوں یا ایکنی کا اصل سبب ہارمون ہیں اس طرح بالوں اور

مہاسوں اور مسوں کی افزائش میں غذا کا بھی کچھ نہ کچھ کردار ضرور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نشاستہ دار اشیاء مہاسے بڑھاتی ہیں۔ نیز زیادہ مرغن اشیاء یا ایسی اشیاء جن میں آیوڈین کی افراط ہو یعنی آیوڈین زیادہ مقدار میں شامل ہو۔ وہ بھی مہاسے پیدا کرتی ہیں۔

مٹھاس' چاشنی اور ہوا بند مشروبات یعنی کولڈ ڈرنکس کی زیادتی سے بھی مہاسوں کی افزائش میں اضافہ ہوتا ہے۔ جذباتی کیفیت اور ہیجان و پریشانی وغیرہ بھی مہاسوں کی افزائش میں اضافے کا سبب بن سکتے ہیں۔

جن افراد کی جلد میں چربی کے غدود زیادہ ہوتے ہیں' ان میں مہاسے پیدا ہونے کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور مسام بند ہونے پر چربی کے غدود میں کیلیں پیدا ہوتی ہیں۔

مہاسوں کی پیدائش میں جراثیم کا بھی اپنا ایک کردار ہے۔

کیل مہاسوں کو صاف کرنے والے لوشن اور کریمیں کس طرح کام کرتی ہیں؟

کیل و مہاسوں (ایکنی) کو صاف کرنے والے لوشن اور کریمیں جمع شدہ تیل' چربی' میک اپ اور پسینے کو صاف کرتے ہیں' لیکن اس کے ساتھ ہی سوزش' جلن (Inflammation) میں اضافہ کرتے ہیں اور مہاسوں کے نشانات اور داغ چھوڑ جاتے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کی ایک گڈی کو گرم کر کے اس سے ان مہاسوں کو دبایا جائے اور پھر اگر ضرورت ہو تو کسی چمٹی سے ان سیاہ دانوں کو کھینچ لیا جائے۔ جلد کو خشک کرنے والے ——— لوشن (اینٹی بکٹیریل لوشن)' نرم صابن اور طبی طور پر تیار کردہ کریمیں (میڈی کیٹڈ کریمیں) ایسی جلد کے لیے بہت مفید' کارآمد اور سازگار ہوتی ہیں' ایسی ہر پراڈکٹ کے استعمال سے پرہیز کیجیے جس سے آپ کے چہرے کی جلد کھنچی ہوئی یا خشک محسوس ہوتی ہو۔ اگر آپ کی جلد کی بالائی سطح اور تہہ کو اتنا زیادہ کھینچا گیا ہو کہ وہ خشک ہو کے سکڑ گئی ہو تو اس سے چربی اور تیل کے بہاؤ میں رکاوٹ پڑ سکتی ہے جس کی وجہ سے تیل جمع ہو سکتا ہے اور مزید سیاہ نقطے پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

کیل' مہاسوں اور جھائیوں سے حفاظت اور بچاؤ

اچھی اور صحت مند جلد کے لیے بھی ورزش بہت ضروری ہے کیونکہ اس سے دوران خون بڑھتا ہے لیکن خیال رکھیے کہ ورزش کرتے وقت آپ نے کسی قسم کا کاسمیٹکس یا کوئی موئسچرائزنگ یا کولڈ کریم اپنے چہرے اور جسم پر نہ مل رکھی ہوں کیونکہ ان کی وجہ سے پسینے کے آزادانہ بہاؤ میں رکاوٹ پڑتی ہے' جس کی وجہ سے مسامات بند ہو جاتے ہیں۔ پیشانی' گردن اور چہرے پر پسینہ جذب کرنے والی پٹیاں بھی استعمال نہ کی جائیں۔ ان سے بھی پسینہ اور چربی جلد میں جمع رہتی ہے۔

کیل مہاسوں اور جھائیوں سے حفاظت کے سلسلے میں اپنی جلد کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کریں۔ صاف و سادے پانی سے دن میں متعدد بار چہرہ دھوئیں اس کے علاوہ جلد کو پانی سے دھونے کے ساتھ ساتھ جراثیم کش صابن کا بھی استعمال مفید ہوتا ہے۔

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ ۱۹۷۸ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں ۱۹۸۱ء کے شمارے کے سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

کیا ادھر ہیں

شاہینہ رباب ..... جھنگ

س ذوالقرنین جی! آخر یہ تمام لڑکیاں آپ کے اور آپ کی شرٹ کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں؟
ج انہیں ہماری کفایت شعاری سے چڑ ہے اس لیے شرٹ کے پیچھے پڑ گئی ہیں البتہ میرے پیچھے پڑنے والی اطلاع غلط ہے۔

مانو ..... جہلم

س اگر آپ کو بلب پھونکوں سے بجھانا پڑے تو آپ کیا کریں گے؟
ج بس اتنی سی بات بی بی ذرا تکلیف کرو اور سوئچ آف کرو تب سمجھ میں آجائے گا کہ ہم کیا کریں گے۔
س اگر آپ کو اپنی سالگرہ پر کیک کاٹنے کے بجائے تربوز کاٹنا پڑے تو؟
ج تربوز کاٹنے کے لیے آپ کو بلوا لیں گے جہلم سے۔

شفق شہزاد ..... کراچی

س کیوں ذوالقرنین صاحب آپ کے بھی منہ کو لگ گئی؟
ج بھئی کیا لگ گئی منہ کو؟ بس وہ کرتی رہتی ہو اپنا کنفیوز۔

شفق سلطان ..... مینجن آباد

س چنگیا کے ننھو! جلدی سے بتاؤ عید کیسی گزری؟
ج بھلا ہو تمہارا، تمہاری دعاؤں سے اچھی گزری اپنی عید تم اپنی سناؤ۔

تمکین زیدی ..... کراچی

س اب تک آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں اپنے آپ کو اس محفل صنف نازک میں؟
ج خوش باش ٹھیک ٹھاک البتہ اس محفل صنفِ نازک میں آپ لوگوں کو کھٹک رہا ہوں۔

ممتاز کنول ..... کراچی

س جلدی سے بتایئے اپنی آخری خواہش کہ ہمیں بے پناہ غصہ آگیا ہے اور ہم جوڈو کراٹے سیکھ رہے ہیں؛
ج آپ سے پہلے بھی کسی نے پوچھی تھی ہماری آخری خواہش۔ تعجب ہے اس کے بعد بھی آپ پوچھ رہی ہیں۔
س کیا ہمارے خطوں میں بہت غذائیت ہوتی ہے جو آپ انہیں ہضم کر جاتے ہیں؟
ج بی بی! آج کل غذائیت تو خالص گھی میں بھی نہیں ہوتی۔

مسرت جبیں قادری ..... جلال پور

س عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس چیز کی تمنا کرتی ہے؟
ج بے پناہ کماؤ شوہر کی۔

س عورتوں سے اگر غلطی ہو جائے تو وہ سجدے میں گر جاتی ہیں کیا مرد بھی ایسا کرتے ہیں؟
ج تو آپ کا کیا خیال ہے مردوں کا خدا دوسرا ہے جو انہیں غلطی کی سزا نہیں دے گا۔

افشاں سہیل اکرام ..... سندھ

س لڑکیوں نے بال کٹوا دیے۔ لڑکوں نے بڑھا لیے کچھ عرصہ بعد میرا خیال ہے لڑکیاں، لڑکوں کے گھر بارات لے کر جائیں گی۔ نین جی آپ کا کیا خیال ہے؟
ج پھر تو وارے نیارے ہوں گے لڑکوں کے کہ لڑکیاں خود چل کر گھر آیا کریں گی اور کسی ظالم سماج کا خوف نہ ہوگا۔

سیمیں اسد ..... کراچی

س بھئی میں نے سنا ہے کہ تم نے پنجرہ نمبر 14، اپنے لیے بک کرا لیا ہے؟
ج مگر تم نے وہ پنجرہ کیوں چھوڑا۔

نسرین سکندر ..... لطیف آباد

س خوب صورت مرد بد صورت عورت سے شادی کیوں نہیں کرتا؟
ج اس کی مرضی، بھئی مرد کی ویلیو زیادہ ہے ہر جگہ کھپ جاتا ہے۔ اپنی باری پر وہ انتخاب ذرا زوردار کرتا ہے۔

توحید صدیقی ..... کراچی

س انسان اپنی ناکامی کی وجہ اپنی تقدیر کو کیوں ٹھہراتا ہے؟
ج بھئی! بزدل انسان ہمیں قطعی پسند نہیں۔
س نین جی! خواہشات کی انتہا کہاں ہوتی ہے؟
ج کوئی انتہا نہیں، نہ ہی پابندی، جتنی چاہے خواہشات کرو۔

رضیہ نادر ..... جلال پور جٹاں

س عورتوں کو ناقص العقل کیوں کہا جاتا ہے؟
ج کیا آپ نے اپنے نام کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر لکھنا چھوڑ دیا ہے۔

راحیلہ عتیق ..... روہڑی

س لڑکی کے سر سے دوپٹہ کیوں اتر جاتا ہے؟
ج اچھا تو آج کل لڑکیاں گلے میں جو رسی ڈالے پھرتی ہیں وہ سر سے اتر جاتی ہے اور آپ اسے دوپٹہ کہتی ہیں۔

خالدہ کوثر ..... لاہور

س بچے سے جوان، جوان سے بوڑھا اور بوڑھے سے؟
ج کچھ کہتے ہیں پھر بچہ، کچھ کہتے ہیں کہ اللہ میاں کی عدالت میں پیشی ہوتی ہے۔

شاہدہ انجم ..... نامعلوم

س بزم میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اور آپ مجھے خوش آمدید نہیں کہیں گے؟
ج آیئے! آیئے تشریف لایئے۔ کہیے کیسے آنا ہوا۔

ناظمہ انوار ..... فیصل آباد

س آپ خود کو شہزادہ گلفام سمجھتے ہیں کیا؟

ج نانانا، گلفام کا شہزادہ سمجھتا ہوں۔

عابدہ صفدر لودھی..... گوجرانوالہ

س بڑھتی ہوئی مہنگائی کے بارے میں آپ نے کیا سوچا؟

ج جو آپ نے سوچا۔

مسرت کھر..... کاغان

س برے کی برائی دیکھنی چاہیے یا اچھائی؟

ج اچھائی تلاش کرنی پڑے گی اور ایسا کرنے کے لیے ہمارے پاس فرصت نہیں۔

شاہدہ سلطانہ..... لطیف آباد

س بھیا! یہ بتائیں، خیالی پلاؤ مرد زیادہ پکاتے ہیں یا عورت؟

ج عورت ہی پکاتی ہے خیالی پلاؤ بھی، اجی مرد کے پاس فرصت کہاں ہے کہ وہ باہر کا کام بھی کرے۔

عینی طفیل..... کراچی

س آپ تو خواتین کی اس محفل میں یوں آموجود ہوتے ہیں کہ "مان نہ مان میں تیرا مہمان؟

ج محاورہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ "مان تو مان میں تیرا مہمان"

س مایوسی اگر گناہ ہے تو اکثر لوگ یہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟

ج لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں۔مایوس اس لیے ہوتے ہیں خدا فوراً" رحم کردے۔

وحیدہ روحی..... لاہور

س ذرا جلدی سے بتائیں کہ آپ کو دن میں کتنی مرتبہ غصہ آتا ہے؟

ج کتنی مرتبہ سے کیا مطلب ہے آپ کا۔

ثمینہ گل..... مبی

س آپ کی وہ 'ان کا' اس کا مگر کس کا کیا حال ہے؟

کوثر ارشاد..... ملتان

س ذوالقرنین بھیا! اگر آئینہ صورت کے بجائے سیرت دکھاتا تو پھر؟

ج پھر شاید اعمال کی درستگی پر ہم زیادہ توجہ دیتے۔

س اگر آپ کا بچپن دوبارہ لوٹ آئے تو پھر آپ کیا کریں گے؟

ج اس عمر تک پہنچنے کی جستجو۔

فرح جبیں..... سکھر

س ذوقی بھیا! اگر کوئی خوب صورت خواب دیکھتے ہوئے دفعتاً" ہی "انتظار فرمائیے" آجائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج خوابوں کا سلسلہ وہیں سے جوڑنا چاہیے جہاں سے منقطع ہوا تھا۔ٹی وی والے تو ایسا ہی کرتے ہیں۔

صفیہ مشتاق فاروقی..... فیصل آباد

س مرد بیوی کو ہر ماہ تنخواہ دیتا ہے تو بیوی کیا دیتی ہے؟

ج تنخواہ ختم ہونے کے بعد طعنے تشنیع وغیرہ وغیرہ خوش۔

ثمینہ عزیز..... فیصل آباد

س نین جی! مفلس اگر مجلس میں بات کرے تو گستاخ، چپ رہے تو بے وقوف، سچ کہے تو مفسر، جھوٹ کہے تو گناہگار اور اگر عاجزی کرے تو خوشامدی کہلاتا ہے، پھر بتایئے وہ کیا کرے؟

ج صرف مفلس ہی رہے تو کیا کہنے۔

عقیلہ امین..... فیصل آباد

س ذوالقرنین جی! آپ کے نزدیک دنیا کا خوش قسمت ترین انسان کون ہے؟

ج جس سے رب راضی ہو۔

صباحت یاسمین..... گجرات

جھکی پلکوں اور موہنی سی صورت والی ماڈل دل میں گھر کر گئی۔

بلاشبہ ہمارے ذمہ داروں کی غیر ذمہ داری کے سبب ہی ہم باران رحمت سے مستفید ہونے کے بجائے "متاثر" ہوگئے! حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی مخصوص علاقہ یا کوئی ایک آدھ صوبہ متاثر نہیں ہوا، ہم سب متاثرین میں سے ہیں۔ یہ وقت بھی گزر ہی جائے گا ان شاء اللہ۔

حمد و نعت پڑھ کر روح تک تسکین کا احساس اتر آیا۔

مہناز عرفان نے ذوقی بھیا کے لیے یقیناً" قلم سے نہیں دل سے لکھا ہے۔

فیملی بیک گراؤنڈ کے متعلق استفسار پہ "بابر خان" کا تیز گام کی سی رفتار پکڑنا مجھے اس بات کا احساس دلا گیا کہ مجھ میں اور ان میں ایک بات مشترکہ ہے، ڈیڑھ سو سے زائد الفاظ بولتے ہوئے محض تین چار بار کو مالگا تا۔

کنور بھائی! اتنے تو آپ Famous ہو ہی چکے ہیں کہ پہلی ملاقات میں "مائی نیم از کنور" نہ کہنا پڑے خیر آپ کی مرضی۔

"نبیلہ عزیز" سے ملاقات دلچسپ رہی، خاصی کمپوزڈ سی ہے ان کی حس مزاح۔

"افراز علی نازش" پہ تو ہمارے تینوں رسالوں نے خوب ہی رنگ جمار کھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کو ان کی ساتھی سے ملوائے۔ انہوں نے جس طرح گولڈ میڈل حاصل کر کے ملک کا نام روشن کیا اور آگے بھی جو نیک مقاصد ان کے سامنے ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔

"دست کوزہ گر" میں گلفام کا جو قصہ ہوا، وہ توقعات سے ذرا ہٹ کر تھا یہی رائے بریرہ والے قصے کے متعلق دوں گی، ہنگنی اٹینڈ کر کے مزا آیا۔

اس دفعہ "اور ے پیا" وہیمے رنگوں میں رنگا، بہت سادہ اور اتنا عام فہم تھا کہ لگا تم عرصے سے ماہیر کے گھر مقیم ہیں

اس کی والدہ کے پل میں تولہ پل میں ماشہ مزاج کے متعلق بخوبی آگاہ ہوں کہ یہ ان کی اپ سیٹ سی state mental کا نتیجہ ہے حریم کو تسلسل سے چبھوئے جانے والے تلخی کے نشتر جب اس کی زباں سے "ہٹیے پیچھے" کی صورت اپنا اثر دکھاتے ہیں تو ہمارا چوزہ سا دل ایک دم پورے کا پورا ماہیر بن جاتا ہے حیران سا، پریشان سا۔

"اقرا عباسی" نے اچھا لکھا۔ ہمیں ویسے بھی سب ہنسی خوشی رہنے لگے والا اختتام رکھنے والی تحاریر اچھی لگتی ہیں۔

ویری ویل ڈن سعدیہ جی یقین مانیے الفاظ نہیں کہ جن سے آپ کی تعریف کر سکوں جی چاہ رہا ہے آپ سے وہ قلم مانگ لوں، جس کی وجہ سے ہم نے منصور ابراہیم کو دیکھا، محسوس کیا اور اس کے گرویدہ ہوگئے۔ "دیئے کے اندر دیا" بلاشبہ اس ماہ کے کرن کا سنگھار تھا۔

لبنیٰ جی! واقعی بنت آدم بڑے ظرف والی ہے ابن آدم بھی ظرف دکھاتا ہے مگر بنت آدم کا ضبط پوری طرح آزما چکنے کے بعد۔

"در دل" نے سرگوشی سی کی ہے کہ منصور حسین کا کردار عام سا نہیں ہو گا۔ مدحیہ اور نبیل کا ٹکراؤ حسب توقع تھا۔ ارے بھئی دل آور شاہ کے سامنے ہمیں نبیل حیات نہیں دکھتا وہ تو پھر زیری ہے۔ اپنے دل کی داسی!

ضوبار یہ جی! محبت واقعی ابر ہے مگر آپ نے اس ابر کو کافی ریز روساد کھایا اور کچھ خاموش طبع بھی۔

"متاع دل" میں کافی اچھے انداز میں ایک حساس ایشو کو ہائی لائیٹ کیا گیا کشش جی! بعض لوگ میکال سے ہوتے ہیں جو کچھ جوڑ توڑ کر کے محبت کا حق ادا کر ہی دیتے ہیں مگر احمد جیسوں کو ہم کیا کہیں جنہیں ٹوٹ کر جڑنے کے لیے محبت سے حق وصولنا یاد آجاتا ہے، ادائیگی کا پھر بھی خیال تک نہیں گزرتا احمد کا عذر بودا سا لگا کسی اور کی کیا رائے ہے معلوم نہیں مگر مجھے وہ تب اچھا لگتا جب وہ تمہاری

عزت کی بجائے ہماری محبت کا سوچتا۔

"آتش دروں" کا تھیم فی الحال سمجھ نہیں سکی لہٰذا تبصرہ ادھار۔

"روشنی بخاری" کا ناولٹ "فعل شنیع" نے خاموش کردیا اندر تک خاموشی اتر آئی۔ ہمارے جذبات یک لفظی آہ کی صورت لبوں سے برآمد ہوئے ..... نہیں !اس کے سوا نہ کچھ کہا جاسکا نہ سوچا جاسکا۔

"رمشا خالد" نے بہت ہی لطیف انداز میں چوٹ کی ہے۔ جلال الیسوں کی غیرت پہ۔

"کرن کرن خوشبو" سے محبت میری ڈائری کی مکین بن گئی۔

"یادوں کے دریچے" میں ارشد معراج کی "محبت کا کہاں پر انت ہوتا ہے" دیکھی تو بے اختیار ارم آفتاب کے انتخاب کو داد دی۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں مہک سہیل نے عدیم کا جو شعر منتخب کرکے بھیجا وہ کمال تھا۔

اللہ تعالیٰ نازیہ کنول صاحبہ کی والدہ کو شفائے کاملہ سے نوازے۔

"مسکراتی کرنیں" میں ڈاکٹر یونس بٹ کی جوک در جوک سے انتخاب زبردست تھا۔ "دسترخوان" سے انوکھے چپس کو تختۂ مشق بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ بڑا چالاک ہے کرن، حسن و صحت میں ہماری دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا ہے۔ مگر دیر آید بٹ ناٹ درست آید ایک اچھا سا تیل کرن سے پہلے ہی گھر آچکا تھا۔ "نہلے پہ دہلا" سدا بہار سا کیوں ہے ؟ اللہ تعالیٰ ذوقی بھیا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین۔

"نامے میرے نام" میں مٹھاس سی مٹھاس تھی۔ بھئی اتنی لمبی چوڑی جگہ جو اپنے نام رجسٹر کروائی ہے۔ سب ہی خطوط کرن کے لیٹ ہونے کی شکایت لیے آئے۔

"کرن کتاب" کی بہت ہی خوب بات یہ تھی کہ اس میں سیلاب اور بارشوں کے نتائج میں پیدا ہونے والی بیماریوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔ امی جان زکام، آنکھوں اور کمر درد سے متعلقہ مفید مشورے کئی ایک لوگوں میں بانٹ چکی ہوں۔ باقیوں کی بھی باری آتی ہی ہو گی۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

شمیم صدر الدین رحمانی..... صفدر آباد

ٹائٹل پہ اگر تبصرہ نہ کرو تو خط لکھنے کا مزا نہیں آتا اتنا پیارا ٹائٹل وہ بھی بلیک ڈریس اور بال بھی کتنے پیارے لگ رہے ہیں آنکھیں ــــ جھکی جھکی سی کتنی پیاری لگ رہی ہیں بہت پیاری ماڈل ہے، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر بہت سکون ملا۔ "اے راحت دل کہاں ہے تو" "بابر فیصل کو پڑھ کر ڈسکس نہ کریں تو کوئی بات نہ ہوئی اتنے اچھے انسان، اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔(آمین)

"بابر خان" اور "کنور نفیس" سے ملاقات اچھی لگی۔

"مجھ سے ملیے" "نبیلہ عزیز" کو پڑھ کر بہت اچھا لگا اگر ساتھ میں تصویر ہو جاتی تو اور اچھا ہو جاتا۔ "دستِ کوزہ گر" کی قسط بھی اچھی رہی "دردِل" بھی اچھی تھی تبصرہ پھر کروں گی۔

"ڈراپ سین" بہت پیاری کہانی لگی مہک رباب کی اینڈ میں ہنسی آئی جب اقبال نے کہا باجی عید مبارک بہت مزا آیا کہانی پڑھ کر۔

"میرے نصیب کی بارش" اقرا عباسی کی بہت اچھی کہانی تھی۔ سعدیہ عزیز آفریدی آپ کی کہانی لکھنے کا انداز ہی سب سے منفرد اور خوب صورت ہے کہ اس کے تبصرے کے لیے لفظ ہی نہیں ملتے۔

"کرن کرن خوشبو، مسکراتی کرنیں، مجھے یہ شعر پسند ہے" سلسلے بھی اچھے تھے۔ حسن و صحت اچھا کیا کہ بالوں کے بارے میں دیا "نامے میرے نام" سب کے خط اچھے تھے۔

اللہ آپ کو اور مجھے ہمیشہ خوش رکھے۔ اب اجازت دیں۔

حرمت ردا اکرم..... ڈلوال

اکتوبر کا شمارہ گیارہ تاریخ کی شام کو ملا۔ نازک سی من موہنی سی ماڈل بلیک کلر میں خوب بج رہی تھی۔ آنکھوں کا میک اپ بہت زبردست تھا۔ فہرست دیکھی تو اس دفعہ خلاف معمول "دردل" کی جانب بھاگنے کی بجائے "مجھ سے ملیے" تک ہی بریکیں لگائیں۔ اف نبیلہ آپی! بہت زبردست لکھا آپ نے "فیری" کے بارے میں پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ کیا بتاؤں ؟اور میرے لیے لکھے گئے آپ کے چند الفاظ نے گویا پاگل ہی کر دیا۔ فوراً" اپنی بھتیجی (کزن کی بیٹی) صدف کے پاس بھاگے تو وہ تو مجھ سے بھی زیادہ خوش ہو رہی تھی۔

اور نبیلہ آپی آپ کے ان چند الفاظ نے مجھے بہت حوصلہ دیا۔ ان دو تین سالوں میں آپ سے بات کرنے یا آپ سے رابطہ کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتی تھی مگر ..... خیر "فیری" کو میری طرف سے بہت پیار بھیجیے گا۔

"دردل" بھی اچھا جارہا ہے اور ہاں نبیلہ آپی! آپ نے حرمت کا کریکٹر میرے نام پہ لکھا ہے..... !دیکھیے خوش فہمیوں سے مت نکالیے گا مابدولت کو "دردل" میں اب پیشہ بنا ہی دیں۔

مدیحہ اور عدیل کے علاوہ سب "کلم کلیے" ہی گھوم رہے ہیں۔ نایاب آپی کا ناول نہیں پڑھ رہی۔ وہ ہی سابقہ وجوہات کہ ایک دفعہ ہی پڑھوں گی۔

کشش احمد کا ناول "متاعِ دل" بلاشبہ ایک بہترین تحریر تھی۔ بہت رلایا آپ نے کشش جی! ہانیہ کا کریکٹر کافی جاندار تھا۔ مگر صرف ناولز کی حد تک ہی کیوں ہیرو، ہیروئن بچھڑ کر پھر مل جاتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں تو ملے ہوؤں کو بچھڑتے ہی دیکھا ہے۔ بچھڑے ہوئے تو کبھی ملتے نہیں۔

تفصیلی تبصرہ نہیں کر سکتی۔ انیلا کرن، درثمن سلیم اور فائزہ افتخار کو بھی کبھی کبھی گھیر گھار کر لے ہی آئیں۔ جی پلیز۔ اور نبیلہ آپی کا اگلا مکمل ناول کب پیش ہو رہا ہے ؟اب اجازت دیں آئندہ ماہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

ثناء شفیق..... تاجک (اٹک)

کرن کا شمارہ خلاف توقع تیرہ تاریخ کو موصول ہوا تو خوشی سے دل باغ باغ ہو گیا۔ بہت انتظار کرواتا ہے کرن لیکن خیر انتظار کا اپنا ہی مزا ہے ٹائٹل سمیت پورا رسالہ من کو بھا گیا سب سے پہلے اپنے موسٹ فیورٹ "دردل" پہ چھلانگ لگائی بے تابی سے پڑھنا شروع کیا لیکن یہ کیا؟ ابھی شروع کیا اور ختم نبیلہ جی قسط ذرا لمبی دیا کریں پلیز چند صفحات بڑھا دیں ناول کے اتنا انتظار کرو اور دو چار صفحات میں ناول ختم اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

"دست کوزہ گر" کی یہ قسط بھی زبردست رہی نمل اور خرم کا ٹاکرا زبردست انداز میں، لیکن رومیلہ کی شادی کے دوران تو عجیب ہی صورت حال پیش آگئی۔ ہوتے ہیں کچھ ابرار بھائی جیسے جو جلد بازی میں بنا سوچے سمجھے صرف دوستوں کے کہنے پر اتنا غلط فیصلہ کر لیتے ہیں۔ بریرہ کا اغوا مجھے تو لگتا ہے ابرار بھائی نے ہی کروایا ہے۔ خیر یہ تو ایک اندازہ ہے فوزیہ جی بہتر جانتی ہیں۔ زوبیہ کا تو ذکر ہی نہ تھا اس دفعہ، فوزیہ جی زوبیہ کے کردار کو آگے بڑھائیں کبھی تو ذکر ہی نہیں ہوتا اگر ہوتا بھی ہے تو بات وہیں کی وہیں ہوتی ہے صفحات اس ناول کے بھی بڑھا دیں پلیز یہ دونوں ناول بس دو چار صفحات کے ہوتے ہیں دیکھ کر دل جل کر خاک ہو جاتا ہے۔

"اورے پیا" ویل ڈن نایاب جی آپ کی تو بات ہی اور ہے ناول بہت زبردست انداز میں آگے بڑھ رہا ہے، زمیلہ کے آگے اس کی کرنی آرہی ہے لیکن اب بھی وہ سمجھ نہیں رہی۔ "متاع دل" کشش احمد نے بلاشبہ نہایت عمدہ لکھا کہیں کوئی جھول نہ تھی۔ کئی اچھے اقتباسات اس میں سے پسند آئے۔ "مجھ سے ملیے" میں اپنی فیورٹ رائٹر نبیلہ عزیز سے مل کر اچھا لگا۔ صباحت یاسمین کا تبصرہ بلاشبہ شاندار تھا۔ ان کا انداز پسند آیا۔ باقی سب نے بھی اچھا لکھا ارم آفتاب کی ڈائری میں تحریر نظم دل کے تار چھو گئی "کرن کرن خوشبو" میں فوزیہ ثمروٹ، نوشین اقبال اور سدرہ وزیر کا انتخاب پسند آیا۔

شگفتہ خان..... بھلوال

کرن پڑھتے ہوئے مدت گزر ری بچپن میں اس دوست نے ہاتھ تھاما تھا اور اب سمجھو وقت اور حالات نے بوڑھا کردیا ہے وقت سے پہلے، تو اب بھی یہ دوست ساتھ ہے ایک دو بار زندگی کی مصروفیت سے وقت چرا کر کوشش بھی کی تو آپ نے ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا ذوقی بھیا کے نہ ہونے کا ملال پھر سالوں دل کو دکھ دیتا رہا کہ وہ ہوتے تو ایسا نہ ہوتا۔ مگر اس بار پھر ہمت کی وہ بھی ذوقی بھیا کی وجہ سے، اکتوبر اور میرے پیارے بھیا جن سے ملنے کی آس ختم ہوئی تو کراچی آنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ خیر کرن تو میرا دوست ہے، میرے بھیا کی پرچھائیں، ان کی سوچ کی علامت، ایک دم زبردست اور پرفیکٹ اس کو سجانے والی کرنیں اس کی چمک دمک کو بڑھانے والی اس کی رائٹرز جن کے نام پڑھتے جاؤ تو دل خوش ہو جاتا ہے نایاب جیلانی، مریم عزیز، نبیلہ عزیز، رخسانہ نگار عدنان، فرحت اشتیاق، سعدیہ عزیز، نازیہ کنول اور باقی سب جن کے نام پڑھو تو پتا چل جاتا ہے کہ یقیناً" زبردست ڈائجسٹ ہو گا۔

نایاب، سعدیہ اور نبیلہ نے بہت اچھا لکھا باقی سب مستقل سلسلے بھی بہترین ہیں یعنی میرا کرن کرنوں کی طرح جگمگا تا ہے، نبیلہ جی "در دل" کا اختتام بہت اچھا کرنا اور فوزیہ جی ہتھ ہولا رکھیں جی اتنے جھگڑے۔ نبیلہ جی آپ کا انٹرویو پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اگر پذیرائی کرتی رہیں تو ہر ماہ تفصیلی تبصرہ کروں گی ابھی تو دل ڈر رہا ہے کہ ردی میں ہی جانا ہے خیر۔ سب کی محنتوں کو سلام ہے اور سب کی خدمت میں بھی سلام۔

ثنا بختاور ..... حاصل پور

دس اکتوبر کو کرن اپنی تمام ترج دھج کے ساتھ ملا ٹائٹل گرل بہت اچھی لگی اور اس کا ڈریس بھی پسند آیا۔ میرا اور کرن کا ساتھ تب سے ہے جب میں 8th کلاس میں تھی اب میں سیکنڈ ایئر میں ہوں۔ اگر ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے تو دوسری درسگاہ کرن ہے۔ میں نے کرن، شعاع خواتین ڈائجسٹ میں بہت سی رائٹرز کو پڑھا ہے مگر جتنی محبت، جتنی عقیدت مجھے نبیلہ عزیز سے ہے اور کسی سے نہیں۔ نبیلہ عزیز کی تو کیا ہی بات ہے۔ میری سب سے بڑی خواہش ہی یہ ہے کہ میں آپ سے مل سکوں اور پھر آپ کے ان عظیم ہاتھوں کو محبت سے چوم لوں جن سے آپ اتنا اچھا لکھتی ہیں۔ اس دفعہ کا شمارہ زبردست تھا۔ آخر میں کرن اور اس کے اسٹاف کے لیے ڈھیروں دعائیں

سیدہ حرا ریاض ..... گوجرہ

کہتے ہیں کہ محبت اظہار کی محتاج ہوتی ہے اور محبت کے باغیچے میں اظہار کے پھول نہ ہوں تو باغیچہ ویران سا لگتا ہے۔ سو کرن سے محبت کے اظہار کے لیے قلم اٹھایا اور زندگی میں پہلی بار خط لکھ ڈالا (نصاب کے علاوہ) کرن سے وابستگی تو عرصے سے ہے۔ مگر پہلے سیکنڈ ہینڈ لے کر پڑھتی تھی اور ہر بار یہ خواہش سینے میں ہی دم توڑ جاتی کہ کاش میں بھی اس میں خط لکھ سکتی، بھائی کو جاب ملی تو سب نے اپنی اپنی فرمائشیں کیں ہم نے جھٹ سے اپنی فرمائش کی "ہر ماہ کا کرن لا دیا کرو" اور یوں اکتوبر کا کرن ہاتھ میں آیا تو مارے خوشی کے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ خیر چھوڑیں ٹائٹل بہت اچھا لگا میک اپ سے لے کر ماڈل کی ڈریسنگ اور ماحول بہت اچھا لگا، حمد اور نعت ہمیشہ کی طرح بہت اچھے لگے۔

"مجھ سے ملیے" میں نبیلہ عزیز سے مل کر بہت خوشی ہوئی وہ میری کزن کی فیورٹ رائٹر ہیں۔ فوزیہ یاسمین کا "دست کوزہ گر" بہت اچھا جا رہا ہے۔ لیکن ابھی پچھلی قسطیں پڑھ رہی ہوں سو تبصرہ نہیں کر سکتی۔ باقی بھی ابھی نہیں پڑھا بس فٹافٹ خط لکھنے بیٹھ گئی کہ جلد سے جلد کرن میں جگہ مل جائے۔ نازیہ جی کی امی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے۔ (آمین)

"یادوں کے دریچے" میں نبیلہ عزیز اور ریحانہ علی احمد کی غزلیں بہت اچھی لگیں بالوں کے لیے اتنے اچھے ٹپس دینے کا شکریہ۔ اب اجازت دیں۔ اگلے ماہ تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی یقیناً" آپ کرن میں جگہ دے کر مجھ ناچیز کو معتبر کر دیں گی اور میری خوشی دوبالا کر دیں گی آخر میں کرن کے تمام اسٹاف، رائٹرز اور قارئین کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کرن کے لیے میرے جذبات کو ٹوکری کی نذر نہیں ہونے دیں گی۔ (ہے نا)

آسیہ اکبر ہاشمی ..... (ضلع بھکر)

کرن رسالہ پچھلے مہینے پڑھا اور فیصلہ کر لیا کہ اپنے ٹیلنٹ کو اس میں آزمایا جائے۔ پھر کیا تھا اپنی بھابھی جو کرن کی دیوانی ہیں ان سے کئی سالوں کے پرانے کرن اکٹھے کروا کر اپنی الماری میں محفوظ کر لیے اور جب بھی موقع ملتا فوراً" سے پہلے کرن کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔

ٹائٹل پر موجود ماڈل کی آنکھوں کا میک اپ بہت پیارا لگ رہا ہے اور اقوال زریں اور شاعری بھی پڑھ لی ان شاء اللہ اگلے ماہ سے پوری کوشش رہے گی کہ مکمل تبصرہ کروں پلیز پلیز مجھے ضرور بتائیے گا کہ میرے بھیجے گئے ——— تحریری کارناموں میں کچھ قابل ذکر ہیں بھی یا نہیں کیا مجھ میں لکھنے کی صلاحیت ہے یا بس ایسے ہی اپنا وقت ضائع کر رہی ہوں کیا میری بھیجی گئی کہانیوں میں سے کوئی قابل اشاعت ہے ——— پلیز میرے دل کو مت توڑیے گا ورنہ ٹوٹے دل کی کرچیوں کو جوڑنے کے لیے آپ کو میرے چھوٹے سے شہر میں آنا پڑے گا اب یہ آپ پر ہے کہ آپ کون سا آپشن قبول کرتی ہیں میری کہانی چھاپیں گی یا میرے شہر کی سیر کریں گی۔

پلیز "روداد قفس" کی طرح ایک ایسا سلسلہ بھی ضرور شروع کیجیے جس میں صرف نئے لکھنے والوں کو موقع مل سکے تاکہ چھوٹے شہروں میں بسنے والا ٹیلنٹ بھی اپنا اظہار کر سکے اللہ تعالیٰ کرن کو مزید ترقیوں سے ہمکنار کرے۔ (آمین)

نواب زادی سونگی ..... تحصیل مورو سندھ

سات ماہ اپنے عزیز جان دوست سے ہجر کی مانند کٹ کر جینا پڑا، شاید اپنی یکطرفہ محبت کو آزمانے کا یہ طریقہ سوچا کہ ہم بارہ سالوں سے جل کے اب کندن بن چکے ہیں۔ کیا اس ہستی کو بھی ہماری وقتی جدائی کا خیال آتا ہے یا نہیں تو جناب ہم اپنے خاص محبوب کرن کو ان سات ماہ کے دوران بالکل بھی یاد نہیں آئے۔ ورنہ کبھی تو کوئی پوچھتا، مگر کہاں جی..... پر شکر ہے کہ "مجھ سے ملیے" میں نبیلہ عزیز نے آخر میں اپنے خاص قارئین کی لسٹ میں ہمارا بھی نام لے لیا، تو ہماری انا کے ریت سے بنے محل ایک پل میں ڈھیر ہوئے اور ہم ہو گئے حاضر اپنا درد بھول کر کرن کی رونق کو چار چاند لگانے۔

اکتوبر کا ٹائٹل بے حد پیارا تھا کہ دیکھ کر کچھ دیر کے لیے ہی اپنے درد بھولنے پڑے۔ سب سے پہلے نبیلہ عزیز سے ملے کیونکہ جناب کی وہ فیورٹ رائٹر ہوتی ہیں اور ان کے لاجواب سے جوابات پڑھ کر بے اختیار ہونٹوں پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔

"بیاد محمود بابر فیصل" نے آنکھیں نم کر دیں، ان کی سحر انگیز شخصیت کو بھلانا بہت دشوار امر ہے۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ (آمین)

سب سے پہلے بات ہو جائے نایاب کے جادو کی جو کہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔ ناول بہت اچھا ہے لیکن تیسری قسط سے لگتا ہے کہ نایاب جیلانی نے بالکل اچانک اسٹوری کا رخ بدل دیا ہے، کیونکہ پہلے لگ رہا تھا کہ یہ ناول تین اقساط تک مشتمل ہوگا، مگر لگتا ہے کہ اب یہ طویل ہوگا، کتنا ہم نہیں جانتے ویسے۔ "حریم اور زرجان" ہی ایک دوسرے کے اصلی پیا ہیں اب آگے رائٹر کی مرضی۔

مسلسل ناولوں میں نبیلہ عزیز اچھا تاثر قائم کر چکی ہیں، بہت اچھے طریقے سے کہانی آگے بڑھ رہی ہے۔ مدحیہ اور عدیل کے کردار بہت انوکھے انداز سے ایک دوسرے سے متعارف ہوئے ہیں۔

افسانوں میں رمشا خالد کے افسانے نے سوچ کے نئے در وا کر دیے "آگہی" کے لکھنے کا انداز پسند آیا۔ ناولٹ میں "آتش دروں" کی دوسری قسط کا انتظار ہے۔ مدیرہ جی آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ پلیز کرن کی بیسٹ رائٹرز یاسمین نشاط، شازیہ عطا جو کہ اب شازیہ ہمایوں ہیں، رخ چوہدری، زرنین آرزو، فرح گل، فارحہ ارشد، نبیلہ ابر راجہ، شائستہ جبیں، افسر سلطانہ، رضیہ مہدی، بشریٰ گوندل کے قلم سے لکھی شاہکار کہانیوں میں سے کوئی ایک ہر ماہ کرن میں شامل کیا کریں۔ پلیز یہ میری التجا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس عرض پر ——— ضرور سوچ کر عمل کریں گے۔

نادیہ امین کو بھی دل بہت یاد کرتا ہے، مگر شاید وہ بہت مصروف ہیں۔

اور "کرن" کی ایک بہت سی پیاری اور سادہ سے قاری ہے۔ "امبر گل، جھنڈو" کی وہ کہاں ہیں، پلیز میں کرن کی توسط سے ان کو یہ پیغام دے رہی ہوں کہ وہ جلدی کرن میں اپنے خوب صورت جامع تبصرے کے ساتھ آئیں کوئی ان کو بہت مس کرتا ہے۔

اس مرتبہ کرن میں شاعری لاجواب تھی، پڑھ کر آپ کو دعا دی۔ آخر میں کرن کے رائٹرز، قارئین اور پیارے اسٹاف کے لیے عقیدت بھرا سلام اور دعائیں۔

اللہ پاک ہمارے وطن کی حفاظت کرے۔ (آمین)

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران ..... گجرات

پچھلے دو ماہ سے مجھے کرن بہت لیٹ مل رہا ہے۔ اب ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں۔

اکتوبر کا شمارہ بھی مجھے اٹھارہ تاریخ کو ملا۔

ٹائٹل بہت پسند آیا۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے "نعت و حمد" کو پڑھا۔ "نامے میرے نام" میں صباحت یاسمین کا خط شامل تھا۔ اس کی تحریر پڑھ کر لگا کہ اس میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ اگر محنت کریں تو اس کی تحریر کو ہم پڑھ سکتے ہیں۔ بہرکیف انداز بیاں جامع تھا۔ انٹرویوز کچھ خاص متاثر نہ کر سکے، پتا نہیں کیوں، پھر "نبیلہ عزیز" سے ——— ملاقات اچھی رہی۔ کافی خوش طبیعت ہیں، کاش نبیلہ جی آپ باتوں باتوں میں یہ بھی بتا دیتیں آپ گجرات میں کسی ایریے میں رہائش پذیر ہیں۔

اور مجھے آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ "آواز کی دنیا" یہ سلسلہ مجھے سخت بورنگ لگتا ہے۔ معذرت کے ساتھ یا پھر ہم نے کبھی ریڈیو نہیں سنا، اس لیے اگر ہو سکے تو اس کی جگہ نئے سلسلہ کو جگہ دے دیں۔

فہرست میں نگاہیں دوڑائیں تو سعدیہ صاحبہ کا نام دیکھ

کردل خوش ہو گیا کہ کچھ اچھا پڑھنے کو ملے گا۔ ان کا ناول تو بغیر پڑھے بندہ کہہ سکتا ہے کہ زبردست ہوگا۔ ان کی تمام تحریروں میں محبت تو کبھی کرلاتی ہوئی ملتی ہے یا پھر لگتا ہے کائنات کا تمام حسن صرف اسی چار لفظی حرف میں پوشیدہ ہے۔ سعدیہ کا انداز بڑا منفرد ہوتا ہے۔ اس جذبے کو بیان کرنے کا۔ اس تحریر میں معاشرے کی تمام سفاکی دیکھی ہے۔

سعدیہ نے منصور ابراہیم کی زندگی پر رونے پر مجبور کردیا۔ جو لکھا تھا۔ ایسا ہی تو ہورہا ہے، ہمیں خود نہیں پتا چلتا ہے ہمارے رویے 'بدصورت الفاظ کسی کے دل کو کتنا زخمی کرجاتے ہیں۔ منصور قسمت کا دھنی نکلا' اگر اس پہ کسی نے اپنی محبت نچھاور کی تو ادھار تو اس نے بھی نہ رکھا۔ دیے سے دیے جلنے کا ہنر نہیں بھولا اور ایسے لوگ عظیم تر ہوتے ہیں۔ ناول کے یہ جملے مجھے پسند آئے۔
"محبت کے لیے روؤ مت' رونے سے محبت نمکین ہوجاتی ہے۔ اور جس چیز کو نمک لگ جائے وہ زمین ہو یا دل بنجر ہوجاتا ہے۔" ہمیشہ کی طرح ان کا ناول پڑھ کر لطف آیا۔
نایاب جیلانی کا "اور بے پیا" اچھا جارہا ہے۔ حریم بے چاری کو ماہیر کی محبت کا آسرا نہ ہوتا تو پتا نہیں وہ مضبوط اعصاب کی لڑکی کیا گزرتی۔ زرمیلہ جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو ہنستے بستے گھروں اور دلوں کو اجاڑ دیتی ہیں' جن کی بدفطرت نیچر نہ خود سکون لیتی ہے اور نہ کسی کا سکون سے رہنا اس سے کا ہضم ہوتا ہے۔
"متاع دل" 'بس سو' سو رہا' یہ ناول خوش گمانیاں لیے ہوئے تھا' جو بچھڑتے ہیں کہاں ملتے ہیں اور اگر مل بھی جائے تو کہاں پہلے والے ہوتے ہیں۔ بہرکیف اگر دل کو اس بات پہ آمادہ کرو کہ یکلے تو کہانی پڑھ رہا ہے' حقیقت نہیں بن رہا تو یہ تحریر اچھی لگی۔
روشنی بخاری کا "فعل شنیع" ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتی کہانی' یہ ہی کچھ تو ہورہا ہے۔ کہیں ماں' باپ اپنی اولادوں کو مار رہے ہیں اور کہیں پیسے کے لیے اولاد والدین کا گلے کاٹ رہی ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے حکمرانوں کے بداعمال کی وجہ سے ہورہا ہے۔ وہ فرعون بن گئے' ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی ہے۔ بس یاد ہے تو اتنا کہ پاکستان کو لوٹنا ہے' جس طرح بھی ہوسکے۔
نیناں عجیب ہوس پرست عورت تھی کہ خود تو برباد ہوئی ہی اپنی اولاد کو بھی اپنے ہاتھوں ختم کردیا۔ اب ایسی بھی کیا بے غیرتی۔ ایسی عورتوں کو تو سرعام پھانسی دینی چاہیے کہ وہ عبرت کا نمونہ ہوں۔ چھوٹی سی غلطی سے نیناں کے لیے ذلت کے دروازے ہمیشہ کے لیے کھل گئے اور آخرت بھی خراب کرلی اس نے اپنی۔ افسانے سب ہی اچھے تھے۔ مسک رباب کا "ڈراپ سین" اچھا لگا۔
افسانہ "غیرت مند" بہت اچھا لگا۔ جلال جیسے مرد ہوتے ہیں۔ جو فیشن کے نام پہ اپنی بیویوں سے سب کچھ کرواتے ہیں اور جب کوئی خود سے کمزور نظر آئے تو اپنی غیرت مندی کا مظاہرہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔
لبنیٰ طاہر کا "درد آشنا" بھی ٹھیک تھا۔ بہت کم مرد ہوتے ہیں' جو اپنے دامن دل کو کشادہ رکھتے ہیں چلو اچھا ہوا سلمان کو بروقت اپنے رویے کا احساس ہوگیا اور زیبی کی بچی کو باپ کا پیار بھی مل گیا۔ اگر یہ ہی کچھ زیبی کرتی تو لوگوں نے کہنا تھا سوتیلی ماں تھی نا۔
مستقل سلسلے زبردست تھے۔ میں اور عمرانہ (بھابھی) دونوں نے مسکراتی کرنیں یہ بے تحاشا ہنسنا ہوتا ہے۔ وجہ بس ہم دونوں ہنسنے کا کوئی نہ کوئی نقطہ نکال لیتے ہیں' اور اس ماہ اقصیٰ علی نے یہ کام کردیا۔
اور مجھے "شاعری اور یادوں کے دریچے" میں جگہ نہیں ملی۔ مجھے مزا نہیں آتا۔ جب تک میرا کوئی انتخاب کرن میں شامل نہ ہو کرن لکپتا بلکا لگتا ہے۔
ممتاز عرفان کے تاثرات محمود بابر فیصل کے بارے میں اچھے تھے۔ جو لوگ اچھے ہوتے ہیں وہ ہمارے درمیان نہ بھی موجود ہوں ان کی اچھائی ان کی پہچان بن جاتی ہے۔ ایسے لوگ دلوں کے نہاں پردوں میں سدا جگمگاتے رہتے ہیں۔ اچھی یاد کی صورت تمام اسٹاف کو دعائیں' بقر عید کی خوشیاں مبارک ہوں' اب اجازت دیں۔

سونیا ربانی۔۔۔ قاضیاں محلہ بالا

بارش کے بعد نئی نئی سردی یوں محسوس ہوتی ہے کہ جیسے برسوں سے بچھڑی کوئی دوست اچانک ملنے آجائے اور آپ پھر چائے لے کر گرم سے بستر پہ بیٹھ کر اس سے بہت ساری باتیں کریں۔ بارش کے بعد سردی کی آمد آمد ہے۔
ٹائٹل کچھ خاص نہ تھا۔ ہاں ماڈل کا سوٹ بہت اچھا لگا اور انٹرویو میں "بابر خان" سے ملاقات تو اچھی تھی۔ پر "دو کا پہاڑا" بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔

==